سیاسی تاریخ ہند

جلد دوم

نصابِ سلسلۂ تاریخ علمیہ جامعۂ عثمانیہ

سیاسی تاریخ ہند

جلد دوم

از سنہ ۱۷۸۴ء تا سنہ ۱۸۲۳ء

تصنیف

میجر جنرل سر جان میلکم

جی۔ سی۔ بی، کے۔ ایل۔ ایس۔ ایف۔ آر۔ ایس، وغیرہ وغیرہ وغیرہ

ترجمہ

مولوی ابن حسن صاحب۔ ایم۔ اے

مددگار پروفیسر کلیۂ جامعہ عثمانیہ

سنہ ۱۳۵۰ھ م سنہ ۱۳۴۱ف م سنہ ۱۹۳۲ء

دار الطبع جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن

یہ کتاب مسٹر جان مرے پبلشر (لندن) کی اجازت سے جس کو
حق اشاعت حاصل ہے اردو میں ترجمہ کرکے
طبع و شایع کی گئی ہے۔

فہرست مضامین

سیاسی تاریخ ہند جلد دوم

آٹھواں باب ۱ تا ۵۲ ۱۹۲

صفحات

نواں باب

ہندوستان کے نظم و نسق کے متعلق حکومت انگلستان کی کارروائی پر تنقید و تبصرہ

دسواں باب

گیارہواں باب

ہندوستان میں رہنے والے انگریز اور اینگلو انڈین صاحبان کی حالت پر تبصرہ۔ عیسائیت کی تبلیغ۔ اخبارات اور مطابع کی حالت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیاسی تاریخ ہند

جلد دوم

آٹھواں باب

ہندوستان میں کمپنی کا عروج

قبل اس کے کہ ہم ان اہم مسائل کی جانچ کریں جنکا تعلق ہندوستان کی حقیقی حالت اور حکومت سے ہے۔ ہمیں اپنی سیاسی قوت کو سرسری طور پر دیکھ لینا ضروری ہے اور اسکے مطالعہ میں اسکے بانیوں کے کیرکٹر اور لارڈ کارنواس کے زمانے سے لیکر مسٹر ہیسٹنگز تک کے دور حکومت کی حیرت انگیز ترقی کی جانب خصوصیت کے ساتھ توجہ کرنی چاہئے۔ یہ زمانہ اگرچہ

باب (۲)

صرف ۷۰ سال کا ہے لیکن اس دور میں ایسے واقعات اور انقلابات رونما ہوئے جو دیگر سلطنتوں کی تاریخ میں عموماً صدیاں گذر جانے پر واقع ہوا کرتے ہیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے اولاً اپنے کارخانے قائم کئے اور پھر ڈیڑھ سو سال تک وہ مشرق میں تجارت کرتی رہی اس کے بعد اُسے ہندوستان میں سیاسی قوت حاصل ہوئی۔ اس کی حالت میں اس عظیم الشان انقلاب کا باعث اور تمام وجوہ سے کہیں زیادہ فرانسیسیوں کی مخاصمت تھی سب سے اول پانڈیچری کے نہایت قابل اور بلند حوصلہ گورنر ڈوپلے نے اپنی قوم کے لئے ایک مشرقی سلطنت قایم کرنے کی اسکیم تیار کی تھی۔ اس اسکیم سے جو قریب درجۂ تکمیل کو پہنچ گئی تھی ایسٹ انڈیا کمپنی یقینی طور پر تباہ و برباد ہو جاتی اس لئے ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس کامیابی کے روکنے کے لئے فرانسیسیوں سے جو جنگ کی اس میں اس کی بقا کا سوال تھا۔

انگریزوں اور فرانسیسیوں کے مابین پہلی جنگ کارومنڈل کے ساحل پر ہوئی جس کا انجام فرانسیسیوں کی مکمل شکست ہوا اور پھر اسی جنگ کی بدولت کمپنی ان ہندوستانی ریاستوں کے ساتھ سیاسی تعلقات قائم کرنے کی پیچیدگیوں میں مبتلا ہوئی جنھیں اس نے مدد دی تھی اور اسی کے باعث کمپنی کو ان ریاستوں کی طرف سے آیندہ کے لئے خطرہ پیدا ہو گیا جن کی اس نے مخالفت کی تھی کر ساحل کارومنڈل پر کمپنی کے یکایک قوت پکڑ جانے کے بعد ہی بنگال میں کمپنی کو اس سے بھی زیادہ سرعت سے ترقی کرنے کا موقع مل گیا۔ کلکتے پر غنیم کا قبضہ ہونا۔ انگریزوں کے کارخانے کا لوٹا جانا اور ان کے بہت سے ملازمان کا مقید ہونا اور مارا جانا ایسے واقعات تھے جن کی بدولت انھیں بجز اس کے کوئی چارہ کار نہ تھا کہ ہندوستان کے اس حصے کے ساحل سے دست بردار ہو جائیں یا اپنے سارے فوجی وسائل سے کام لیکر اس غیر اشتعالی ظلم کی سزا دیں اور ایسی روش اختیار کریں جس سے کہ ایسے واقعات دوبارہ رونما ہونے نہ پائیں چنانچہ انگریزوں نے آخر الذکر کارروائی پسند کی اور اس کام کی انجام دہی لارڈ کلائیو کی فراست و جودت طبع کے تفویض کی گئی جس نے امیر البحر واٹسن (Watson) کی

(۳) ۱۷۵۷ء

باب ۵

شجاعت کی اعانت سے نہ صرف کمپنی کے کاروباری مقامات دوبارہ واپس لے لئے بلکہ اس بادشاہ کو شکست دی اور معزول کر دیا جس نے انگریزوں پر حملہ کیا تھا اور اس کی جگہ ایک ایسے نواب کو تخت نشین کر دیا جو اپنے حالات کے لحاظ سے ان کے احکام کے تابع ہو گیا کیونکہ انھوں نے ہی اسے اس مرتبہ پر پہنچایا تھا۔

جنرل کلائیو

۱۷۵۷ء میں سراج الدولہ معزول کر دیا گیا اور میر جعفر بنگال کا نواب بنا دیا گیا۔ میر جعفر نے حکمرانی کی تمنا میں ایسے وعدے کر لئے جن کا پورا کرنا اس کی قدرت و قوت سے باہر تھا۔ ایک طرف تو یہ حال تھا دوسری طرف ذی مرتبہ ہندوستانیوں پر وہ ہاتھ ڈالنا چاہتا تھا انھیں انگریز اپنی حفاظت میں لے لیتے تھے لہذا کرنل کلائیو کے بنگال سے روانہ ہونے سے پیشتر ہی میر جعفر ان تمام زیر باریوں اور قیود سے جنکے معاوضے میں اُسے تخت و تاج ملا تھا تنگ آ گیا۔ اُس نے ان قیود سے رستگاری حاصل کرنے کی حتی المقدور کوشش کی۔ اس کے خاص مقاصد یہ تھے کہ کلکتے کے خزانے میں واجب الادا روپیہ داخل نہ کرے اور ان افسروں کو برخاست کر دے جنھیں ملازمت پر برقرار رکھنے کا اس نے اور برطانوی حکومت نے وعدہ کر لیا تھا۔ ایک نہایت باخبر اور ذہین مصنف لکھتا ہے کہ میر جعفر نے اپنی طرف سے کلائیو کو خوب روپیہ بھرا اور اُن معاملات میں ان کی تائید حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن میر جعفر نے لارڈ موصوف کی خدمت میں جو تحائف پیش کئے وہ نہ تو لارڈ مذکور نے طلب کئے تھے اور نہ ان تحائف کے معاوضہ میں اُس نے کوئی قول و قرار کیا تھا۔ لہذا اس نے معاہدہ اور اُس کے متعلقہ وعدوں کی پابندی کا سختی سے مطالبہ کیا۔[۵]

(۴۲)
۱۷۵۹ء

جب میر جعفر نے اپنے وعدوں کو ٹالنے کی کوشش کی تو کلائیو نے اس کی مخالفت کی اور ساتھ ہی ساتھ شہزادہ سے یعنی ولی عہد سلطنت دہلی کی تجاویز نامنظور کر کے

---

۵ بحوالہ تاریخ ایسٹ انڈیا کمپنی مصنفہ گرانٹ صفحہ (۱۷۲)

باب

وعدہ پر قائم رہنے کی خود مثال پیش کی۔ ولی عہد کو رنے بنگال پر حملہ کرتے وقت لارڈ کلائیو کو یہ لالچ دیا کہ آپ جو شرائط بھی پسند کریں وہ اپنے اور کمپنی کے مفید مطلب مجھ سے طے کریں بشرطیکہ آپ میر جعفر کا ساتھ چھوڑ دیں۔ لارڈ کلائیو کی شہرت ہندوستان سے جانے سے کچھ مدت پیشتر بٹاویا (Batavia) کے ایک ڈچ بیڑے کو شکست دینے سے بہت بڑھ گئی تھی اسوقت شبہ کیا گیا تھا کہ نواب کی اس میں سازش ہے اور بعد میں اس امر کی تصدیق ہو گئی کہ یہ فوج صرف اس غرض سے بھیجی گئی تھی کہ انگریزوں کے خارج کرنے میں نواب کو مدد دے کرنل کلائیو نے جس بے لوثی مستعدی اور جرات سے اس موقع پر کام لیا اس کی بدولت اس واقعہ کو اس کی زندگی کا نہایت روشن کارنامہ کہا جا سکتا ہے۔ ایک یوروپین رقیب کے دلاورانہ حملہ کی شکست کے علاوہ اس کا نہایت سودمند اثر یہ ہوا کہ سردست انگریزوں کی بے ثبات طاقت کے خلاف نواب اور دیگر ہندوستانی والیانِ ریاست کی سازشوں کا خاتمہ ہو گیا لیکن ۱۷۶۱ء میں لارڈ کلائیو کے ہندوستان سے روانہ ہونے کے بعد ہی سے کمپنی کے ظاہری اور باطنی دشمنوں کے دل میں کامیابی کی توقعات پیدا ہونے لگیں اور اس کے خلاف سازشیں شروع ہو گئیں۔

۱۷۶۱ء (۵)

مسٹر وین سی ٹارٹ (Vansittart

مسٹر وین سی ٹارٹ کے پہنچنے تک مسٹر ہالویل نے حکومت کا کام انجام دیا۔ شہنشاہ دہلی اور مرہٹوں کے حملے اور مستقد دبغاوتوں کی وجہ سے سارے بنگال میں تباہی پھیل گئی اور سب پر خوف طاری ہو گیا۔ اگرچہ ان سب فوجی کارروائیوں میں انگریزی افواج نے اپنی خصوصیات برقرار رکھیں تاہم کمپنی کی حالت روز بروز نازک ہونے لگی اول مسٹر ہالویل (Holwell) کو اور بعد میں مسٹر وین سی ٹارٹ کو جعفر علی کی وفاداری پر بہت کچھ شبہ ہوا اور انھوں نے یہ قطعی رائے قائم کر لی کہ یہ شخص حکومت کرنے کے قابل نہیں ہے۔ اس دوران میں جو لڑائی جھگڑے نواب اور اس کے افسروں اور

[1] اسوقت لارڈ کلائیو کی دولت کا بڑا حصہ ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی کے پاس تھا جس کی معرفت اس نے اپنا روپیہ انگلستان کو روانہ کیا تھا۔ بحوالہ پارلیمنٹری رپورٹ۔

باب ۳

کمپنی کے ملازموں کے مابین ہوئے ان سے اس خیال کو مزید تقویت حاصل ہوگئی
بدقسمتی سے اس زمانے میں حکومت کے ہر شعبے میں تجارت کا جذبہ حاوی تھا اور
اسی سبب سے کمپنی کے ملازموں کو ان کی خدمات کا صلہ نقد ہی، تحائف اور مراعات
کی شکل میں ملتا تھا اور یہ سب باتیں حکومت کے سیاسی مفاد کے لئے مضر تھیں۔
(۲۶) نواب کی ریاست میں بلا محصول تجارت کرنے کی رعایت نہایت مضر تھی۔ یہ
رعایت نواب کی آمدنی کے لئے نقصان دہ اور اس کی رعایا کے حق میں ظالمانہ
تھی اور اس رعایت سے جو شکایتیں اور الزامات روزانہ پیدا ہوتے تھے
وہ دونوں سلطنتوں کے دوستانہ تعلقات کو زیر و زبر کرنے والے تھے۔

حالات بنگال

مسٹر ہالویل کی قطعی رائے ہوگئی تھی کہ آئندہ کے لئے جعفر علی
کو برسر اقتدار چھوڑنا کمپنی کے مفاد کیلئے نہ صرف ضرر رساں
بلکہ خطرناک ہے اور اس کے جانشین مسٹر وین سی ٹارٹ پر بھی ان خیالات کا
ایسا زبردست اثر تھا کہ اُس نے برسر حکومت ہونے کے ایک ماہ کے اندر نواب
کے داماد اور سپہ سالار قاسم علی سے ایک خفیہ معاہدہ کر لیا جس کی رو سے اُسے
دیوان یا وزیر کے لقب سے حکومت بنگال کے پورے اختیارات دیدیے گئے
اور قاسم علی ان فوجوں کی تنخواہ کے معاوضے کے لئے جنھوں نے اس کی امداد
کی تھی کمپنی کو بردوان۔ مدناپور اور چٹاگانگ کے علاقے دینے پر رضامند ہوگیا۔[1]
گورنر نے یہ معاہدہ بہ نفس نفیس بمقام مرشدآباد کیا تھا۔ اگرچہ جعفر علی
نے اپنی کمزوریوں کو تسلیم کیا اور اصلاحات جاری کرنے کے لئے قاسم علی کو بہتر
شخص بھی مان لیا تاہم اُس سے حکومت سے دستبردار کرانے کے لئے پرلے درجہ
کو فوجی قوت استعمال کرنیکی ضرورت پیش آئی اور جب اس سے تمام اختیارات
لئے گئے تو اس نے نہایت خفگی کے ساتھ نواب کا لقب بھی چھوڑ دیا اور اس
(۲۷) نے وعدہ کر لیا کہ میں مع اپنے اہل و عیال کے کلکتے آکر انگریزوں کی پناہ میں رہونگا
۶۳ قاسم علی جانتا تھا کہ انگریزی حکومت کے بہت سے ارکان میرے برسر اقتدار ہونے

---

[1] ۔ اگست ۱۷۶۰ء

کے سخت مخالف ہیں۔ اس لئے ان مخالفین کو اپنا طرفدار بنا لینے کی کوشش کی مگر وہ بے سود ثابت ہوئی۔ اس وقت بنگال کے ارکان مجلس اور فوجی عہدہ داروں میں فرقہ بندی ایسے زور پر تھی کہ وہ تمام دیگر خیالات پر حاوی تھی۔ ان اختلافات نے نواب کے دل میں جو اندیشے پیدا کر دئے تھے ان کے علاوہ وہ کمپنی کے ملازموں اور اپنی رعایا کے مابین مسلسل جھگڑوں کے باعث جیسا کہ اس کے خطوط اور شکایتوں سے معلوم ہوتا ہے بہت سخت تنگ آگیا تھا۔ ملازمان کمپنی نے محصول سے مستثنےٰ ہونے کا استحقاق اپنے گماشتوں کو بھی عطا کر دیا تھا یہی نہیں بلکہ انھوں نے خود ہی عدالتی اختیارات بھی حاصل کر لئے تھے اور نواب یا اُس کے مقامی عہدہ داروں کے احکام کا اگر کچھ بھی اثر ان رعایت یافتہ تاجروں کے مفاد پر پڑتا تھا تو وہ کمپنی کے حقوق پر بلا واسطہ حملہ بتایا جاتا تھا نواب نے ان خرابیوں کے رفع کرنے کے لئے جو تدابیر اختیار کیں بیشک وہ نہایت قبل از وقت اور سخت تھیں مسٹر وین سی ٹارٹ اسے محسوس کرکے مونگیر (Monghyr) پہنچا اور وارن ہیسٹنگز کی مدد سے اس نے ایک معاہدہ کیا جس کی رو سے یہ قرار پایا کہ ملازمانِ کمپنی کو جو اجازت نامہ دیا جائیگا وہ صرف غیر ملکی اشیاء کی درآمد و برآمد تک محدود رہیگا اور آئندہ سے اندرونی تجارت میں کسی کے ساتھ کوئی خاص رعایت نہوگی، اس معاہدہ سے انگریزی سامان پر مناسب محصول مقرر کر دیا گیا اور یہ بھی قرار پایا کہ انگریزوں کے دیسی گماشتوں کے عدالتی اختیارات لے لئے جائیں اور جو رعایتیں اُنھوں نے خود حاصل کر لی تھیں وہ بھی آئندہ سے انھیں نہ دی جائیں اور اگر اُنھیں کوئی نقصان پہنچے یا وہ کسی کو ستائیں تو اس کی دادرسی ملک کے ہندوستانی حکام کی عدالت میں ہوگی ؛

(۸) سنہ ۱۷۶۳ء

نواب قاسم علی سے کمپنی کا بگاڑ

نواب اور مجلس کلکتہ کی گرم مزاجی کے باعث ان خرابیوں کی اصلاح کی کوشش کا اُلٹا اثر پڑا حالانکہ نواب کو معلوم تھا کہ ابھی عہد نامہ کی توثیق ہونی باقی ہے لیکن اس پر دستخط ہوتے ہی نواب نے اس کا اعلان کر دیا اور اس عہد نامہ کو دشمنوں پر اپنی

باب

فتحمندی ہونے سے منسوب کیا اس کے ساتھ ہی عہدنامے کے شرائط پر عملدرآمد ہونے کے احکام بھی نافذ کردیئے اور اس کے عہدہ داروں نے اپنے بادشاہ کی بے عقلی اور تعجیل کے باعث حد سے تجاوز کیا اور انتقامی مظالم شروع کردیئے جس سے مجلس کی کثیر تعداد کے خیالات کی تائید ہوگئی اور انھوں نے اس معاہدہ کو نامنظور کردیا جو گورنر نے نواب سے کیا تھا۔ اس کارروائی سے نواب بہت برافروختہ ہوا اور اس نے فوراً ہی بڑی ناعاقبت اندیشی سے ایک مکروہ حرکت یہ کی کہ دو سال کے لئے ہر قسم کا محصول کرڈ ڈگیری سب کے لئے معاف کردیا۔ یہ کمپنی کے ساتھ بدعہدی قرار دی گئی کیونکہ نواب کی اس حرکت سے محصول کے حقوق جاتے رہے جو گذشتہ معاہدوں کی رو سے کمپنی کو حاصل تھے مجلس کی کثرت رائے سے مسٹر ہیاٹ اور مسٹر ہال کا وفد اس حکم کی منسوخی کے لئے نواب کی خدمت میں بھیجا گیا۔ اسوقت دونوں فریق اسقدر مستقل تھے کہ صلح وآشتی کے ساتھ وہ اس جھگڑے کو ختم نہ کرسکے ہر ایک واقعے نے مخاصمت میں اور اضافہ کیا ان سب کے علاوہ حاکم پٹنہ مسٹر ایلس (Ellis) کی درشت کلامی نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا کیونکہ وہ قاسم علی کی مسند نشینی کا سخت مخالف تھا اور اس کی ہر ایک حرکت قاسم علی کے خلاف ہوتی تھی اور وہ ہمیشہ اس کے مقامی عہدہ داروں سے جھگڑتا رہتا تھا۔

(۹)
۱۷۶۳ء

ان حالات کی موجودگی میں بدقسمتی سے ایک اور واقعہ پیش آگیا پٹنے کی فوجوں کیلئے ہتیاروں سے بھری ہوئی کشتیاں مونگھیر ہوکر گذریں۔ قاسم علی نے ہتیاروں کی آمد کو مسٹر ایلس کی کارروائی تصور کرکے دونوں کشتیوں کو روک لیا جو لوگ کہ نواب کے پاس بھیجے گئے انھوں نے اس کارروائی پر بہت کچھ شکایت کی لیکن نواب نے مزید مطالبہ یہ پیش کیا کہ پٹنے سے فوجیں ہٹائی جائیں ورنہ کم از کم مسٹر ایلس کی بجائے کسی اور اعتدال پسند شخص کا تقرر کردیا جائے کونسل کے تقرر کردہ نمائندوں اور خود مجلس کی کثرت آرا نے ان مطالبات کو اعلان جنگ کے مساوی تصور کیا۔ اور مسٹر ایلس حاکم پٹنہ کو یہ اختیار دیدیا گیا کہ حقیقی جنگ چھڑنے سے پیشتر اگر وہ ضرورت

باب ۳

سمجھے تو وہاں کے قلعے پر قبضہ کرلے۔

اگرچہ گورنر اور مسٹر وارن ہسٹنگز نے ایک ایسے شخص کو امتیازی رات امتیازی دینے کی سخت مخالفت کی جس نے اپنے رویہ سے ثابت کر دیا تھا کہ وہ لڑنے پر ادھار کھائے بیٹھا ہے لیکن اس مخالفت کی کچھ پرواہ نہیں کی گئی۔ ان دونوں کا خیال تھا کہ اس کارروائی سے بآسانی مصالحت ہو جانے کی ساری امیدیں منقطع ہو جائیں گی۔ ان کی پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔

(۱۰) ۱۷۶۳ء **میر جعفر کی دوبارہ مسند نشینی**

جنگ کا یقین ہونے پر نواب خوفزدہ ہو گیا اور اس نے ہتیاروں سے بھری ہوئی دونوں کشتیوں کو چھوڑ دیا اور اسی کے ساتھ از سر نو صلح کی گفت و شنید کرنے کی درخواست کی لیکن پٹنہ کی خبریں سنکر اس نے اپنی صلح پسند تجویز واپس لے لی اور اعلان جنگ سے پیشتر ہی پٹنہ کی فوجوں کے قلعے پر یکایک قبضہ کر لینے سے اس کے خیالات کی تائید بھی ہو گئی۔

پٹنہ کے انگریزوں کی بے پروائی سے نواب کی فوج نے قلعے پر قبضہ ہو جانے کے دوسرے ہی دن انگریزوں پر اچانک حملہ کر دیا اور اس موقع پر جو انگریز قتل سے بچ گئے وہ قید کر لئے گئے۔

نواب نے انگریزوں کے ایک نمایندہ مسٹر ہال کو بطور ضامن کے روک لیا دوسرے نمایندہ مسٹر ہیات کو کلکتے چلے جانے کی اجازت دیدی لیکن وہ مرشد آباد تک پہنچنے پایا تھا کہ نواب کے حکم سے حملہ کر کے مار ڈالا گیا۔
نواب نے قلعۂ پٹنہ پر قبضہ ہونے کے وقت سے اپنے آپ کو کمپنی کا سخت دشمن مشہور کر دیا تھا۔

گورنر اور فوجی مجلس نے پہلی کارروائی یہ کی کہ میر جعفر کو پھر نواب[1] بنا دیا قاسم علی کے خلاف ایک فوج روانہ کی گئی جو اپنی فوجوں کے شکست کھانے پر پٹنے بھاگ گیا لیکن بھاگنے سے قبل اپنی عملداری کے چند ہندوؤں کو جن پر کمپنی

[1] ۷۔ جولائی ۱۷۶۳ء۔

کے درست ہونے کا اسے اشتباہ تھا اس نے قتل کرا دیا ؟

نواب قاسم علیخاں کا اخراج (۱۱)

قاسم علی نے پٹنے سے انگریزی سپہ سالار کو لکھا کہ اگر تم اور آگے قدم بڑھاؤ گے تو میں مسٹر ایلس اور دیگر انگریز عہدہ داروں کے سر کاٹ کر تمھارے پاس بھیجدونگا۔ اس وقت پٹنے میں ۵۰ بڑے اور ۱۰۰ چھوٹے افسر مقید تھے۔ مسٹر آدم نے انکی حالت کا احساس کر کے اُن کے نام ایک خط بھیجا کہ جس طرح بھی بن پڑے تم رہائی حاصل کرو۔ ایلیس (Ellis) اور ہے (Hay) نے جن کے نام یہ خط تھا ایسا سخت جواب دیا جس سے کہ اُن غلطیوں کی تلافی ہو گئی جو ان سے سرزد ہوئیں تھیں۔ انھوں نے لکھا کہ ہماری رہائی ناممکن ہے ہم راضی برضا ہیں ہماری خواہش ہے کہ آپ ہماری وجہ سے جنگ ایک لمحہ کے لئے بھی ملتوی نہ کریں"۔ یہ خط مسٹر دین سی ٹارٹ کے پاس بھیجدیا گیا جس نے نواب کے نام ایک خط روانہ کر کے اُس کی اس دیدہ و دانستہ بے رحمی پر تاسف ظاہر کیا اور انتقام لینے سے ڈرایا دھمکایا بھی لیکن یہ سب بے سود ثابت ہوا نواب کے قبضے میں جس قدر بھی یوروپین تھے وہ بجز مسٹر فلرٹن (Fullarton) کے نہایت سنگدلی کے ساتھ تہ تیغ کر دیئے گئے یہ ڈاکٹر اس لئے چھوڑ دیا گیا کہ اس کے پیشے کی وجہ سے نواب اس کی بہت عزت کرتا تھا ؟

حملہ کر کے پٹنہ فتح کر لیا گیا اور قاسم علی وزیر اودھ کی عملداری میں بھاگ کر چلا گیا۔ وزیر اودھ سے مطالبہ کیا گیا کہ قاسم علی اور سمرو (Sumru) جرمن کو جو اس ظالمانہ قتل عام کا آلہ بنا تھا کمپنی کے حوالے کر دیا جائے ؟

لارڈ کلائیو کی حکومت ۱۷۶۵ء (۱۲)

شجاع الدولہ وزیر اودھ نے نہ صرف ان مطالبات کی تعمیل کرنے سے انکار کیا بلکہ وہ ایک زبردست فوج لیکر انگریزی فوج پر حملہ آور ہونے کے لئے روانہ ہو گیا۔ وہ پٹنے

لہ بحوالہ مراسلہ منجانب قاسم علی بنام مسٹر ایڈمس ۹ ستمبر ۱۷۶۳ء
۵۲ ۱۷۶۳ء

پاشیہ

سے پسپا ہوا اور بمقام بکسر اُسے شکست فاش نصیب ہوئی۔ اب انگریزی فوج میجر منرو کی سرکردگی میں اس کی سلطنت میں داخل ہوگئی۔ اس فوج نے ملہار راؤ مرہٹہ سردار کو بھی شکست دی جسے وزیر اودھ نے اپنی امداد کے لئے بلا لیا تھا۔ شجاع الدولہ نے اس موقع پر جو کام کیا وہ اس کے گذشتہ کیرکٹر کے شایان شان تھا۔ وہ ان لوگوں کو بھینٹ چڑھا کر اپنی عزت پر بٹہ لگانے کے لئے راضی نہ ہوسکا جنھوں نے اس کے ملک میں پناہ لی تھی۔ اُس نے قاسم علی اور سمرو سے کہہ دیا کہ تم میرے علاقہ سے نکل جاؤ اور خود انگریزوں کے پڑاؤ پر جا پہنچا اور کہا کہ میں بلا کسی شرط کے اپنے کو آپ کے رحم و کرم کے سپرد کرتا ہوں۔

بنگال کی گذشتہ تین سال کی حالت نے انگلستان میں بیحد پریشانی اور دہشت پھیلادی تھی اور اس کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ کرنل کلائیو اب لارڈ کلائیو کے لقب سے اس علاقے کے انتظام پر مامور ہوا۔ اس کے ساتھ ہی ایک منتخبہ مجلس بھی مقرر ہوئی۔ وہ ان واقعات کے بعد یہاں پہنچا اور شجاع الدولہ کو دیگر والیان ملک کی طرح اس پر جو اعتماد تھا اسی اعتماد پر اس کی یہ کارروائی مبنی تھی جو شجاع الدولہ نے اس موقع پر کی اور انگریزوں کی فیاضی پر بھروسہ کرلینے کا اُسے کچھ افسوس بھی نہ ہوا۔ لارڈ کلائیو نے بامداد جنرل کارناک شجاع الدولہ سے ایک معاہدہ کر لیا جس کی رو سے قرار پایا کہ نواب وزیر اودھ کو پچاس لاکھ (۱۳) روپیہ صرفہ جنگ ادا کرنے اور کڑہ و الہ آباد کے علاقے شہنشاہ دہلی کی امداد کے لئے دیدینے کے بعد تمام ملک بشمول بنارس واپس دیدیا جائے جو کمپنی کو شاہ دہلی سے ملا تھا۔

لارڈ کلائیو کی آمد سے پیشتر نواب جعفر علی کا انتقال ہوگیا اور اس کی جگہ اس کا نابالغ بیٹا اس شرط سے مسند نشین کردیا گیا کہ ملک کا انتظام اُن اعلیٰ عہدہ داروں کے ہاتھ میں رہیگا جنھیں برطانوی حکومت نامزد کرے گی۔ لارڈ کلائیو نے وزیر اودھ سے معاہدہ کرلینے کے بعد شہنشاہ دہلی سے ایک معاہدہ کیا جس کی رو سے بنگال اور بہار کا انتظام دوامی طور پر انگریزی

حکومت کے سپرد کر دیا گیا اور پھر نواب بنگال سے ایک اور معاہدہ کیا گیا جس کی رو سے نواب بنگال اور اس کے ورثاء کے لئے انگریزی حکومت نے ۵۰ لاکھ سالانہ مقرر کر دیا۔

وزیر اودھ کے مطیع ہونے سے پیشتر شاہ عالم ایک روز انگریزی کیمپ میں چلا آیا اس وقت اگرچہ اس کے ہمرکاب معدودے چند اشخاص تھے لیکن اس حالت میں بھی اس نے اپنا شاہی وقار قائم رکھا میجر منرو نے کمپنی سے معاہدہ کرنے کی بابت شاہ عالم کے شرائط گورنر کی خدمت میں روانہ کر دئے۔ گورنر باجلاس کونسل نے نہ صرف ان شرائط کو پسند کیا بلکہ چند شرائط پر اودھ کا کچھ علاقہ شاہ عالم کو دیدینے کا وعدہ کیا لیکن لارڈ کلائیو نے اس عہد نامے کو نامنظور کیا۔ اس وقت شاہ عالم کی کچھ بھی ذاتی ملکیت نہ تھی اور نہ اس کا کیرکٹر ایسا کامیاب رہا تھا جس سے اس بات کا خیال پیدا ہو سکے کہ وہ اصول سلطنت میں یا انکو کرنے میں کامیاب رہ سکے گا۔ البتہ اس کا نام واجب الاحترام تھا۔ اور جمہور قوت کا وسیلہ مانا جاتا تھا لہٰذا اگر انگریزوں کی خواہش ہوتی تو وہ اپنی عملداری کی توسیع کے لئے اس کا نام بطور حیلے کے استعمال کر سکتے تھے۔ لیکن لارڈ کلائیو نے اس کمینہ خواہش کی سخت مذمت کی اور شہرۂ آفاق شجاع الدولہ کے ساتھ حسن سلوک کر کے مشرق میں سلطنت برطانیہ کی آیندہ سربلندی کی بنا ڈالدی اور ایک ایسے ملک کی حکومت حاصل کر لی جو اپنی زرخیزی اور اپنے وسائل کی کثرت کی وجہ سے برطانیہ کی تجارتی اور سیاسی قوت کو ترقی دینے کے لئے نہایت کارآمد ثابت ہونے والا تھا۔

اب ہندوستان میں انگریزوں کی سیاسی قوت جس کا انحصار ملک کے بڑے حصوں کے قبضے پر تھا ایشیائی فتوح نہایت تیزی سے زور پکڑ گئیں[1]۔

---

[1] ۱۷۵۷ء میں نواب بنگال سے جو معاہدہ ہوا اس کی رو سے کمپنی کو یہ حق حاصل ہوا کہ وہ شاہ دہلی کے نام سے خود سکہ ڈھال کر چلائے اسی سال میں کلکتہ کے ۲۴ اضلاع کمپنی کی ملکیت

(۱۵) حاشیہ

اس غیر معمولی قوت کی حقیقی نوعیت معلوم کرنے اور ان وجوہ کو معلوم کرنے کے لئے جو اس کی اس درجہ ترقی کا موجب ہوئے اولًا لارڈ کلائیو کی رائے پر توجہ کرنی چاہیئے جس نے دیگر اشخاص کے علاوہ اس قوت کے حاصل کرنے میں خود بہت کچھ کیا ہے۔

حالات ہند کے متعلق لارڈ کلائیو کے خیالات

لارڈ کلائیو کے نزدیک مدراس میں انگریزوں کی حالت میں جو انقلاب ہوا اُن کا باعث فرانسیسیوں کی طمع ہوئی اور تقریبًا بنگال میں بھی یہی کیفیت ہوئی کیونکہ شمالی ساحل کارومنڈل

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ میں دیئے گئے اور اسکی تجارت میں آسانیاں بہم پہنچائی گئیں اور قاسم علی نے سنہ ۱۷۶۰ء میں ایک امدادی فوج کے معاوضہ میں مدناپور، بردوان اور چٹاگانگ کے زرخیز علاقے کمپنی کے سپرد کر دیئے۔

سنہ ۱۷۶۳ء میں نواب جعفر خاں کے تخت نشین ہونے پر مذکورہ علاقے دوامی طور پر کمپنی کو دیدیئے گئے۔ سنہ ۱۷۶۴ء میں شاہ عالم شہنشاہ دہلی نے کمپنی کو بنارس اور غازی پور دیدیا اور پھر اگلے سال ہی سنہ ۱۷۶۵ء میں اسی کے فرمان سے وہ بنگال، بہار اور اڑیسہ کے زرخیز صوبوں کی برائے نام حاکم اور فی الحقیقت مالک بن گئی۔

نواب محمد علی خاں نے سنہ ۱۷۶۳ء میں چند نہایت قیمتی اراضی کمپنی کو عطا کیں انکے علاوہ ساحل کارومنڈل پر اور بہت سا ملک کمپنی کو مل گیا۔ سنہ ۱۷۶۵ء میں کمپنی کو ایک جاگیر ملی جس میں کرناٹک کے نہایت زرخیز اضلاع داخل تھے۔

بسی (Bussy) نے صوبہ دار دکن سے شمالی سرکار کا علاقہ بطور عطیہ کے حاصل کیا تھا لیکن جب انگریزوں نے فرانسیسیوں کو نکال کر پھر ان پر قبضہ کر لیا تو شمالی سرکار بھی انکو دیدیا گیا اور سنہ ۱۷۶۵ء میں شہنشاہ دہلی نے ایک فرمان کے ذریعہ سے شمالی سرکار اور نواب کرناٹک کے دیئے ہوئے علاقوں کی منظوری صادر فرمادی کمپنی کا نہایت پیارا نامقبوضہ بمبئی سنہ ۱۷۶۵ء میں نہایت مختصر مقام تھا لیکن نفیس بندرگاہ اور بہت سی فیکٹریوں کے باعث جس میں سورت کی فیکٹری بھی شامل تھی بمبئی بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ شاہ پرتگال نے اسے اپنی بیٹی کیتھرائن کے جہیز میں شاہ چارلس دوم کو دیا تھا اور بادشاہ مذکور نے سنہ ۱۶۶۸ء میں یہ مشہور جزیرہ کمپنی کے حوالہ کر دیا۔

باب ۵

کے بنگال میں ہمارے یورپین رقیب ہمارے ایشیائی دشمنوں سے دلی دوستی رکھتے تھے"

(۱۶) اس اتحاد کا اور اُن خیالات کا حوالہ دیکر جو فرانسیسی مقبوضات پر حملہ کرنے سے جعفر علی کے دل میں پیدا ہوئے تھے اس نے نہایت شد و مد کے ساتھ اپنی حسب ذیل رائے اس مجلس کے سامنے پیش کی جسکے تفویض کلکتہ کے معاملات کئے گئے تھے۔ "اگر آپ چندرنگر پر قبضہ کرلیں گے تو آپ وہاں نہیں ٹھہر سکینگے بلکہ آپ کو آگے بڑھنا پڑیگا۔ اور چونکہ آپ نے فوجی قوت کے بل پر اپنا قبضہ جمایا ہے نہ کہ نواب کی رضامندی سے لہذا نواب بھی آپ کو بزور نکال باہر کرنے کی کوشش کریگا۔ ایک دوسرے خط میں وہ لکھتا ہے کہ "بالآخر ہمارے لئے اب وہ نازک وقت آپہنچا جو میرے پیش نظر تھا اس سے میری مراد یہ ہے کہ اب ہم کو مستقل طور پر یہ طے کرلینا چاہئے کہ آیا ہم سارے ملک پر اپنا تسلط قائم کرنا چاہتے ہیں اور کرسکتے ہیں یا نہیں"

میری دلی تمنا تھی کہ ہماری فوجی کارروائیاں ایک معتدل تجویز پر مبنی ہوتیں اور ہم اس سے زیادہ فوج رکھنے پر مجبور نہ ہوتے جو ہماری تجارت کی حفاظت کیلئے کافی ہوتی لیکن چونکہ اب ہماری نگاہ وسیع ہوگئی ہے اور کمپنی کا وسیلۂ معاش صرف تجارت ہی نہیں ہے اس لئے ہم کو آگے بڑھنا چاہئے کیونکہ اب پیچھے ہٹنا ناممکن ہے"

اس کے بعد لارڈ کلائیو اور ارکان مجلس نے اسی قسم کے خیالات اپنے (۱۷) ایک مراسلہ میں ظاہر کئے ہیں جو مجلس نظماء کی خدمت میں روانہ کیا گیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ "اب وقت آگیا ہے کہ قطعی طور پر اس کا فیصلہ کردیا جائے

لے لارڈ کلائیو نے سرزمین ہند پر قدم رکھنے کے بعد ہی مجلس نظماء کے ایک ممتاز رکن کے نام ایک خط روانہ کیا جس میں کمپنی کی فتوحات کی ترقی اور انگریزوں کی بابت جو حوصلہ تھا اس کے متعلق جس میں انگریزوں کو پوری کامیابی حاصل ہوئی اس نے نہایت وضاحت کے ساتھ اپنے اس قسم کے خیالات ظاہر کئے ہیں"

باب۳ کہ آیا ہمارا بطور سوداگر ہندوستان میں رہنا اور ہندوستانی حکومت کی ناجائز مداخلت ناانصافی اور ہر قسم کی اہانت برداشت کرنا کمپنی کے حق میں مفید ہے یا اپنی تجارت اور اپنے حقوق کی محافظت اپنی تلوار کے زور سے کرنا کمپنی کے حق میں سود مند ثابت ہوگا۔ اس کا خواہ کچھ ہی انجام کیوں نہ ہو لیکن اس میں شک نہیں کہ گامزن ہو کر اور اتنی دور پہنچنے کے بعد ہم کو رفتہ رفتہ آگے بڑھنا پڑا حتیٰ کہ ہر ایک انقلاب اور ہر ایک جنگ جو یہاں ظہور میں آئی اس کی وجہ سے آپ کے تمام مقبوضات معرض خطر میں آگئے"۔

لارڈ کلائیو کو اگرچہ یہ اطمینان تھا کہ ناگزیر واقعات نے ہم کو سلطنت قائم کرنے پر مجبور کیا ہے لیکن اس لئے نہایت دانشمندی سے ہمیشہ یہی کوشش کی کہ ہماری ترقی بتدریج اور آہستہ آہستہ ہو۔ اس لئے حتی الامکان والیان ملک اور باشندگان ہند سے صلح کرنے کی کوشش کی اور ان کے عادات و خصائل تعصبات اور جذبات کو ملحوظ رکھ کر بہت کچھ ایثار سے کام لیا لیکن اس قوت کو اپنے ہاتھ سے نہیں جانے دیا جو ہمارا وجود قائم رکھنے کے لئے اب ضروری بن گئی تھی۔ جو نظام حکومت اس لئے قایم کیا تھا، اس میں بہت سے ایسے سخت نقائص موجود تھے جس سے کہ وہ مستقل طور پر جاری نہیں رہ سکتا تھا لیکن اسکی ہر ایک کاروائی سے ایک کامیاب مدبر کی قابلیت ظاہر ہوتی ہے اُس نے موجودہ مواد کے مطابق (۱۸۱) اپنا کام بنایا اور واقعات حاضرہ کے مناسب جن پر اسے قدرت حاصل نہ تھی کاروائی کی اور خفیف سی کامیابی پر قناعت کر لینے کے طعن کو برداشت کیا لیکن زیادہ کی خواہش کر کے جو کچھ ملا تھا اسے خطرے میں ڈالنا پسند نہیں کیا۔

جن مشکلات سے اُسے سابقہ پڑا ان میں اضافہ ہوتا گیا کیونکہ ان کے دفعیہ کے وسائل اس کے پاس موجود نہ تھے۔ اگرچہ اسکے پاس نہایت قابل لوگ موجود تھے لیکن اُس زمانے میں سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ دیوانی اور فوجی محکموں کی حالت عام طور پر خراب تھی۔ اس نے ان محکموں کی اصلاح کی کوشش کی اور انگلستان میں کمپنی کی حکومت کو اس انقلاب کی طرف پوری توجہ دلائی جو ان کے معاملات میں پیدا ہو گیا تھا۔

وہ لکھتا ہے کہ چند سال پیشتر جو حالت تھی اب اُس میں بہت کچھ تبدیلی

[1] مراسلہ بنام نظماء اعلیٰ مورخہ ۳۰۔ ستمبر ۱۷۶۵ء

باشید

ہوگئی ہے کیونکہ اس وقت آپ کی ساری توجہ صرف تجارت تک محدود تھی اور اس وقت آپ صرف اسی بات سے خوش ہو گئے تھے کہ ہندوستانی حکومتوں کے استحصال بالجبر اور اہانت سے محفوظ رہ کر اپنے لگائے ہوئے سرمایہ سے خود نفع اٹھالیں لیکن اب آپ زبردست اور مالدار سلطنت کے مالک بن گئے ہیں۔ دیگر یوروپین سلطنتیں آپ کی کامیابی کو رشک وحسد کی نظر سے دیکھتی ہیں جن کے مقبوضات ہندوستان میں ہیں اور آپ کے تعلقات نہایت وسیع پیچیدہ اور گردوپیش کی سلطنتوں سے ایسے وابستہ ہیں جن کے باعث سیاست نہایت اعلیٰ مگر مشکل ہوگئی ہے" ؎

(۱۹)

ہندوستان میں کمپنی کے معاملات پر وسیع نظر ڈال کر اور اُن جذبات و خیالات کا حوالہ دیکر جو واقعات حاضرہ سے ہندوستانی والیان ریاست کے دل میں پیدا ہو گئے تھے لارڈ کلائیو اپنے اسی خط میں تحریر کرتا ہے کہ "ہندوستان کے والیان ملک فوراً ہی ہمیں معتدل برتاؤ کرنے کے قابل نہیں تصور کریں گے اور نہ ہم یہ توقع کر سکتے ہیں کہ بجز رعب وداب کے وہ اور کسی کے خیال سے ہمارا ساتھ دیں گے۔ میر جعفر و قاسم علی اور نواب ارکاٹ نے (جو میرے علم میں بہترین مسلمان ہیں) اپنی حرکات سے اس امر کا کافی ثبوت دیدیا ہے کہ انگریزوں کے تفوق سے نجات حاصل کرنے کے لئے یہ لوگ ہمیشہ کوشاں رہینگے اور کسی ایسے موقع کو ہرگز ہاتھ سے نہ جانے دینگے جو ہماری تباہی کا موجب ہو لیکن اگر ہم اپنی فوجیں مکمل حالت میں رکھیں گے تو اس کا انجام خود ان کے حق میں مہلک ہوگا" ؎

اسی قسم کے خیالات ہیں اس کے ایک اور خط میں ملتے ہیں جس کا اقتباس

لہ لارڈ کلائیو اپنے خط مورخہ ۹ ماہ دسمبر ۱۷۵۸ء بنام مسٹر لیس لا (S. law) میں لکھتا ہے کہ "اگرچہ صلح بہت بڑی رحمت ہے لیکن اگر اپنے مقبوضات کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں تو اپنے ہاتھ میں تلوار لیکر اس ملک میں ہم کو صلح کرنی چاہیئے۔ ہمارے شکوک اور چارہ کار یہیں کہ یا تو ہم ہندوستانیوں کے ہر معاملہ کو اس کی ابتدائی نیچی تک پہنچا دیں یا ہم اپنی زبردست فوجی قوت برقرار رکھیں جس سے کہ مسلمان اپنے معاہدوں کی سختی سے پابندی کرنے پر مجبور ہو جائیں"

باب ۲ تذکرہ ہو چکا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ "جن نوابوں کو ہم مدد دیتے ہیں وہ یا تو ہمارے مقبوضات پر رشک کرینگے یا ہماری طاقت سے حسد کرینگے ۔ رشک خوف اور طمع کے باعث وہ ہم کو تباہ کرنے کے لئے روزانہ موقع کے منتظر رہینگے عقلمندی ہمارے لئے عارضی فائدہ کا موجب ہوگی۔ کیونکہ ایک نواب کو معزول کر کے ہم (۲۰) دوسرے کو اس کا جانشین کریں گے اور جب کبھی اس کی مالی حالت اس کو زبردست فوج رکھنے کی اجازت دیگی وہ انھیں اصول پر کاربند ہوگا جس پر کہ اس کا پیشرو تھا۔ اس لئے بلا تصنع ہمیں خود نواب بن جانا چاہئے خواہ ہمارا نام نواب ہو لیکن فی الحقیقت ہم پورے نواب ہوں"۔

یہاں پر جو کچھ تحریر کیا گیا ہے تاوقتیکہ اس کے ہر ایک لفظ کی صداقت تسلیم نہ کرلی جائے ہم ہندوستان کی گذشتہ پنجاہ سالہ تاریخ کو نہیں سمجھ سکتے ہیں واقعات نے لارڈ کلائیو کی پیشین گوئیوں کی صداقت کردی۔ یہ پیشین گوئیاں فطرت انسانی کا صحیح مطالعہ کرنے۔ ہندوستان کے والیان ملک کے احساسات و خیالات و جذبات اور ایشیائی سوسائٹی و حکومت کی ساخت کے متعلق صحیح معلومات حاصل ہونے پر مبنی تھیں لیکن اس کی رائے پر ان حضرات نے بہت کم توجہ کی جو ہندوستان کی قدر صرف اس وجہ سے کرتے تھے کہ اس سے انکا یا انکے دوستوں کا فائدہ یا اُن کی جماعت کے اثر میں کمی یا بیشی ہوتی تھی۔

لارڈ کلائیو نے جس وقت ہندوستان چھوڑا ہے اس وقت انگریزی سلطنت کی جس قدر وسعت تھی اس کی جانب توجہ دلاکر اور جس روشنی میں کہ حکام بالا اسے دیکھتے تھے اس کا تذکرہ کرکے اس نے ۱۷۷۲ء میں دارالعوام میں ایک معرکۃ الآراء تقریر کی جس میں اس نے بیان کیا کہ کمپنی نے ہندوستان میں ایسی عظیم الشان سلطنت حاصل کرلی ہے جو روس اور فرانس کو مستثنےٰ کرکے یورپ کی ہر ایک سلطنت سے زیادہ وسیع ہے آپ کو وہاں سے چالیس لاکھ پونڈ سالانہ مالگذاری ملتی ہے اور اسی قدر نفع وہاں کی تجارت سے حاصل ہوتا ہے۔

(۲۱) فطرۃً یہ گمان ہوتا تھا کہ حکام بالا اس کامیابی کی طرف خاص طور پر

توجہ کرینگے اور مجلس نظماء سے اتفاق رائے کر کے کمپنی کے منشور کی نوعیت پر غور کرینگے اور ایسے تدابیر اختیار کریں گے جو ایسے زبردست مقبوضے کے شایانِ شان ہوں کیا اس پر انھوں نے کبھی غور کیا ہے ؟۔ نہیں ہرگز نہیں۔ انھوں نے ایسی مستحکم اور پائیدار شئے کی بجائے بحر جنوبی کا حباب تصور کیا انھوں نے مستقبل کی طرف سے بے پروا ہو کر صرف صورت حاضرہ کا خیال رکھا۔ وہ کہتے تھے کہ جو کچھ مل سکے آج ہی لے لو کچھ نہ کچھ کل بھی مل جائیگا۔ ان کو تو صرف دال روٹی فوراً آپس میں تقسیم کرنے کا خیال دامن گیر تھا۔ فوری فائدہ اٹھانے کی ان کو اس درجہ فکر لاحق تھی کہ انھوں نے عارضی مالکانِ کمپنی کا ایک جتھا کھڑا کر کے نظما سے اپنے شرائط منوانے کی کوشش کی۔ اُن کا تو یہ فرض تھا کہ وہ کمپنی کے نظماء سے ان کے تجاویز طلب کرتے اور اگر کوئی تجویز ان کے روبرو پیش نہ کیجاتی تو پھر پارلیمنٹ کی اعانت سے وہ خود ایک مکمل تجویز تیار کرتے اگر ارا کینِ سلطنت اپنے فرائض منصبی کو ادا کرتے تو پھر ہم شہنشاہ معظم کی یہ تقریر نہ سنتے جس میں آنیوالی مصیبت سے ہندوستان کو بچانے کے لئے پارلیمنٹ کو مداخلت کرنے کی ضرورت بتائی گئی ہے ؛

اب یہ کوئی حیرت انگیز امر نہیں ہے کہ کمپنی کے معاملات کے انتظام کی خرابی کی بابت لارڈ کلائیو کے جو خیالات تھے ان سے متاثر ہو کر وہ اس بات کا زبردست حامی بن گیا کہ حکومت ہند کے معاملات میں پارلیمنٹ مداخلت کرے ؛

(۲۲) جب نظماء نے ایک مسودۂ قانون کے خلاف درخواست پیش کی جو اُن کے اختیارات مقرر کرنے کی بابت تھا تو اس درخواست کی مخالفت میں لارڈ کلائیو نے یہ زبردست الفاظ فرمائے تھے کہ " اگر کمپنی کو نجات نصیب ہوگی تو اُسی ایوان پارلیمنٹ کی وساطت سے " ؛

لارڈ کلائیو کی زندگی میں اس کی رائے اور اس کے اختیارات کی تذلیل کے لئے انتہائی کوششیں کی گئیں اور جب نئے مصنفین برطانوی ہند کی ابتدائی تاریخ بیان کرنے کے لئے ان مختلف روشن دستاویزات کا حوالہ دیتے ہیں جو

باب جو وہ چھوڑ گیا ہے تو یا تو وہ اس کے دشمنوں کی شہادت پر نامناسب زور دیتے ہیں یا وہ اپنے تئیں زبردست مصنفوں کی نیتوں اور رایوں کی قدر کرنے کے قابل نہیں ثابت کرتے لیکن لارڈ کلائیو کے خصائل جن سے کہ اس کی رایوں کی قدر کم یا زیادہ ہو سکتی ہے ہرگز خموشی سے چشم پوشی کرنے کے لائق نہیں کیونکہ ان کا ہماری سیاسی قوت کے مطالعے سے گہرا تعلق ہے ؛

لارڈ کلائیو کا طرز عمل

تمام جماعتیں لارڈ کلائیو کے طرز عمل کے ابتدائی حصے کی بجد ثنا خواں ہیں لیکن یہ خیال سخت غلطی پر مبنی ہے کہ لارڈ کلائیو نے اس زمانے میں بھی بجز سپاہیانہ اوصاف کے اپنا کوئی اور وصف ظاہر نہیں کیا۔ اس لئے سرکاری ملازمت کے ابتدائی زمانے ہی میں ثابت کر دکھایا کہ اُسے باشندگان ہند کے متعلق مکمل معلومات حاصل ہیں۔ اس لئے نہایت فراخ دلی اور دل سوزی کے ساتھ ان کی کمزوریوں اور تعصبات کا مطالعہ کیا۔ اس لئے اہل ہند کے اعلیٰ اوصاف کا اعتراف کرکے ان پر اعتماد کیا جس کی وجہ سے وہ نہ صرف اس کی دلاورانہ فتوح بلکہ اُس کی سیاسی اور سول خدمات کے بھی مدح سرا ہو گئے ؛

(۲۱) لارڈ کلائیو نے بنگال میں جو انقلابات پیدا کئے انھوں نے اس کے دل میں نئی اُمنگ پیدا کر دی اور بہت جلد وہ بڑا صاحب ثروت ہو گیا اُسے بحیثیت سپہ سالار افواج ہند کمپنی کی اس زمانے کی ملازمت کے رواج کے بموجب نہایت بیش بہا تحائف ملے۔ اس لئے اپنی جانفشانیوں اور کامیابی کا یہ انعام کھلم کھلا قبول کیا تھا اگرچہ کچھ مدت بعد اسی کے باعث وہ مورد الزام قرار پایا لیکن ہمیں معلوم ہوا ہے کہ اُس وقت تحفے کی مقدار اور اس کے قبول

؎ لارڈ کلائیو اپنے مراسلہ مورخہ ۱۴ اگست ۱۷۵۷ء بنام مسٹر پٹ میں اپنے پیدا کئے ہوئے انقلاب کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ میں نہایت مسرت کے ساتھ آپ کو بتاتا ہوں کہ اس فتح سے جو فوائد مجھے اور کمپنی کو حاصل ہوئے ہیں ان کے ہم پلہ گولکنڈہ کی عظیم الشان فتح بھی نہیں ہو سکتی ہے۔ اس ملازمت کی منفعت ہی نے مجھے ایسے سفر صحت مقام پر

کرنے پر کوئی شخص معترض نہو تا تھا۔

حقیقت حال یہ ہے کہ حکومت ہند کے اس زمانے کے ملازمان کمپنی کی تنخواہیں بہت قلیل ہوتی تھیں۔ سول۔ فوجی اور سیاسی خدمات پر جب وہ مامور ہوتے تھے تو ہندوستانی عہدہ داروں کی طرح ان تمام خدمات سے وہ بھی تنخواہ کے علاوہ حق المحنت اور دیگر فوائد وصول کر لیتے تھے جن کے کہ وہ انقلاب یا فتوح کی وجہ سے وارث بن گئے تھے یہ حق المحنت معمولی موقعوں پر خاص خاص شخصوں کی سرکاری آمدنی کا کچھ فی صد حصہ یا تجارتی حقوق یا ادنیٰ طبقے والوں کے تحائف کی شکل میں وصول کیا جاتا تھا لیکن ہر حالت میں اس کی مقدار بہت بڑی ہوتی تھی۔ لیکن جب صلح کی

(۲۴)

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ قیام کرنے کی ترغیب دی ہے۔ اپنے مشیر قانون اعزا احباب کے خطوط میں اس نے اس تحفے کو بہت بڑا بیان کیا ہے اور ایک خط میں اُس نے صاف صاف لکھا ہے کہ نواب کی فیاضی کو پوشیدہ رکھنے کی میری خواہش ہرگز نہیں جو ہم دونوں کے لئے نہایت معزز ہے۔

لہ بڑے معاملات میں اشخاص متعلقہ کو روپیہ دینے کی اس قسم کی ایک مثال ٹیپو سلطان کے معاہدہ میں ملتی ہے جو اس نے ۱۷۹۲ء میں لارڈ کارنوالس سے کیا تھا۔ دربار خرچ کے نام سے ۳۰ لاکھ روپیہ کا مطالبہ کیا اور ٹیپو سلطان نے یہ رقم دیدی جس کے صاف یہ معنی تھے کہ معاہدہ مرتب کرنے میں جن عہدہ داروں کا تعلق ہے ان میں یہ روپیہ تقسیم کیا جائیگا لارڈ کارنوالس نے اس میں سے اپنا حصہ نہیں لیا لیکن اس کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ لارڈ کلائیو کی بحیثیت سپہ سالار ۳ ہزار پونڈ سالانہ تنخواہ تھی اور اسے انگلستان میں کوئی انعام ملنے کی بھی توقع نہ ہو سکتی تھی اس کے برخلاف لارڈ کارنوالس کی سالانہ تنخواہ ۲۰ ہزار پونڈ تھی اور اس کے علاوہ اُسے حکومت نے ایک لاکھ پونڈ بطور انعام کے مرحمت کئے تھے۔

اب خدمات کا صلہ دینے کے لئے برعکس جو اصول اختیار کیا گیا ہے اسے ہم بعد میں بیان کرینگے لیکن ہم نے اس کا تذکرہ رائے قائم کرنے میں احتیاط سے کام لینے کے لئے کر دیا ہے کیونکہ ہم گزشتہ واقعات کے متعلق بھی اپنے ہی زمانہ کے اعلیٰ اوصاف

باشاہ | گفت و شنید یا کسی نواب کی مسند نشینی کے لئے عظیم الشان واقعات پیش آتے تو زر نقد تحائف اور املاک بھی حاصل کی جاتی تھیں لیکن ان کی مقدار کا انحصار ایک فریق کے اعتدال اور دوسرے کی قابلیت پر ہوتا تھا ۔

جب انگلستان میں سلطنت ہند کے متعلق خطرہ محسوس ہوا تو لارڈ کلائیو کا بنگال میں دوبارہ تقرر آٹھ سال وطن میں اپنی حاصل کی ہوئی ثروت سے عیش کرنے کے بعد کر دیا گیا۔ اس نے اپنے اس "مختصر دور حکومت" میں جو انتظام اور جو کارروائی کی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس طرح اسکا کیرکٹر ذاتی اغراض اور ذاتی منفعت کے ناپاک اثر سے بالاتر تھا اسی طرح کسی کے خوف و رعب کی اثر پذیری سے بھی مبرا تھا ۔ (۲۵)

ان روز افزوں خرابیوں کے خطرات کا بھی اسے صحیح علم حاصل تھا جنھوں نے ہندوستان میں انگریزوں کی متزلزل قوت کی جڑیں اور بھی ڈھیلی کر دی تھیں اپنے ان معلومات کی بنا پر اس نے ایک تجویز پیش کی (جس پر عملدرآمد کیا گیا) جس کی رو سے اس نے نہ صرف اپنے کو بلکہ اپنے جانشینوں اور کمپنی کے سول اور فوجی

سلسلہ حاشیہ صفحہ گذشتہ (۱۹) دیکھکر رائے قائم کرتے ہیں حالانکہ اب حالات کی نوعیت بہت بدل گئی ہے جب لارڈ کلائیو نے حکومت بنگال کا دوبارہ جائزہ لیا تو اس نے اپنے ایک خط مورخہ ۳، رسی ۱۷۶۵ء بنام کمپنی میں تحریر کیا کہ ”میں اب پھر اس بات کو دہراتا ہوں جو آپ کئی بار میری زبان سے سن چکے ہیں کہ میں خود کسی قسم کی منفعت حاصل کرنا نہیں چاہتا ہوں جو موقعے مجھے بحیثیت گورنر ملیں گے ان سے میں ایک پیسے کا بھی نفع نہ اٹھاؤنگا بلکہ آپ یقین فرمائیے کہ اگر کوئی کمپنی کے اعزاز اور مفاد کے موافق ہوگا تو میں یہاں کے اختیارات اور انگلستان میں اپنے اثر سے کام لیکر دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کرونگا اس وعدہ کو اس نے نہایت دیانت داری کے ساتھ پورا کیا اور وہ انگلستان جاتے وقت ۵ ہزار پونڈ کے خسارہ میں تھا۔ اس کی اولوالعزمی کی بہت سی مثالیں پیش کیجا سکتی ہیں از انجملہ یہ ایک زبردست مثال ہے کہ جب میر جعفر کو مسند نشین کرنے کے وقت اُسے روپیہ ملا تو اس نے مسٹر واٹسن کے حصہ کو پورا کرنے کیلئے اپنے وصول شدہ حصے میں سے ایک معقول رقم دیدی کیونکہ وہ مسٹر واٹسن کو اس قدر حصے پانے کا مستحق تصور کرتا تھا لیکن ارکان کمپنی نے اسکی منظوری نہیں دی تھی ۔

باب

محکموں کے جملہ عہدہ داروں کو ان سے حلف اور عہد و پیمان لیکر اس امر کا پابند کر دیا کہ وہ اپنے مقررہ معاوضے کے علاوہ کسی اور وسیلے سے ایک حبہ بھی حاصل نہ کریں۔

لارڈ کلائیو کے کلکتہ پہنچنے پر سرکاری ملازمت کی جو حالت تھی اس کی کیفیت لارڈ موصوف نے اپنے نظام والے مراسلے میں تحریر کی ہے جسے ہم کئی بار نقل کر چکے ہیں۔ (۲۶)

اس خط میں اس نے کمپنی کے سیول اور فوجی ملازموں کی عام اخلاقی کمزوریوں کا صحیح خاکہ کھینچا ہے اور اس فوری تباہی کو بتایا ہے جو اس خرابی، عدول حکمی، عیش پرستی اور غارت گری سے پیدا ہوگی جو سلطنت کے ہر شعبے میں پائی جاتی ہے اور جس کا اثر کمپنی کے ہر ایک ملازم کے چال چلن پر پڑتا ہے۔

ہندوستان پہنچنے پر ان معاملات کی جو کیفیت تھی اُسے لارڈ کلائیو نے دارالعوام کے روبرو اپنی ایک تقریر میں بالفاظ ذیل بیان کیا تھا "اب میرے سامنے تین راستے تھے۔ اول نہایت کشادہ اور منفعت بخش تھا یعنی جس حالت میں کہ میں نے کمپنی کی حکومت کو پایا اس سے فائدہ اٹھا کر میں خود ان کا سردار بن جاتا۔ وہاں کے افسروں نے جدید قواعد کی مخالفت کرنے کا جو تحائف قبول کرنے کے خلاف نافذ ہوئے تھے فیصلہ کیا تھا اسکی میں تائید کرتا اور اس طرح ان کی ہمت بڑھاتا۔ اگرچہ ان قواعد کی میں نے دوسروں سے خود تعمیل کرائی تاہم کسی نہ کسی بہانے سے میں دولت حاصل کر سکتا تھا اور عزت کے ساتھ جو کچھ پہلے کمایا تھا اس میں کسی مذموم طریقے سے اضافہ کر کے انگلستان واپس ہو سکتا تھا۔ دولت کی اس افزائش سے وطن میں میرا اثر ضرور بڑھ جاتا لیکن اس سے میری طمانیت قلب میں کچھ اضافہ نہوتا کیونکہ تمام معزز اور بلند خیال اصحاب بجا طور پر مجھے حقارت کی نگاہ سے دیکھتے۔

دوسرے یہ کہ اپنے اختیارات میں اس قسم کی مداخلت دیکھ کر اور اس سے مایوس ہوکر میں قومی سلطنت سے دست بردار ہو جاتا اور اس کے بچانے کی کوئی کوشش نہ کرتا اور بنگال سے واپس چلا آتا لیکن یہ کارروائی میری (۲۷)

باب ۳

بزدلی اور حماقت کا نتیجہ سمجھی جاتی۔ تیسرا راستہ نہایت پیچیدہ تھا جس میں سخت خطرات اور مشکلات تھے لیکن میں نے اسی راستے کو اختیار کرنے کا عزم بالجزم کر لیا۔ الغرض میں نے اپنا فرض منصبی ادا کرنے کی ٹھان لی خواہ میری کارروائی کی کیسی ہی مخالفت کیوں نہ کی جائے کمپنی کی فلاح کے لئے بڑی سخت جانفشانی سے کام کرنے کی ضرورت تھی لیکن میں نے اس کوڑے سے کرکٹ کو صاف کرنے کا بیڑا اٹھا لیا۔ میرے اس طرز عمل ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ میرے انگلستان واپس آنے کے بعد سے تمام اخبار مجھے گالیاں دیتے ہیں اور بدنام کرتے ہیں۔ میرے اس رویئے ہی کی وجہ سے آج مجھ پر الزامات لگائے جاتے ہیں اور اسی طرز عمل کی بنا پر میں آج اپنے دل پر ہاتھ رکھکر اس ایوان کے اور دیگر حاضرین اور ساری دنیا کے روبرو نہایت دیانت داری کے ساتھ اعلان کرتا ہوں کہ میں نے کبھی کسی ایسی کارروائی پر عمل کرنے میں دریغ نہیں کیا جس میں مجھے کمپنی اور اپنے ملک کا حقیقی مفاد و وقار مضمر دکھائی دیا ہو اور نہ میں نے کبھی کسی قسم کی سختی اور ظلم کا ارتکاب کیا البتہ اگر ظالموں کو از روئے انصاف سزا دینا جرم سمجھا جائے تو یہ دوسری بات ہے استحصال بالجبر تو کبھی بھولے سے بھی میرے ذہن میں نہیں آیا میں نے اپنے زیر دستوں کو سختی ظلم اور استحصال بالجبر سے کام لینے کی کبھی اجازت نہیں دی کسی شخص سے اپنے نفع کے لئے میرے اثر سے کبھی کام نہیں لیا گیا جو عزت اور انصاف کے سخت ترین اصول کے خلاف ہو۔ خود کسی قسم کا فائدہ اٹھانا تو درکنار میں اس مرتبہ اپنی جیب سے کئی ہزار پونڈ ضائع کر کے انگلستان واپس آیا ہوں"

(۲۸) لارڈ کلائیو کے کیرکٹر پر اس نیت سے جو ضرر رساں حملہ کیا گیا تھا کہ اسے ثروت اور شہرت سے محروم کر دیا جائے۔ لارڈ کلائیو اسے بجا طور پر اپنے دشمنوں کی حرکت بتاتا ہے جو اس قابل یادگار موقع پر اس کے طرز عمل سے اس کے دشمن بن گئے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہیں اس نے برخاست کر دیا تھا یا جن پر وہ غالب آیا تھا۔ ان کی فہرست میں سول اور فوجی محکموں کے بڑے بڑے لوگوں کے نام داخل تھے اور وہ تمام لوگ جن کی لوٹ کھسوٹ کو اس نے روک دیا تھا اور جن کے حریصانہ افعال میں وہ مزاحم ہوا تھا اس وقت اس کے مخالف بن گئے اور اپنے روپیے اپنی قابلیت اپنے وکلاء۔ احباب اور اعزا کے زور سے

اس کی تباہی کے در پے ہو گئے۔ ان لوگوں نے لارڈ کلائیو کے متعلق بیان کیا کہ ناجائز ذرائع سے دولت پیدا کر کے وہ دولت کے نشے میں سرشار ہو رہا ہے اور ہمارا اس لئے مخالف ہو گیا ہے کہ ہم بھی اسی طرح روپیہ کمانا چاہتے تھے۔ ہماری چغلیاں کھا کر اور اپنی قوت سے ہم کو سزا دیکر وہ اپنے کیرکٹر کی خوبی اور اپنی بے لوثی ثابت کرنا چاہتا تھا۔ بحیثیت سپاہی اور مدبر کے بھی اس کی فہم و فراست پر نکتہ چینی کی گئی اور اس کی کامیابی کو اس کے زیر دستوں کی کارگزاری اور اس کے دشمنوں کی کمزوری سے جن کو اس نے شکست دی تھی اور ناگہانی واقعات سے منسوب کیا گیا۔

کمپنی نے ہندوستان میں ایک عظیم الشان سلطنت اس قدر اچانک طور پر حاصل کر لی تھی کہ ہمیں کوئی استعجاب نہیں ہوتا جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ انگلستان میں جن اصحاب کے ہاتھ میں یہاں کی عنان حکومت تھی وہ اس کے قدم بقدم نہ چل سکے۔ وہ اپنی تجارتی رائے پر جمے رہے اور سیاسی قوت کو اندیشے کی نظر سے دیکھتے تھے جس کا پہلا نتیجہ تو یہ ہوا کہ ملازموں پر ان کا اقتدار اور رعب کم ہو گیا اور یہاں کمپنی کے ملازم آپس میں لڑتے جھگڑتے اور ایک دوسرے کے خلاف سازشیں کرتے تھے اور حریف کی ضرب سے اپنے آپ کو بچانے یا ترقی حاصل کرنے کے لئے اپنے انگلستان کے احباب کی مدد تلاش کرتے تھے اور اسی کو اپنے لئے بہترین وسیلہ تصور کرتے تھے۔ ان حالات میں اگر مفاد عامہ کا کبھی خیال آتا تو افراد کے بڑھانے یا گرانے کی فکر میں اسے نظر انداز کر دیا جاتا تھا۔ ان میں سب سے انوکھی تجویز وہ تھی جو ۱۷۵۸ء میں منظور ہوئی اور جس کی رو سے یہ طے پایا کہ بنگال میں حکومت باری باری سے ہوا کرے۔ اس غرض کے لئے نظما نے چار سول ملازموں کا تقرر کیا تھا تاکہ وہ یکے بعد دیگرے تین تین مہینے کام انجام دیں۔ اس میں قابل تذکرہ یہ امر ہے کہ ان ممتاز وقتی حکمرانوں کی فہرست سے لارڈ کلائیو کا نام غائب تھا۔ اس تجویز کی منظوری کے بعد ہی جو انقلاب رونما ہوئے انھوں نے مفاد عامہ کو بغیر سخت نقصان پہنچائے اس تجویز پر عملدرآمد کرنا ناممکن بنا دیا ان چاروں اصحاب نے جو گورنر مقرر ہوئے رضا کارانہ طور پر سے

(۴۹

باب ۳ سے کام لیا جس سے وہ واجب الاحترام ہیں) اس خیال سے متاثر ہو کر مجلس[1]
بنگال کے دیگر ارکان سے مشورہ کیا گیا اور ان سب نے متفق ہو کر کرنل کلائیو
سے استدعا کی کہ آپ زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ کلائیو نے ان کی
درخواست منظور کر لی اور اس کے حق میں ان گورنروں نے اپنے استعفے پیش
کر کے مجلس نظم کے اس ارادہ پر پیشتر ہی سے عمل شروع کر دیا جو تنسیخ
پالیسی کی خبر سننے پر کیا گیا۔

(۱۳) لارڈ کلائیو کے خصائل

اگرچہ عوام اور مالکان کمپنی کی خواہش سے لارڈ کلائیو کا ہندوستان میں دوبارہ تقرر ہوا تھا لیکن مجلس نظما کی ایک جماعت نے اس کے تقرر کی سخت مخالفت کی اور اس کے دشمنوں نے ان لوگوں کی اعانت سے جنھیں اس نے برخاست یا ذلیل کیا تھا کثرت رائے حاصل کر لی لیکن ان کی ساری کوششیں اور پارلیمنٹ میں اسکے مخالفین کی ساری قابلیت اس کی ہمت و جرأت کو کم نہ کر سکی اور اس نے ایسی دلاوری اور فصاحت کے ساتھ اپنے کیرکٹر کو بچایا کہ وہ اپنے جملہ مخالفین پہ غالب آگیا۔

لارڈ کلائیو کا کیرکٹر ہندوستان میں ہماری قوت کی ترقی سے وابستہ ہے اور اس وجہ سے ہماری خاص توجہ کا مستحق ہے۔ جب کبھی ہم اس کے قومی اور سیاسی طریقۂ کار اور ان وسیع معلومات پر غور کرتے ہیں جو اُسے اہل ہند اور اُن کے قوانین و رسوم اور حکومت کے متعلق حاصل تھے اور ایسے ملک میں ضابطے اور اصول جاری کرنے کے لئے اس کی کوششوں کو دیکھتے ہیں جہاں سلطنت کا کوئی اور نظام ہی موجود نہ تھا۔ نیز جب ہم اس کی مستعدی اور جرأت پر نظر کرتے ہیں جس سے اس نے حکومت کے فوجی اور سول عمال کے باغیانہ جذبات اور عدول حکم کے رجحانات کو دبایا اور جب ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے تیغ مندی سے کیا کیا کام لیا اور کس کس طرح سلطنت کی قوت مستحکم کرنے اور مشرق میں ہماری سلطنت

[1] مراسلہ منجانب کمپنی بنام کرنل کلائیو مندرجہ پارلیمنٹری رپورٹ۔

باب | کے نظم و نسق کو ترقی دینے کی کوششیں کیں تو اس کی دماغی قوتوں کی وسعت کا
اندازہ کر کے ہم حیرت میں رہ جاتے ہیں۔ تاہم حاضرین نے کسی شخص پر ایسے
زبردست حملے نہیں کئے اور نہ ایسے بہتان لگائے جیسے کہ لارڈ کلائیو پر لگائے
گئے۔ جو توقعات کہ اس کی کامیابی سے پیدا ہوئے تھے جب اُن کے بر آنے
میں ان واقعات کے رونما ہونے سے مایوسی پیدا ہوئی جن پر اُسے قدرت حاصل
نہ تھی تو اس کے مخالفین نے پبلک کا رخ بدلا ہوا دیکھکر اس سے فائدہ اٹھایا۔
اور اس پر طعن و تشنیع کرنے لگے حالانکہ جو نتائج مرتب ہوئے تھے وہ خاص طور
۳۱ | پر انھیں کے باہمی تنازعات اور بدنظمی سے منسوب ہونے چاہئیں۔ ان کی
کوشش سے جو تعصبات پیدا ہو گئے انھیں مقررین اور مصنفین نے برقرار
رکھا جو بلا لحاظ مقامی حالات و خصوصیات کے ہندوستانی مسائل پر بحث کرتے
تھے۔ یہ مسائل ان لوگوں کی سمجھ میں نہ آتے تھے لہذا انھوں نے حکمت عملی کے
پیچیدہ مسائل کو معمولی باتوں کی طرح پیش کر کے محض معمولی اور ناواقف اشخاص
کو مطمئن اور خوش کر دیا۔ ہندوستان میں جو لوگ برسر اقتدار ہیں انھیں کیسی ضرورتیں
پیش آتی ہیں انھیں کیسے خطرات کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے اور کن کن خطرات سے
بچنا پڑتا ہے اور کس تجویز پر عمل کرنے کے ذرائع مفقود ہوتے ہیں۔ بعض تو مولا اور
والیان ملک کے جذبات اور کیرکٹر کے متعلق چاپلوسی سے کام لینا پڑتا ہے
یا مخالفانہ روش اختیار کرنی پڑتی ہے یہ امور ان حضرات کے لئے ناقابل
التفات ہیں وہ سیدھی سادی باتوں سے نتائج اخذ کر لیتے ہیں اور مقامی تجربہ اور
صحیح معلومات کو متعصبانہ ادعا تجس تصور کر کے چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ اگر انھیں
باور کر لیا جائے تو پھر اُن کا محبوب نظریہ باطل ہو جائیگا اور پھر مقررہ اصول
و قواعد کے جواز میں شکوک پڑ جائیں گے جن سے ان کے خیال کے مطابق
ہر ایک کارروائی کی پختگی کو جانچنا چاہیئے ؛
۳۲ | ان حضرات کے نزدیک ہندوستان کے مجاربات اور ممالک کا سیاسی
بہت پست کر دیا گیا ہے اور مغربی ممالک کے حکام کے مقابلے میں ہندوستان
کے عمال قطعی ذلیل اور ناقابل التفات ہیں ؛

باب ۸

ان مصنفین کی رائے میں انگریز حکام نے فاش غلطیوں اور جرائم کے سوائے کوئی کام بڑے پیمانے پر نہیں کیا ہے ان کی کارروائیوں کو یہ مصنفین جس معیار سے جانچتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی اور سوسائٹی اور کسی دوسری حکومت کے متعلق رائے زنی کر رہے ہیں ان خود ساختہ ججوں کی رائے میں لارڈ کلائیو کا یہ دعوے بالکل مہمل ہے کہ آئیوالی نسلیں میرے کارناموں کی داد دیں گی لیکن کلائیو کے کارناموں سے جس قدر زیادہ واقفیت ہوگی اسی قدر اس کی شہرت کو چار چاند لگیں گے ان سے ثابت ہو جائیگا کہ اس میں سپہ سالاری سے کہیں زیادہ مدبری کے اوصاف موجود تھے ؎

جب اپنی صحت کی خرابی کے باعث لارڈ کلائیو انگلستان جانے پر مجبور ہوا تو چلتے وقت اس نے اپنے جانشینوں کے نام ایک خط لکھا تھا اس میں اس نے اپنا یہ اندیشہ ظاہر کیا تھا کہ میں نے بڑی دقتوں سے بددیانتی اور نافرمانی کی اسپرٹ کو دبایا تھا اگر خدانخواستہ اس اسپرٹ نے پھر عود کیا تو سلطنت بڑے خطرے میں مبتلا ہو جائیگی وہ لکھتا ہے کہ اس حکومت میں یہ عام دستور ہے کہ قواعد اور قوانین بنا دئے اور پھر سمجھ لیا کہ ہمارا کام ختم ہوگیا لیکن اگر ان کا اعلان نہ کیا جائے اور ان پر عملدرآمد نہ ہو تو وہ کس مصرف کے ہیں ؟

(۳۳) جب تک کہ تم نافرمانی کی سخت سزا نہ دو اس وقت تک نہ تو کسی قانون پر عملدرآمد ہو سکتا ہے اور نہ کسی حکم کی تعمیل ہو سکتی ہے میں صرف اسی ایک دلیل

لہ مصنف نے دیباچہ میں لارڈ پاوس کا شکریہ ادا کیا ہے کہ اس نے اپنے باپ یعنی لارڈ کلائیو کے جملہ کاغذات اور خطوط بلاتکلف دکھا دئے ۔ یہ کاغذات بکثرت تھے ان میں سے اکثر نہایت دلچسپ تھے ۔ ان کاغذات سے سوانح عمری تیار کرنے کے لئے بہت کچھ مواد ملیگا اور ایک بڑے شخص کا کیرکٹر ظاہر کرنے اور ہندوستان میں برطانوی قوت کے عروج کا حال بیان کرنے میں بہت کچھ مدد ملے گی ؎

باب۳

بنگال میں کمپنی کی فلاح و بہبود کو منحصر کرتا ہوں اب کمپنی کے ملازموں میں اپنے فرائض منصبی کا پورا احساس پیدا ہوگیا ہے۔ اگر آپ عنان حکومت کو ڈھیلا کردیں تو سارے معاملات پلٹ کر اپنی پہلی حالات پر آجائینگے۔ بدامنی اور بددیانتی رواج پاجائیگی اور جدید فتحمندی کی اُمنگ پیدا ہوجائیگی اور پھر ان خرابیوں کے دفیعے کے لئے حکومت کو سخت کوشش کرنی پڑیگی۔ یاد کیجئے کہ سول اور فوجی محکمے والوں نے ہماری عدول حکمی کرنے اور مجلس نظما کے خلاف آزادی اختیار کرلینے کے لئے کیسی کیسی سر توڑ کوششیں کی ہیں ہماری زبردست تدابیر اور ان کے سود مند نتائج پر بھی غور فرمائیے۔ حکام کی نافرمانی کرنا بغاوت کا پہلا قدم ہے اور ادھورے یا روک تھام کے کاموں سے اصلاح نہیں ہوتی ہے۔ ہر بات کو خاموشی سے تسلیم کرلینے اور آپ کے دب کر کام کرنے سے ان لوگوں کو اور بھی سخت حملوں کی جسارت پیدا ہوگی اور رفتہ رفتہ ان میں اضافہ ہوگا جن کا پھر مقابلہ نہ ہوسکے گا۔ ان خرابیوں کے رفع کرنے میں ہمارا بہت سا وقت صرف ہوا ہے اور یہ اہم کام پورے جوش، محنت اور لیاقت سے انجام دیا گیا ہے اور یہ دیکھکر ہمیں اطمینان ہوگیا کہ بحمداللہ ہماری محنت ٹھکانے لگی۔ ہم نے ملک کو بالکل امن کی حالت میں چھوڑا ہے۔ سول اور فوجی محکمے والے ضابطے کے پابند اور اطاعت گزار ہیں۔ اب آپ صاحبان کا یہ فرض ہے کہ انھیں اسی حالت میں رکھیں۔ آپ میں قوت قابلیت اور دیانت داری موجود ہے۔ کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ دینا کہ آپ میں ہمت و جرأت کی کمی ہے۔ میں آپ سے پھر کہتا ہوں کہ اپنے احکام کی پوری پوری تعمیل کرانے میں کوتاہی نہ کرنا جو شخص بھی آپ کے احکام کی تعمیل میں چون و چرا کرے اُسے فوراً برخاست یا معطل کردینا ؎

دہم ۳؛

"اگر آپ ان اصولوں سے روگردانی کریں گے جن پر کہ اس وقت تک ہم نے کام کیا ہے اور جن پر کاربند رہنا آپ ضروری بھی سمجھتے ہیں اور اگر آپ اس قوت سے صحیح طور پر کام نہ لیں گے جو آپ کو عطا کی گئی ہے تو پھر میں بری الذمہ ہونگا کیونکہ نتائج سے میں نے آپ کو آگاہ کردیا ہے"

لارڈ کلائیو نے اپنے ساتھیوں کو چلتے وقت اسی قسم کی نصیحتیں کی تھیں

باب

لیکن اصلاح کا جو کام اُس نے شروع کیا تھا وہ صرف اس کی اعلیٰ فراست اس کے زبردست کیرکٹر کے اثر کی اعانت سے درجۂ تکمیل کو پہنچ سکتا تھا اور جن لوگوں کے سپرد یہ کام ہوا وہ ان کے بوتے کا نہ تھا

مسٹر وریلسٹ سنہ ۱۷۶۷ء

اس میں شک نہیں کہ مسٹر وریلسٹ کا ارادہ اسی شاہراہ پر چلنے کا تھا جو اُسے بتا دی گئی تھی لیکن وہ ضرورت سے زیادہ نرم مزاج تھا اور لارڈ کلائیو نے اس قدر زور کے ساتھ جو بات اس کے ذہن نشین کرائی تھی کہ اُسے نہایت سختی سے اپنے اختیارات استعمال کرنے چاہئیں اُس سے وہ شروع ہی میں ہٹ گیا لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس بھی ہوتا تو بھی یہ ممکن نہ تھا کہ لارڈ وریلسٹ یا کوئی اور شخص مالکان ایسٹ انڈیا کمپنی کو اُس کے اس ارادے سے کچھ زیادہ عرصہ تک باز رکھ سکتا جو وہ مقامی حکومت پر اثر قائم کرنے اور اُس کے اختیارات کو سلب کرنے کے لئے ظاہر کر رہے تھے اپنے حصص پر زیادہ نفع ملنے کی توقعات میں مایوس ہو کر اور افراد (۳۵) کو بڑھانے کی خواہش اور اپنے احباب اور اعزا کے فرضی یا حقیقی نقصانات کے اندیشے سے ناراض ہو کر انھوں نے اس زمانہ میں اپنی مجلس کو حسد نا اتفاقی اور ظلم کا اکھاڑا بنا لیا تھا جس میں مختلف اغراض یکے بعد دیگرے غالب آتے تھے۔ بالآخر کثرت آرا سے طے ہو گیا کہ تین عہدہ دار بطور نگران کار مقرر کر کے ہندوستان روانہ کئے جائیں اور انھیں وہ تمام اختیارات دئے جائیں جو کمپنی کی حکومت کو انگلستان میں حاصل ہیں اور توقع کی گئی تھی کہ اُن کی وسیع معلومات اُن کی خوبیوں اور اُن کی اعتدال پسندی سے بڑے بڑے فوائد حاصل ہوں گے۔

اس کارروائی پر چند اعتراضات بھی ہوئے لیکن ان کی پروا نہیں کی گئی اور بالآخر یہ نگران کار انگلستان سے روانہ ہوئے لیکن جس جہاز میں یہ عہدہ دار سوار تھے وہ اتفاق سے راستہ ہی میں غرق ہو گیا اور اس حادثے سے اس تجویز کا خاتمہ ہو گیا اگرچہ اس تجویز پر عملدرآمد کرنے کے لئے نہایت اعلیٰ قابلیت کے اشخاص منتخب کئے گئے تھے لیکن اس تجویز کے بانیوں کی توقعات غالباً پوری نہ ہوتیں ہو

سنہ ۱۷۶۳ء میں پیرس کے معاہدے میں ایک خاص دفعہ جملہ تنازعات

ختم کرنے اور ہندوستان میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کے حقوق واضح کرنے کے لئے شامل کی گئی؎ | باب۳

اس شرط کی رو سے محمد علی خاں کو کرناٹک کا جائز نواب اور صلابت جنگ کو دکن کا صوبہ دار تسلیم کر لیا گیا اول الذکر انگریزوں کا اور آخر الذکر فرانسیسیوں کا ساتھی تھا۔ ہندوستان کے معاملات کو اس طرح یورپ کی حکمت عملی سے ملانا نہایت غیر موزوں اور غلط طریقہ تھا۔ نظام محمد علی خاں کو اپنے حلیف کی حیثیت سے نواب تسلیم کرنا چاہتے تھے لیکن لارڈ کلائیو مذکورہ بالا معاہدے کی متعلقہ دفعہ سے پریشان ہوا اور اس کے مشورہ سے اس میں مناسب ترمیم کر دی گئی تاکہ اس سے کوئی نقصان نہ پہنچ سکے لیکن شاہی وزراء کے طرز عمل کی وجہ سے یہ بات حاصل ہو سکی اور انھوں نے کمپنی کے اختیارات میں ایسی بیجا اور شر انگیز مداخلت کی جس کی کوئی نظیر تاریخ ہند میں نہیں مل سکتی ہے؎ (۳۶)

وزراء نے ۱۷۶۸ء میں شاہی بیڑے کے سردار سر جان لنڈسے کو جو ہندوستان میں مقیم تھا محمد علی کے دربار میں اپنا سفیر مقرر کیا اور اسے پورے اختیارات دئے اور اس امر کیلئے یہ دلیل پیش کی کہ چونکہ شاہ برطانیہ اس معاہدہ کا ایک فریق ہے اس لئے بغیر نظام کے توسط کے اسے یہ استحقاق حاصل ہے کہ وہ اس کا لحاظ رکھے کہ شرائط معاہدہ پر پورے طور پر عمل کیا گیا ہے یا نہیں۔ اصلی واقعہ یہ تھا کہ نواب کرناٹک کئی سال سے ان پابندیوں سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا جو مدراس کی مقامی حکومت کے تعلقات سے اس پر عاید کر دی گئی تھیں اور جو انگریز اس کے گرد و پیش تھے انھوں نے اسے یہ شہ دی کہ اگر شاہ انگلستان سے راست معاہدہ نہ ہو سکے تو اس سے کم از کم راست تعلقات قایم کر کے تم کمپنی سے نجات حاصل کر لو ان انگریزوں کو یہ توقع تھی کہ ہمارے آقا کا مرتبہ بڑھ جانے سے ہماری بھی توقیر ہو گی اور ہم کو بہت کچھ مالی فائدہ بھی پہنچے گا؎

نواب محمد علی خاں کا ایسے مشیروں کے دم میں آجانا کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے۔ نواب محمد علی خاں کی یہ تمنا جائز اور معقول تھی کہ اس کی توقیر اور قوت (۳۷)

باب

میں اضافہ ہو جائے اور نہ ہم اس بات پر تعجب کر سکتے ہیں کہ زیادہ دولت حاصل کرنے کی خواہش میں ان لوگوں نے نواب کو اس کوشش کی جرأت دلائی لیکن ان حضرات کی نیت کی بابت کیا تاویل کیا جا سکتی ہے جنہوں نے سر جان لنڈسے (Sir John Lindsay) کا تقرر کرانے کے بعد اپنے ملک کے باضابطہ حکام کے خلاف دوسروں کو نہ صرف امداد دی بلکہ خود ہی اس حملہ کے بانی مبانی ہوئے۔ ایک قابل مصنف نے اس کارروائی کا صحیح نقشہ کھینچا ہے اور اس مضمون کی نہ صرف بطور سند کے بلکہ بطور ایک سبق آموز تمثال کے خاص اہمیت ہے لہذا ہم اسے یہاں درج کر دیتے ہیں کہ

وہ لکھتا ہے کہ "سر جان لنڈسے سفیر اگرچہ بظاہر ایک جہاز کا سردار مقرر ہوا تھا اور آرڈر آف دی باتھ کے تمغہ اور ستارے سے ممتاز کیا گیا تھا لیکن راز میں اسے وسیع اختیارات دیکر شاہ برطانیہ کا نمایندہ مقرر کیا گیا اور اسے نواب محمد علی خاں کے یہاں بھیجا گیا۔ یہ اعزاز پا کر سفیر مذکور مدراس کے گورنر اور اس کی مجلس کا ایک بیک سخت مخالف ہو گیا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ان پر حملہ کرنے کی گھات ہی میں تھا اور اس وقت سے وہ کھلم کھلا نواب کرناٹک کا طرفدار اور اپنی قوم کی قائم مقام حکومت کا مخالف ہو گیا کہ

اس شاہی سفیر نے اپنی ساری کوشش نواب کرناٹک کا وقار بڑھانے اور حتی المقدور مقامی حکومت کے اختیارات کم کرنے میں صرف کر ڈالی کہ

لکھا ہے کہ اس کے متعلق رائے زنی کی ہے کہ اس موقع پر سفیر مذکور یہی نواب محمد علی خاں کے تخت کے سامنے کمپنی کو ذلیل کرنے ہی میں اپنی کارگزاری سمجھتا تھا کہ

(۳۸)

جو اصحاب یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ کمپنی کی حکومت کے خلاف یہ غیر معمولی کوشش کس حد تک پہنچ گئی تھی وہ ان مورخین کی تصانیف کا ملاحظہ کریں جنہوں نے اس زمانے کے حالات قلمبند کئے ہیں۔ ہم نے تو اس کا تذکرہ صرف

---

[1] جنوبی ہند مصنفہ ولکس حصہ دوم صفحہ ۱۱۷۔

باب ۵

یہ بات دکھانے کے لئے کردیا ہے کہ شاہی وزرا اس زمانے میں ہندوستان کے معاملات میں کس کس قسم کی مداخلت کیا کرتے تھے۔ معاملہ کے سمجھنے کے واسطے اس کے جاننے کی اشد ضرورت ہے کیونکہ اس مداخلت ہی کی بدولت دوسروں کو سرفراز کرنے اور اپنے لئے اختیارات حاصل کرنے کے جھگڑے شروع ہوئے جن کے اثرات ہماری مشرقی سلطنت کے ہر حصہ میں بہت جلد نمایاں ہوگئے۔

وارن ہسٹنگز کا تقرر ۱۷۷۲ء

مختلف جماعتوں کے اس زبردست تصادم کے دوران میں یعنی ۱۷۷۲ء میں وارن ہسٹنگز ہندوستان کا گورنر جنرل مقرر ہوا۔ اس شخص کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے اس نے اپنی اعلیٰ فراست اور قابلیت سے ان تمام قوتوں کا پرزور مقابلہ کیا جو متعدد اسباب کی وجہ سے اس کے خلاف مجتمع ہوگئی تھیں اور اسکی زندگی کے آخر زمانے میں نہایت اہم واقعات رونما ہوئے۔ نہ صرف بادشاہ سلامت نے اسکی عزت افزائی فرمائی بلکہ اس نے اس دارالعوام سے بھی خراج تحسین وصول کیا جس کے ارکان نے بیس سال قبل اس پر مقدمہ چلانے کا فیصلہ کیا تھا۔[1]

(۹)

مسٹر ہسٹنگز نے ہندوستان میں طویل زمانہ صرف کیا اس نے مختلف عہدوں پر کام کیا حتیٰ کہ وہ گورنر جنرل کے اعلیٰ ترین مرتبہ پر پہنچ گیا۔ اسے اہل ہند کی مختلف زبانوں اور رسم و رواج سے پوری واقفیت حاصل ہوگئی تھی اور اس معلومات نے اس کی اعلیٰ دماغی قابلیتوں سے ملکر اس میں ایسے اعلیٰ اوصاف پیدا کر دیئے جن کے بغیر وہ اس سلطنت کو تباہی سے نہیں بچا سکتا تھا جس کی زمام حکومت اس کے ہاتھ میں دی گئی تھی لیکن جن حضرات نے اسکے دشمنوں اور اس پر الزام لگانے والوں کے بیانات پر یقین کیا ہے انھوں نے لارڈ کلائیو

---

[1] ۱۸۱۳ء میں وارن ہسٹنگز کمپنی کی مراعات کی تجدید کے سلسلہ میں بعض مسائل کے متعلق شہادت دینے کے لئے دارالعوام میں طلب کیا گیا تھا جس وقت کہ وہ ایوان پارلیمنٹ میں داخل ہوا تو جملہ ارکان اس کی تعظیم کے لئے سرو قد کھڑے ہوگئے۔

باب ۳

کی طرح اس کے متعلق بھی رائے زنی کرنے میں بڑا ظلم کیا ہے اُن حضرات نے خاص خاص واقعات سے عام نتائج مستنبط کئے ہیں اور جو غیر معمولی واقعات اُسے پیش آئے اور جس مجبوری کی حالت میں اس نے کام کیا اور جن مشکلات پر اُسے حاوی ہونا پڑا ان کی طرف انھوں نے مطلق توجہ نہیں کی ہے ٭

وارن ہیسٹنگز کا دورِ حکومت

سنہ ۱۷۷۳ع کے قانون کی رو سے ایسٹ انڈیا کمپنی بہ نسبت سابق کے وزرا کی زیادہ دست نگر اور ماتحت ہو گئی جب مسٹر ہیسٹنگز گورنر جنرل مقرر ہوا تو اسی کے ساتھ تین اشخاص جنرل کلیورنگ (General Clavering) کرنل مانسن (Colonel Monson) اور مسٹر فرانسیس (Mr- Francis) کا تقرر کونسل میں ہوا۔ انھوں نے سلطنت ہند کے متعلق انگلستان میں سبق پڑھا تھا اور انکی رائے ہر معاملہ میں مسٹر ہیسٹنگز کے خلاف تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطنت کا نظم ونسق ان کے ہاتھ میں آگیا کیونکہ مجلس میں انھیں اکثریت حاصل تھی۔ جنرل کلیورنگ کے انتقال کے بعد وارن ہیسٹنگز کو زیادہ اختیارات حاصل ہو گئے۔ معاملات کی اس حالت کا اندازہ آپ خود کر سکتے ہیں جو اختلاف رائے کہ مجلس میں تھا وہ ملازمت کے ہر شعبہ میں (۴۰) پھیل گیا اور باشندگان ہند ہمارے ان اختلافات کو ہماری کمزوری پر محمول کرنے لگے اور اسے انھوں نے ہمارے تنزل کا پیش خیمہ سمجھا۔ ممکن ہے کہ ان حضرات کی نیت بخیر ہو جنھوں نے یہ خرابی پیدا کی تھی۔ لیکن جن اصولوں پر ہم نے ہندوستان پر اپنا قبضہ برقرار رکھا ہے اس سے وہ لوگ بہت کم واقف تھے ورنہ وہ مقامی حکام کے اختیارات محدود کر لنے اور ان کو اپنے قابو میں رکھنے کی کوشش کر کے ہماری سلطنت کی بنیاد کو خطرہ میں نہ ڈالتے جیسا کہ انھوں نے کیا ٭

مسٹر ہیسٹنگز نے اپنی حالت کا خود نہایت نفیس خاکہ کھینچا ہے اُسکی شہادت اُسی کے معاملے میں ناقابل اعتبار کہی جا سکتی ہے اُس کے بیانات اور واقعات متعلقہ پر ہم رائے زنی کر سکتے ہیں لیکن عام نتائج جو مسلمہ منطقی قضیہ سے اخذ کئے جائیں اور تجربہ و دانشمندی پر مبنی ہوں ان کی نوعیت محض اس بات سے نہیں بدل سکتی کہ وہ ایک غرض مند شخص کے اخذ کئے ہوئے ہیں۔ برخلاف اس کے اگر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ جن خیالات و احساسات سے متاثر ہو کر یہ رائے

باب

قائم کی گئی تھی ان سے اُس کی صداقت میں کوئی فرق نہیں آیا تو ہمارے نزدیک اس قسم کی رائے کی وقعت بہت زیادہ ہو جاتی ہے حکومت کی حقیقی حالت کے اثرات کا ذکر کرتے ہوئے جن کی وجہ سے خرابیاں زور پکڑ رہی تھیں اور اصلاحات میں رکاوٹیں پیش آتی تھیں مسٹر ہسٹنگز لکھتا ہے کہ "ہر ایک معاملے کو تفصیل سے بیان کرنا ناممکن ہے" قصہ مختصر عنان حکومت بہت سے اشخاص کے ہاتھ میں ہے۔ اس حالت میں سلطنت کے نظم و نسق کی ذمہ داری جس قدر کم اشخاص پر ہوگی اسی قدر خرابی میں تخفیف ہو جائیگی۔ یہاں ہر شخص کو برابر کے اختیارات حاصل ہیں۔ حکومت کے عہدہ داروں کا انحصار دوسروں کی عنایت پر ہے انگلستان میں ذلیل ہونے اور برطرف کئے جانے کا انھیں ہر وقت کھٹکا لگا رہتا ہے کو

(۱۴) ان پر الزامات لگانے والے اور اُن کی جگہ کے امیدوار ہی ان کے خلاف شہادت مرتب کرنے والے اور اُن کے طرز عمل کے جانچنے والے ہیں جبکہ ارکان حکومت میں اختلاف رائے موجود ہے (اس اختلاف رائے کو میں نہایت افسوس اور شرم کے ساتھ بیان کرتا ہوں) جبکہ حکام خود اس اختلاف کو پیدا کرتے ہیں حالانکہ ہر ایک رکن کو انگلستان کے حکام کی امداد کی ضرورت ہے اور جو امداد اُسے ملے اُس کا معاوضہ اُسے دینا پڑتا ہے اور جبکہ حکومت کا ہر ایک رکن دوسرے پر نفس پرستی کا اتہام لگاتا ہے اور اپنی ہر ایک ناکامی کا انتقام لینے کے لئے تیار رہتا ہے حالانکہ وہ اپنی ناکامی کے اسباب خود سمجھ سکتا ہے اور کسی اور شخص کو الزام دینے کی ضرورت نہیں جبکہ اعلیٰ درجہ کے کارناموں کی طرف سے بھی چشم پوشی کیجاتی ہے اور ذاتی اغراض و مفاد کے ایثار کے بدلے میں رشوت ستانی کا الزام لگایا جاتا ہے تو ایسی حالت میں اصلاح کی کیا توقع کی جاسکتی ہے کو

اپنی یادداشت کے دوسرے حصہ میں حکومت کے موجودہ نظم و نسق کے اثرات کے متعلق زبردست رائے ظاہر کرکے وہ بیان کرتا ہے کہ اگر طرز حکومت دوسری طرح کا ہوتا تو اس کا کیا انجام ہوتا کو

باب

وہ لکھتا ہے کہ پارلیمنٹ کے جس حکم کی رو سے میں کمپنی کے مقبوضات بنگال کا صدر مقرر ہوا تھا اگر اُسی کی رو سے وہ وسیع اختیارات بھی مجھے دیدیئے جاتے جو اس عہدے کے نام کے ساتھ وابستہ معلوم ہوتے ہیں اور اگر مخالفین کو شریک کار بنانے کی بجائے انھیں میری اطاعت پر مجبور کیا جاتا اور اگر میری علیحدگی سے اُن کے دل میں نئی توقعات پیدا کرنے کے بجائے میرے خلاف شور و غوغا بلند کرنے والوں کی زبان بندی کیجاتی اور کمپنی کے ملازمان کو یہ نصیحت کی جاتی کہ وہ مجھے اپنا آقا سمجھیں جیسا کہ قانوناً انھیں سمجھنا چاہیئے تھا اور جب کمپنی کے معاملات کی نگرانی نظما سے وزرا کو منتقل کی گئی تھی اس وقت سرپرستی کے اُن دعووں میں اضافہ کرنے کے بجائے کمی کر دی جاتی جن کے استحقاق کرنے کا ہر وہ شخص اپنے کو مستحق سمجھتا تھا جو کچھ ذاتی اثر رکھتا تھا یا جن کے تعلقات دیگر با اثر حضرات سے تھے اور اگر اس عہدے پر کام کرنے کی مدت کا تعین میری مرضی اور میرے کام کی خوبی پر چھوڑا جاتا اور سرپرستی کے دعووں کی تعمیل پر اس کا انحصار نہ ہوتا تو آج مجھے یہ ضرورت نہ ہوتی کہ میں اپنے فرائض کی کوتاہی کی پبلک کے سامنے معذرت پیش کروں لیکن ہر معاملے میں نتیجہ برعکس ہی برآمد ہوا ہے

(۴۲)

اگر ملک کے حقیقی فوائد پر غور کیا جائے تو اس سارے نظام کو تبدیل کر دینا چاہیئے کیونکہ جب تک فلاح عامۃ الناس کے انتظامات کے مقابلے میں انفرادی فائدہ کا لحاظ کیا جائیگا اور جب تک کہ مراعات کی مذمت کرنے والے اپنے ذاتی معاملات اور اپنے احباب کے لئے رعایتوں کے خواستگار بنے رہینگے اور جب تک کہ حکومت بنگال کے ارکان کے وجود اور ان کی سرکاری عزت اور ذاتی شہرت کا مدار اس قسم کی رعایتوں کی تعمیل یا عدم تعمیل پر رہیگا اُس وقت تک انگریزوں کا قومی مفاد لازمی طور پر دوبہ تنزل رہیگا"

(۴۳) اس نظام حکومت کے تباہ کن نتائج کے متعلق بہت کچھ بیان کر دیا گیا ہے جس کی علانیہ مخالفت اور دریغ کے طور پر حمایت کی جاتی ہے۔ اس کے ظاہر کرنے کی تو کسی کو جرات نہیں ہوئی لیکن بہت سے حضرات اسے برقرار

باث

رکھنے کے خواہاں ہیں۔ اس کی تفصیل نہایت درد انگیز ہے اور بہت سے حضرات اس کو سن کر سخت برافروختہ ہو جائینگے اگرچہ مجھے ان کی خفگی کا کچھ ڈر نہیں ہے تاہم میں اس سے چشم پوشی کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے صداقت کی خاطر بہت کچھ ایثار کیا ہے اور میرے اس اقبال سے میرے جانشین غالباً بہرہ اندوز ہونگے۔

"حکومت برطانیہ ہندوستان میں اپنے فرائض کو اس وقت تک پورے طور پر انجام نہیں دے سکتی جب تک کہ وہ ان کا پورا پورا لحاظ نہ رکھے"۔

مسٹر ہسٹنگز کی یہ رائے بالکل درست ہے کہ ہماری سیاسی قوت کا انحصار اندرونی نظم و نسق کی خوبی پر ہے اور اس کے استحکام کے لئے اس نے بہت سی مقامی اور عملی مشکلات پر غالب آنے کے لئے سخت کوشش کی۔ اس نے ایسی جانفشانی اور سرگرمی سے اس کام کو انجام دیا جو اس عہدے پر رہ کر ایک انسان کرسکتا ہے۔ اس نے مالگذاری کے انتظام کیلئے ایک مجلس قایم کی، کلکٹر مقرر کئے، قواعد و ضوابط شائع کئے، مال اور فوجداری کی عدالتیں قایم کیں، اور اُن کے اختیارات کی تشریح کی۔

ان تدابیر نے ہماری قوت کے استحکام میں بڑی مدد کی۔ لارڈ کلائیو اپنے زمانے میں اس سے زیادہ کچھ اور نہ کرسکا کہ ہماری ماتحت ہندوستانی ریاستوں کے معاملات میں ہماری دست اندازی کے اس نے اصول مقرر کردئیے اور سلطنت کے انتظامات کیلئے چند عام قواعد بنا دئے اور قابلیت کے اعتبار سے لوگوں کو ملازم رکھ کر نظام سلطنت کی چند خرابیوں کو ایک حد تک رفع کردیا۔

مسٹر ہسٹنگز نے اس سے اور آگے ایک قدم بڑھایا اور اس نے نظام حکومت کو درست کرنے کی طرف توجہ کی اور جو حضرات کہ تاریخ ہند سے پوری واقفیت رکھتے ہیں اور جو ہماری اور اہل ہند کی اس زمانے کی حالت سے آگاہ ہیں جبکہ نظام حکومت میں یہ تبدیلیاں کی گئی تھیں وہ یہ معلوم کرکے ضرور مطمئن ہوجائینگے کہ صرف اسی قدر تبدیلیاں اسوقت ہوسکتی تھیں سلطنت کو نقصان

(۴۴)

ب

پہنچنے کے اندیشہ سے تعجیل کے ساتھ تبدیلیاں نہیں کی گئیں"۔

مسٹر ہسٹنگز نے انگلستان واپس ہو کر اپنی سوانح عمری شائع کی اور اس میں نہایت پرزور الفاظ میں ہندوستان میں برطانوی قوت کی ابتدا اور اس کی ترقیات کا حال درج کیا وہ لکھتا ہے کہ "اس حیرت انگیز سلطنت کی مصیبت نے تخم ریزی کی، مقدر نے اس کی آبیاری کی، ضرورت نے اس کی کاشت کی اور اسے سانچے میں ڈھالا۔ اس کی بنا تجارتی تھی لیکن اس کی ترقی سے یکایک فوجی قوت اور ملک حاصل ہو گیا جس کا لازمی نتیجہ سیاسی طاقت تھی۔ اس بات کی تحقیقات کرنا فعل عبث ہے کہ کمپنی یا ہماری قوم نے اس انقلاب سے کوئی مستقل فائدہ حاصل کیا ہے کیونکہ نہ اب ہم اُن تباہ کن اور حیرت انگیز راستوں سے واپس جا سکتے ہیں جن سے کہ موجودہ بلندی پر ہم پہنچے ہیں اور نہ حوصلہ مند تاجروں کی طرح عاجزانہ اور دلاورانہ کیرکٹر اب اختیار کر سکتے ہیں۔ ممکن تھا کہ اس ذریعہ سے ہمارا فوجی وجود ہندوستان میں چند روزہ ہوتا لیکن اب اُسے برقرار رکھنے کی ضرورت ہے اور اُن اصولوں کو اختیار کرنا چاہیئے جو اُسے قائم رکھنے کے لئے ضروری ہیں"۔

(۴۵

ہماری ہندوستانی عملداری کی ابتدا اور اُس کی حقیقی حالت کے اس بیان پر کوئی شخص شک وشبہ نہیں کر سکتا ہے۔ مسٹر ہسٹنگز آگے چلکر نظام سلطنت کے متعلق اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر نتائج اخذ کرتا ہے اور انھیں حسب ذیل پرزور الفاظ میں پیش کرتا ہے:-

"میرے افسران بالا دست نے پورے جوش اور استقلال کے ساتھ میری دس سال کی مدت میں میرے اختیارات کم کر لئے، میرا اثر زائل کر لئے اور میری ساری کارروائیوں کو رد کرنے کی سر توڑ کوششیں کیں حالانکہ اس وقت انھیں میری پرزور تائید کرنے کی ضرورت تھی کیونکہ مجھے تن تنہا سارا کام کرنا پڑا تھا۔ میرے افسروں نے اکثر معمولی معمولی باتوں کو خاص اہمیت دی حالانکہ ان میں سے بعض باتوں کا تو اُن سے کوئی تعلق نہ تھا اور چند امور ان کے مفاد کے لئے مضر تھے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ معاملات کو خاطر خواہ طریقے

باب۴

پر نہیں سمجھا گیا کیونکہ ان حرکتوں سے کئی بار کمپنی کا وجود معرض خطر میں آگیا تھا اور اس کی بربادی کے اسباب مہیا ہو گئے تھے۔ ان ایام میں کمپنی کا وجود ایک کچے دھاگے پر معلق تھا جو کسی معمولی واقعہ اور غلط رائے کی ایک پھونک سے فوراً ٹوٹ جاتا اور پھر ساری سلطنت کا یک لخت قلع قمع ہو جاتا۔ اے قادر ذوالجلال ہمارے حال پر رحم کر اور کبھی یہ روز بد ہمیں نہ دکھا"۔

"میں اس ناقابل تردید واقعہ کو تسلیم کرتا ہوں کہ برطانوی حکومت بنگال کے عہدے دار اس قدر دور دراز فاصلے پر ہیں کہ ان کے لئے ہر وقت عام ہدایتیں نافذ نہیں کی جا سکتیں۔ غیر معمولی ضروریات ہر وقت پیش آتی رہتی ہیں جن کی بابت فوری فیصلہ کرنا پڑتا ہے سلطنت کے اصولوں میں یکسانیت ضروری ہے۔ یہاں پر ایسی جماعت حکومت نہیں کر سکتی جو ہمیشہ بدلتی رہتی ہو اور جس کے ارکان کی رائے ایک دوسرے کے خلاف ہو اور بیشتر کارکار آپس میں ایک دوسرے سے رشک وحسد کرتے ہوں اور اپنے حقیقی سردار کے خلاف متحد ہوں۔ اس حکومت کے اختیارات کی نوعیت کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ اگر انھیں کسی مستقل مزاج اور زبردست شخص کے ہاتھ میں دیدیا جائے تو اُن کے ذریعہ سے وہ ہر کام نہایت خوبی سے انجام دے سکتا ہے لیکن اگر وہ ایک ایسی جماعت کے ہاتھ میں دیدئے جائیں جس کے ارکان لاپروا ہوں اور آپس میں متحد نہ ہوں تو وہی اختیارات اُس سلطنت کی تباہی کے موجب ہونگے کیونکہ وہ اپنے ذاتی مفاد، جذبات اور اپنی ذاتی ضروریات سے متاثر ہو کر انھیں آپس کے جھگڑوں میں ایک دوسرے پر فوقیت حاصل کرنے کے لئے استعمال کرینگے"۔

(۴۶)

اس منطقی قضیہ کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان صوبوں کے لئے خواہ کسی قسم کی حکومت قائم کی جائے خواہ اس کا اقتدار دیگر صوبوں پر بھی ہو یا اپنی حدود تک محدود رہے لیکن اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ اس کے اعلیٰ عہدہ دار کو پورے پورے اختیارات حاصل ہوں اور وہ کسی اور کا محتاج نہ ہو۔ اگرچہ انسانی زندگی کے مانند سلطنتوں کی حالت بھی ناپائدار اور حادث ہوتی ہے اور جن خرابیوں کی وجہ سے بنگال کی انگریزی سلطنت اندیشہ ناک حالت میں ہے ان سے جو

باب
لوگ بھی واقف ہونگے اگرچہ وہ میری رائے سے اتفاق کرینگے تاہم مجھے اندیشہ ہے کہ بہت کم حضرات میری اس تجویز پر عمل کرنے کے لئے آمادہ ہونگے ؏

جس طرح کہ ہر شخص جانتا ہے کہ ایک نہ ایک دن موت ضرور آئیگی لیکن کوئی شخص مرنے کا عقیدہ پیش نظر رکھ کر عمل نہیں کرتا ہے اسی طرح جو لوگ اس مصیبت سے آگاہ ہیں وہ حقیقت حال کی وجہ سے جو اُن کے پیش نظر ہے کند ذہن بن گئے ہیں ہمیں ہرگز تعجب نہیں ہوگا اگر ان خیالات سے جو تجربہ اور معلومات (۴۷) پر مبنی ہیں اور جنھیں نہایت فصاحت اور صداقت سے پیش کیا گیا ہے مصنف کے مخالفین کے دل بھی متاثر ہو جائیں۔ اس زبردست شخص کا ملک پر کچھ کم احسان نہیں کہ اُس نے انتظام سلطنت کے لئے وہ خاکہ پیش کر دیا ہے جس سے کہ ہم مشرق میں اپنی قوت محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ وارن ہسٹنگز سے بہتر کسی شخص نے اس مواد کو نہیں سمجھا ہے جس سے کہ یہ عظیم الشان سلطنت بنائی گئی ہے اور اس کی پائداری کو بھی ہسٹنگز سے زیادہ کسی نے غائر نظر سے نہیں دیکھا۔ اُس نے اس مسئلے کے متعلق اپنی رائے اپنے وقت ظاہر کی تھی جبکہ اُسے یہ امید نہیں تھی کہ حکومت انگلستان کے ارباب حل و عقد باہمی رشک و حسد کے باعث ہندوستان کے گورنر جنرل کو پورے اختیارات دینگے جو اُس کے نزدیک ہندوستان کی مرفہ الحالی اور سلطنت ہند کے تحفظ کے لئے ناگزیر تھے ؏

مسٹر ہسٹنگز نے جو سیاسی تدابیر اختیار کیں ان کی خوبیوں پر ہم تفصیلی بحث نہیں کرنا چاہتے۔ اس کے شرکا کار نے ان تدابیر کی سخت مخالفت کی۔ جنرل کلیورنگ مسٹر فرینسس اور کرنل مانسن اپنی ایک یادداشت[1] میں (جو ہندوستان میں پہنچنے کے چند روز بعد ہی لکھی گئی تھی)، وہ دلائل پیش کرتے ہیں جن پر انھوں نے وہاں عمل شروع کیا تھا ؏

وہ لکھتے ہیں کہ آپ نے اور آپ کی مجلس مقننہ نے جو عام اصول ہندوستان (۴۸) میں امن قائم رکھنے کے لئے ہمیں بتا دئے ہیں ہم ان ہی پر عمل کرتے ہیں اور انھیں

---

[1] مورخہ ۳۰ر نومبر ۱۷۷۶ء

باب

ہم نے اپنی پالیسی کا دستور العمل بنا لیا ہے۔

امن قائم رکھنے کے یہ معنی ہیں کہ ہم اپنے مقبوضات اور حلیفوں کے اُن مقامات کی پورے طور پر حفاظت کریں جن کی حفاظت عہد ناموں کی رو سے ہم اپنے ذمہ لے چکے ہیں لیکن اس میں اپنے اور حلیفوں کے لئے جدید فتوحات کا کوئی خیال داخل نہیں ہے۔ اس اصول پر کاربند رہ کر ہم آپ کی فوج سے کسی ہندوستانی ریاست پر کوئی اقدامی حملہ نہیں کر سکتے لیکن اس کے ساتھ ہی ہم یہ بھی گوارا نہیں کر سکتے کہ ان چھوٹی ریاستوں کو جو ایک زمانے میں ہمارے لئے حد فاصل تھیں اور جو اب ہماری حفاظت کی محتاج ہیں اُنھیں بڑی ریاستیں ہضم کر جائیں۔

مسٹر ہسٹنگز کے نشر کاروں نے اس پر یہ اتہام لگایا کہ اُس نے غیر منصفانہ محاربات کئے اور پھر انھی الزامات کی بنا پر پارلیمنٹ میں اس پر مقدمہ چلایا گیا۔ اس مسئلہ پر بحث کرنے کا یہ موقع نہیں ہے لیکن اگر محولہ بالا یادداشت کی معقولیت اور صداقت تسلیم کر لی جائے تو کوئی شخص مسٹر ہسٹنگز کے اصول کی صداقت اور دانشمندی سے ہرگز انکار نہیں کر سکتا جس پر کہ اس نے ایسے موقعوں پر عمل کیا ہے یہی اصول سب بڑی سلطنتوں اور ان سے بڑھ کر ہندوستان کے لئے موزوں ہے۔

(۴۹) مسٹر ہسٹنگز کہتا ہے کہ میں امن قائم رکھنے کے اصول کو مانتا ہوں لیکن میں نے کبھی اس قدر سختی سے عمل نہیں کیا کہ اسی کی خاطر میں نقصان اٹھانے یا ایثار کرنے کے لئے آمادہ ہو گیا ہوں۔ میں نے کبھی ایسے معقول استحقاق کو ہرگز ہاتھ سے نہیں جانے دیا جسے میں دوستی سے منوا سکتا تھا اور نہ کسی ایسی ذلت کے آگے سر جھکایا جسے میں رفع کر سکتا تھا۔ ان دونوں حالتوں میں موقع کے لحاظ سے مجھے ہمیشہ اپنی اخلاقی کامیابی کی توقع رہی۔ غیر معمولی اور معقول ضرورت اور خطرات کی میں ایسی مثالیں پیش کر سکتا ہوں جبکہ اپنی جان اور امن عامہ کو خطرہ میں نہ ڈالنا میں گناہ کبیرہ تصور کرتا ہوں۔

صلح کی درخواست کرنے کو میں نے ہمیشہ نہایت ذلیل اور غیر محفوظ خیال کیا۔ اکثر مواقع پر اپنے خلاف حملے کی تیاریاں دیکھے اور انھیں درجۂ تکمیل تک

باب

پہنچنے اور ان کے اثرات مرتب ہونے اور آخر میں انھیں رفع کرنے کی کوشش کے بجائے میں نے اقدامی حملے کو زیادہ صلح پسندی کے اصول کے مطابق پایا۔ مسٹر ہسٹنگز اور اُس کے مخالفین کے دلائل سے کوئی صحیح نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا نہ اُن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں انگریزوں کے جو سیاسی تعلقات قائم ہیں ان کے لئے کون سے اصول مفید و مناسب ہو سکتے ہیں اور نہ اُن کی مدد سے دفاعی و اقدامی حکمت عملی کی تشریح کی جا سکتی ہے اور نہ اُن دونوں کے درمیان میں کوئی حد فاصل قرار دیجا سکتی ہے لیکن اس وقت انگلستان میں ہندوستان کے ان حکام کے خلاف اس قدر بدظنی پھیلی ہوئی تھی اور انکے حوصلوں کو روکنے اور جنگ کرنے کے جو اختیارات انھیں حاصل تھے انھیں حد درجہ محدود کرنے کا اس قدر سخت خیال تھا کہ مجلس مبعوثان نے اسکے متعلق تجاویز منظور کر دیں جس قانون کی رو سے مجلس نگراں (Board of control) قائم ہوئی اور گورنر جنرل کو اپنے اہم فرائض انجام دینے کے لئے مناسب اختیارات دیئے گئے اُسی میں ایک دفعہ یہ بھی شامل کر دی گئی کہ "ہندوستان میں فتوحات اور توسیع عملداری کی تجاویز پر عمل کرنا برطانیۂ عظمیٰ کی خواہش عزت اور پالیسی کے خلاف ہے"۔

(۵۰)

علیٰ ہذا القیاس حکومت انگلستان سے اجازت حاصل کئے بغیر کسی ایسی سلطنت سے جس نے ہم پر یا ہماری کسی حلیف ریاست پر جس کی حفاظت کی ہمنے ذمہ داری قبول کی ہے حملہ نہ کیا ہو اور نہ حملہ کی تیاریاں شروع کی ہوں حکومت اعلیٰ کے لئے جنگ کرنا قطعی ناجائز قرار دیا جاتا ہے البتہ اس سے وہ لڑائیاں مستثنیٰ ہیں جن کی اجازت پیشتر سے حکومت انگلستان سے حاصل کر لی گئی ہو۔ اس قانون سے اصول نے اس قوت اور اثر کے بروقت استعمال کو ممنوع قرار دیدیا جو کمپنی کو حاصل تھی اور جس سے وہ مخالفین کے اتحاد اور انکی حاسدانہ تدابیر کو تکمیل سے قبل روک سکتی اور ان کے قلع قمع کی تدابیر کر سکتی تھی اور اپنی سلطنت کے لئے جو ایسے مطلق العنان والیان ملک کے علاقوں کے درمیان واقع تھی ایسی پالیسی قرار دیتی جسے وہ نہ توڑ سکتے تھے

(۵۱)

باب

اور نہ اُسے خود پسند کرسکتے تھے۔ ان والیانِ ملک کو تو صرف فتوحات اور حصول قوت سے غرض تھی۔ یہ لوگ اپنی جہالت کے باعث ہماری نیت اور ارادوں کے متعلق غلط رائے قائم کرلیتے تھے اور ہماری اعتدال پسندی اور ہمارے صبر و تحمل کو ہمارے خوف اور کمزوری پر محمول کرتے تھے اور اس مغالطے کے باعث جرات کرکے انھوں نے ایسی راہ اختیار کی جس کے سبب سے وہ بہت جلد تباہ و برباد ہوگئے اور اس طرح ہمارے محتاط اور غیر دانشمندانہ مسلک کی بدولت وہ نتائج برآمد ہوگئے جن کے رفع کرنے کے لئے اسے اختیار کیا گیا تھا۔

اس کتاب کے پچھلے اوراق میں اس حقیقت کا بہت کافی ثبوت پیش کردیا گیا ہے اور حال کے واقعات پر مختصر سا تبصرہ کردینے سے یہ حقیقت اور بھی واضح ہوجائیگی۔

لارڈ کارنوالس کے کیرکٹر میں اعتدال اور استقلال دونوں موجود تھے اس لئے توقع تھی کہ اگر ممکن ہوسکا تو ہندوستانی ریاستوں سے ضرور صلح قائم رہیگی۔ لیکن ٹیپو سلطان کی دراز دستیوں سے وہ جنگ کرنے پر مجبور ہوگیا اور اس جنگ میں فتح حاصل ہونے سے اُس کے ملک کا بڑا حصہ کمپنی کی عملداری میں شامل ہوگیا۔ ٹیپو کو شکست دینے کے لئے اُس نے مجبوراً فرمانروایان دکن سے اتحاد کرلیا تو اس کے جانشینوں کے لئے سیدھی پر لیشانیوں کا موجب ہوا۔

اس سے پیشتر لکھا جاچکا ہے کہ لارڈ کارنوالس نے مادھوجی سندھیا سے مراسلت کی اور محض اپنی مستعدی سے ایک خاص خطرے کو کچھ عرصہ کے لئے رفع کردیا۔

لارڈ کارنوالس | لیکن ہم بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ اگر یہ پاک طینت شخص اپنے آپ کو مدافعانہ پالسی کے لئے ضروری تدابیر اختیار کرنے کا مجاز تصور کرتا تو وہ بغیر کسی جنگ کے خوف کے اس سلطنت کی ترقی کو روک سکتا تھا جس کے فرمانرواؤں نے اس کے ہندوستان سے جانے کے ذلیل حال

(۵۲)

باب | کے اندر ایسے وسائل حاصل کرلئے جنکی بدولت وہ برطانیہ کا زبردست دشمن بنگیا

لے مادھوجی سندھیا کے دربار کے قابل رزیڈنٹ مسٹر جیمس انڈرسن نے اپنی مراسلت
بنام سرجان میکفرسن قایم مقام گورنر جنرل ولارڈ کارنوالس میں اس حاسد راجہ کی
قوت کی نوعیت اور ترقی کا نہایت مکمل حال تحریر کیا ہے۔ اول وہ ان تمام معقول
دلائل پر طویل بحث کرتا ہے جن کی بنا پر ہم بجا طور پر سندھیا سے یہ توقع کرسکتے تھے کہ
وہ ہمارے طرز عمل کو اچھی طرح سمجھیگا اور ہم نے اس کی بلند حوصلہ تدابیر کے روکنے
کی جو کوشش نہیں کی اُسے ہماری نیک نیتی پر محمول کرے گا۔ اگرچہ ہمارے لئے ان کا
روکنا نہایت آسان تھا اس کے بعد وہ اپنی رائے ظاہر کرتا ہے کہ "میں نہایت
افسوس کے ساتھ لکھتا ہوں کہ سندھیا کے ساتھ جس نرمی کا ہم نے برتاؤ کیا ہے اس
لئے نہایت ناموزوں طرز عمل اس کے جواب میں اختیار کیا ہے۔ اکثر معاملات میں ہمارے
معتدل برتاؤ کو اس نے بہت غلط سمجھا اور ہم نے جو اس کے ساتھ نرمی برتی اُسے
اُس نے یہ سمجھا گویا اس کی قوت کے سامنے ہم نے سرنیاز خم کردیا اور دوسری
طاقتوں پر بھی اس کے ظاہر کرنے کی کوشش کی المختصر یہ بات ظاہر ہے کہ پیشتر جو
کچھ اعتماد اور اعتبار ہمیں اس کی ذات پر رہا ہو اب واقعات کے بموجب اسے
بالکل تبدیل کردینا چاہئے۔"

مادھوجی سندھیا کی اصلی حالت، بیکس شاہ عالم کے نام سے تمام ہندوستان
کا مالک بن جانے کے لئے اس کی جارحانہ کوششوں، اور ان مشکلات کو جو مختلف
سرداروں کو زیر کرنے میں حائل تھیں جو ابھی تک رام نہیں ہوئے تھے اس کی فوج کے
ایک بڑے حصے کی تنظیم و کیفیت اور خود اس کی دغابازی، ظلم اور غارتگری کی
بہت سی حرکات سے اس کی جدید رعایا میں جو بے اطمینانی پیدا ہوگئی تھی ان سب
کو بیان کرنے کے بعد مسٹر انڈرسن لکھتا ہے کہ "وہ اس تفصیل سے جناب کو معلوم ہوجائیگا
کہ سندھیا کی حالت اب کتنی کئی لحاظ سے نازک ہے اور اس کی امیدوں کے برآنے
کے لئے بہت مدت درکار ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اُسے اپنی عیاری
سازشوں اور استقلال کے ساتھ انتظام کرنے کی قابلیت کیوجہ سے بہت سہولتیں

باب ۸

اور ایسے قوی دشمن سے مشرق میں برطانیہ کو کبھی سابقہ نہ پڑا تھا۔

(۵۳) لارڈ کارنوالس نے سندھیا کے خاندان کے خلاف عمداً وہ تدابیر اختیار نہیں کیں جن سے وہ اس قوت کو زور پکڑنے سے روک سکتا تھا جو کمپنی کے خلاف استعمال ہونے والی تھی۔ بلکہ اس نے اپنے حکام بالا دست مقیم انگلستان کی رائے اور جذبات اور محولۂ بالا قانون کی دفعات اور شرائط پر عمل کیا لیکن

(۵۴) اس شریف النفس شخص نے ہندوستان کے سرداروں اور والیان ملک کو اس بات کا یقین دلانے کی ہر موقع پر کوشش کی کہ انگریزوں کا یہ طرز عمل انکے اعتدال پسند مسلک پر مبنی ہے نہ کہ کسی خوف و رعب پر۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ حاصل ہیں اور ان سے وہ اپنی حقیقی قوت کی کمزوریوں اور اپنے دیگر عیوب کو کامیابی کے ساتھ چھپا لیتا ہے لیکن اس کے ساتھ وہ اپنی حرص و طمع کی وجہ سے اکثر ایسی حرکتیں کر بیٹھتا ہے جو مصلحت اور دوراندیشی کے منافی ہوتی ہیں۔ اس آخر الذکر واقعہ کو پیش نظر رکھ کر میں نے خیال کیا تھا کہ اس معاملے میں اس کی رائے مستقل نہیں بلکہ عارضی اور چندروزہ ہے اسلئے فی الحقیقت ظن غالب یہی ہے کہ کہ اس کارروائی سے اس کی خاص غرض حصول زر کی امید تھی لیکن اس کے بعد جو واقعات اس کے موافق رونما ہوئے ان سے رفتہ رفتہ اس کی رائے کا صحیح اندازہ ہوگیا۔ اب یہ امر یقینی معلوم ہوتا ہے کہ اپنے علاقہ مالوہ اور اجمیر کو آگرہ اور دہلی سے ملا دینے سے اسکی غرض اپنے واسطے ایک آزاد سلطنت قائم کرنا اور پیشوا کی اطاعت سے سبکدوشی حاصل کرنا ہے۔

اس کے بعد مسٹر اینڈرسن اپنی یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ اس خطرناک خواہش کے بعد جو سندھیا نے ظاہر کی ہے اور اس نرمی کے غلط معنی سمجھنے کے بعد جو ہم نے اسکے ساتھ برتی ہے اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہم نہایت غور کے ساتھ اسکی حرکات کی دیکھ بھال کریں۔ آخر میں وہ اپنی اس تحریر کو ان الفاظ پر ختم کرتا ہے کہ "بعض موقعوں پر غالباً اسکی ترقی کو روکنا ضروری اور لابدی ہوگا اور جب کبھی اس کے لئے بغیر جنگ چھیڑے موزوں موقع حاصل ہوں ان سے ضرور فائدہ اٹھانا چاہئے" کر

باب

لارڈ ٹین ماؤتھ
Lord Teignmouth

لارڈ ٹین ماؤتھ نے اپنے سارے دورِ حکومت میں انگلستان کے مروجہ خیالات اور پارلیمنٹ کے احکام پر حرف بحرف نہایت احتیاط اور توجہ کے ساتھ عمل کیا۔ اس نے جو کچھ کیا وہ اپنے فرضِ منصبی کے صحیح احساس کے باعث کیا اگرچہ اُسے اس کا علم تھا کہ اس کی عدم مداخلت سے کس کس قسم کی خرابیاں پیدا ہو جائینگی۔ اس زمانے کی ہندوستان کی سیاسی حالت کے متعلق اس نے جو یادداشت اور خطوط تحریر کئے ہیں ان سے (اس شخص کی دیگر تصانیف کی مانند) برطانوی حکومت اور ہندوستانی ریاستوں کی حالت کے متعلق اس کی وسیع معلومات کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

اس نے عدم مداخلت کے مسلک پر سختی سے قائم رہنے کے لئے جو کوشش کی اس کے نتائج مفصل طور پر گذشتہ ابواب میں بیان کر دیے گئے ہیں۔ ٹیپو سلطان کو انگریزوں کے خلاف کارروائی کرنے اور اپنی دیرینہ خواہش کے پورا کرنے کیلئے کوئی خاص محرک قوت درکار نہ تھی۔ اُسے جب کبھی مناسب موقع ملتا اس سے وہ ضرور فائدہ اٹھاتا تھا لیکن اس موقع پر یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ اس نے انگریزوں کے خلاف جو مخاصمانہ کارروائی اختیار کی اس میں فرانسیسی سفراء اور حکومت ماریشس کی متوقع امداد کا زیادہ دخل تھا یا ہمارے فرمانروائے دکن کا جو ساتھ چھوڑا اور اُس سے جو جسارت اسے ہوئی اس کا اثر زیادہ تھا۔

(۵۵) **لارڈ ویلزلی**

ٹیپو سلطان کو شکست ہوئی میسور میں ہندو راجہ کو اس کے بزرگوں کا ملک واپس دیا گیا۔ فرمانروائے دکن کے ساتھ ہمارا اتحاد قائم ہوا جس کی رو سے انھوں نے اپنے یہاں سے فرانسیسی فوجوں کو برخاست کرنے کا اقرار کیا اور جنگ میں ہمیں ان سے امداد ملی۔ ان سب واقعات سے جنوبی ہند میں ہمارے جملہ تعلقات میں عظیم الشان تبدیلیاں پیدا ہو گئیں۔ عام طور پر یہ بات تسلیم کی جاتی ہے کہ ضرورت سے مجبور ہو کر لارڈ ویلزلی کو یہ تمام کارروائیاں شروع کرنی پڑیں۔ کامیابی نے اُسے جس مقام پر پہنچا دیا تھا وہاں پر وہ نہیں ٹھہر سکتا تھا خواہ وہ پیچھے قدم ہٹاتا یا اور آگے بڑھتا اگر پہلا راستہ اختیار کیا جاتا تو سلطنت کے آئندہ تحفظ کو قربان کرنے

باب ۵

وہ موجودہ چند پریشانیوں سے نجات حاصل کرسکتا تھا دوسرے راستے میں اگرچہ دشواریاں حائل تھیں اور مصیبتوں کا سامنا تھا لیکن نتیجہ میں امن وخوشحالی یقینی تھی ٹیپو سلطان اور اس کے حلیف فرانسیسیوں کو مغلوب کرنے کیلئے مجبوراً ویلزلی نے مرہٹوں کے حملوں سے سلطنت آصفیہ کو بچانے کیلئے قول اقرار کرلیا۔ یہ کارروائی بھی امن وسکون قایم کرنے کی دیگر کارروائیوں کی طرح ایک ایسی قوم کے خلاف تھی جس کی فوجیں اپنی ساخت اور تعداد کے باعث اس وقت تک سیر نہیں ہوسکتی تھیں جبتک کہ انھیں ہرسال اپنے ہمسایوں پر حملہ کرنیکا موقع نہ ملتا رہے اور یہ لوگ نظام دکن کے علاقے کو تقریباً ایک صدی سے لوٹ مار کے لئے اپنی میراث تصور کرتے تھے۔ لارڈ ویلزلی نے اس حقیقت سے آگاہ ہوکر لوٹ اور غارت گری کے اس سلسلے کو ہمیشہ کے لئے بند کرنے کے واسطے اپنی پوری قوت صرف کردینے کا تہیہ کرلیا۔ چونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ جدید تبدیلیوں کے بعد ہندوستان میں انگریزی عملداری قائم ہوجانے پر یہ سلسلہ ہرگز جاری نہیں رہ سکتا تھا۔

(۵۶) اس مسئلہ کے متعلق جو رائے اس نے قایم کی اور اپنی تجاویز پر عمل کرنے کے لئے اس نے جو تدابیر اختیار کیں وہ مفصل طور پر بیان کردی گئی ہیں لیکن مرہٹوں کے آخری سردار پر فتح حاصل ہونے کے عین موقع پر اس کی کارروائی روک دیگئی حالانکہ یہ مرہٹے علانیہ طور پر محض لوٹ مار اور غارت گری کے لئے جنگ کیا کرتے تھے۔

اسوقت انگلستان کے حکام بالادست کو بہت زیادہ خوف پیدا ہوگیا۔ ٹیپو سلطان پر فتح حاصل ہوجانے کے بعد جو حکمت عملی اختیار کی گئی تھی اس کے اصولوں پر انھوں نے اپنی ناراضی اور مخالفت ظاہر کی حالانکہ ٹیپو سے جنگ کرنا وہ مبنی برانصاف اور ناگزیر تسلیم کرتے تھے۔ لیکن اس قدر تسلیم کرنے پر انھیں سب باتیں ماننا پڑیں کیونکہ برطانیہ کا اعتبار قائم رکھنے کی غرض سے فرمانروائے دکن کے ساتھ اتحاد اور دوستی قائم کرنے کے بعد ہمیں اپنے کاموں پر کوئی اختیار حاصل نہیں رہا۔ حیدرآباد میں معاونتی فوج قائم کرنا ہماری پہلی

باب
کارروائی اور پھر اسی قسم کی فوج پونا میں قایم کرنا ہماری دوسری کارروائی ہوئی۔
لارڈ ویلزلی کی حکمت عملی کا خاص مقصد یہ تھا کہ ہندوستانی والیان ریاست کے ساتھ اس قسم کے اتحاد قایم کئے جائیں۔ کیونکہ ان کے ذریعہ سے بغیر صرفہ کے ہماری فوج کی تعداد میں اضافہ ہوتا تھا اور اس کی بدولت ہندوستان میں امن برقرار رکھنے کے لئے زبردست فوجی مقامات بھی ہمارے ہاتھ میں آجاتے تھے۔ بارہا تجربہ سے ثابت ہوگیا تھا کہ جب کبھی امن میں خلل واقع ہوگا ہم جنگ سے نہ بچ سکینگے یا ہم ایسی مصیبت میں پھنس جائینگے کہ اس کے اثرات ہماری شہرت اور ہمارے وسائل کے لئے جنگ سے بھی زیادہ خطرناک اور پریشان کن ہونگے۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ معاونتی معاہدوں کی بدولت ہمیں اپنی حکمت عملی کے مقاصد حاصل کرنے کے زبردست ذرائع حاصل ہوگئے اور اس میں بھی کچھ شبہ نہیں کہ اپنا (۵۷) اعتبار قائم اور امن وسکون کو برقرار رکھنے کے لئے ہم اس حکمت عملی کے مطابق عمل کرنے پر مجبور رہتے تاہم ان معاہدوں کی بدولت ہمیں بڑی پریشانیاں لاحق ہوئیں۔ ان معاہدوں کا ایک اثر یہ بھی ہوا کہ جو ریاستیں ہماری زیر حفاظت تھیں وہ کمزور ہوگئیں اور ان کے فرمانروا اپنا وقار دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش میں یا تو اپنا تخت وتاج کھو بیٹھے یا کاہل الوجود اور عیش پرست بن گئے۔ ان نتائج کو ہماری طاقت وقوت کے استحکام اور اس کی ترقی پر محمول کرنا چاہئے نہ کہ ان معاہدوں پر کیونکہ فتوحات کے جس راستے پر ہم مجبوراً پڑ گئے تھے اسے درست کرنے اور سنبھالنے کا یہ نہایت ہی اعتدال پسند ذریعہ تھا اور جن اسباب نے ہمیں اس راستے پر ڈالا وہ (جیسا کہ اوپر ظاہر کردیا گیا ہے) قطعی ہمارے قابو سے باہر تھے۔

جس قسم کے معاہدے کہ لارڈ ویلزلی نے کئے ویسے اس کے پیشرو بھی کرچکے تھے لارڈ کلائیو کے زمانے سے لیکر اس وقت تک ہر ایک کا یہی مقصد تھا کہ جن ہندوستانی ریاستوں سے ہم نے معاہدہ کیا ہے ان کے وجود کو حتی الامکان برقرار رکھا جائے۔ اس تدبیر پر مسلسل عمل ہونے سے اس کی ضرورت اور اس کے مفید ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

باب

اس تدبیر پر عمل کرنے یا اُن ذرائع کے اختیار کرنے کے علاوہ جن سے ہماری راست حکومت قائم ہو جائے ابتک کوئی دوسری تدبیر کسی کی سمجھ میں نہیں آئی۔ راست حکومت قائم ہونے سے اُن تمام خرابیوں کے علاوہ جو سوسائٹی میں یک لخت تبدیلیاں کرنے سے پیدا ہوتی ہیں ہمیں ان تمام زبردست خطرات کا مقابلہ کرنا پڑتا جن کا کہ اب تک کھٹکا لگا رہتا ہے۔"

(۵۸) جو حضرات کہ لارڈ ویلزلی کی کارروائیوں کے مخالف تھے ان کے انگلستان میں برسر اقتدار ہو جانے پر لارڈ کارنوالس کو اس خیال سے منتخب کیا گیا کہ یہ شخص غیر جانب داری کے مسلک کو ہندوستان میں بخوبی رواج دیگا یہ شریف النفس شخص زیادہ عمر رسیدہ تو نہ تھا لیکن خرابی صحت کے باعث بیحد کمزور ہو گیا تھا چنانچہ ہندوستان پہنچنے پر اس کا انتقال ہو گیا اور سر جارج بارلو اسکا

سر جارج بارلو

جانشین بنایا گیا اور اس لئے حکام انگلستان کے مقرر کردہ اصولوں کی پابندی کرکے ان امور میں قطعی دست اندازی نہیں کی جو معاہدے کی رو سے ہمارے لئے لازمی نہ تھے البتہ صرف ایک معاملے میں جس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے وہ اس راہ سے روگردانی کرنے پر مجبور ہو گیا اور اپنے طرز عمل کی حمایت میں اس نے جو زبردست دلائل پیش کئے ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے تجربے اور معلومات اور پر احساس فرض منصبی نے اسے یہ باور کرا لینے کے لئے مجبور کر دیا کہ عدم مداخلت کے اصول پر اسوقت کاربند ہونا قطعی ناممکن ہے۔"

(۵۹)

لارڈ منٹو کا دور

لارڈ منٹو کے دور حکومت سے ظاہر ہوتا ہے کہ احتیاط کے ساتھ بتدریج ہمیں ان اصولوں پر کاربند ہونا چاہئے جن سے کہ ہماری عملداری قائم رہ سکتی ہے۔ لارڈ منٹو نے معرض خطر ہونے کے وقت انگریزی حقوق کو ایسے عمدہ پیرایہ میں پیش کیا جن سے حتی الامکان ان خیالات کی اصلاح ہو گئی جو قزاقوں اور پنڈاروں کی روز افزوں چیرہ دستیوں اور مظالم سے پیدا ہو گئے تھے اور جنھیں یہ سمجھ کر ملک متوسط میں چھوڑ رکھا تھا کہ وہاں پر یہ لوگ آپس میں لڑ بھڑ کر کٹ مریں گے۔ لارڈ منٹو نے ان نتائج کا پیشتر سے

باب ۳

اندازہ کرلیا جو اس حالت سے پیدا ہونے والے تھے اور اس نے اپنے پیشروؤں کی طرح اپنی حکومت کو معاہدوں کے ذریعہ سے تقویت پہنچانے کی تدبیر کی اور لارڈ منٹو نیز حکومت انگلستان کو بےحد افسوس ہوا کہ وہ ناگپور کے راجہ سے اس قسم کا معاہدہ کرنے میں قطعی ناکام رہا۔ اس قابل اور اعتدال پسند شخص نے ان معاہدوں کی نوعیت اور اثرات کو وضاحت اور صداقت کے ساتھ بیان کرنے اور اُن کی مسلمہ خرابیوں کو بتانے کے بعد (بالخصوص جو حیدرآباد سے معاہدہ کرنے پر ظاہر ہوئیں) یہ نتیجہ نکالا ہے کہ "ان الفاظ سے یہ غرض نہیں کہ معاونتی معاہدوں کی حکمت عملی یا ان سے سلطنت برطانیہ پر ماضی، حال اور مستقبل میں جو سودمند اور منفعت بخش اثر پڑا اور پڑے گا اس پر کوئی اعتراض کیا جاتا ہے ان سے ہماری قوت اور وسائل کو زبردست فوائد حاصل ہوئے ہیں اور ان سے وہ تمام خطرات بھی ہمیشہ کے لئے دفع ہو گئے ہیں جو مرقومۂ بالا خرابیوں سے کہیں زیادہ اندیشہ ناک تھے لیکن ان معاہدوں میں دیگر انسانی کاموں کی مانند زوال کے اسباب موجود ہیں لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسی صورتوں میں قدرتی طور پر جو زوال پذیر اسباب سرعت کے ساتھ پیدا ہو جاتے ہیں ان کے روکنے کے لئے مناسب و صحیح تدابیر اختیار کی جائیں"

لارڈ ہیسٹنگز

لارڈ ہیسٹنگز نے اپنی حکومت کی ہر ایک سیاسی کارروائی میں ان اصولوں پر کاربند ہونے کی ضرورت کو ثابت کر دکھایا جن کی بدولت لارڈ ویلز لی کا دورِ حکومت ممتاز ہوا تھا اور لارڈ ویلز لی کی خواہش کے بموجب اس نے سلطنت برطانیہ کی شہرت اور مرفہ الحالی کو ہندوستان کے امن عامہ کی معزز اور مستحکم بنیاد پر قائم کر دیا اور اس طرح جو زبردست اثر و اقتدار حاصل ہوا اس سے اسے برقرار رکھا۔

(۶۰) اس کی یادداشت مورخہ ۱۵ دسمبر ۱۸۱۵ع میں یہ خیالات نہایت قابلیت

باب ۸

کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں جن میں کہ اس واجب الاحترام شخص نے نہایت شستہ الفاظ میں اس تباہی اور مصیبت کو دکھایا ہے جو دس سال تک غیر جانب داری کے مسلک پر عمل پیرا ہونے سے واقع ہوئی اس کے بعد اس نے ان نتائج کو دکھایا جو اس کے برعکس طرزِ عمل کے اختیار کرلنے سے مرتب ہوں گے۔ اس کے پرزور دلائل ہندوستان اور دیگر ممالک کی تاریخی مثالوں کے بیان کرنے سے اور بھی قوی ہوگئے ہیں اور اگر واقعات پردہ نما ہونے سے ان کی صداقت کی تائید نہ ہوجاتی تو ممکن تھا کہ ان کا خاطر خواہ اثر نہ پڑتا لیکن ان واقعات کے بعد کوئی شخص ایک ایسے اصول کی حمایت نہیں کرسکتا تھا جو بارہ سال کے مسلسل تجربہ کے بعد ناقابلِ عمل ثابت ہوچکا تھا۔

لارڈ ہیسٹنگز کو پنڈاریوں اور مرہٹوں کے ساتھ جنگ کرنے میں مکمل کامیابی حاصل ہوگئی اور اس کے بعد اس نے اعلان کردیا کہ ہندوستان میں انگریزی سلطنت کو اقتدارِ اعلیٰ حاصل ہے اور اب وہ اس حیثیت سے جملہ تنازعات میں ثالث بن کر تصفیہ کرنے اور ہندوستان میں امنِ عامہ قائم رکھنے کی ضامن ہے۔ انگلستان کی رائے میں بھی اس وقت ایسی تبدیلی واقع ہوگئی تھی کہ اس کارروائی کے خلاف ایک آواز بھی نہیں سنائی دی حالانکہ چند سال پیشتر اس خیال کو حریصانہ خواب سے تعبیر کرکے اس کی سخت مذمت کی گئی تھی۔ واقعات

(۶۱)

اور تفصیلی معلومات نے پبلک کے روشن خیال طبقے کو یقین دلادیا کہ ہندوستان کے مقامی نظم ونسق کے لئے انگلستان میں جو خیالات مروج تھے وہ غلطی پر مبنی تھے۔ مجلس مقننہ نے جو نظام حکومت ہندوستان کے لئے تجویز کیا تھا وہ کتنا ہی پسندیدہ کیوں نہ ہو لیکن ناقابلِ عمل ضرور تھا کیونکہ اگرچہ پارلیمنٹ انگریزی حکام کے لئے احکام نافذ کرسکتی ہے اور ان کے لئے ایک راستہ مقرر کرسکتی ہے لیکن اس کا اثر ہندوستانی ریاستوں تک نہیں پہنچ سکتا جن سے کہ ان کی مستقل طور پر جنگ جاری

باب ۳

ہے اور جن کے خود مختار فرماں روا حسد، رشک، لالچ، غرور اور آزادی کے حصول کے شوق میں انگریزی عملداری کو تباہ کرنے کیلئے خفیہ اور علانیہ کارروائیاں کرتے رہتے ہیں اور ہندوستان سے ہر ایک انگریز کو نکال باہر کرنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔

اگر حقیقت حال یہی ہے تو اس میں کس کو کلام ہو سکتا ہے کہ ہمیں ہندوستان میں مجبوراً اقتدار اعلیٰ حاصل کرنا پڑا کیونکہ اس ملک میں اپنا وجود برقرار رکھنے کے لئے صرف یہی ایک صورت ممکن تھی۔

انگلستان کے زبردست اور نہایت قابل مدبرین اور ہندوستان کا تجربہ رکھنے والے انگریزوں نے متفقہ طور پر اس رائے کی تائید کی کہ ہندوستان میں ہمارے علاقے کی توسیع نہ صرف ناپسندیدہ بلکہ مضرت رساں ہے اور جن حضرات کے سپرد ہندوستان کا انتظام تھا اُن کی دلی خواہش یہی تھی کہ حتی المقدور جنگ سے اجتناب کیا جائے اور اس ملک میں امن قائم کیا جائے لیکن ان سب کو جنگ میں مصروف ہونا پڑا اور جن حکام نے جنگ سے گریز کیا انھوں نے اسکی ضرورت کو تسلیم کر کے یہ کام اپنے جانشینوں کیلئے چھوڑ دیا۔ اس زبردست واقعہ میں ہم اسقدر اور اضافہ کرتے ہیں کہ مجلس نگران جو محض اس غرض سے قائم کیگئی تھی کہ وہ اپنے اثر سے ملک گیری اور توسیع سلطنت کی تدبیر و تجاویز کو روکے اُس کے ہر ایک صدر نے مقامی حکومت کی ہر ایک ایسی تجویز کی تائید کی جس سے اس کے برعکس نتائج مترتب ہوئے اور انھوں نے اُس کی ضرورت اور دانشمندی کو تسلیم کیا۔ اس لئے ہم یہ نتیجہ اخذ کرنے (۶۲)

ؔ لارڈ ولنگٹن ورمی ہی اس زمانے میں ایک ایسا شخص تھا جس نے لارڈ ویلزلی سے عہد نامہ بسین کے متعلق اختلاف کیا تھا دونوں کے مفصل دلائل اس کتاب میں درج ہیں لیکن ان دونوں میں اختلاف ایک جزوی معاملے پر تھا۔ یعنی فتح میسور اور معاہدۂ حیدرآباد کے بعد کیا انگریزی حکومت کے لئے یہ ممکن تھا کہ وہ اپنے مقررہ اصولوں اور اپنے یہاں کے رواج سے یہاں پر حکومت کرتی رہتی۔ اور مرہٹوں

بابت

(۶۳)

پر مجبور ہوتے ہیں کہ اس حد میں جس قدر انگریزی مدبرین داخل ہیں ان سب پر وہی الزام عائد ہوتا ہے جو ہندوستان کے گورنروں پر لگایا جاتا ہے اور یہ کہ پورے طور پر واقعات معلوم ہو جانے پر لڑائیوں کو منصفانہ اور ضروری تصور کر گئے خود انھوں نے ان لڑائیوں کی بخوشی اجازت دی۔ ممکن ہے کہ بعض ایسے معاملات بھی ہوں جن میں یہ ثابت کیا جا سکے کہ بعض افراد کے مزاج یا فیصلے کی غلطی سے جنگ میں عجلت ہوئی لیکن یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ نہایت اعتدال پسند حکام نے بھی مجبوراً یہی راستہ اختیار کیا۔ حکام بالا کے احکام اور قانون کی دفعات ہماری قوت کی بالیدگی کو روکنے میں قطعی ناکام ثابت ہوئی ہیں بلکہ ان کی وجہ سے ہماری قوت کے عروج میں اور بھی تیزی پیدا ہو گئی ہے جو کسی دوسری طرح پر ممکن نہ ہوتی ؟

واقعات سے یہی نتائج نکالے جا سکتے ہیں لیکن جس قانون نے فتوحات اور ہماری دست اندازی کی مخالفت کی وہ اب ردی کاغذ سمجھا جاتا ہے۔ ہم اب ہندوستان کے مسلمہ مالک ہیں اور اب کوئی ایسا فرماں روا یا سردار باقی نہیں جس سے ہمارے تعلقات قائم نہ ہوں۔ اور ان تعلقات کی رو سے ہم ان کے دوستانہ محافظ اور وہ ہمارے ماتحت اور باجگذار نہ ہوں۔ ایسی صورت میں یہ امر ضروری

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ سے اس کا انسداد نہ ہوتا جن کا طرز حکومت صرف لوٹ مار اور غارت گری پر مبنی تھا۔ مزید براں دونوں کی رائے میں ان تدابیر کے متعلق بھی اختلاف تھا جن سے کہ ان دونوں یعنی انگریزوں اور مرہٹوں میں اتحاد ہو سکتا تھا۔ لیکن جنگ سے مفر حاصل کرنے کا صرف یہی ایک ذریعہ تھا کہ ان سے ایسے معاہدے کر لئے جاتے جن کی وجہ سے لٹیروں کی اس قوم کے بڑے بڑے سرداروں کے مفاد ایک دوسرے کے متضاد ہو جاتے (اسی میں سے ایک عہدنامہ بسین تھا)۔

معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنی حقیقی حالت کو سمجھیں اور تبدیل حالات کے لحاظ سے ہماری مقامی اور بیرونی حکومت کی ساخت اور اس کے اصولوں میں جس قسم کی تبدیلیاں ضروری ہوں ان پر غور کریں۔ ان اہم امور کا دوسرے ابواب میں ذکر کیا جائے گا ۔

نواں باب

ہندوستان کے نظم ونسق کے متعلق حکومت انگلستان کی کارروائی پر نقد وتبصرہ

(۶۳) گذشتہ باب میں اپنی سیاسی قوت کی ابتدا اور اس کی ترقی کا تذکرہ اس غرض سے نہیں کیا گیا ہے کہ افراد کی قابلیت یا ان کے کارناموں کا مقابلہ کرکے بے سود بحث کو تازہ کیا جائے۔ ان مسائل کی بابت لوگوں کے خواہ کچھ ہی خیالات کیوں نہ ہوں لیکن ہر شخص اس کی تائید کریگا کہ ہندوستان میں ہماری قوت کے مسئلہ کی صورت بالکل تبدیل ہوگئی ہے۔ ہم اس بلند چوٹی پر جا پہنچے ہیں کہ ایک مدت دراز سے جہاں پہنچنے کے تصور سے بہت سے لوگ خوف زدہ ہوجاتے تھے اور جس مسالے سے کہ ہماری آئندہ قوت کی دیوار تیار ہوگی اس کی نوعیت اور ماہیت سمجھنے کے لئے ہمیں ان راستوں کا علم ضرور ہونا چاہیئے جن سے کہ ہم نے منازل طے کئے اور جن میں بعض اوقات چند موانع پیش آئے اور جن میں کہ ہم اتنی تیز رفتاری کے ساتھ آگے بڑھے جسکو روکنے

باب ۹

کا تو در کنار ہم تو اس رفتار کو کسی ضابطے کا پابند ہی نہیں کر سکتے تھے۔ ہمیں یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئیے کہ جبتک کہ کوئی عمارت اپنے اجزائے ترکیبی کے موافق نہ ہو وہ قائم نہیں رہ سکتی ہے ۔

ہم نے ہندوستان میں اپنے سب دشمنوں پر فتح حاصل کرلی ہے لیکن ہماری

(۶۵) کوششوں کی اس بارآوری ہی نے ہمارے لئے زبردست خطرہ پیدا کر دیا ہے۔ اپنی موجودہ حالت کو بہتر بنانے کے لئے اس وقت ہمیں جو سہولتیں حاصل ہیں اگر انھیں صحیح طریقے پر استعمال نہ کیا گیا تو انھیں کی بدولت تباہی کے اسباب بہت جلد پیدا ہو جائینگے ۔

ہندوستان کی اصلی حالت پر غور کرنے والوں کو اس بات کا یقین ہو جائیگا کہ حاصل کی ہوئی سلطنت کو برقرار رکھنے کے مرحلے سے جو ہمیں اس وقت درپیش ہے فتح مندی کا معاملہ بہت زیادہ آسان تھا۔ نفسیاتی خواہشات نے حصول سلطنت کی ہم کو ترغیب و تحریص کی۔ کامیابی حاصل ہونے سے ہمیں دولت اور شہرت مل گئی اب اسے برقرار رکھنے کی کارروائی کو بکمال دانائی انجام دینا چاہیئے جس کی رو سے اس کے بعید مقاصد پر نظر رکھنا ہوگا۔ اگرچہ ایسی صورت میں اکثر بجائے ستائش کے اس کی مذمت کی جائیگی لیکن اس کی خاص خوبی اس کے تدابیر کے غیر محسوس عمل میں منحصر ہوگی۔ اس موقع پر صرف اتنا ہی کافی نہیں ہے کہ انگریز حکام اور مقیمان ہند انگریزوں کے خصوصیات اور اہل ہند کے حقیقی حالات ہی کو پیش نظر رکھا جائے بلکہ گذشتہ تجربات سے استفادہ حاصل کر کے حاکم و محکوم دونوں کی فطرت کے موافق، ان کے عادات وخصائل، تعصبات اور قوانین و رسوم کو پیش نظر رکھ کر ان تبدیلیوں کا اندازہ کرنا چاہیئے جو حاکم و محکوم کی حالت میں پیدا ہونگی تاکہ ہم ان تبدیلیوں اور مصیبتوں کو رفع کر سکیں جنکا پیدا ہونا ان فوری تبدیلیوں سے ناگزیر ہے ۔

سنہ ۱۸۱۱ء سے قبل انگلستان میں ہندوستان کے نظم و نسق کے متعلق جو

(۶۶) تبدیلیاں واقع ہوئی تھیں ان کی بابت اس کتاب کے دیباچے میں ہم کافی طور پر بیان کر چکے ہیں۔ آئندہ (۲۰) سال کے لئے کمپنی کے حقوق کی تجدید کے لئے

باب ۵

۱۸۱۳ء میں جو قانون پارلیمنٹ نے منظور کیا تھا اس سے سلطنت ہند کے اس شعبہ کے اختیارات میں کوئی مادی تبدیلی نہیں ہوئی تھی لیکن ایک زبردست تجارتی جماعت کو ہندوستان میں تجارت کرنے کے جو حقوق عطا کئے گئے ان کے باعث کمپنی بہت کمزور ہوگئی اور اس کی بدولت وزراء کے اختیارات میں اور بھی اضافہ ہوگیا۔ ابتدا ہی سے مجلس نظما نے دارالعوام میں امتیاز قائم کرنے کی کوشش کی تھی اور اکثر موقعوں پر ملک معظم کے وزرا کا نہایت کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا تھا لیکن جدید قانون نے ایک زبردست جماعت بنا دی ہے اور کمپنی ان جملہ مسائل میں جن کا تعلق کمپنی کے حقوق اور اختیارات سے ہوتا ہے اس جماعت کی دست نگر ہوگئی ہے۔

گورنر جنرل اور مختلف صوبوں کے گورنر اور سپہ سالار اعظم کے عہدوں کے لئے نامزدگی کا حق اس قانون کی رو سے کمپنی کو حاصل ہے البتہ ملک معظم کی منظوری حاصل کرنی لازمی ہے۔ اگر کسی شخص کا تقرر نامنظور ہو جائے تو مجلس نظما دوسرے شخص کو نامزد کر سکتی ہے حتیٰ کہ ملک معظم اور مجلس نظما دونوں کی رائے ایک ہو جائے لیکن کسی موزوں شخص کا تقرر کرنے اور اس اختلاف رائے کو رفع کرنے کی غرض سے اس قانون میں یہ فقرہ اور بڑھا دیا گیا کہ اگر عہدہ خالی ہونے سے دو ماہ کے اندر مجلس نظما کسی شخص کا تقرر نہ کرے گی تو پھر اس عہدہ کے لئے نامزدگی کا حق ملک معظم کو حاصل ہو جائیگا۔ اس قانون کی رو سے مجلس نظما اور ملک معظم کے وزرا میں ان جملہ مسائل میں اتفاق رائے ہونا لازمی ہے جن کا تعلق سلطنت ہند کے استحکام اور اس کی صلاح سے ہو۔ اگرچہ اس قانون کی دفعات سے پریشانی اور کمزوری پیدا ہونے کا امکان معلوم ہوتا ہے لیکن یہ قانون انگریزی دستور کی صحیح اسپرٹ کو مد نظر رکھ کر تیار کیا گیا ہے۔ اس قانون نے سرپرستی کے غلط استعمال کو بڑی حد تک روک دیا ہے اور اختلاف رائے کی صورت میں فریقین کو رائے عامہ کا جوابدہ قرار دیا ہے۔ اس سے ہمیشہ فائدہ ہی پہنچے گا کیونکہ ایسا زمانہ ہمارے قیاس سے باہر ہے جبکہ انگلستان کے حکام ایسے مسائل میں رائے عامہ کی پروا

(۶۷)

باب ۹

ذکر ہیں جو ان کے اعمال کے بابت زیر بحث ہوں ؛

مجلس نظما کو جدید اور قدیم دونوں قانونوں کی رو سے بلا استمزاج وزرائے سلطنت برطانیہ گورنر جنرل اور گورنر اور سپہ سالار افواج ہند کو بطور اپنے ملازم کے برخاست کرنے کا استحقاق حاصل تھا ؛

اسی قانون کی چند دفعات کی رو سے مجلس نظما کو بلا استمزاج کمشنران انڈیا بورڈ کسی بڑے عہدہ دار کے عارضی تقرر کا بھی حق حاصل نہیں تھا البتہ وہ ارکان کونسل اور اسٹاف کے جنرل مقرر کر سکتی تھی اور چند دیگر عہدہ داروں کے انتخاب اور نامزدگی کا اسے خاص طور پر اختیار دیا گیا تھا۔ اگر مقامی حکومت کسی سول یا فوجی افسر کو معطل یا برخاست کر دیتی تو اسے مجلس نظما اپنے اختیار سے بحال کر سکتی تھی لیکن اس اختیار پر عمل کرنے کے لئے بھی وزرا کی منظوری حاصل کرنا لازمی ہوتا تھا ؛

نظما کے اختیارات پر اس طرح کی پابندیاں لگا دینا دانشمندانہ اور سودمند فعل تھا۔ انگلستان میں تقررات ہونے اور ہندوستان کے معطل اور

۱؎ جب ہم اس حق کی نوعیت اور مجلس نظما کی ساخت پر غور کرتے ہیں تو ہمیں استعجاب نہیں ہوتا ہے کہ اس حق پر کبھی بھی عمل نہیں کیا گیا لیکن جب کبھی وہ ہندوستان کے اعلیٰ افسران سے مطمئن نہ ہوتے تھے تو وزراء کی جماعت کے اندیشہ سے وہ ان افسران کو برخاست کرنے کی ذمہ داری لینے سے کانپ اٹھتے تھے چونکہ انھیں اس قسم کا حق حاصل تھا اس لئے وزراء پر بھی اس کا ضرور اثر ہوتا ہوگا ؛

کمپنی کو ایسی صورتوں میں برخاست کرنیکا اختیار نہیں رہا جبکہ گورنر یا گورنر جنرل یا سپہ سالار افواج ہند کی جگہ خالی ہوئی ہو اور مجلس نظما نے مقررہ وقت کے اندر کسی کو نامزد نہیں کیا اور وزرا نے ایسے عہدوں پر خود تقررات کردئے ہوں۔

۲؎ اس قانون میں وہ فوجی افسران داخل نہیں ہیں جنھیں فوجی عدالت نے برخاست کیا ہو انکے مقدمات شاہ جارج سوم کے قانون ۱۳ (باب ۶۳) کے دفعہ ۲ و ۵ کے مطابق فیصل ہوسکتے ہیں۔

پارلیمنٹ

برخاست شدہ افسروں کے بار بار بحال کر دینے سے زیادہ کوئی اور امر مقامی حکومت کے اثر اور اختیارات کو کمزور نہیں کرسکتا تھا اور نہ اس سے زیادہ اور کسی فعل سے ان افسروں کو پست ہمت کیا جاسکتا تھا جو اپنے اس قسم کے کاموں کی منظوری کے لئے کوشش کرتے تھے لیکن جدید قانون کی رو سے مجلس نظما اور مجلس نگران کار ہندوستان کی مقامی حکومت کے ایسے فیصلوں میں مداخلت نہیں کرسکتی جن کا تعلق سرکاری عہدہ داروں کے طرز عمل یا ان کی ملازمت سے رہو۔ حکام انگلستان کے یہ قیود نہایت سودمند ہیں چونکہ ان سے پرائیوٹ سرپرستی کا سد باب ہو جاتا ہے اور ناواجب شخصی اثر محدود ہو جاتا ہے اور اسی کی بدولت یا ہر کے سرکاری ملازم کلیتاً اپنے افسران بالادست ہی سے اپنا سروکار رکھتے ہیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے زبردست تجارتی معاملات کے انتظام کے خیال سے مجلس نظما عالم وجود میں آئی تھی لیکن گذشتہ چند سال سے دیگر فرائض کے مقابلے میں تجارت کا نظم و نسق غیر اہم فرض رہ گیا ہے۔ اس مجلس کی ادائے فرض کی قابلیت اور اس کے سلطنت ہند کے ضروری جزو ہونے کی اہمیت کے متعلق ہم نے اپنے چند خیالات ظاہر کرنے کا تہیہ کیا ہے۔ ایک قسم کی حکومت کی خوبیاں مقابلہ سے معلوم ہوا کرتی ہیں اور حکومت کی کسی شکل کو بھی ہم صرف اسی دلیل کی بنا پر منسوخ نہیں کرسکتے ہیں کہ وہ جدید خیالات کے مطابق نہیں ہے یا وہ رائے عامہ اور مقررہ اصولوں کے خلاف ہے۔ یہ وجوہ کسی خاص قسم کی حکومت قائم نہ کرنے کے لئے ضرور قابل تسلیم ہیں لیکن قائم شدہ حکومت کو برباد کرنے کے لئے وہ دلائل نہایت پوچ اور لچر ہیں۔ اگر برطانوی ہند کیلئے ہمیں کسی خاص قسم کی حکومت قائم کرنے کی ضرورت ہوتی تو وہ شخص فاترالعقل سمجھا جاتا جو موجودہ طرز حکومت وہاں کے لئے تجویز کرتا۔ لیکن غور کرنے سے

(۶۶)

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ آخر الذکر قانون انہی شبہات کی بنا پر نافذ کیا گیا تھا کہ ایکٹ ۱۷۹۳ء 33, Geor III Cap. 52 See 69 کی رو سے فوجی عدالت کے حکم سے برخاست کئے ہوئے افسر کا بحال کرنا قطعی ممنوع ہے۔

باب ۹ (۶۰)

ہمیں معلوم ہوگا کہ اب حالت بالکل بدل گئی ہے اور ہماری عملداری کے ساتھ اس نے بھی ترقی کی ہے اور اب تاجروں کی جماعت کو ایک بڑے کارخانے کے انتظام کے بجائے ایک سلطنت کا نظم ونسق کرنا پڑتا ہے اور حکومت کے ہر شعبہ میں ہر ایک محکمے نے اپنے اپنے فرائض اپنے کاموں کی وسعت واہمیت کے لحاظ سے انجام دئیے ہیں۔ ان سب باتوں کا انجام کامیابی اور مرفہ الحالی ہوا ہے۔ کمپنی کے مخالفین کا خیال ہے کہ یہ کامیابی قانون ساز جماعت کی مداخلت اور مجلس نگرانکار کے قیام سے حاصل ہوئی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بہت سی اصلاحات ان وجوہ سے عمل میں آئی ہیں لیکن مجلس نگرانکار جن اغراض کے حصول کے لئے قائم کی گئی تھی وہ حاصل ہوگئے اس لئے ہمیں یہ نتیجہ نہیں اخذ کرنا چاہیئے کہ وہ مزید اختیارات دئیے جانے کی اہل ہے۔ جتنی نگرانی کہ اس نے دوسروں کے کاموں پر کی ہے اتنی ہی نگرانی اس کے کاموں پر دوسروں کی رہی ہے۔

مجلس نظما کے اختیارات کم ہوگئے ہیں اس لئے وہ نہایت ہوشیار اور حاسد ہوگئی ہے اور اس نے مجلس نگرانکار کی ہر ایک کارروائی کی اس طرح جانچ کی جس سے اس کے اثر اور اختیارات کے بیجا استعمال کا نہایت موثر طور پر انسداد ہوگیا۔

جب کمپنی کے ان دعاوی پر بحث شروع ہوئی کہ تجدید مراعات پر انہیں ہندوستان کے مالی، فوجی اور سیاسی امور میں وہی حقوق حاصل رہیں جو اسوقت ہیں تو اس تجدید کی دونوں ایوانہائے پارلیمنٹ کے متعدد ممبران نے مخالفت کی لیکن اس مجلس کے اختیارات سلب کرنے کیلئے جو دلائل اور وجوہ پیش کئے گئے وہ اُن وجوہ سے بالکل مختلف تھے جو تیس سال پیشتر بیان کئے گئے تھے۔ یہ مخالفین کمپنی پر ظلم اور بددیانتی کا تو کوئی الزام عائد نہ کرسکے۔ (۶۱)

لہ کمپنی کا اجازت نامہ دوامی ہے۔ سنہ ۱۸۱۳ء کے قانون نے اراضی اور تجارتی مراعات کی اور چند سال کے لئے تجدید کردی لیکن اس مدت میں اجازت کی میعاد ختم نہ ہوگی اس نظام کو تبدیل کرنے کے لئے خواہ کوئی انتظام تجویز کیا جائے لیکن اس میں کمپنی کا یہ امتیازی حق خاص اہمیت رکھیگا۔

باب ۹

نظام سلطنت میں قابل تعریف تبدیلی تسلیم کی گئی لیکن نہایت زور کے ساتھ یہ
شکایت پیش کی گئی کہ مجلس نظما ان زبردست فرائض کو انجام دہی کے لائق نہیں
ہے اور حکومت کے سارے ڈھانچے میں نہایت بے ضابطگی ہے اور ایسی
ناقابل جماعت کے برسر حکومت رہنے سے بڑی بڑی خرابیاں پیدا ہونے
کا احتمال اور امکان ہے۔ کمپنی کے مخالفین نے تو اس بات کو مان لیا کہ نظما
کو جو حقوق حاصل ہیں ان کا ایک لخت سلب کر لینا نہایت مشکل ہے اور یہ
اختیارات تاج برطانیہ کو دینا دانشمندی کے خلاف ہے لیکن ایسے بہت
سے تجاویز پیش کیے گئے جن پر عمل پیرا ہونے سے مفاد عامہ کو اس سے چنداں
نقصان و مضرت نہیں پہنچ سکتی تھی۔ ان معمولی دلائل کا جواب دینا چنداں
دشوار نہ تھا۔

اس بات کو مان لینے سے کہ کمپنی کی عملداری میں زبردست تبدیلی
پیدا ہو گئی ہے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نقائص لاعلاج نہیں ہیں اور انگریزی
قانون کے اصول میں یہ بات داخل ہے کہ جس کی اصلاح ہو سکتی ہے اسکو
نیست و نابود نہیں کرنا چاہئے۔ ہماری سلطنت کے آزاد دستور کے دیگر (۲۲)
حصوں کی طرح ہماری سلطنت ہند کے اس شعبے میں بھی بے ضابطگی پائی
جاتی ہے اور جدید اہم فرائض کی ادائگی کی ناقابلیت کے متعلق یہ کہا جا سکتا
ہے کہ گذشتہ بیس سال میں جو کچھ بھی وقوع میں آیا ہے اس سے اسبات
کی ترغیب ہوتی ہے کہ سب کو نیست و نابود کرنے کے بجائے ہم ترمیم اور
اصلاح کرتے ہوئے آگے بڑھے چلیں کیونکہ یہ یقینی بات نہیں کہ موجودہ نظام
کو درہم برہم کرکے اگر کوئی دوسرا انتظام قائم کیا جائے تو وہ موجودہ نظم کے
برابر بھی موزوں اور مناسب ثابت ہوگا۔

سنہ ۱۷۸۴ء کے قانون کے بعد سے کمپنی کے دستور میں بہت سی اہم
تبدیلیاں کی گئی ہیں لیکن سرمایہ داروں کی مجلس پر ان تبدیلیوں کا جو اثر پڑا
ہے وہ سب سے زیادہ قابل توجہ ہے۔ جس زمانے تک کہ مجلس نظما
وزراء کے زیر اثر نہیں تھی اس وقت تک ہندوستان کے بڑے عہدوں پر

باب ۹

نامزدگیوں اور دیگر اہم سیاسی معاملات میں مالکان کمپنی مداخلت کرتے رہے لیکن
جب معاملات ہند کے نظم و نسق میں خود حکومت ایک فریق بن گئی تو یہ ضروری
سمجھا گیا کہ ان کے انتظامات میں کمپنی کی مجلس عامہ دست اندازی نہ کرنے پائے
لہذا اس کے اختیارات جدید قانون کی چند دفعات سے بہت کچھ کم کر دیئے گئے دیگر
واقعات سے بھی مالکان کمپنی کی رائے اور اصولوں میں بہت کچھ تبدیلی واقع

(۴۲)

ہوئی ہے از انجملہ ہندوستان سے تجارت شروع کرنے کا مسئلہ نہایت دقیق
اور اہم تھا۔ جب مجلس نظما میں کوئی جگہ خالی ہو جاتی تو اس کو پر کرنے کے لئے
خود اس مجلس کے ارکان کسی کا نام پیش کرتے اور اپنی شخصی اور اجتماعی کوششوں
سے اس کے تقرر میں کامیاب ہو جاتے تھے۔ یہ جدید ناظم مجلس نظما کا بیحد
مرہون احسان ہوتا جس کا اب وہ خود ایک رکن تھا اور ہمیشہ یہ خیال اس
کے دامن گیر رہتا تھا کہ یہاں کے اتحاد و ارتباط کو جس سے خود اسے فائدہ
پہنچا ہے قایم رکھنا چاہئے لیکن اب چند سال سے حالت بدل گئی ہے۔ کسی
امیدوار کی اگر چند اراکین حمایت کرتے ہیں تو دیگر ارکان مخالفت کرتے ہیں۔
اس طور سے اب وہ فرقہ بندی کے اصولوں پر اپنے فرائض ادا کرتے ہیں جس
کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اس اتحاد اور یک جہتی کا خاتمہ ہو جائیگا جو کسی زمانے میں
اس جماعت کی قوت کا موجب تھی۔

انگلستان کی ان تبدیلیوں کا اثر بڑھتے بڑھتے ہندوستان پر بھی پڑنے
لگا ہے اور اس کی وجہ سے کمپنی اور اس کے غیر ملکی ملازمان کے تعلقات میں
بھی بڑی تبدیلی پیدا ہو گئی ہے کیونکہ اب ملازمان کلیتاً کمپنی ہی کے دست نگر
نہیں رہے ہیں۔ گذشتہ تیس ۳۰ سال میں جو واقعات رونما ہوئے ہیں ان سے
ہندوستان کے فوجی اور سول افسران کی قدر منزلت اہل انگلستان کی نظر میں
بہت کچھ بڑھ گئی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے کیرکٹر کا نہایت عمدہ اثر
پڑ رہا ہے اور ان کی شہرت بڑھتی جاتی ہے ہندوستان کے فوجی عہدیدار
لارڈ بکن شاشائن (Lord Buckin Shaw shine) کے نہایت مرہون منت ہیں کہ آپ نے
انکے حقوق کو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ ملک معظم کے روبرو پیش کرکے ان کو، او۔ بی (O.B.) کا

صدر مجلس | باب ۹ (نہم)

خطاب عطا ہونیکی منظوری حاصل کرلی مسٹر کیننگ (Mr. Canning) صدر مجلس نظما کی اس عنایت کی پبلک خاص طور پر شکر گذار ہے کہ آپنے سرطامس منرو (Sir Thomas Munro) اور ازیبل ماونٹ اسٹورٹ (Hon'ble Mount Stuart) جیسے واجب الاحترام اور نہایت قابل اشخاص کا تقرر کرایا جو مدراس اور بمبئی کے معزز عہدہ گورنری پر کئی سال تک مامور رہے۔

ان دونوں کے تقرر کے وقت یہ اندیشہ ظاہر کیا گیا تھا کہ شاید مجلس نظما اپنے عملدرآمد کے خلاف انگلستان کے قابل حضرات کے بجائے اپنے ملازموں کو ان جلیل القدر عہدوں پر مقرر کرانے کی طرف توجہ کریگی لیکن اس انتخاب سے سب مطمئن ہوگئے کیونکہ جب ہندوستان کے عہدہ داروں میں ایسے قابل لوگ[1] داخل ہیں تو پھر اس قسم کا عملدرآمد معقول پالسی اور انصاف کے منافی ہے جس کی رو سے ایسے قابل اشخاص معزز عہدے پانے سے محروم رہیں جو وہ بجا طور سے حاصل کرسکتے ہیں اور جو ملک معظم اور ان کا ملک انھیں عطا کرسکتا ہے۔

(۵۷)

ہندوستان کے اعلیٰ عہدوں کے امیدواروں پر انگلستان میں اکثر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہاں کے سرکاری ملازماں سے ان کے بہت زیادہ قریبی تعلقات ہوجائینگے اگر اس بات کا امکان ہوتا کہ معمولی قابلیت کے لوگ اعلیٰ عہدوں پر مقرر کردیے جائینگے تو اس اعتراض کے لئے کوئی دلیل پیدا ہوسکتی تھی لیکن جو دشواریاں انھیں پیش آتی ہیں اُن کو مدنظر رکھ کر ہم ہرگز اس کی توقع نہیں کرسکتے ہیں کہ حکام انگلستان ایسے لوگوں کو ترقی دیدیں گے تاوقتیکہ وہ ہر طرح اپنے ہم قوموں سے سبقت نہ لیجائیں گے۔ ایسی صورت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسے لوگ ہندوستان میں کیسی دوستی اور کس قسم کے تعلقات رکھ سکتے

---

[1] بحوالہ مراسلہ مسٹر کیننگ بنام صدر مجلس نظما مورخہ ۱۲ ستمبر ۱۸۱۸ء۔

[2] یہ کتاب لارڈ ہسٹنگز کے حکومت تک ختم ہوجاتی ہے ورنہ مصنف کا یہ فرض تھا کہ وہ مسٹر جان آدم (John Adam) کے کاموں پر توجہ کرے جس نے لارڈ ایمہرسٹ (Lord Amherst) کی آمد سے پیشتر قائم مقام گورنر جنرل ہونے کے زمانے میں یہ ثابت کر دکھایا تھا کہ وہ اس مقتدر عہدے کے فرائض انجام دینے کا ہر طرح پر اہل ہے۔

باب ۹

ہیں۔ بلاشبہ کمپنی کے نہایت قابل اور بہترین قسم کے عہدیداروں سے انکے دوستانہ تعلقات ہو گئے۔ بیشک وہ اپنے ماتحتوں کی کمزوریوں اور ناقابلیتوں سے واقف ہو گئے اور اس کی بدولت انھیں اپنے سرکاری فرائض باحسن وجوہ انجام دینے کا موقعہ حاصل رہیگا۔ اپنے معاصرین میں معزز عہدے پر فائز ہونے سے انھیں ہمیشہ اس بات کا لحاظ رہیگا کہ ہم اپنے طرزِ عمل سے ثابت کر دکھائیں کہ اس اعلیٰ عہدے کے اعزاز کے ہم ضرور مستحق تھے۔ ہندوستان میں اپنے سے افضل عمال سے دوستی اور تعلقات رکھنا ان کے دل میں ایسی امنگیں پیدا کر دیگا جس سے پبلک کو بہت کچھ فائدہ پہنچیگا۔ اب ہم ان کا مقابلہ ایک ایسے شخص سے کرتے ہیں جس کو نہ تو اس مقام کی حالت معلوم ہے جہاں پر اسے کام کرنا ہے اور نہ اپنے زیر دستوں ہی کے متعلق اسے کوئی ذاتی معلومات ہیں اور نہ ان سے کسی قسم کی شناسائی اور تعلقات ہیں ایسا شخص اگر نام نمود حاصل کرلے تو یقیناً یا تو اس کا تعلق کسی سیاسی جماعت سے ہوگا یا پارلیمنٹ سے اس کے کچھ تعلقات وابستہ ہونگے۔ اس قسم کے خاندانی حقوق اور تعلقات و ذاتی دوستی کے بغیر اسے مجبوراً ہندوستان میں اکثر اشخاص کے سامنے جھکنا پڑیگا؛

(۷۶) اگر اس بات کو مان بھی لیا جائے کہ سرکاری ملازمان میں ایسے لوگوں کی بھی مثالیں ملتی ہیں جو اس قسم کے جملہ تعلقات اور حقوق کے اثرات سے الگ رہے ہیں تاہم اس قسم کا نادر الوجود شخص ہندوستان میں بالکل اجنبی ہوگا اور جن اشخاص سے اس کا واسطہ ہوگا ان کے کیرکٹر اور قابلیت کے متعلق ہر قسم کی معلومات حاصل کرنے کے لئے وہ دوسروں کا محتاج ہوگا اور اس کے نظم و نسق کی کامیابی کا انحصار اس کے دانشمندانہ انتخاب پر منحصر ہوگا کیونکہ ان ہی لوگوں سے وہ اپنے مختلف کام لیگا؛

ہندوستان میں انگریز حکام کبھی اس تعصب سے کام نہیں لیتے ہیں جس سے تنزل کے زمانے میں بھی خاندانی بادشاہ اور قومی سلطنتیں حمایت اور تائید کیا کرتی ہیں۔ ہماری حکومت کی وقعت اس کے حاکم بالا کی ذاتی قابلیت اور اوصاف ہی کی وجہ سے ہو سکتی ہے۔ اعلیٰ ذہانت اور راستبازی سے سلطنت ہند کی یورپین

باب ۵

اور دیسی رعایا دونوں کی خوشنودی حاصل ہوسکتی ہے اور ظن غالب یہ ہے کہ اس
کی بدولت وہاں امن بھی قایم رہ سکتا ہے اور ہر قسم کے خطرات پر بھی حاوی آیا
جاسکتا ہے۔ معمولی استعداد کے لوگ خواہ انھیں معلومات بھی حاصل ہوں ہر زمانے
میں جہانبانی کے کام کے لئے ناموزوں ثابت ہونگے اور اگر کسی زمانے میں
ہندوستان کا نظم ونسق کمزور اور نالایق حکام کے ہاتھ میں دیدیا جائیگا تو وہاں
کے اعلی عہدے کی وقعت گرجائیگی اور وہ سارے خطرات نمودار ہوجائینگے
جو اعلی حاکم کی توہین وتذلیل سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس سلطنت کی سلامتی اسی میں
ہے کہ برطانیہ عظمی ہندوستان کو ہمیشہ مخدوش حالت میں سمجھتی رہے اور وہاں
کے نظم ونسق کے لئے ایسے لوگوں کا تقرر کیا جائے جنھیں اس کے مفاد کا پورا علم
حاصل ہو اور جن میں ایسے اعلی اوصاف اور قابلیت موجود ہو جس سے وہ ہر ایک
غیر معمولی ضرورت کی موقعے پر مناسب طور پر کام لے سکیں کیونکہ وہاں پر اس (۷۷)
قسم کا نظام حکومت جاری کرنا ناممکن معلوم ہوتا ہے جس کی رو سے ان مقبوضات
کی بخوبی حفاظت ہوسکے۔ اگر انھیں محفوظ رکھنے کی کوئی صورت ہے تو وہ یہی ہے
کہ وہاں کی حکومت قابل اور مستقل مزاج افراد کے ہاتھ میں رہے۔ اگر کچھ عرصے
تک مسلسل طور پر ہمیں قابل اور لایق لوگ نہ ملیں یا فرقہ بندی اور دیگر اثرات اور
وجوہ سے قابل حضرات کا انتخاب نہ ہوسکے تو ہمیں یہ مان لینا چاہئے کہ مشرق میں
ہم نے جو زبردست سلطنت قایم کی ہے اگر اس کے ہاتھ سے جانے کا احتمال
نہیں تو اس کا زوال بہت جلد وقوع میں آجائیگا؛

اس قسم کے انتخابات کے مسئلے پر بہت کچھ قیاسی رائے زنی کی گئی ہے۔
بعض اصحاب کا خیال ہے کہ ہندوستان کے اعلی عہدوں کے لئے فوجی لوگ
زیادہ موزوں ہونگے۔ بعض فرماتے ہیں کہ سیول محکموں میں جن حضرات نے
نمایاں ترقی کی ہے ان کا انتخاب زیادہ مناسب ہوگا۔ بعض حضرات یہ ارشاد
کرتے ہیں کہ صرف اعلی اور شریف خاندان کے لوگ ان معزز عہدوں پر مقرر کئے
جائیں۔ بہت سے اصحاب یہ رائے دیتے ہیں کہ ان عہدوں پر ملازمان کمپنی مقرر
کئے جائیں کیونکہ انھیں ہندوستان کے باشندوں اور وہاں کے حالات کے متعلق

باب ۹

تفصیلی معلومات حاصل ہیں۔

ہمارے نزدیک اگر کوئی ایسا اصول قایم کیا گیا جس سے علمی قابلیت، ذہانت اور دیگر اوصاف حمیدہ رکھنے والے اشخاص کے لئے خواہ وہ کسی طبقے میں پائے جائیں جائز اور مناسب طریقے سے بلند حوصلے قایم کرنے اور قابل فخر امتیاز حاصل کرنے کے مواقع نہ رہے تو مقابلے کا شوق جاتا رہیگا۔ جس کی ضرورت ایسے لوگ تیار کرنے کیلئے ہے جو ہندوستان پر عملداری کرسکیں۔ ان اعلیٰ عہدوں پر خواہ وہ لوگ مقرر ہوں جنھوں نے سیول محکمے میں نمایاں ترقی کی ہے یا فوج میں اس کی کوئی اہمیت نہیں بشرطیکہ ان میں اپنے فرائض منصبی کو ادا کرنے کے جملہ ضروری اوصاف موجود ہوں۔ البتہ اگر سیول اور فوجی انتظام کی اعلیٰ قابلیت کسی ایک فرد میں موجود ہو تو ان دونوں معزز عہدوں پر صرف ایک شخص کا تقرر زیادہ مفید و مناسب ہوگا۔ اس بات سے انکار نہیں ہوسکتا کہ ایک والا مرتبت شخص کے مقرر ہونے سے عہدے کو ایک خاص اعزاز حاصل ہوجاتا ہے اور اس کا نہایت اچھا اثر ہوتا ہے لیکن یہ اثر اتنا زیادہ نہیں ہوتا کہ قابل اشخاص کے تقرر کا خیال ترک کردیا جائے یا نااہل کے نقائص پر پردہ پڑجائے۔ اسی طرح ملازمان کمپنی کو مقامی تجربہ حاصل ہونا بڑے عہدے پر مقرر کرنے کے لئے نہایت کمزور سفارش ہے تاوقتیکہ ان میں اعلیٰ درجے کی دیگر قابلیتیں موجود نہ ہوں۔ اعلیٰ عہدے کے لئے تفصیلی معلومات کی اس قدر ضرورت نہیں جس قدر کہ فطرت انسانی کے پرکھنے کے لئے اعلیٰ قسم کی واقفیت۔ کیرکٹر، عملی قوت اور حکومت کرنے کی حکیمانہ عقل کی حاجت ہے اور انھیں اوصاف نے ہر زمانے میں ان حضرات کو ممتاز اور سرفراز کیا ہے جنھوں نے بنی نوع انسان اور ملک کو فائدہ پہنچانے کے لئے اپنے ان اوصاف سے کام لیا ہے۔

گورنر جنرل یا مدراس و بمبئی کی گورنری کے ممتاز عہدے پر جس شخص کا بھی تقرر کیا جائے اُسے چاہیئے کہ وہ اپنے کارناموں سے اپنے افسر کا (جس نے اسے مقرر کیا ہے) کامل اعتماد اور کامل بھروسا حاصل کرنے اور جب اس پر اعتماد نہ رہے تو فوراً اسے مستعفی ہوجانا چاہیئے۔ سلطنت ہند کو بیرونی قوت سے جو اندیشہ

باب ۹

(۷۹)

ہے اس سے کہیں زیادہ اپنے یہاں کی اندرونی کمزوری سے خطرہ ہے اور یہ خطرات نہایت خوفناک طریقے سے ہمیشہ بڑھتے رہیں گے اگر وہاں کے نظم ونسق کو حکومت انگلستان کی متفقہ امداد نہ ملے۔ ہندوستان میں اعلیٰ عہدوں پر جو اصحاب مقرر ہوتے ہیں انھیں وسیع اختیارات دینے کی مسلمہ طور پر ضرورت ہے لیکن یہ بات انگریزوں کے جذبات کے منافی اور ہمارے آزادانہ نظام سلطنت کے کسی جزو کے بھی مطابق نہیں ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہم سلطنت برطانیہ کے اصول و قواعد کو ان قواعد میں شامل نہیں کر سکتے ہیں جو بحیثیت غیر ملکی فاتح ہونے کے ہندوستان کی وسیع سلطنت پر ہماری بادشاہی قائم رکھنے کے لئے لازمی اور ضروری ہیں۔ جن اصحاب کے ہاتھ میں ہم وہاں عنان حکومت دیتے ہیں ان کی گردن پر ہم نہایت زبردست ذمہ داری ڈال دیتے ہیں لیکن جو قیود حکام انگلستان پر عائد کی جاتی ہیں وہ ہندوستان میں ہمارے فرماں روا ہونے کی حیثیت کے لئے موزوں نہیں ہیں۔ لہٰذا ایسی حالت میں بجز اس کے کوئی اور نتیجہ خیز تجویز ہماری سمجھ میں نہیں آتی ہے کہ ہم نہایت نازک اور پیچیدہ فرائض کو انجام دینے کے لئے لایق لوگ تیار کریں جو ہماری ہندوستانی رعایا کی سود وبہبود کا لحاظ رکھیں اور اس کے ساتھ ہندوستان میں رہنے والے انگریزوں کے حقوق اور مراعات کی نگہداشت کرتے رہیں لیکن قبل اس کے کہ اس مقصد کے حصول کے لئے کوئی تجویز پیش کیجائے اس بات پر غور کرنا زیادہ سودمند ہوگا کہ موجودہ نظام سلطنت سے ہمارا مدعا کس حد تک پورا ہو سکتا ہے۔

(۸۰)

بادشاہ سلامت کے وزراء کو ہندوستان میں اعلیٰ عہدوں پر تقرریات کرنے کے وقت اپنے ملکی فرائض کے ساتھ دوسروں پر احسان کرنے اور اپنی جماعت کے مفاد کی حفاظت کرنے کا بھی خیال دامنگیر رہتا ہے اور آئندہ بھی

---

[1] ہندوستان کے گورنر پر ایک سخت پابندی یہ عائد کی گئی ہے کہ وہ اپنی ہر ایک کارروائی کو خواہ وہ کیسی ہی معمولی کیوں نہ ہو تحریر کر کے مراسلے کی شکل میں انگلستان روانہ کرے۔

باب ۹

رہیگا اور اسی سبب سے یہ اصحاب اس طرز حکومت کے عموماً حامی پائے جاتے ہیں اور بہت سے حیلے حوالے کر کے حق المقدور وہ ملازمان ہند کے حقوق کو نظر انداز کردیتے ہیں۔ چونکہ انھیں اپنے دوستوں کو ترقی دینے، غیر ممالک میں ان کی خدمات کا صلہ عطا کرنے اور اپنے اختیارات کو برقرار رکھنے کے انتظامات کرنے پڑتے ہیں اس لئے وہ ان تقررات کے لئے مقابلہ پسند نہیں کرسکتے جو ہر لحاظ سے مناسب و مفید ہوگا۔ ان خیالات کا قریبی تعلق انگریزی حکومت کے ڈھانچے اور ان افراد کے ذاتی مفاد سے ہے جو سلطنت کا انتظام کرتے ہیں لہذا ان کے رفع ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے لیکن سلطنت ہند پر جو مضر اثرات ان کے ہوتے ہیں وہ اس دلیل سے کم نہیں ہوسکتے ؎

جب سلطنت معرض خطر معلوم ہوتی ہے اسوقت ان ملازمان کی کارروائیاں بہت کم ضرر رساں ہوتی ہیں لیکن جیسا کہ اوپر ذکر ہوچکا ہے حقیقی حالات سے زیادہ واقفیت ہونے کے بعد معلوم ہو جائیگا کہ سلطنت ہند ہمیشہ خطرے کی حالت میں ہے اور لہٰذا ہر جس وقت کامل امن و سکون ہو حکومت کے کام انجام دینے کیلئے پوری سرگرمی اور اعلیٰ درجہ کی قابلیت کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ اس وقت ایسی مدافعانہ تدابیر اختیار کرنی ہونگی جن سے وہ مشکلات رفع ہوسکتی ہیں جو مشرق میں ہماری سلطنت کی زبردست وسعت اور نوعیت پیدا کرتی ہے اور جن کے دوبارہ ظاہر ہونے کو صرف برسر حکومت اصحاب کی مسلسل نگرانی اور دانشمندی ہی روک سکتی ہے ؎

(۸۱) جن لوگوں کو ہندوستان کے متعلق کسی قسم کی معلومات حاصل نہیں یا اگر ہیں تو برائے نام انھیں ہندوستان میں اعلیٰ عہدوں پر مامور نہ کرنے یا انکے تقررات میں کمی کرنے کے لئے ایک زبردست دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ ان سے بہتر تو کمپنی کے وہ ملازم ہیں جو صدر مجلس میں کام کرتے ہیں اور جنھیں ضروری معلومات حاصل ہیں اور جو قابل بھی ہیں یا جو ماتحت عہدوں یا انتظامی شعبوں میں ملازم ہیں لیکن یہ دلیل پیش کرنے والے اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ دوسروں کو منتخب کرنے اور ملازم رکھنے کے لئے بڑی قابلیت درکار ہے۔ نالائق لوگ

باب ۹

قابل اشخاص کا تقرر کرنے سے ڈرتے ہیں اور بجائے اس کے کہ اپنی نالائقی کی کمی پورا کرنے کے لئے وہ ان کی اعانت حاصل کریں ان سے حسد کرنے لگتے ہیں اور بگڑ جاتے ہیں۔

یہ دلیل بھی پیش کی گئی ہے کہ بادشاہ سلامت کے وزرا پر اگر پوری ذمہ داری ہندوستان کے تقررات کی ہوتی تو وہ رائے عامہ کے خوف اور دارالعوام میں اپنے پر حملہ ہونے کے اندیشے سے بہت زیادہ محتاط ہو جاتے بہ نسبت اس کے کہ حالت موجودہ کی طرح وہ مجلس نظماء کے نامزد کردہ لوگوں کے متعلق اختلاف رائے پیش کریں یا تائید کر دیں لیکن اگر سلطنت ہند کے معاملات یورپ کے معاملات کی مانند یہاں پر سمجھے جاتے یا ان سے ویسی ہی دلچسپی لیجاتی تو یہ کہنا بالکل صحیح ہوتا۔ چونکہ ایسا کبھی ہرگز ہونے والا نہیں اور چونکہ وزرا سے یہی امید ہے کہ وہ ہندوستان کے معاملات کو ہمیشہ ادنیٰ درجہ کا سمجھتے رہینگے اس لئے زیادہ مستحکم اور مستقل روک کی ضرورت ہے اور یہ روک تھام صرف ایک ایسے معقول نظام حکومت ہی سے حاصل ہو سکتا ہے جس سے ذہانت کے جوہر کھل جائیں۔ علم کی قدر اور ذاتی اوصاف وخصائل کی وقعت قائم ہو جائے۔ اور کم از کم ایسے مسائل ہیں جن میں کہ سلطنت ہند معرض خطر ہو، تعصب اور ذاتی اثر اور سرپرستی کی ساری کارروائیاں محدود ہو جائیں"۔ (۸۲)

یہ خیالات خصوصاً عام اصولوں کی بابت ہیں ان کا کوئی تعلق مجلس نظماء یا وزراء کی کسی خاص کارروائی سے نہیں ہے۔ انھوں نے گورنر جنرل کے عہدے کے لئے نہایت قابل اشخاص کو منتخب کیا ہے جنھوں نے لایق وفایق سرکاری ملازمان کی امداد سے جو ہندوستان میں انھیں میسر آئے ہماری قوت کو اس بلند مگر خطرناک بام رفعت تک پہنچا دیا ہے جس کی وجہ سے ہندوستان کے لئے حکمران کرنے میں اب بہت زیادہ احتیاط اور غور کی ضرورت پیدا ہو گئی ہے۔ دائرۂ انتخاب بہت محدود ہے انگریز مدبر کے لئے جو ضروری اوصاف ہیں وہ شاذ و نادر ہی کسی ایک فرد میں مجتمع ہوتے ہیں اور اس وجہ سے جن لوگوں کے خاص حقوق ہندوستان کی ملازمت کی بنا پر ہیں ان کی موزونیت موجودہ

باب ۳ حالت میں یوماً فیوماً نہایت مشکوک ہوتی جائیگی۔ ان لوگوں میں جو ذاتی قابلیتیں بعض وہ گزشتہ ۳۰ سال کے معاہدوں اور دوستانہ اتحاد کے نامہ و پیام میں پورے طور پر نمایاں ہوگئیں اور کامیابی کے موقعوں پر ان کی جو مدح سرائی کی گئی اور جو شاباش انھیں دیگئی اس سے انہیں بڑھنے اور ترقی کرنیکی بلند اور مستحکم اسپرٹ پیدا ہوگئی لیکن اگر اس اسپرٹ کو برقرار نہ رکھا گیا تو یہ کم ہوکر قطعی مفقود ہو جائیگی۔

معمولی اوقات میں لوگ اکثر بے مصرف کارروائیوں میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ اور انگلستان میں سلطنت ہند کا جو نظام قرار دیا گیا ہے اس کی وجہ سے اپنی (۴۳) طرز زندگی کو برقرار رکھنے سے جس میں کہ وہ نہایت کارآمد ثابت ہوئے مایوس اور ناامید ہوکر جو لوگ انگلستان واپس چلے جاتے ہیں وہ یا تو عیش پسند بن جاتے ہیں اور کاہل ہو جاتے ہیں یا اپنی رائے اور اپنی شہرت کا سارا زور اس نظام حکومت کے خلاف صرف کرتے ہیں جس نے ان کی ترقیات کی توقعات پر پانی پھیر کر ایک ایسے وقت میں انھیں ملکی خدمات انجام دینے سے محروم کر دیا جس وقت کہ وہ اپنے ملک کے لئے نہایت کارآمد اور فیض رساں ثابت ہوسکتے۔

اگر اس بیان کو معاملے کی سچی تصویر مان لیا جائے تو ملازمان کمپنی کے لئے

ل گزشتہ پچیس سال کے دوران میں ہندوستان کی سیاسی حالت میں جو انقلابات رونما ہوئے ہیں انھوں نے بڑی حد تک ان مواقع کو کم کر دیا ہے جن میں حکام اپنے کو ممتاز کر دکھاتے ہیں۔

آجکل جو لوگ کہ اعلی عہدوں پر مامور ہیں انھیں اہم معاملات میں شاذ و نادر ہی اپنی قوت فیصلہ سے کام لینا پڑتا ہے اور انکے فرائض محض ضابطہ کی خانہ پوری کر لینے کے رہ گئے ہیں کیونکہ نظام حکومت کا منشا یہی ہے کہ انھیں ایک چھوٹے ضلع کے حاکم کی مانند اپنی نگرانی اور تابع میں رکھا جائے۔ اس نظام حکومت کے متعلق کسی دوسرے موقع پر رائے زنی کی جائیگی۔ لیکن یہاں پر ہم صرف دستور بتائے دیتے ہیں کہ ہندوستانکے سیول اور فوجی افسروں کو پبلک کی نظر میں یا وقعت ثابت کرنے کے اب وہ موقعے حاصل نہیں رہے ہیں جو اس سے پیشتر انھیں میسر تھے۔

باب ۹

انگلستان اور ہندوستان دونوں مقامات پر توقعات کا وسیع ترمیدان کھولنے اور اس غرض کے لئے نظام حکومت میں تبدیلیاں کرنے کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے اگرچہ اس میں معدودے چند کامیاب ہونگے لیکن ہر ایک کے مدنظر توقعات ہونگی جن سے انھیں ایسی کوششیں کرنے کی ترغیب وتحریص پیدا ہوگی جو ہماری سلطنت ہند کو یقینی طور پر فائدہ پہنچانے میں ناکام نہیں رہیں گی؛

مذکورۂ بالا تبدیلیوں کو عمل میں لانے سے پیشتر بہت سے قدیم تعصبات کو دور کرنا پڑیگا۔ افراد اور جماعتوں کے اغراض کو مفاد عامہ کے مقابلے میں ترک کر دینا چاہیئے اور نظام حکومت ہند کے بعض اجزاء کی ترمیم وتنسیخ کرنی چاہیئے جو اکثر لوگوں کے نزدیک بنیادی اصول بنے ہوئے ہیں۔ اس قسم کی ترمیم در اصل سخت ضروری ہے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ ماننا پڑیگا کہ جن لوگوں نے ہندوستان میں تجربہ حاصل کیا ہے اور جنھیں وسیع معلومات کے ساتھ شہرت بھی حاصل ہے انھیں میں جبتک اعلیٰ عہدوں سے محروم و مایوس کرنے کے بجائے ترقی دینے اور حوصلہ افزائی کرنے کے لئے تبدیلیاں عمل میں نہ لائی جائیں اسوقت تک ہمارا نظام حکومت اس صحت وقوت کو قائم نہیں رکھ سکتا ہے جو اس کی دوامی مرفہ الحالی کے لئے ضروری ہے؛

(۱۸۴۴ء)

حکومت ہند کی انگلستان میں مقررہ شکل یہ ہے کہ ایک مجلس نگران ہے جس میں ایک صدر۔ ایک معتمد اور دو ارکان ہیں[1]۔ معتمد پارلیمنٹ میں رہتا ہے اور ہر ایک محکمے میں محرر ہوتے رہے ہیں۔ اس مجلس کے اول چار عہدے دار وں

---

[1] ان کے علاوہ اور بھی ہیں جن میں خاص خاص وزراء شامل ہیں اور یہ سب لوگ بجز صدر اور دو ارکان کے اعزازی مانے جاتے ہیں کیونکہ نہ تو ان کو تنخواہ ملتی ہے اور نہ کوئی خدمت ان کے ذمہ ہے؛

ایکٹ ۲۴ جارج سوم ۱۷۸۴ء کے نافذ ہو جانے کے بعد سے حسب ذیل وزراء ہند کے پریسیڈنٹ بلا تنخواہ اپنے عہدے کے لحاظ سے مقرر ہوئے تھے:۔ لارڈ وائی کاونٹ سڈنی، لارڈ گرینول (جو اس وقت مسٹر گرینول تھے) اور لارڈ میلول (جو اسوقت مسٹر ڈنڈاس تھے)۔

باب ۵ — کی بڑی معقول تنخواہ ہے اور یہ ایسے عہدے ہیں جن کے لئے امیدواروں کے خاص اوصاف کے بجائے ان لوگوں کے حقوق کا زیادہ لحاظ کرنا چاہئے جو نظام حکومت کا جزیا اُس کے حامی ہیں۔ عہدۂ صدارت پر اگرچہ قابل اور مشہور اصحاب کا تقرر ہوتا ہے تاہم یہ عہدہ بڑے درجہ کی وزارت کے ہم پلہ نہیں سمجھا جاتا ہے۔ یہ افسوسناک بات ہے۔[۱]

(۸۵) کیونکہ اس سے بار بار تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں اور بہت کم حکام اپنے عہدوں پر اس قدر عرصے تک برقرار رہے ہیں جو اس عہدے کے اہم فرائض کو بخوبی انجام دینے کے واسطے ضروری معلومات حاصل کرنے کے لئے درکار ہوتا ہے۔ حال ہی میں ایک نازک موقع پر یہ واقعہ پیش آیا (اور یہ واقعہ مفاد عامہ کے حق میں سودمند تھا) کہ ایک مشہور و معروف عالی مرتبہ شخص[۲] اس مجلس کا صدر مقرر پایا جو ہندوستان میں اعلیٰ عہدوں پر مامور رہا تھا اور اس کے ایک قریبی رشتہ دار نے اس کی اعانت کی جو اپنی زندگی کا ابتدائی حصہ کمپنی کی ملازمت میں صرف کر چکا تھا لیکن یہ نامزدگیاں ذاتی معلومات اور تجربے سے کہیں زیادہ دیگر وجوہ پر مبنی تھیں۔[۳]

۱؎ ۱۷۹۳ء میں یہ نظام بدل دیا گیا اور صدارت ایک جداگانہ عہدہ مع تنخواہ کے قرار دیا گیا جس کے بعد سے اس عہدہ جلیلہ پر حسب ذیل اصحاب مامور ہوئے ہیں ہنری وائی کاونٹ میلول (جو اسوقت مسٹر ڈانڈس تھے) ۱۸۰۱ء میں لارڈ وائی کونٹ لوی شام (جو بعد میں آرل آف ڈارٹ ماؤتھ ہوئے) لارڈ وائی کاونٹ کسل ری ۱۸۰۲ء میں ارل منٹو مسٹر ٹھامس گرینول مسٹر ٹیرنی ۱۸۰۷ء میں مسٹر رابرٹ ڈنڈاز ۱۸۰۹ء میں ارل اف ہیروبی (تقریباً ۳ ماہ کیلئے) مسٹر رابرٹ ڈنڈاس (جو اب وائی کاونٹ میلول ہیں) ۱۸۱۲ء میں ارل آف بکنگھم شائر ۱۸۱۶ء میں مسٹر کننگ ۱۸۲۰ء میں مسٹر باتھرسٹ (تقریباً ایک سال تک) ۱۸۲۲ء میں مسٹر ڈبلیس ون کو

۲؎ بکنگھم شائر مرحوم کو

۳؎ رائٹ آنریبل جان سلوان جو معزز شخص ۱۳ سال تک اس عہدہ پر مامور ہے اس واقعہ سے کوئی نتیجہ نہیں نکالنا چاہئے۔ اس عہدہ پر اتنی مدت تک برقرار رہنا جہاں پر کہ اس نے نہایت سودمند تجربہ حاصل کر لیا ہے محض وزراکے عرصۂ دراز تک وزارت پر برقرار رہنے کے باعث ہے بالفاظ دیگر اس افسر نے جو تجربہ اور معلومات حاصل کیں وہ نظام حکومت پر نہیں بلکہ بعض حسن اتفاق پر مبنی ہیں۔

باب ۹

عموماً اس مجلس کا صدر کرسی صدارت پر متمکن ہوتے ہی دوسروں کے اعانت کا
دست نگر ہو جاتا ہے۔ ممبروں کی بھی وہی حالت ہوتی ہے جو صدر کی ہوتی ہے ان
کو بھی مثل ان کے کام سیکھنا اور بعض اوقات ہندوستانی معاملات سے قطعی لاعلمی (۸۶)
کی حالت میں اپنا کام شروع کرنا پڑتا ہے۔ پارلیمنٹ کے معتمد کو بھی غالباً کچھ زیادہ
معلومات حاصل نہیں ہوتے ہیں کیونکہ اس کا تقرر بھی صدر اور ارکان کے تقررات
کے اصول پر ہوتا ہے۔ مجلس مذکور کے ارکان کلیتاً مختلف شعبوں کے صدر محرروں
کے دست نگر رہتے ہیں۔ یہ صدر محرر مستقل ملازم ہیں اور وہ اپنی ساری کوشش
اپنے دفتر کے مختلف فرائض ادا کرنے میں صرف کرتے ہیں اور تمام کام کو ان کی
نگرانی میں چھوڑ دیا گیا ہے کیونکہ دوسرے جو لوگ بھی ہوں گے وہ بھی ان کاغذات
کی بنا پر کام کریں گے جو ان کے پاس رہتے ہیں۔ لیکن اگر اس بات کو بھی فرض
کر لیا جائے گا کہ ان کی لیاقت اور محنت انگلستان کے سرکاری ملازموں کی برابر
ہے (اور یہ فرض کر لینا صداقت سے بعید نہیں ہے) تاہم یہ انتظام خراب ہے
کیونکہ مسلمہ حاملان معلومات زیر دست اور غیر ذمہ دار ہیں لیکن اس کے جواب
میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہی حالت سلطنت کے دیگر دفاتر کی ہے۔ مگر دیگر دفاتر
کے فرائض کے متعلق معلومات آسان نہیں اور بآسانی حاصل ہو سکتے ہیں اور
اس کے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ امور ہر ایک انگریز مدبر کی تعلیم میں داخل ہیں۔ (۸۷)
معاملات ہند کی یہ حالت نہیں ہے کیونکہ وہ ایسے لوگوں کی عام تعلیم سے غیر متعلق
ہیں اور چونکہ انھیں معاملات ہند سے کوئی خاص دلچسپی اور تعلق نہیں ہوتا اس
سے حالت برعکس ہوتی ہے۔ لہذا اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ اس مجلس
کے نظام ترکیبی کو تبدیل کر دیا جائے تاکہ یہاں پر معاملات ہند کے متعلق صحیح
معلومات اور وسیع تجربہ حاصل ہو سکے اور یہ تبدیلی ایسے انتظام سے ہو سکتی
ہے جس کی رو سے سلطنت کے اس شعبہ میں اچھی ملازمت پانے کی ان لوگوں
کی توقعات پوری ہو سکیں جنھوں نے نمایاں قابلیت کے ساتھ ہندوستان
میں خدمات انجام دی ہیں۔ اس کے متعلق یہ دلیل پیش کی جائیگی کہ مجلس نظما میں
داخل ہونے کے لئے دیگر اشخاص کی طرح ان لوگوں کے لئے بھی دروازہ کھلا ہوا

ہے جنھوں نے وہاں پر تجربہ اور معلومات حاصل کی ہے۔ اور ہندوستان میں ملازمت کر کے جب یہ لوگ انگلستان واپس آتے ہیں تو انھیں بھی ملک معظم کی دیگر رعایا کی طرح حقوق حاصل ہوتے ہیں اور ان کے لئے کوئی خاص ممانعت مجلس میں ملازمت کرنے میں یا صدر مقرر ہونے کے لئے نہیں ہے لیکن حقیقت حال کیا ہے؟ کیونکہ عملی مسائل اسی کی رہبری سے حل ہو سکتے ہیں۔ جو اصحاب کہ ہندوستانی ملازمت میں جاتے ہیں وہ شاذ و نادر ہی کسی معزز خاندان سے ہوتے ہیں۔ ان کی ابتدائی عمر غیر ملک میں سرکاری خدمات انجام دینے میں صرف ہوتی ہے اور اس وجہ سے انھیں ایسے لوگوں سے دوستی یا سیاسی جماعتوں سے تعلقات پیدا کرنے کے بہت کم موقعے ملتے ہیں جو تجربہ کار اور قابل آدمیوں کو سودمند کام پر لگانے میں امداد دیتی ہیں ؎

(۸۸) پچھلے زمانے میں ہندوستان کے اعلیٰ عہدوں پر صرف ملازمانِ کمپنی ہی مامور کیئے جاتے تھے اور ان عہدوں پر مامور رہ کر یا فوجی کمان دار بن کر وہ لوگ بہت جلد کثیر دولت پیدا کر لیتے تھے جس کی وجہ سے وہ پارلیمنٹ میں دولت و نمود کے زور سے اپنا اثر و اقتدار قایم کر لیتے تھے مگر اب یہ حالت نہیں رہی ہے کیونکہ اب تو ہندوستان میں دیگر مقامات کی طرح صرف تاجر، ایجنٹ یا وہ ملازمانِ کمپنی دولت پیدا کرتے ہیں جن کا خاص مدعا صرف روپیہ پیدا کرنا ہے لیکن یہ ایک مشہور واقعہ ہے کہ گذشتہ چالیس سال کے دوران میں جن لوگوں نے ناموری حاصل کی ہے ان میں سے کسی ایک شخص کے پاس بھی اس قدر دولت موجود نہیں جسے اس کی ناموری کا خاص وسیلہ کہا جا سکے اور ان میں سے اکثر نے تیس سال تک ملازمت کرنے کے بعد بھی دولت نہیں پائی ہے۔ اس کے وجوہ ظاہر ہیں کہ برسوں ملازمت کرنے کے بعد بھی بہت کم اشخاص اعلیٰ عہدوں تک

لہ لارڈ میکارٹنی سنہ ۱۷۸۱ء میں فورٹ سینٹ جارج کا گورنر مقرر کیا گیا اور رعایائے برطانیہ میں یہ پہلا شخص ہے جو کمپنی کا ملازم نہ تھا اور جس کا تقرر ایسے اعلیٰ عہدہ پر کر دیا گیا ؎

باب ۹

پر پہنچتے ہیں۔ اس وقت ان کی تنخواہ[1] اگرچہ معقول ہوتی ہے لیکن اس قدر زیادہ نہیں ہوتی کہ اگر وہ کوشش کریں تو بہت سا روپیہ بچا لیں۔ ان کے فرائض کچھ ایسی نوعیت کے ہوتے ہیں جس سے ان کا خیال روپیہ جمع کرلینے سے کہیں زیادہ بلند (۸۹) ہوجاتا ہے اور ہندوستان کے اعلیٰ ملازموں میں یہ بلند خیالی نہایت دانشمندی کے ساتھ برابر قائم رکھی جاتی ہے کیونکہ ملازمت کی وقعت[2] ان ہی کی مثال پر قائم ہے جن لوگوں کو مقامی تجربہ اور معلومات حاصل ہیں ان کی بابت ہم جو کچھ بیان کرچکے ہیں وہ اس امر کا بین ثبوت ہے کہ ان کو حکومت ہند کے اس شعبے میں ملازمت نہیں مل سکتی ہے جن کا تعلق تاج برطانیہ سے ہے لیکن اگر مفاد عامہ کا لحاظ کیا جائے تو جن وجوہ سے کہ وہ اپنی اس تمنا سے محروم رہتے ہیں انھیں کے باعث ان کی یہ آرزو پوری ہونی چاہئے۔ تحکمہ بجربہ میں مجلس نگراں کے ارکان کو اعلیٰ افسر مقرر کرلینے کی بجائے امرا کے تقرر کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ اور اگر کسی زمانے میں اس کا رواج ہوگیا تو اس کے فوائد بیشمار ہونگے۔ علاوہ اس بیش قیمت اعانت کے جو وزیر ہند کو ہندوستانی ملازمت کے موزوں عہدے دار سے ملیگی ولایت میں اس اعلیٰ مرتبہ پر پہنچنے کی امید ہی انھیں یہ ترغیب دے گی کہ وہ ہندوستان کی ملازمت کے دوران میں اپنی قابلیت کے جوہر دکھائیں؛ جن اشخاص کو یہ اعزاز نصیب ہوگا وہ خود واقفیت حاصل کریں گے

---

[1] اول درجہ کے پولیٹکل رزیڈنٹ کی تنخواہ ۳۵۰۰ پونڈ سالانہ سے زیادہ نہیں ہوتی ہے جو ہندوستان میں اعلیٰ درجہ کا عہدہ ہے۔ اور اگرچہ ایک حد تک اسکے مصارف اور ہوجاتے ہیں لیکن اس کا خرچ ۱۰۰۰ پونڈ سالانہ سے کم نہیں ہوتا ہے جس سے وہ بمشکل ۲۵۰۰ پونڈ سالانہ بچا سکتا ہے اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ اس عہدہ پر وہ بیس پچیس سال کی ملازمت کے بعد پہنچتا ہے۔

[2] جو حضرات کہ ہندوستان کے مقامی حالات سے بے خبر ہیں انھیں اس اعلیٰ معیار زندگی کی اہمیت سمجھانا دشوار ہے جو ہندوستان میں اعلیٰ سیاسی خدمات پر مامور ہونے والوں کو قائم رکھنا پڑتا ہے اور یہ فارسی مقولہ ہماری سلطنت سے زیادہ کسی اور سلطنت پر چسپاں نہیں ہوتا کہ اگر بادشاہ وقت ایک انڈا لیگا تو اس ملک میں ایک بھی مرغی سلامت نہیں رہیگی؛

اور دوسروں کو اپنی معلومات سے مستفید کریں گے۔ انھیں نام و نمود حاصل کرنے کا موقع ملیگا جس سے انھیں آئندہ بھی ترقی میسر آئیگی۔ اگر وہ اس کے قابل ہونگے تو وہ اس مرتبہ پر پہنچیں گے وہاں پہنچکر انھیں اس بات کے مواقع حاصل ہونگے کہ وہ ہندوستان میں حاصل کی ہوئی معلومات کو قایم رکھیں اور اس میں مزید اضافہ کریں اور وہ زمرہ دہ ان اصحاب کو کارآمد اطلاعات اور مشورہ دیں جن کے ہاتھ میں ہندوستان کے اہم مسائل کا طے کرنا ہوتا ہے۔ (۹۰)

مجلس نگراں کے صدر اور ارکان کو اکثر کمپنی کے ملازمان مقیم انگلستان سے معلومات اور مشورہ طلب کرنا پڑتا ہے ان سے ایسے مسائل کا فیصلہ کرایا جاتا ہے جو مختلف حالات اور واقعات سے تعلق رکھتے ہیں جن کی بابت انھیں کسی قسم کی معلومات نہیں ہوتی ہیں۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ہماری سلطنت ہند کی حالت اپنی نوعیت کے لحاظ سے ہمیشہ قابل تبدیلی رہتی ہے۔ بعض وظیفہ یاب اشخاص اپنی عادت یا وسائل میسر نہ آنے کے باعث اپنی معلومات کو محفوظ نہیں رکھتے ہیں۔ ایسے لوگ چند ہی سال میں بے مصرف ہو جاتے ہیں اور جو خیالات ان کے قائم ہو چکے ہیں اس پر وہ سختی سے جمے رہتے ہیں۔ اس لئے ان شہرت یافتہ حضرات کا پورا احترام ملحوظ رکھ کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہماری رائے میں یہ لوگ اکثر گمراہ کن مشیر ہوتے ہیں۔ لہذا ان کی سابق عزت اور بڑے نام سے دھوکا کھا کر ان کی رائے پر عمل کرنا نہایت ہی مضرت رساں ہو گا۔

اس لئے مجوزہ تدبیر کو اختیار کرنے سے نقص رفع ہونے کے علاوہ اور بھی فوائد پہنچیں گے۔ اس کی بدولت اس قسم کے لوگ تیار ہونے کا ایک سلسلہ قایم ہو جائیگا جنھیں صحیح معلومات حاصل ہونگے اور جو اپنی قابلیت اور حاطر خواہ مواقع سے دوسروں کو مستفید کر سکیں گے کوئی عمدہ سلطنت اپنے ہر معاملے کو پوشیدہ یا صیغۂ راز میں رکھنے کی خواہش نہیں کر سکتی ہے ایسی خواہش صرف وہی سلطنت کر سکتی ہے جو اپنی کمزوری اور بد انتظامی کو چھپانا چاہتی ہے۔ ہم نے جس قسم کی حکومت ہندوستان میں قایم کی ہے اس کے حالات کی اشاعت نہایت سودمند ہے کیونکہ اس سے ان عہدہ داروں کی حوصلہ افزائی ہوتی (۹۱)

باب ۹

ہے اور ان پر ہمارا دباؤ رہتا ہے جو وہاں کے نظم ونسق پر مامور ہیں۔ لیکن وہاں کی حقیقی حالت اور وہاں کے واقعات کی نوعیت مفصل طور پر پبلک کے روبرو پیش کرنی چاہئے تاکہ ہمارے ان منصفانہ دانشمندانہ اصولوں کو سمجھا جائے اور انکی قدر کیجائے جن پر کہ ہم وہاں کی سلطنت کو چلا رہے ہیں۔ اس اصول کے متعلق ہم نہایت افسوس کے ساتھ کہتے ہیں کہ پارلیمنٹ میں شاذ و نادر ہی ہندوستانی مسائل پر سرگرمی کے ساتھ بحث ہوتی ہے۔ وہاں کے مالی معاملات کی بابت دارالعوام میں سالانہ موازنہ پیش ہوا کرتا تھا یہ بھی اب موقوف ہوگیا ہے۔ یہ کارروائی شاید کچھ تکلیف دہ تھی اور غالباً وزراء تاج برطانیہ کو گا ہے ماہے چند پریشانیاں لاحق ہوتی تھیں لیکن اس کے منسوخ ہو جانے اور ہندوستان کے حالات سے بے خبر رکھنے کا نتیجہ ہندوستان کے حق میں اور اسی وجہ سے خود برطانیہ کے لئے مضرت رساں ہے۔ جن وجوہ سے کہ گذشتہ کارروائیاں عمل میں آئی ہیں ان کے متعلق رائے زنی کئے بغیر (۹۲) یہ کہا جا سکتا ہے کہ جو اصحاب انگلستان میں سرکاری عہدوں پر مامور ہیں اگر انھیں ہندوستان کے متعلق ذاتی معلومات کے علاوہ انگلستان میں ہندوستان کے معاملات کی بابت براہ راست اور مستند معلومات حاصل کرنے کا موقع ملے تو وہ نہ صرف غلطیوں کو رفع کر سکیں گے بلکہ غلط بیانیوں کی بھی تردید کر سکینگے اور بوقت ضرورت وہاں کے متعلق نہایت کارآمد معلومات بہم پہنچا سکینگے۔
یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نظماء کمپنی کے عمال کے مقابلے میں زیادہ تر ہندوستان کے اعلیٰ درجے کے سول اور فوجی عہدوں پر ایسے اصحاب کو نامزد کرتے ہیں جنھوں نے کوئی خاص امتیاز انگلستان یا مشرقی جزائر یا یورپ کے کسی حصے میں حاصل کیا ہے۔ باہر کے ملازموں کا عام طور پر یہی خیال ہے لیکن فی الحقیقت یہ خیال کسی صحیح دلیل پر مبنی نہیں ہے۔ بادشاہ سلامت کے وزراء عموماً ایسے تقررات کو نامنظور کر دیتے ہیں اگرچہ اس میں بھی کوئی شک نہیں ہو سکتا ہے کہ اکثر کامیابی چنداں دشوار نہیں ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو عہدے دار قریبی مقامات پر نمایاں خدمات انجام دیتے ہیں انکی پبلک مدح سرائی کرتی ہے اور اس کا اثر نظماء پر بھی ہوتا ہے۔ اسی طرح جن لوگوں کو وہ انگلستان کی اعلیٰ سوسائٹی میں دیکھتے ہیں یا

باب ۹ (۶۳)

ان سے خود ملتے ہیں ان کی وقعت لازمی طور پر ان لوگوں کے نزدیک ان امیدواروں سے زیادہ ہوتی ہے جنھیں وہ خود نامزد کرتے ہیں۔ چونکہ یہ اکثر و بیشتر انھی کے بنائے ہوئے ہوتے ہیں اس لئے وہ انھیں اپنے سے کم تر بھی سمجھتے ہیں اور بعض دفعہ انہیں وہ عادات وخصائل نمایاں نہیں ہوتے جو اعلیٰ عہدے کے لئے ضروری خیال کئے جاتے ہیں۔ اس لئے وہ محض بہ حیثیت ماتحتوں ہی کے مفید سمجھے جاتے ہیں اور اسی بنا پر ان کی خدمات کی قدامت کے لحاظ سے بھی انھیں اعلیٰ عہدوں کے لئے نامزد نہیں کیا جاتا۔ مثلاً[1] کمپنی کے کسی ملازم کو کبھی کوئی اعلیٰ فوجی خدمت نہیں دی گئی۔ اگرچہ اس مسلک کا جاری رکھنا ہندوستانی فوج کی توقعات کے حق میں سم قاتل ہوگا۔

کمپنی کی ملازمت سے خواہ کیسے ہی فوائد حاصل کیوں نہ ہوں اور اگرچہ تعداد ومقدار دونوں کے لحاظ سے وہ کم نہیں ہیں تاہم جو اصحاب کہ ناموری کے متمنی ہیں وہ اس انتظام کے ضرور مخالف ہیں کیونکہ وہ اسے اپنی آئندہ ترقی کی توقعات کے حق میں مضرت رساں سمجھتے ہیں۔ اعلیٰ ظرف اور بے لوث اشخاص خود غرضی کو صرف اس حد تک ترک کرسکتے ہیں جہاں تک عام مفاد کے لئے اس کا ترک کرنا ضروری ہو لیکن اس قسم کی مثالیں بھی شاذ ہوتی ہیں اور عموماً انسانی خصلت و فطرت میں بھی یہ بات داخل ہے کہ ایسی برسر حکومت جماعت کی مخالفت کی جائے جس کے متعلق یہ خیال

---

[1] مسٹر پٹ کے قانون کے بعد سے کمپنی کی فوج میں سے کوئی فرد واحد بھی سپہ سالار اعظم کے عہدے کے لئے منتخب نہیں کیا گیا ہے۔ ایک موقع پر مجلس نظماء نے اس ناانصافی کو رفع کرنیکا تہیہ کرلیا اور اپنے ایک نہایت قدیم افسر کا نام پیش کیا جس نے نہ صرف سالہا سال تک خدمات انجام دی تھیں بلکہ جس کا کیرکٹر بھی نہایت واجب الاحترام تھا لیکن جو اعتراضات اس سفارش پر کئے گئے وہ مستحقانہ اور ناقابل تردید تھے۔ اس مجلس میں ایک صدر نشین اور ایک سینیر ناظم ہوتا تھا اور اگر سینیر ناظم علالت یا کسی اور سبب سے کچھ عرصے تک غیر حاضر رہتا تو اسکی جگہ پر اس سے دوسرے درجہ کا سینیر ناظم مامور کردیا جاتا تھا۔

باب ۹ (۹۴)

ہوتا ہے کہ اپنی عادت یا بے بسی سے وہ ہماری ترقی میں مدد نہیں دے سکتی ہے۔
مسٹر پٹ[1] (Mr. Pitt) کے قانون سے اگرچہ کمپنی کے تجارتی مسائل کے علاوہ نظم و نسق کے ہر شعبے میں مجلس نظما وزراء کی زیر دست بن گئی تاہم اس قانون سے ان کے انتخاب کی نوعیت اور ان کے فرائض منصبی کی ادائیگی کے طریقے میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی لیکن اس قانون اور اس کے مابعد ایک قانون کی رو سے ایک نہایت اہم شعبۂ راز و سیاسی ان کے ہاتھ سے بالکل نکال لیا گیا۔ موجودہ نظام حکومت کی تنظیم کے یہ نہایت اہم حصے تھے اور اس لئے انھیں اچھی طرح سمجھ لینے کی ضرورت ہے۔

دیسی والیان ریاست سے صلح و جنگ کے مسائل کی بابت جملہ اقسام کی سیاسی گفت و شنید جن میں راز داری کی ضرورت تھی مجلس نگران کے ذمے تھی اور اسے ان مسائل کی بابت سرکاری مراسلے تیار کرنے کا قانون کی رو سے اختیار حاصل تھا اور ان مراسلوں کو مجلس راز دار اپنے دستخط سے ہندوستان روانہ کر دیتی تھی۔ یہ مجلس ان ہدایتوں کی زبانی یا تحریری مخالفت کرتی تھی جنھیں وہ اپنی رائے کے خلاف تصور کرتی تھی لیکن اس مجلس کو البتہ عام سرکاری مراسلوں کی طرح ان معاملات میں یہ استحقاق قانوناً حاصل نہ تھا لہٰذا اس عملدرآمد کو محض اخلاق و رواج پر محمول کرنا چاہیئے۔ (۹۵)

مجلس راز دار کو سیاسی اور راز داری کے شعبوں کے احکام کی تعمیل کرانے کا ذریعہ یا وسیلہ اس غرض سے قرار دیا گیا ہے تاکہ کمپنی کا وقار ہندوستان میں قائم رہے کیونکہ اگر مجلس نگران براہ راست حکومت ہند سے سرکاری مراسلت کریگی تو اس سے کمپنی کے وقار کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہے مجلس راز دار کو ان مراسلوں پر دستخط کرنا چاہیکہ وہ اس کی رائے کے خلاف ہوں یا پارلیمنٹ کے ایک

۱؎ عام سرکاری مراسلے مجلس نظما تیار کرتی اور انڈیا بورڈ انھیں منظور کرتا یا ان میں ترمیم کر سکتا تھا۔ اگر انڈیا بورڈ کی درخواست پر مجلس نظما سول یا فوجی مسائل کی بابت مراسلے تیار کرنے میں تاخیر کرتا تو بورڈ مراسلے خود تیار کرنے کا مجاز تھا البتہ یہ مراسلے بعد ازاں مجلس نظما روانہ کرتی تھی۔

باب ۱ قانون کی رو سے محض ایک عاملانہ کارروائی ہے اگرچہ اسے قانوناً یہ حق حاصل نہیں کہ وہ مجلس نگراں کے مراسلوں میں ترمیم کر دے یا ان کی روانگی میں تاخیر کرے تاہم چونکہ وہ سلطنت ہند کے ایک شعبہ کی افسر ہے اور اس حیثیت سے مجلس نگراں کی اہم تجویزوں کے جزوی معاملات میں مدد دینے یا ان میں رکاوٹ پیدا کرنے کے جو وسائل اسے حاصل ہیں ان کی وجہ سے یہ بات ضروری ہے کہ مجلس مذکور اس کو اپنا ہم خیال بنائے اور اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کرے اس کے ساتھ ہی مجلس رازدار پر واجب ہے کہ ایسے معاملات میں اپنے ارکان کی عقل اور معلومات کے مطابق مجلس نگراں پر اپنا اثر ڈالے ۔ (۹۶)

بہر حال یہ بات بھی قابل تذکرہ ہے کہ اس مجلس کو اپنی اختلافی رائے ظاہر کرنے کا جو استحقاق اخلاقاً یا رواجاً دیا گیا ہے اس کی وقعت سلطنت ہند کے دیگر شعبوں کی طرح اس کے معتدل اور گا ہے ماہے استعمال کرنے پر منحصر ہے کیونکہ اسے بار بار کام میں لانے سے بجائے منفعت کے پریشانیاں لاحق ہونگی لیکن بورڈ کو جو اختیارات حاصل ہیں ان میں ہارج ہونے یا انھیں کمزور کرنے کے بجائے اگر مجلس رازدار اس کی اعانت کریگی تو اسی اصول کے بموجب بورڈ بھی معمولی مسائل میں مداخلت کرنے سے گریز کریگا ۔ بورڈ کے قائم ہونے کے بعد سے نگرانی کا استحقاق بہت زیادہ استعمال کیا جاتا ہے ۔ مختلف وجوہ سے اس کی ضرورت پیش آئی ہے اور اکثر معاملات میں اس کا اثر سودمند بھی کہا جاسکتا ہے ۔ لیکن اُن عظیم الشان خرابیوں کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے جو اس طرح کی مسلسل دست اندازی سے پیدا ہوسکتی ہیں ۔ اگر ہر ایک معمولی مسئلہ میں بھی بورڈ مداخلت کرنے لگے اور اپنے صدور حکم کے حق کو بار بار کام میں لائیگا تو مجلس نظما یا اس کے احکام کی تعمیل کا درمیانی وسیلہ ہوکر رہ جائیگی یا بورڈ کی وقعت کم ہو جائیگی اور پھر اس جذبے اور خوش فہمی کا خاتمہ ہو جائیگا جسے ان دونوں حکمراں شعبوں میں قائم رکھنے کی اشد ضرورت ہے ۔ اس صورت میں حکومت ہند کی موجودہ شکل کے نتیجے کی بابت مسٹر برٹ کی پیشین گوئی کے پورا (۹۷)

۱؎ مسٹر برٹ نے فرمایا تھا کہ مجلس نظما کو جو فی الحقیقت غور و خوض کے بعد عمل کرتی ہے کسی

باب ۹

ہونے کا احتمال ہے اور اس کے مختلف شعبوں کے عمال اپنی نیکی، اعتدال پسندی اور اپنے علم وفضل سے اس اندیشے کو رفع کر سکتے ہیں۔ جب نگران کار بورڈ پہلی بار قائم ہوا تھا اس وقت مختلف صوبوں کے عام خطوط میں ہر ایک مسئلہ درج ہوتا تھا لیکن پھر اس میں تبدیلی ہوگئی۔ سرکاری مراسلت عامہ، مال، فوج، تجارت کے چار شعبوں میں تقسیم کر دی گئی اس جدید انتظام کی سہولت کو حکومت اعلیٰ نے تسلیم کر لیا اور اس کی تجویز سے ان چار شعبوں میں پانچواں شعبہ سیاسیات اور شامل کر دیا گیا جس میں ہندوستان کے والیان ریاست اور انگریز حکام سے ہر قسم کی مراسلت داخل تھی صرف صیغۂ راز کی ملازمت اس سے علیحدہ تھی۔

مجلس نظما اپنے مختلف فرائض انجام دینے کے لیے قدیم رواج کے بموجب اپنے کو مختلف قسم کی ذیلی مجلسوں میں تقسیم کر لیتی تھی اور یہ تقسیم افراد کی قابلیت یا موزونیت کے اعتبار سے نہ تھی بلکہ محض معیار قدامت پر کی جاتی تھی کو

(۹۸)

اعلیٰ نظما میں سے صدر نشین منتخب کیا جاتا تھا سب سے زیادہ اہم ذیلی مجلس مراسلات کی تھی جس میں بشمول صدر نشین نائب صدر گیارہ اعلیٰ ناظم تھے اس ذیلی مجلس کے ذمے صیغۂ راز اور شعبۂ تجارت کو مستثنےٰ کر کے ہندوستان کے جملہ مراسلات کو پڑھنا ان پر غور کرنا اور ان کا جواب تجویز کرنا تھا۔ تقریباً سارے اہم تجاویز یہی پیش کرتی اور اکثر معاملات میں اسی کی رائے مجلس نظما کو مشعل ہدایت کا کام دیتی تھی۔

عموماً ایک ناظم اپنے انتخاب سے دس سال بعد مجلس مراسلات کا رکن ہو سکتا تھا اس سے قبل اس کا تعلق کسی ادنیٰ ذیلی مجلس سے رہتا تھا اور

بقیہ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ۔ ایسی مجلس کے ساتھ ملا کر رکھنے کی تجویز جو حقیقتاً نگرانکار ہو ایک ایسی تنظیم ہے جو صرف چند روز تک چل سکتی ہے یا تو نظما محض مہر بن کر رہ جائیں گے اور یا کبھی تدبیر اور کبھی غفلت سے وزیر ہند ہر ایک کام انہی کے سپرد کر دیں گے جیسا کہ اس وقت تک ہوتا رہا ہے اگر ان دونوں کا اثر سرگرمی پر پڑا تو اس کا انجام باہمی مخالفت کام میں تعویق وتاخیر اور بجد ابتری ہوگی۔

باب ۹

اس کا سارا وقت تفصیلات کے متعلق اپنے فرائض ادا کرنے میں صرف ہوتا تھا اور ان اہم مسائل سے اُسے کوئی سروکار نہ ہوتا تھا جو ہندوستان کے عام نظم و نسق سے متعلق ہوتے تھے البتہ وہ مسائل مستثنیٰ تھے جن کی بابت مجلس نظما میں زور و شور سے بحث و مباحثہ ہوتا تھا۔ یہ بھی درست ہے کہ مجلس نظما کے ہر ایک رکن کو کاغذات (البتہ صیغۂ راز کے نہیں) طلب کرنے اور تجاویز پیش کرنے کا استحقاق حاصل ہے لیکن وقت پیدا ہونے کے خیال سے یہ اس استحقاق پر شاذ و نادر ہی عمل کیا جاتا ہے چونکہ متعلقہ شعبوں سے بعض مسائل کو علیحدہ کرنے میں ضرور مشکلات حائل ہونگی۔ لہذا ان مشکلات کے احساس سے خاموشی اختیار کر لی جاتی ہے جو سودمند ہوتی ہے۔

(۹۹)

جس طور پر مجلس نظما کے فرائض بحالت موجودہ مقرر کئے گئے ہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ ایسے شخص کے انتخاب سے پبلک کو کوئی سیاسی فائدہ نہیں پہنچتا ہے جس نے ہندوستان میں ملازمت کی ہے اور جسے وہاں کی حقیقی حالت کے متعلق نہایت بیش قیمت معلومات حاصل ہیں کیونکہ مجلس نظما میں داخل ہونے پر اسے ایسے فرائض انجام دینا ہوتے ہیں جو اس کی گزشتہ زندگی کے خدمات کے بالکل برعکس ہوتے ہیں اور جب قدامت کے باعث وہ ترقی کر کے مجلس مراسلات یا مجلس راز وار کا رکن ہو جاتا ہے تو اس وقت اس کے پاس وہ تازہ اور خفیہ معلومات نہیں ہوتے ہیں جنہیں وہ کام میں لاتا اگر اُس کا مسلسل تعلق ان واقعات سے رہتا لیکن ہٹ دھرمی سے وہ اپنے پرانے خیالات پر جما رہتا ہے جن میں سے بہت سے بالکل فرسودہ ہوتے ہیں۔ ان واقعات میں دم مارنے کی مجال نہیں ہو سکتی ہے اور اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ شاذ و نادر ہی کسی قدیم ناظم کو ہندوستان کے معاملات اور وہاں کی سیاسی حالت کی صحیح اور تفصیلی معلومات حاصل ہوتی ہیں البتہ معتمدوں اور صدر محرروں کو یہ معلومات حاصل ہوتی ہیں جن میں سے بہت سے نہایت جفاکش اور قابل ہیں یہ لوگ معلومات کے خاص حامل ہیں لیکن ان پر بھی وہی اعتراض وارد ہوتا ہے جو مجلس نظما کی ترتیب پر کیا جاتا ہے۔ بہت سے وجوہ ایسے ہیں جن سے مجلس نظما کی

(۱۰۰)

کارروائیوں کی نوعیت مذبذب ہو گئی ہے اور جن کی بدولت بہت سے اہم معاملات خراب ہو جاتے ہیں یا معرض التوا میں پڑ جاتے ہیں لیکن ان میں نہایت نمایاں سبب

باب ۹

یہ ہے کہ ہر ایک صدر نشین بہت کم مدت تک اپنے عہدے پر رہتا ہے۔ اس دوران میں اس کے پاس بے شمار کام ہوتے ہیں اور ان کا بڑا حصہ یا تو عجلت کے ساتھ طے کیا جاتا ہے یا اپنے جانشین کے لئے ادھورا چھوڑ دیا جاتا ہے۔ ایسی حالت میں بہت ممکن ہے کہ اکثر معاملات زیر غور میں اس کی رائے مختلف ہو لہذا اس طور سے ہم ان کی رایوں میں فوری اور بار بار تبدیلی ہونے کا اور اضافہ کرتے ہیں کیونکہ ہر سال اس مجلس کے چھہ[1] ارکان چلے جاتے ہیں اور چھہ جدید ارکان منتخب ہو کر آتے ہیں۔ پرانے ناظموں کو اپنی مراجعت کے دوران میں سال بھر تک کسی سرکاری کاغذ کو دیکھنے اور اس پر رائے زنی کرنے کا کوئی حق نہیں ہوتا ہے۔ جب وہ اپنے کام پر واپس آتے ہیں تو مسائل زیر بحث سے قطعی نابلد ہوتے ہیں یا کم از کم وہ اس نقصان میں تو ضرور رہتے ہیں کہ وہ معلومات کا سلسلہ ٹوٹا ہوا پاتے ہیں۔

(۱۰۱) مجلس نظما کی حکومت اس لئے مشہور ہے کہ وہ قواعد کی نہایت سختی کے ساتھ پابند ہے اور رواج کے خلاف ہر ایک کاروائی کرنے سے ڈرتی ہے تاکہ آئندہ کے لئے رواج کی خلاف ورزی کرنے کی مثال قایم نہ ہو جائے۔ محدود اور غیر تغیر پذیر ریاستوں کے انتظام کے واسطے یہ نہایت عام اصول ہیں لیکن ان کی مسلسل

---

[1] یہ چھہ سابق ناظم دوبارہ منتخب ہونے چاہیئیں یہ گھر کے لوگ کہلاتے ہیں اور بجز غیر معمولی صورتوں کے ان کا دوبارہ انتخاب یقینی ہوتا ہے اس کی شدید ضرورت ہے کیونکہ ناظم کے عہدے کی وقعت بڑھانا مناسب ہے ورنہ اس کی عزت و رفعت بالکل گھٹ جائے گی۔ بہت سے قابل اور اعلی تعلیم یافتہ اصحاب اپنی ابتدائی کوشش کی نوعیت کے باعث مجلس نظما کی رکنیت حاصل کرنے میں محروم ہو جاتے ہیں اگر ہر چھہ سال بعد یہی کوشش کرنی ہوتی تو یہ مجلس بہت سے کارآمد ارکان کی خدمات سے محروم ہو جاتی اور جوار کان برسر اقتدار باقی رہ جاتے اور اپنے فرائض بے غرضانہ ادا کرنے کے بجائے رائے دہندگان کو راضی کرنے کی کوشش کرتے۔

باب ۶

اور سخت پابندی ہندوستان کی سی سلطنت کی زندگی اور ترقی کے لئے سخت مہلک ثابت ہوگی جو اس کے سارے نظام حکومت میں جاری رہنی چاہیئے۔ جو سرکاری ملازم نام و نمود حاصل کرنے کے خواہاں ہیں انھیں انعامات دیکر اور حوصلہ افزائی کرکے ان کی کوششوں کو کامیاب بنانے میں مدد کرنی چاہیئے اور ان کے شریفانہ اشتیاق و تمنا کے ہر جذبے کو خوب بھڑکانا چاہیئے۔ ایسی حکومت ہرگز واجب الاحترام نہیں ہوسکتی ہے۔ جو خاص قسم کی اشکال میں محصور ہو کر نا انصافی کی ملامت سے بچنے کی تو خواہاں ہو مگر سرگرم کوشش کا جذبہ نہ پیدا کرتی ہو۔ اس کی کارروائیاں منصفانہ اور فیاضانہ ہوسکتی ہیں لیکن جب تک کہ وہ اپنے زیر حکومت افراد اور جماعتوں کے عادات و خصائل کے مناسب حال نہ ہوں اور اس خاص سلطنت کی جلد جلد تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ وہاں کے حکام کی قابلیت اور سوز و نیت نہ ظاہر کرتی ہوں تو ایسی سلطنت کے حکام بہت جلد بدنام ہوجائینگے جو شخص کہ حالات سے باخبر ہے وہ اس سے ہرگز انکار نہیں کرسکتا کہ یہی حالت مجلس نظما کی ہے۔ انگلستان میں جو کوششیں اس مجلس کا وقار کم کرنے اور اسے ذلیل کرنے کی روزمرہ کی جاتی ہیں ان کا مقابلہ کرنے کے لئے اس مجلس کو اپنی قابلیت اور معلومات میں اضافہ کرنے کی اس قدر ضرورت نہیں ہے جس قدر کہ اسے اپنے بیرونی ملازموں کے دل میں اپنی ہر دل عزیزی قائم رکھنے کی حاجت (۱۱۰۲) ہے کیونکہ ان ملازموں میں سے اکثر اپنے ذاتی جذبات سے متاثر ہوکر کمپنی کی قوت کے خاتمے کے خواہاں ہوتے ہیں لیکن وہ اس بات کو نہیں سوچتے کہ اگر ایسا واقعہ ہوگیا تو اس سے برطانیہ عظمیٰ اور ہندوستان کو کیسے نقصانات پہنچیں گے۔

کسی قسم کی تجویز اصلاح کے تفصیلات بیان کرنے کا یہ محل نہیں ہے لیکن جو اصحاب کہ کمپنی کے برقرار رہنے کے خواہاں ہیں انھیں اطمینان رکھنا چاہیئے کہ جو اصحاب اس کی تباہی کے متمنی ہیں وہ مجلس نظما کے نظام میں اس قسم کی تبدیلی کرنے کے بھی دشمن ہونگے جس سے کہ اس کا معیار بلند ہوجائے اور وہ اپنے روز افزوں فرائض کو خوش اسلوبی سے انجام دے سکتے یہ حضرات

اس کے تنزل ہی کو کامیابی تصور کرتے ہیں لیکن جو مجلس کہ ہندوستان پر حکومت کر رہی ہے اس کے اختیارات کم کرنا ایک شخص کو اس کے جسم کے ایک ایک انچہ ٹکڑے کاٹ کر ہلاک کرنا ہے لہذا اس سے زیادہ مضرت رساں سلطنت ہند کے حق میں کوئی اور شئے نہیں ہو سکتی ہے۔ مجلس نظما کو اس کے جملہ حقوق و اختیارات کے ساتھ نہ صرف برقرار رکھنا چاہیئے بلکہ اگر اسے حکومت ہند کا کارآمد شعبہ بنانے کی خواہش ہے تو اس کا معیار بلند تر کر دینا چاہیئے ورنہ اسے بہت جلد ختم کر دینا ہی بہتر ہے۔ اس مسئلے کو سمجھنے کے واسطے اس کی حقیقی حالت کا معائنہ کرنا چاہیئے۔ اس مجلس کی نوعیت میں عظیم الشان تبدیلیاں ہو چکی ہیں۔ مالکان کمپنی کے خیالات اور جذبات میں جو انقلابات پیدا ہو گئے ہیں وہ بڑھتے بڑھتے نظما تک پہنچ گئے ہیں۔ ایک جداگانہ ایوان تجارت قائم ہو گیا ہے جس نے بڑی حد تک کمپنی کی تجارت کو اپنے قبضے میں کر لیا ہے اور کمپنی کی باقی ماندہ تجارت بھی معرض خطر میں ہے۔ اس سے قبل ملازمان کلیتاً اسی کی چشم کرم کے امید وار رہتے تھے اب انھیں اس کی چنداں حاجت نہیں رہی۔ اخباروں کی قوت یوماً فیوماً بڑھتی جاتی ہے لیکن وہ بھی اب کمپنی کے ہوا خواہ نہیں ہیں۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان جملہ وجوہ سے عوام کی نظر میں مجلس نظما کی وقعت بہت کم ہو گئی ہے۔ ان کے علاوہ اس قسم کے اور بھی وجوہ ہیں۔ ایکٹ سنہ ۱۷۹۳ء و سنہ ۱۸۱۳ء کی رو سے جملہ ملکی و سیاسی اختیارات وزرا کو دیدیے گئے۔ اس وجہ سے جو وقار کہ مجلس نظما کا تھا وہ جاتا رہا اور تجارت کے لئے جدید شاہراہیں کھولنے کی خواہش اور کمپنی کے اجاروں سے روز افزوں تنفر نے اسے اور بھی زیادہ بدنام کر دیا ہے اور ہندوستان میں نئی تجارت کھلنے سے یہ خواہش کم ہونے کی بجائے اور زیادہ ترقی کر گئی ہے جس سے پبلک مستفید ہوتی ہے لیکن چونکہ کمپنی کو غیر ملکی تجارت پر پورا قبضہ حاصل ہے اس لئے پبلک تجارت سے پورا نفع نہیں اٹھا سکتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ کمپنی اب حکمراں جماعت نہیں رہی وہ صرف تجارت کی اجارہ دار ہے۔ اور اس لئے بحیثیت حکمراں جماعت کے اس کی جو توقیر تھی وہ جاتی رہی اور اس کی بدنامی بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ جو شخص کہ انگلستان کے دستور سے واقف ہے وہ مجلس نظما کے

(۱۰۳)

باب ۹

(۱۰۴) نظام میں ایسی تبدیلی کرنے کی ہرگز خواہش نہیں کرسکتا جس کی رو سے اس مجلس کا رتبہ وزراء کے مساوی ہو جائے اور چونکہ نظما کے تعلقات اور ان کا عہدہ جداگانہ نوعیت کا ہے اس لئے معاشرتی اور تجارتی زندگی میں بھی وزرا ان سے الگ تھلگ رہتے ہیں اور یہ ایک حد تک مفید بھی ہے لیکن وزرا کا جو دباؤ ہے وہ محض اسی وقت برقرار رہ سکتا ہے جب کہ ساتھ ہی ساتھ ان میں قابلیت و کیرکٹر ہو اور معاملات متعلقہ کی بابت انھیں مستند معلومات حاصل ہوں ورنہ اگر اسکا خاتمہ نہوا تو انہیں کمی ضرور ہوجائیگی اسکے ساتھ ہی مجلس نظما کا وقار عوام کی نظر میں گھٹا دینے سے اس کے ارکان کی قابلیت اور کیرکٹر میں بھی ضرور کمی ہو جائیگی ؛

جب صورت حال یہ ہو جائیگی اور پھر عالی خیال معزز حضرات ناظم کے عہدے کے بہت کم متمنی ہونگے۔ بحالت موجودہ کمپنی کے لئے یہ امر نہایت دشوار ہے بلکہ تقریباً ناممکن ہے کہ وہ نظام حکومت ہند کے ایک ضروری شعبہ ہونے کی حیثیت سے اپنے وقار کو قایم رکھ سکے تاوقتیکہ اس کے نظام میں ایسی ترمیم نہ کردی جائے جس سے نظما کا وقار پبلک کی نگاہ میں نہ بڑھ جائے۔ جو حضرات اس بات کے خواہاں ہیں کہ مجلس نظما کو اس قسم کا وقار و امتیاز حاصل ہو انھیں اس کے حاصل کرنے کی خاطر خواہ کوشش بھی کرنی چاہیئے ؛

کمپنی کے تجارتی اجارے کو محدود کردینے سے نظما کے انتخاب میں عظیم الشان تبدیلیاں واقع ہوگئی ہیں: ناظم کے انتخاب کے لئے بجز اس کے کوئی اور شرط نہیں ہے کہ وہ خاص مقدار کے حصص کا مالک ہو اور ذکور و اناث رائے دہندگان بیشتر ایسے ہیں جن کی حالت اور جن کا پیشہ اس امر کی ہرگز ضمانت نہیں ہوسکتا کہ وہ اس عہدے کے لئے کسی موزوں شخص کو منتخب کریں گے۔ ابھی کچھ مدت پیشتر تک

(۱۰۵) اس قسم کے قیود موجود تھے جن کی رو سے سرکاری ملازم کا ناظم ہونا ممنوع تھا[ل] خواہ

[ل] ایک ذیلی قانون کی رو سے ایسے اشخاص ناظم منتخب نہیں ہوسکتے تھے لیکن اب یہ قاعدہ منسوخ کردیا گیا ہے کیونکہ یہ قانون کے منشا کے منافی تھا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بیدل افواج کے سپہ دار مقیم انگلستان ناظم منتخب ہوسکتے ہیں البتہ اس کے متعلق افسر آخر کیلئے

باب ۹

اسے حق انتخاب حاصل ہو۔ البتہ جو ملازمان انگلستان میں قیام کرنے کے لئے حکماً طلب کئے گئے ہوں وہ ناظم منتخب ہو سکتے تھے۔ یہ قیود اس تنگ دلی اور حاسدانہ جذبے پر مبنی ہیں جو کمپنی کے ابتدائی زمانے کی خصوصیت تھی لیکن اب یہ قیود موجودہ حالت کے لئے کسی طرح موزوں اور مناسب نہیں ہیں اور سلطنت انگلستان کے دستور کے قطعی منافی ہیں کیونکہ سلطنت کے ہر ایک شخص کا ایک عہدے سے ہٹنے کے بعد دوسرے عہدے پر تقرر ہو سکتا ہے اور یہ ایک دانشمندی کی بات ہے کہ جن لوگوں نے اپنی سابق ملازمت میں تجربہ اور قابلیت حاصل کی ہے اس سے حکومت فائدہ اٹھائے اور اگر انھیں سرکاری ملازمت نہیں ملے تو سرکاری مجلسوں کے ایسے مسائل پر رائے اور مشورہ دینے کے لئے وہ سرکاری طور پر طلب کئے جائیں جن کے متعلق اپنے گذشتہ تجربے اور معلومات سے وہ صحیح (۱۰۶) رائے قائم کر سکتے ہیں لیکن وظیفہ یاب یا زیر رخصت ہندوستانی سول و فوجی افسران شاذ و نادر ہی ایسے مشورے کے لئے بلائے جاتے ہیں اور ساری دنیا پر غالباً ایسی کوئی اور حکومت نہیں مل سکتی ہے جسے اپنے فرائض کی نوعیت کے لحاظ سے اس قسم کی امداد کی ضرورت نہ ہو لیکن جب تک مجلس نگراں اور مجلس نظما کے نظام ترکیبی میں زبردست ترمیم نہ کی جائے اُس وقت تک اس قسم کی امداد نہیں میسر آسکتی ہے جس سے کہ ملک کو بہت کچھ فائدہ پہنچ سکتا ہے؛

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ یہ بہانہ مل سکتا ہے کہ ایسے افسران کو غیر ملکی خدمات کے سلسلے میں باہر جانا پڑتا ہے لیکن انگلستان کے سول اور فوجی محکموں کے ہر ایک افسر کی یہی کیفیت ہے اور ۱۷۹۶ء سے کمپنی کی ملازمت میں بھی یہی دستور تھا کہ فوجی کرنل انگلستان میں قیام کرنے کے مستحق تھے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا ہندوستان جانا اختیاری تھا؛

لہ انگلستان میں کئی عہدے اس قسم کے ہیں جن پر ہندوستانی فوج کے ملازم افسران مقرر کئے جا سکتے ہیں اور جن کی ملازمت معزز اور حکومت کے لئے نہایت کارآمد سمجھی جاتی ہیں؛

باب۶

ہندوستان میں ہم نے جو سلطنت قایم کی ہے اس پر حکومت کرنے میں جس قسم کی روزافزوں دشواریاں پیش آرہی ہیں انھیں رفع کرنے کے لئے اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ ہم اپنے جملہ وسائل سے کام لیں لیکن تبدیلی کے لئے جو تجاویز پیش کئے گئے ہیں ان کی مخالفت کی حقیقی وجہ کے متعلق ہمیں اپنے کو دھوکا نہ دینا چاہیئے۔ ان تجاویز سے بعض افراد اور جماعتیں خائف ہیں کیونکہ انھیں یہ اندیشے ہیں کہ ان سے ہمارے ذاتی مفاد کو نقصان پہنچیگا لیکن یقیناً یہ ان کی خام خیالی ہے۔ اس کا اثر بالکل برعکس پڑیگا کیونکہ انگلستان اور ہندوستان دونوں کے تجربہ کار اشخاص کے مل جانے سے وہ مضر تعصبات رفع ہوجائینگے جو دونوں جماعتوں کے دل میں ایک دوسرے کی طرف سے موجود ہیں اور جب صحیح معلومات اور منصفانہ اصول سے کام لیا جائیگا تو نظام حکومت کو جو موجودہ اصول پر مدت تک قائم نہیں رہ سکتا تقویت پہنچ جائیگی اور ایک مدت تک وہ مستحکم ہوجائیگا۔

(۱۰۷) ہمارے ایشیائی مقبوضات کے نظم ونسق کے لئے اس اصول پر عملدرآمد ہونا اشد ضروری ہے کہ وہاں کے عمال حتی الامکان بہترین ہوں اور ان میں وہ تمام اوصاف موجود ہوں جو ہندوستان میں فرائض منصبی کو خوش اسلوبی سے انجام دینے کے لئے لازمی اور ضروری ہیں ہماری رائے میں اس کے مساوی کوئی اور خطرہ نہیں ہوسکتا ہے کہ وہ ہندوستان کے متعلق یہ سمجھنے لگیں کہ یہی ایسا ملک ہے جس میں ہمیں اپنی زندگی بسر کرنی ہے اگر سرکاری ملازموں کے دل میں عام طور پر یہ خیال پیدا ہوگیا تو بالآخر یہ خیال انگلستان اور ہندوستان دونوں کے حق میں کیسا مہلک ثابت ہوگا۔ اس بات کو حکومت انگلستان اچھی طرح سمجھتی ہے اور ناجائز طور پر کسب زر کے وسائل کو اس نے نہایت خوبی کے ساتھ رفع کردیا ہے جو ہمارے طرز حکومت کے خلاف تھا۔ اس لئے ملازمت میں ایسے لوگوں کے داخلے میں سہولتیں پیدا کرنے کے لئے جنھوں نے چند سال تک سول یا فوجی خدمات انجام دیئے ہوں حال ہی میں زبردست انتظامات کردئے ہیں لیکن ان انتظامات کا ایک اثر یہ ضرور ہوگا کہ بہت سے اصحاب کو جن میں سے اکثر نو عمر ہیں، اپنی باقی زندگی معمولی تنخواہ پر بسر کرلی ہوگی تا وقتیکہ انگلستان یا ہندوستان میں ملازمت کی

باب ۹

خواہش کے لئے کچھ اعلیٰ مقاصد[1] نہ پیش کئے جائیں ؛

جب قابل اور تجربہ کار اشخاص انگلستان میں اس مقصد کے حصول کے واسطے کوشش کریں گے تو انکی تنگ خیالی بہت جلد رفع ہو جائیگی اور ان کے کار آمد ہونے (۱۰۸) میں جس قدر اضافہ ہو گا اسی قدر ان کی عزت و توقیر کا دائرہ وسیع ہوتا چلا جائیگا ؛

اپنے وطن کے ساتھ انھیں قومی ہمدردی پیدا ہو جائیگی اور ان کے کیرکٹر کے اثرات دوسروں میں بھی ہمدردی کا یہی جذبہ پیدا کر دینگے جو ایسے عاقلانہ اور مصلحت آمیز تجاویز کی نہایت مستعدی کے ساتھ تائید کرینگے جو ایسے اصحاب کے نام سے وابستہ ہونگے جن کی عزت کرنے اور جن پر اعتبار رکھنے کے وہ مدت دراز سے خوگر ہیں ؛

بعض اصحاب کی رائے میں تعصبات دور کرنے کا یہ بہترین طریقہ ہے اور اس سے بیشک وطنی ہمدردی بھی پیدا ہو جائے گی۔ لیکن یہ حضرات اس تجویز کو سنکر بہت متحیر ہوتے ہیں کہ جن لوگوں کے لئے باہر ملازمت کی ہے ان کے واسطے

---

[1] جو فیاضانہ تجاویز گزشتہ ایام میں اختیار کی گئی ہیں ان کی رو سے ترقی جلد جلد ہوتی ہے لیکن ہندوستان میں زیادہ مدت تک قیام کرنا جائز نہیں اور یہ تجاویز نہایت کارآمد ہیں لیکن ان کا فائدہ صرف اس مقام پر ختم ہو جاتا ہے مگر اس فیاضی سے جو ملازمتیں جاتی رہیں گی غالباً انھیں حاصل کرنے کی ضرورت محسوس ہوگی تا وقتیکہ قابل اشخاص کے روبرو یہ اعلیٰ مقصد نہ پیش کیا جائے کہ انگلستان میں واپس آجانے کا استحقاق حاصل ہو جانے کے بعد ہی وہ ہندوستان میں اپنے ملک کی خدمات انجام دیتے رہینگے ؛

[2] بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ ہندوستان سے لوگ عام طور پر ایسی عمر میں واپس آتے ہیں جو کسی نئی ملازمت میں داخل ہونیکی بجائے آرام سے زندگی بسر کرنے کے لئے زیادہ موزوں ہوتی ہے لیکن واقعات سے اس خیال کی تائید نہیں ہوتی ہے کیونکہ ان کیلئے جو ملازمت تجویز کی گئی ہے اس میں کوئی نیا کام انھیں نہیں کرنا پڑیگا بلکہ جو کچھ وہ کر چکے ہیں اسی کا یہ ایک قسم کا کار آمد سلسلہ ہوگا ؛

باب | حکومت ہندوستان کے دونوں شعبوں میں ملازم ہونے کے لئے انگلستان میں سہولتیں
پیدا کر دی جائیں لیکن یہ اعتراض تنگ خیالی قابل ابطال اور بے نتیجہ دلائل پر مبنی ہے کیا کوئی
سیاسی سول۔ فوجی یا بحری افسر نصف یا پورا وظیفہ لیکر سلطنت کے کسی محکمے میں ملازمت
(۱۰۹) کے قابل اس وجہ سے نہیں سمجھا جاتا ہے کہ اس نے کسی خاص محکمے میں ملازمت کی
ہے یا آئندہ کسی موقعے پر ملک کو اس کی خدمات کی اس محکمے میں ضرورت پڑے گی؟
کیا مختلف محکموں میں اس قسم کے لوگ نہیں موجود ہیں اور کیا بعض اوقات انھیں
اپنے فرائض نہیں ادا کرنے پڑے ہیں جبکہ وہ ایسے عمال کی رائے سے صرف اختلاف
کرتے ہیں بلکہ ان کی رائے کی مذمت کرتے ہیں جن کے ماتحت وہ بیشتر کام کر چکے
ہیں اور پھر بھی ان کی ماتحتی میں انھیں کام کرنا پڑیگا؟۔ اس حقیقت سے انکار نہیں
کیا جا سکتا ہے اور کون شخص اس امر کا مدعی ہو سکتا ہے کہ حکومت ہند میں کوئی
ایسا قاعدہ ہے جو اس عملدر آمد کے خلاف ہے؟

بعض حضرات یہ دلیل پیش کرینگے کہ ہندوستان کی ملازمت چند آور دوں
کے لئے مخصوص ہے اور جو لوگ کہ اس سے مستفید ہوتے ہیں انھیں ہرگز افسوس نہ
کرنا چاہیئے اگر انھیں اپنے ملک میں سرکاری ملازمت نہ میسر آسکے۔ اور غالباً وہ
حضرات یہ بھی فرمائینگے کہ اگر انگلستان میں ملازمت ملنے کے لئے ان لوگوں کے
واسطے سہولتیں پیدا کر دی جائیں گی تو جن لوگوں کی اس طرح حق تلفی ہوگی انکی شکایت
درست ہے تاوقتیکہ ہندوستان کی ملازمت کا دروازہ ان کی تمنا پوری کرنے کے
لئے بھی نہ کھول دیا جائے۔ اگر ہندوستان کی ملازمت کے لئے انگلستان کے سرکاری
ملازموں میں جملہ اوصاف موجود ہوتے یا حکومت ہند کے اس شعبے میں جس کا انگلستان
سے تعلق ہے اس معلومات اور واقفیت کی ضرورت لاحق نہ ہوتی جو صرف ہندوستان
کے سرکاری عہدہ داروں کو حاصل ہے تو ایسی صورت میں یہ دلائل قابل وقعت
ہو سکتے تھے لیکن بعض چند افراد یا بعض جماعتوں کے حقوق اور مراعات کے خیال
(۱۱۰) سے اس اہم مسئلے کو طے نہ کرنا چاہیئے۔ یہ مسئلہ سلطنت کے مسلک کا ہے اور اس کا
قریبی تعلق ایک ایسی غیر معمولی سلطنت کے عمدہ انتظام کرنے اور اس کے قایم
رکھنے سے ہے جیسی کہ شاید ہی دنیا میں کبھی قایم کی گئی ہو۔ ان مقاصد کے حاصل کرنے

باب ۹

ہیں جو وسائل کہ ہم بہم پہنچا سکتے ہیں اور جن سے ہم کام لے سکتے ہیں ممکن ہے کہ ہم ناکام ہو جائیں لیکن یہ ناکامی یقیناً میسر ہوگی اگر ہم ان مقاصد کے حصول کے لئے اپنی کوششوں کو ان قواعد وضوابط سے محدود کر دیں گے جو چھوٹی چھوٹی نوآبادیات کے نظم ونسق کے لئے معمولی طور پر اختیار کئے جاتے ہیں یا جو نہایت مشہور قومی سلطنتوں میں رائج ہیں لیکن ان سلطنتوں اور ہندوستان کی حالت میں وہاں کی رعایا کے خصائل وعقل نیز دستور واصول حکومت کے لحاظ سے بیّن فرق ہے کو

جو نوجوان کہ ہندوستان کی ملازمت میں داخل ہوتے ہیں ان کی تعلیم آزادخیالی کی ہوئی ہے اور غیر ملک میں ان کے سپرد ایسے کام ہوتے ہیں جن سے اُن میں فراخ دلی پیدا ہونی چاہئے۔ اس کے ساتھ ہی مطلق العنان حکومت کی کمزوریوں، نقائص اور مصیبتوں کا جو اندازہ انھیں ہوتا ہے اس سے لازمی طور پر انھیں اپنے ملک کی آزاد حکومت کے ساتھ زیادہ ہمدردی ہونی چاہئے۔ علاوہ ازیں شاید ہی کہیں اس قدر بڑی تعداد کو قومی مسلک میں وسیع مطمح نظر پیدا کر لینے یا حکومت کے مختلف شعبوں کے فرائض انجام دینے کے ایسے موقعے حاصل ہوتے ہونگے۔ ان عہدے داروں کو دور دراز ممالک میں کام کرنا ہوتا ہے جہاں کے باشندے زبان اور رسم ورواج میں یورپ کی قوموں کی مانند ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ ان میں سے بعض عہدے دار شاہانہ حکومت کے درجہ تک پہنچ جاتے ہیں اور بعض سیاسی، سول، عدالتی، مالی یا فوجی عہدوں پر مامور ہوتے ہیں۔ ہندوستان میں اسطرح مختلف قسم کی خدمات انجام دینے سے ان میں مختلف قسم کی خصوصیات پیدا ہو جاتی ہیں۔ لہذا اگر انگلستان میں ان کے لئے ملازمت کا دروازہ کھلا ہو تو وہ متضاد قسم کی خدمات انجام دے سکتے ہیں۔ کچھ اسباب (۱۱۱) ایسے پیدا ہو گئے ہیں جن کی وجہ سے یہ لوگ انگلستان میں تمام ملکی خدمات سے دور رکھے گئے ہیں۔ اس طرح انھیں جو ذاتی نقصان پہنچتا ہے محض اس کے احساس ہی سے وہ حکومت کے خلاف آپس میں متحد ہو سکتے ہیں جس کے بجائے دیگر وہ حامی ہوتے اور بالفرض محال ہندوستان کے قیام میں اگر کچھ تعصبات انکے دل میں پیدا بھی ہو گئے ہوں تو انگلستان واپس آنے پر وہ زیادہ عرصے تک

قایم نہیں رہیں گے بشرطیکہ حوصلہ شکن اور مایوس کن واقعات کا انھیں سامنا نہ ہو اور پھر وہ مجبور ہو کر خاص قسم کے خیالات و جذبات رکھنے والی جماعت نہ بن جائیں اور انھیں ایک جداگانہ فرقہ تصور نہ کیا جائے۔ ان کی موجودہ حالت تقریباً اسی قسم کی ہے۔ اور کوئی دانشمند شخص مفاد عامہ پر اس کے مضر اثرات پڑنے میں شک و شبہ نہیں کر سکتا ہے جن کو رفع کرنے کے لئے ہندوستانی اور یوروپین معلومات کو ملا دینے کی ضرورت ہے اور یہ بات موثر طور پر اس وقت میسر آسکتی ہے جبکہ سرکاری ملازمت اور عام سوسائٹی میں ایسے اصحاب کو شامل کر لیا جائے جن کی عمر اگرچہ غیر ملک میں گذری ہے لیکن وہاں پر بھی ہر وقت اپنے ملک کی سود و بہبود کو ہمیشہ پیش نظر رکھ کر انھوں نے خدمات انجام دی ہیں ایسے لوگوں کے کار آمد ہونے کا انحصار مساوات پر ہے۔ اس سے باہمی میل جول کو ترقی ہوگی اور وہ توجہ اور وقعت بھی پیدا ہو جائیگی جو ان حضرات کی رائے کی بابت لوگ آسانی سے قایم نہیں کر لیتے ہیں کیونکہ وہ انھیں اپنی قابلیت اور اپنے رتبے سے کمتر تصور کر لیتے ہیں

مجلس نظما قایم ہونے کے بعد وہاں کے اور انڈیا ہاؤس کے مختلف شعبول کے معتمدوں اور صدر محرروں نے حکومت ہند کی بہتری کے لئے جیسی جفاکشی اور دانشمندی سے کام کیا ہے اسے بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ ان حضرات نے فلاح عامہ کے لئے جیسی جفاکشی، راست بازی اور قابلیت سے کام کیا ہے (۱۱۲) اس کی کوئی نظیر نہیں مل سکتی ہے۔ ہماری مشرقی سلطنت کے سرکاری کاغذات کی ضخیم جلدوں میں سے ان حضرات نے جیسی بیش بہا معلومات اخذ کی ہیں وہ فی الحقیقت نہایت حیرت انگیز ہیں لیکن ان کی اس جانفشانی کا پورا فائدہ نہیں حاصل ہوتا کیونکہ اول تو انھیں ہندوستان کے متعلق مقامی معلومات و تجربات حاصل نہیں ہیں دوسرے ان کے حکام بالا کے روبرو جب معلومات پیش کئے جاتے ہیں تو وہ ان کی تفصیل کو پورے طور پر نہیں سمجھتے ہیں۔ یہ حکام بشرط فرصت اگر توجہ بھی کرتے ہیں تو انھیں ایسے مسائل کی بابت طویل تحریریں پڑھنا ہوتی ہیں جن کے متعلق مقامی حوالے دیکر تفصیلات کا معلوم کرنا ناممکن ہو جاتا ہے اور آدمیوں

باب ۴

مقاموں اور چیزوں کے ایسے نام ان تحریروں میں درج ہوتے ہیں جن سے ان کے کان نا آشنا ہیں اور اس طرح وہ ان کے معنی سمجھنے سے بھی قاصر ہیں۔ اگر نظام حکومت میں۔ کوئی ایسی ترمیم کر دی جائے جس کے باعث ان حکام کو ہندوستان کے متعلق زیادہ واقفیت حاصل ہو تو ایسی تبدیلی سے اس جماعت کو بےحد فائدہ پہنچ جائیگا۔ جن لوگوں کو اپنی قابلیت پر بھروسہ ہے انھیں اس بات کے بیان کرنے میں کچھ تامل نہیں ہو سکتا کہ انھیں کن کن ذرائع سے امداد ملی ہے اور جن لوگوں کی جفاکشی اور قابلیت سے انھیں ناموری حاصل ہوگی ان کی ترقی کے لئے ان کا تجربہ اور بے لوث فیصلہ نہایت سود مند ہوگا۔ یہ عہدے دار ہمیشہ مخالفوں کے حملوں کے نشانہ بنے رہتے ہیں۔ اور انگلستان جیسی آزاد اور روشن خیال قوم میں جو خوبیاں نظر آتی ہیں وہ اس قسم کے حملوں ہی کی بدولت ہیں۔[1] (۱۱۴۳)

ان کے مخالفین انھیں ہمیشہ ہوشیار اور سرگرم رکھتے ہیں۔ رائے عامہ کو ان کی حمایت کرنی چاہیئے ورنہ ان کا وجود ہی باقی نہ رہ سکے گا۔ لیکن یہ رائے عامہ نہ تو ارکان پارلیمنٹ کی تقریروں پر قائم ہونی چاہیئے جو اپنی فتح مندی کے لئے بحث کرتے ہیں اور نہ اخبارات و رسائل کے متضاد مضامین پر۔ نہ ایسے لوگوں کی بلند آہنگی میں جو کسی فوری جوش سے متاثر ہو کر شور کرتے ہیں اور نہ فلسفیوں کی تصنیفات سے جو ایسے خیالی ادارے قائم کرتے ہیں جن کے وسیلے سے بنی نوع انسان کی کایا پلٹ ہو جائے گی اگرچہ ان میں سے ایک طبقہ بھی رائے عامہ کی نمایندگی نہیں کرتا ہے۔

[1] مجلس نظما اور انڈیا ہاؤس کے ماتحت عہدے داروں کے فرائض منصبی انگلستان کے ہر ایک دیگر عہدے کے فرائض سے بالکل جداگانہ قسم کے ہیں۔ کیونکہ اس کے ہر شعبہ کے حاکم کو خاطر خواہ معلومات حاصل کرنے کے لئے اس قدر مطالعہ کرنا پڑتا ہے کہ نہ وہ کسی اور موضوع پر کچھ سوچ سکتا ہے اور نہ دوسری قسم کا مطالعہ جاری رکھ سکتا ہے وہ اسی کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ان کے عہدے اور خدمات کی نوعیت کے لحاظ سے ان افسران کا رتبہ بلند کر دیا جائے۔ اس عزت افزائی سے جب انھیں اپنی کوششوں کا صلہ ملیگا تو دوسروں کو بھی ترغیب و تحریص ہوگی جن سے ہر طرح سرکار ہی کو فائدہ پہنچیگا۔

تاہم رائے عامہ قایم کرنے میں ان سب کا اثر اور اعانت کام دیتی ہے اور تعلیم کی اشاعت سے انھیں یوماً فیوماً زیادہ قوت حاصل ہوگی۔ بہرحال ہمیں یہ امید کرنی چاہیے کہ ترقی علم کے ساتھ عوام میں قومی مسائل کے سمجھنے کی تمیز بھی آجائیگی اور اس وقت (۱۱۴) عوام ملک کے جملہ اہم مسائل کو فرقہ بندی کے اصولوں، شخصی مفاد، جذبات اور ان لوگوں کے نظریوں سے جدا کرکے جانچینگی جن کے شوق، جفاکشی، دانشمندی اور سرگرمی کے عملی نتائج سے وہ بہترین معلومات حاصل کرتی ہے۔ اگرچہ بیشتر انگریزوں میں یہ خاص وصف ہے کہ وہ حکومت کے ہر شعبے کی نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ عزت کرتے ہیں لیکن بحالت موجودہ سوسائٹی اس بات کی توقع رکھتی ہے کہ ان میں خاطر خواہ اصلاح ہونی چاہیئے لیکن اس قسم کی اصلاحات اور ترقیاں نہایت احتیاط سے کرنی چاہئیں تاکہ نفع سے کہیں نقصان نہ بڑھ جائے۔ ہمیں یہ اصول قرار دینا چاہیئے کہ ہر ایک ادارے کا حقیقی فائدہ اس بات پر منحصر ہے کہ وہ اس قوم اور اُس حکومت کی مرضی کے مطابق ہو جس سے کہ اُس کا تعلق ہے اور اگر ہم ان کے استحکام کے خواہاں ہیں تو جن کے فائدے کے واسطے ہم نے یہ ادارے قایم کیئے ہیں ان کی قوت، کمزوری، تعصبات، خوبیاں، بُرائیاں الغرض اُن کے جملہ اوصاف کے مطابق و مناسب حال وہ ہونے چاہئیں۔ ہماری آزاد سلطنت کے ہر شعبہ کی کامیابی کے لیئے معقول رائے عامہ کا اس پر اثر پڑنا نہایت ضروری ہے لیکن ہندوستانی مسائل طے کرنے میں رائے عامہ نے بہت خفیف سی توجہ کی ہے۔ اس ملک پہ بہترین طریقے سے حکومت کرنے کا مسئلہ نہایت دشوار ہے اور جن مفاد پر اس کا اثر پڑتا ہے وہ بعید اور پیچیدہ ہیں۔ اس لئے بہت کم حضرات نے اس پر غائر نظر ڈالنے کی تکلیف گوارا کی ہے۔ جب کمپنی کے حقوق (۱۱۵) کی تجدید کی گئی اس وقت یہ سمجھ لیا گیا کہ یہ معاملہ کم از کم بیس سال کے لئے طے ہوگیا۔ اگرچہ اس میعاد کے ختم ہونے کا زمانہ ابھی قریب نہیں آیا ہے جس سے کہ اُن جماعتوں میں سرگرمی پیدا ہو جن میں میعاد معینہ ختم ہونے سے تصادم واقع ہوگا تاہم اُس وقت کی آمد سے پیشتر اس مسئلہ کی پورے طور پر تحقیقات کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ چونکہ اس کے ساتھ قومی اہمیت کے عظیم الشان مسائل

باب ۹

وابستہ ہیں لہٰذا اس پر غور و خوض اور فیصلہ کرنے کا کام ایسے فریقین کے جنگ وجدال کے لئے نہیں چھوڑ دینا چاہیئے جو اپنے ذاتی اغراض سے متاثر ہو کر اپنے فوری مقاصد کے حصول کے لئے ہر قسم کے ذرائع جو اس وقت انھیں سجھائی دینگے اختیار کرنے کے لئے آمادہ ہو جائینگے اور جس مسئلہ پر وہ فیصلہ کرینگے اس کی نوعیت اور اس کی خوبیوں سے وہ بالکل ناواقف ہونگے ۔

ان واقعات اور اصولوں کو مدنظر رکھکر جو ہم نے بیان کر دئے ہیں ہمیں ان محکموں کے متعلق نہایت ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیئے کہ جس غرض سے یہ قائم کئے گئے ہیں وہ ان سے کس طرح حاصل ہو سکتی ہے ۔ یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ جس حکومت کی کچھ وقعت ہے اور جس میں کچھ مضرت بھی ہے اور جس پر بزور شمشیر حکومت کی جاتی اور جس کا وجود ہمیشہ تذبذب کی حالت میں ہے اس کے حق میں یہی بہتر ہے کہ یا تو کمپنی کا وسیلۂ حکومت قطعی توڑ دیا جائے یا اُسے وسیع مستحکم اور مستقل بنیاد پر قائم کر دیا جائے اس مسئلہ کا تصفیہ کرنے کے لئے ان فوائد کو بغور دیکھنے کی ضرورت ہے جو اس کو برقرار رکھنے سے حاصل (۱۱۹) ہو سکتے ہیں بحیثیت وسیلہ حکومت اس میں کیا نقائص ہیں ۔ ان نقائص کو رفع کرنے کے لئے کیا امکانات ہیں کیا اس سے بہتر وسیلہ حکومت قائم کرنا قابل عمل ہو سکتا ہے ۔ اور اگر مشرق کی یہ عظیم الشان سلطنت براہ راست ہمارے ملک معظم کے زیر نگیں کر دی جائے تو اس سے کیا نتائج مرتب ہونگے ۔ الغرض ان سب امور پر غور کر لینا ضروری ہے ۔ ان اہم مسائل کے متعلق اپنی رائے قائم کرنے میں سلطنت ہند کی عجیب و غریب نوعیت کو بھی ہرگز نظر انداز نکرنا چاہیئے جس کی کوئی نظیر تاریخ عالم میں نہیں مل سکتی ہے ۔ اس لئے وہاں کے آئندہ نظم و نسق میں جن مشکلات کے حائل ہونے کی توقع ہو سکتی ہے انھیں رفع کرنے کے لئے ہم مجبور ہیں کہ وہاں کی تاریخ کا بغور مطالعہ کریں اگرچہ اس سے جو تجربہ حاصل ہوگا وہ محدود ہے کیونکہ وہاں پر جو سلطنت کہ ہم نے قائم کی ہے اس کی کوئی مثال پچھلے فاتحین کی قائم کی ہوئی کسی سلطنت میں نہیں ملتی ہے ان میں سے اکثر نے اُس ملک میں سکونت اختیار کر لی جسے انھوں نے فتح کیا

باب ۹ ان مسائل کی اہمیت کے لحاظ سے ان پر بحث کرنے میں ایک ضخیم جلد تیار ہو سکتی ہے اور اس کے اثر سے جو تبدیلیاں یورپ اور ہندوستان میں پیدا ہو جائینگی ان کا اس وقت اندازہ کرنا قطعی ناممکن ہے۔ اس لئے سردست ہم صرف چند ضروری مسائل پر رائے زنی کرتے ہیں ٭

(۱۱۷) کسی حکومت نے کبھی ایسٹ انڈیا کمپنی سے زیادہ منصفانہ اور مشفقانہ حکومت کرنے کا میلان نہیں ظاہر کیا ہے۔ اس نے نہایت مستعدی کے ساتھ خرابیوں کو رفع کیا اور مقامی حکام کی ایسی کارروائیوں کی نہایت سرگرمی اور فیاضی کے ساتھ اعانت کی جن سے کہ اس وسیع ملک کے باشندوں کی فلاح مقصود ہو۔ لیکن کمپنی کو اپنی مالی حالت کو ترقی دینے کا بڑا شوق ہے اور اس لئے اپنے ملازمان کو اس نے ہدایت کی ہے کہ وہ اس معاملے میں نہایت جوش اور سرگرمی سے کام کریں جو ملک کی مرفہ الحالی کے حق میں سودمند نہیں ہے۔ بعض صوبوں سے بہت زیادہ مالگزاری وصول کی گئی ہے لیکن اس خواہش کے پورا کرنے میں کسی طرح کا ظلم اور ناانصافی نہیں کی گئی ہے۔ اس اصول پر عملدرآمد ہونے کے باعث حکام انگلستان ان تمام لڑائیوں کے سخت مخالف ہو گئے ہیں جو سخت مجبوریوں کی وجہ سے دیسی والیان ریاست سے کرنی پڑی ہیں لیکن اس مخالفت کا نتیجہ بہت اچھا برآمد ہوا ہے کیونکہ ان کے احکام و ہدایات ہمیں اس قوت کے حاصل کرنے سے باز نہیں رکھ سکیں کیونکہ تنازع للبقا کے قانون کی طرح ہندوستان میں ہماری حالت نے ہمیں وہ لڑائیاں لڑنے پر مجبور کر دیا۔ نظما اور قانون سازوں کے بدیہی رجحان طبع نے ہماری فتح مندی کی رفتار میں روک تھام پیدا کر دی اور اس نے ہماری سلطنت کے استحکام میں اور بھی استواری پیدا کر دی ہے کیونکہ اگر اس سے نصف زمانے میں فتوحات حاصل ہو جاتیں جیسا کہ ممکن ہوتا تو غالباً اس قدر استحکام حاصل نہ ہو سکتا ٭

مجلس نظما بڑی حد تک وزرا کے اثر سے آزاد ہے اس لئے وزرا ایسے معاملات میں نظما کو نہیں دبا سکتے ہیں جنہیں وہ اپنی شہرت کے حق میں مضرت ناک یا ان اشخاص کے حقوق کے لئے ضرر رساں تصور کریں جنہیں وہ

اپنی زیر حفاظت سمجھتے ہیں۔ اس لئے انگریز ملازمان ہند کے حقوق میں مداخلت اور حملوں سے ان کو بچانے کے لئے مجلس نظما سپر کا کام کرتی ہے لیکن یہ بات بھی قابل تذکرہ ہے کہ انس درمیانی جماعت سے انھیں جس قدر پناہ ملتی ہے اور جیسی مستعدی کے ساتھ وہ ان کے حقوق کی حفاظت کرتی ہے اس کو خلاف توقع ملازمان اپنے حق میں اس قدر سودمند نہیں سمجھتے ہیں۔ اس کے وجوہ یہ ہیں کہ وہاں کے اعلیٰ اور ممتاز سرکاری عہدے دار جن کی رائے اور طرز عمل کا دوسرے افسروں پر بھی بہت برا اثر پڑتا ہے وہ اپنی حالت سے خوش نہیں ہیں۔ اس لئے وہ حکومت ہند کے اس شعبے کے مخالف ہیں۔ اس مجلس کی یہ عادت فرض کرلی گئی ہے کہ وہ خاص طور پر صرفے[1] کو دیکھتی ہے اور اس لئے جو تخفیف کی جاتی ہے وہ اس سے منسوب کی جاتی ہے اور مہربانی و فیاضانہ سلوک کے جس قدر کام ہوتے ہیں وہ ہندوستان کے اعلیٰ حکام کی سفارش یا وزرا کی مداخلت سے موسوم ہوتے ہیں۔ ہمیشہ اسی قسم کے نتائج اخذ کئے جاتے ہیں اور اکثر یہ غیر منصفانہ ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے ملازماں کے دل میں مجلس کی عزت و محبت کے وہ جذبات نہیں پیدا ہوتے جو ماتحتوں میں لازمی طور پر ہونے چاہئیں۔ ایک بڑے طبقے کے اندر ایسے نظام حکومت سے ہرگز پیدا نہیں ہوسکتے جس میں کہ صرف خشک ضوابط و قواعد کی پابندی ہو اور سختی سے انصاف پر عمل ہوتا ہو اور اس کے علاوہ کسی قسم کی زندہ دلی یا جوش و خروش نہ ہو یہ وسائل جو جذبات پیدا کرسکتے ہیں اُن سے زیادہ

---

[1] کمپنی کی ملازمت کے مانند کوئی اور ملازمت نہیں ہے جس میں ایسی معقول تنخواہ اور وظیفہ یاب ہونے کے قواعد ایسے فیاضانہ ہوں۔ اس ملازمت کی نوعیت اسی کی مستحق تھی۔ بہت عرصے تک ہندوستان میں ملازمت کے خواہاں صرف زر نقد ہی کو معاوضہ تصور کرتے رہے اور اب بھی کثیر تعداد کا بیشتر یہی مقصد ہوتا ہے۔ اس غرض کے حصول کی خواہش کی وجہ سے بہت سے بے بنیاد اتہامات مجلس نظما کے ذمے لگائے جاتے ہیں اور ان کی ہر ایک اقتصادی تدبیر ان کے تجارتی بخل سے منسوب کیجاتی ہے کیونکہ یہ ایک تجارتی جماعت ہے؛

باب ۹

پُرجوش جذبات رکھنے والا ایک طبقہ ملازمان کی جماعت میں ہونا چاہئیے ورنہ حکومت کو ایسی ہردلعزیزی حاصل نہ ہوگی جو اس کے لئے لازمی ولابدی ہے کمپنی کی حکومت میں خاص طور پر اس جز کی کمی ہے۔ جو حملے کہ کمپنی پر ہوتے ہیں اُن کے مقابلے کے لئے اس کے یہاں معدود سے چند سرگرم حامی ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ملازمان کے مفید مطلب کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی ہے ان ملازموں کو تو اس سے بڑا سبق لینا چاہئے تھا لیکن جو کچھ وہ روزانہ پڑھنے اور سننے کے عادی ہیں اس کا بالکل متضاد اثر ان کے دل پر پڑتا ہے ؎

نظما اپنی سرپرستی کو جس طور پر استعمال کرتے ہیں ان سے پبلک کو یہ اطمینان ہوگیا ہے کہ ان سے بہتر اور واجب الاحترام لوگ اس کے اہل نہیں ہوسکتے ہیں۔ لیکن نہایت افسوس کا مقام ہے کہ اس سرپرستی کو عہدہ نظامت حاصل کرنے کا خاص مقصد اور حاصل ہونے کے بعد اس کا خاص انعام تصور کیا جاتا ہے۔ اول الذکر واقعہ بعض ایسے لوگوں کو یہ ترغیب دیتا ہے کہ وہ عہدۂ نظامت حاصل کریں جن کے خیالات اپنے اعزا، اقربا اور احباب کے لئے روزی کا سامان بہم پہنچانے تک محدود ہیں۔ دوسرا واقعہ اس حکومت کو ان جملہ وسائل سے محروم کردیتا ہے جو دیگر حکومتوں کو میسر ہیں کہ سلطنت کے خدمات انجام دینے والوں کی حوصلہ افزائی کی جائے اور ان کے خدمات کا صلہ دیا جائے اور جن ملازموں نے سلطنت کے نمایاں خدمات انجام دیئے ہوں اُن کے لڑکوں اور قریبی رشتہ داروں کو ایک خاص حد تک سرکاری ملازمت میں ضرور لے لیا جائے۔ اس تجویز کو نظما نہ صرف نامنظور کرتے ہیں بلکہ اپنے قابل قدر استحقاق کے منافی خیال کرتے ہیں۔ اس میں نظما کی کچھ خطا نہیں۔ اصل خرابی تو نظام حکومت کی ہے کیونکہ نظما سرپرستی کے اختیارات کو اپنے عہدے کی تنخواہ سمجھتے ہیں اور اس میں کمی ہونے کے یہ معنی ہیں کہ انکی محنت کے معاوضے میں کمی کردی جائے۔ اس حقیقت کے اظہار سے وہ سارے الزامات سے بری ہوجاتے ہیں لیکن اس خرابی میں کسی طرح کی کمی نہیں ہوجاتی ہے اس کے جواب میں غالباً یہ دلیل پیش کی جائیگی کہ ملازموں کے حقوق، ان کے تعلقات اور انفرادی

(۱۲۰)

باب ۹

طور سے نظما کا لطف و کرم مل ملا کر نظام حکومت کے اس نقص کو اگر کلیتاً رفع نہیں کرتے تو کم از کم اس نقص میں کمی تو ضرور پیدا کرتے ہیں لیکن یہ غلط ہے کیونکہ جس طور پر رعایت و نوازش کی جاتی ہے اس سے محسن کی شہرت میں تو ضرور اضافہ ممکن ہے لیکن اس جماعت کی وقعت ضرور گھٹ جائیگی جس سے کہ اس کا تعلق ہے۔ علاوہ بریں یہ بھی کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ سول سروس میں نمایاں خدمات انجام دینے والے یا قابل یادگار میدان جنگ میں اپنی جان قربان کرنے والے افسروں کے لڑکے معمولی سپاہیوں کی صف میں داخل ہوں یا اپنی درخواستیں لئے ہوئے ان لوگوں کے دروازوں پر مارے مارے پھریں جو کچھ مدت کے لئے اس سلطنت کے مفاد کے نگراں بن گئے ہیں جیسے ان درخواست گذاروں کے بزرگوں ہی نے اپنی محنت و شفقت سے بڑھایا ہے یا اس کی ترقی کی کوشش میں اپنی جانیں قربان کر کے سرخروئی حاصل کی ہے؛

(۱۲۱) مجلس نظما اپنے متوفی ملازمان کے خستہ حال پسماندگان کے ساتھ اکثر نہایت کریمانہ اور فیاضانہ سلوک کرتی ہے۔ ان کی اعانت کے لئے جب کبھی کوئی فنڈ قائم کیا گیا تو اس نے نہایت فیاضانہ مالی امداد دی لیکن اس فیاضانہ سلوک سے احسان مندی کا وہ جذبہ بیٹے کے دل میں پیدا نہیں ہوتا جیسے وہ اپنی ملازمت کے دوران میں برابر محسوس کرتا رہتا کہ میرے مرحوم باپ کے خدمات کے صلے میں میرے ساتھ اس قدر عمدہ برتاؤ کیا گیا ہے؛

ہم اس اصول کی منفعت کا اندازہ اس کے اثرات سے کر سکتے ہیں جو انگلستان کی بحری اور بری فوج میں نمایاں طور پر موجود ہیں اگرچہ ان محکموں کی ملازمت میں دست گیری کی خواہش سرایت کئے ہوئے ہے اس پر بھی خاندانی حقوق سے شاذونادر ہی چشم پوشی کی جاتی ہے۔ اور سب کو معلوم ہے کہ ان حقوق پر بیحد توجہ کی جاتی ہے اور یہ ایک ایسی چیز ہے جو تمام دیگر محرک قوتوں کے مقابلے میں بہت زیادہ قابل ترین اشخاص کو کارہائے نمایاں انجام دینے پر آمادہ کرتی ہے؛

باب ۹

نظما کی یہ کارروائی بیحد ستایش کے قابل ہے کہ انھوں نے چند سال سے غیر ملکی ملازمت کے مختلف شعبوں کے لئے تو نوجوانوں کو تعلیم دینے کی طرف خاص طور پر توجہ فرمائی ہے اس مقصد کے حصول کے واسطے انھوں نے جو طریقے اختیار کئے ہیں ان کی بابت اختلاف رائے ہو سکتا ہے لیکن جس فیاضانہ اسپرٹ میں یہ کارروائی کی جاتی ہے اس کے متفق طور پر سب ثناخواں اور مدح سرا ہیں؛

مالکان کمپنی کی مجلس ایک ہر دل عزیز جماعت ہے اور اس میں ہمیشہ وہ لوگ شامل رہینگے جنھیں مالی حقوق حاصل ہیں لیکن اس میں ایک خاص فائدہ یہ ہے کہ اس امتیاز کو حاصل کرنے کے واسطے جو لوگ کہ ہندوستان سے دولت پیدا کرکے واپس آتے ہیں اور جنھیں ہندوستان کے معاملات سے دلچسپی بھی ہوتی ہے وہ انڈیا اسٹاک کے حصص خرید لیتے ہیں اور یہ جماعت عہدۂ نظامت کے لئے ان امیدواروں کے ساتھ ضرور رعایت و مروت کرتی ہے جنھوں نے ناموری کے ساتھ ہندوستان میں ملازمت کی ہے۔ مالکان کمپنی کی مجلس کو یہ خاص استحقاق حاصل ہے کہ وہ مجلس نظما اور ملازمان ہند کی ہر ایک ایسی کارروائی کے متعلق تحقیقات کر سکتی ہے جس کا اثر اس جماعت کی مرفہ الحالی پر پڑ سکتا ہے اور اس وجہ سے اس مجلس کے مباحث کا دائرہ نہایت مفید اور نہایت وسیع ہے اور چونکہ مختصر رقوم کے علاوہ ہر ایک مالی منظوری کی اس مجلس سے توثیق کرانا لازمی ہے اس لئے ہر ایک مالی معاملے میں اس کی رائے نہایت اہم مانی جاتی ہے۔ اور چونکہ یہ مجلس اس قسم کے جملہ مسائل کی کارروائی کی اشاعت کرتی ہے لہذا اس اشاعت سے فی الحقیقت بہت کچھ فائدہ پہنچتا ہے اور اس مجلس کی منفعت کا اندازہ اس سے نہیں ہو سکتا کہ وہ کیا کرتی ہے بلکہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ وہ دوسروں کو کیا کرنے سے باز رکھتی ہے کیونکہ یہ تو صرف ایک روک تھام کرنے والی مجلس ہے۔ اکثر مالکان کمپنی وزراء اور مجلس نظما دونوں کے اثر

(۱۲۲)

---

[1] اگر ہندوستان کی آمدنی کا کوئی جزو اس کام کے لئے مخصوص کر دیا جائے تو یہ احتیاط رہے کہ اسے اس طور پر استعمال کیا جائے جس سے کہ حتی الامکان زیادہ فائدہ پہنچے۔

سے باہر ہوتے ہیں اس وجہ سے ہندوستان کی مقننہ جماعت کا یہ شعبہ نہایت واجب الاحترام اور شایان تکریم تصور کیا جاتا ہے ؏

مالکان کمپنی کی مجلس کی ساخت اور اس کی نوعیت پر بہت سے اعتراض کئے گئے ہیں اور فی الحقیقت بعض اعتراض مدلل اور معقول بھی ہیں۔ ہر ایک مسئلے پر کھلے اجلاس میں بحث ہوتی ہے اور ممبران موجودہ کی کثرت رائے سے فیصلہ ہوتا ہے لیکن اقلیت خفیہ رائے دہی سے فیصلہ ہونے کا مطالبہ (۱۲۳) کر سکتی ہے جس میں ہر ایک رکن رائے دینے کا مستحق ہے خواہ اس کی حالت اور جنس کچھ ہی کیوں نہ ہو ؏

ہم اس بات کا اندازہ کرنے کی بابت کچھ بیان کر چکے ہیں کہ آیا بحالت موجودہ کمپنی اپنے روزانہ فرائض سول و سیاسی فرائض انجام دینے کے قابل ہے؟ اگر وہ اس کے قابل نہیں ہے تو اس کی موجودہ ساخت و نوعیت میں کیا ایسی ترمیمیں کی جا سکتی ہیں جن سے کہ وہ اپنے شاہی فرائض ادا کرنے کے قابل بن جائے ؏

اگر یہ مان لیا جائے کہ چند اصلاحیں ضرور ہونی چاہئیں تو جو تبدیلیاں کی جا چکی ہیں اور اس کی نوعیت میں جو ترمیمات کہ ہونے والی ہیں وہ ایسی اصلاحات کیلئے نہایت سودمند ہونگی جو طریقۂ انتخاب۔ اوصاف ارکان یا ناظم منتخب ہونے کے بعد ان کے فرائض مقرر کرنے کے واسطے ضروری خیال کی جائینگی۔ یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اس قسم کی ہر ایک اصلاح نامکمل رہیگی اگر مجلس نظما کی اصلاح کے ساتھ اس کی وہ خصوصیت قائم نہ رکھی جائیگی جو ہندوستان کی مقننہ مجلس کی حیثیت سے اسے حاصل ہے ؏

۱۔ خفیہ رائے دہی کا رواج صرف مالکان کمپنی کی مجلس تک محدود نہیں ہے۔ نظما بھی اس پر عمل کر سکتے ہیں اگر ان میں کسی مسئلہ پر اختلاف رائے ہو۔ اور اس وجہ سے اس جماعت میں انفرادی ذمہ داری کم ہو جاتی ہے جو سرکاری خدمات انجام دینے میں ہر ایک رکن پر عاید ہے ؏

باب ۹ (۱۲۴)

یہ بھی تسلیم کر لیا گیا ہے کہ اس مجلس کے مختلف ارکان میں اپنے مفوضہ فرائض کے ادا کرنے میں زیادہ قابلیت اور معلومات کے اضافے سے نہ صرف ان کے زیر دستوں بلکہ پبلک کی نظروں میں بھی ان کی عزت اور ان کا وقار زیادہ ہو جائیگا اور بغیر کسی عظیم الشان تبدیلی کے یہ بات یقیناً حاصل ہو جائیگی جن اغراض سے کہ آجکل حصول نفاست کے لئے لوگوں کو ترغیب و تحریص ہوتی ہے ان میں سے بہت سے اغراض جاتے رہینگے لیکن بہت سے ایسے جدید اغراض پیدا ہو جائینگے جو کمپنی اور سلطنت ہند کی تبدیل شدہ حالت کے لئے موزوں ہونگے۔ اس اصلاح کا کوئی جز ایسا نہ ہوگا جس سے حکومت کے اصولوں میں کوئی خاص زبردست تبدیلی ہو جائیگی۔ اس اصلاح سے رفتہ رفتہ ان لوگوں کے فرائض منصبی میں تبدیلی ہو جائیگی جن کے وسیلے سے نظم و نسق کیا جاتا ہے ؛

لیکن ہماری رائے میں انگلستان میں حکومت ہند کا جو شعبہ ہے وہ بحالت موجودہ اپنے روز افزوں فرائض منصبی ادا کرنے کے قابل نہیں ہے اس لئے جب تک کہ ہم ٹھنڈے دل سے اس بات پر غور نہ کرلیں کہ آیا یہ قابل اصلاح ہے یا نہیں ہمیں اس کے سد و در کرنے میں عجلت سے کام نہ لینا چاہئے لیکن اس کی تباہی سے جو خرابیاں رونما ہونگی انھیں پیش نظر رکھکر اصلاح شدہ نظام کے تحت اسے برقرار رکھنے کی خوبی کا صحیح اندازہ کیا جا سکتا ہے ؛

اس کے بجائے جو درمیانی جماعت قائم ہوگی اس کی ساخت اور نوعیت پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے ؛

اس قسم کی حکمراں جماعت قائم کرنے کے تجاویز سوچنے میں ہمارے نہایت قابل مدبروں کی ساری دانشمندی اور فہم و فراست صرف ہو چکی ہے اور اس میں شک نہیں کہ ہم ایسے تدابیر کو بار بار دہرا سکتے ہیں لیکن کسی ذی ہوش کو اس

(۱۲۵)

میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ وزرا کے کمپنی کا خاتمہ کرلینے کے خواہاں ہو سکتے ہیں اور ان کے پاس ایسی قوت موجود ہے کہ وہ اپنے خیال کو عملی صورت میں کر دکھائیں۔ اگر وہ ہندوستان کی حکومت کے مختلف شعبوں کو خواہ کسی شکل میں ڈھالیں انھیں ہمیشہ اس امر کی خواہش رہیگی کہ یہ سارا انتظام ان کی قوت کے تابع ہو۔ اس لئے

باب ۹

ہماری یہ وسیع سلطنت جب براہ راست تاج برطانیہ کے تحت ہو جائیگی اور اس کے جو نتائج برآمد ہونگے ان کے متعلق ہم اپنے چند خیالات درج کرتے ہیں ؎

اس واقعے کے ظہور میں آنے کے بعد پہلی ناگزیر تبدیلی سلطنت ہند کے متعلق اس حکمران جماعت کے زاویۂ نگاہ میں پیدا ہو جائیگی جس کے تحت کہ وہ دیدی جائیگی کمپنی کی حکومت کے زمانہ میں اس کے نزدیک سلطنت ہند کے معاملات کی خاص اہمیت ہے لیکن ملکۂ معظم کے زیر حکومت ہو جانے سے سلطنت برطانیہ کے نزدیک سلطنت ہند کے معاملات غیر اہم اور معمولی ہونگے اور جب کبھی سلطنت برطانیہ کو معاملات ہند میں مداخلت کرنے کا معاملہ پیش آیا تو یہ بات صاف طور پر نمایاں ہو چکی ہے۔ اس لئے اس بات کا ہمیشہ شبہ رہیگا اور جب کبھی ایسے معاملات سلطنت ہند کی بابت پیش آئینگے اور انھیں حکمت عملی کے دیگر مصالح کے لحاظ سے طے کیا جائیگا اور اس سے جو نقصان اس سلطنت کو پہنچیگا اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ ہمارے نہایت زبردست اور عقیل و فہیم وزراء کے دل سے ہمارے بعید مقبوضات کے مفاد کا خیال بہت کم ہو جائیگا جب وہ اپنے احباب کو مطمئن کرنے۔ اپنے مخالفین کو شکست دینے پبلک کو رضامند کرنے یا پارلیمنٹ کے مباحثات سے گریز کرنے کے خواہاں ہونگے۔ اور اگر وزراء کمزور ہوئے تو ان کے زمانے میں ان وسائل (۱۲۶) سے نہایت زبردست خرابیاں پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ اور پھر اس وقت ہم وارالوام سے بھی اس انسداد کے متوقع نہ ہونگے جو کسی اختیارات کے غیر دانشمندانہ یا غلط استعمال کرنے کے وقت وہ کیا کرتا ہے۔ ایسے اہم مسائل بہت کم پیش ہونگے جن سے دارالعوام خصوصیت کے ساتھ دلچسپی لے اور بفرض محال اگر کبھی ایسے مسائل پیش بھی ہوئے تو ان کی تفصیلات ایسی پیچیدہ ہونگی جنھیں بہت کم حضرات سمجھ سکیں کے کیونکہ ہمیں اس بات کی ہرگز امید نہیں کہ کسی زمانے میں بھی ہندوستان کے مسائل سے لوگوں کو عام طور پر پوری واقفیت حاصل ہوگی ؎

ایسی حالت میں ہندوستان کی حیثیت ایک نوآبادی کی ہو جائیگی لیکن

باب ۹

نوآبادیات کو اپنی حکومت کے نقائص دور کرنے کے جو ذرائع حاصل ہیں ہندوستان کو وہ بھی میسر نہیں۔ مثلاً مغربی جزائر میں اگرچہ مقامی جماعتیں ہیں لیکن ان کے علاوہ ہماری پارلیمنٹ میں ان کا کافی اثر موجود ہے اور جب کبھی ان کے حقوق پر کوئی حملہ ہوتا ہے تو وہ اپنے حقوق کی پورے طور پر وکالت کرسکتی ہیں لیکن ہمارے قیاس وگمان میں کوئی ایسا زمانہ نہیں آتا ہے جب ہندوستان کی مختلف قوموں کے نمائندے ہماری پارلیمنٹ میں موجود ہونگے بلکہ اس کے برعکس اپنے ذاتی مفاد کے باعث اکثر اشخاص ہندوستانیوں کے مخالف ہونگے بالخصوص ایسی صورت میں جبکہ نظام حکومت اس قسم کا قائم ہوگا جس سے کہ ہندوستان کے متعلق ہر ایک مسئلہ غیر اہم اور دیگر متعدد مصالح کے تابع ہوگا۔ پبلک کو یہ اندیشہ ہے کہ اگر مجلس نظما کے اختیارات وزراء کو دیدیے جائینگے تو اس عظیم الشان تبدیلی سے ہندوستان اور انگلستان دونوں کے حقوق کو سخت نقصانات پہنچیں گے اور دیگر اسباب کے مقابلہ میں کمپنی کے برقرار رکھنے کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے اور یہ خوف وسقورا اور دانشمندی دونوں کے لحاظ سے نہایت بجا ہے لیکن اس مسئلے کے متعلق عام رائے نہایت محدود قسم کی ظاہر کی گئی ہے۔ ابھی تو صرف اس قدر سمجھا گیا ہے کہ کمپنی کے توڑ دینے سے اس کے جملہ اختیارات تاج برطانیہ کو منتقل ہوجائیں گے لیکن جن اشخاص نے کہ اس مسئلے کو اس نظر سے دیکھا ہے تو انہوں نے ایک فریق کی کمزوریاں اور دوسرے فریق کی قوت کو اپنے دل سے بھلا دیا ہے۔

(۱۲۷)

تاج برطانیہ کے اختیارات میں مزید اضافہ کئے بغیر سول اور فوجی عہدوں کے تقررات کا مسئلہ طے ہوسکتا ہے بشرطیکہ اس بات کا دوسرے ذرائع سے انتظام کردیا جائے کہ قابل اور اہل اشخاص ہی کا تقرر ہوگا۔ ایسی صورت میں اس بات کی کوئی امید نہیں رہیگی کہ ان کا تقرر کس نے کیا ہے لیکن ہندوستان میں جو انگریز ملازم ہیں اگر ان کے حقوق میں وزراء دست اندازی کرینگے تو اس کی روک تھام کون کریگا اور اس بات کو صرف وہی شخص پورے طور پر سمجھ سکتا ہے جس نے کہ اس مسئلے کا بغور مطالعہ کیا ہو کہ ہماری سلطنت ہند

کے وجود کا انحصار وہاں کے ہر شعبے کی معقول نگرانی کرنے پر ہے۔ اسکے خلاف یہ دلیل پیش کی جائے گی کہ اگر ہندوستان براہ راست تاج برطانیہ کے تحت میں آجائے تو انگلستان کے قابل اصحاب جنھوں نے اس ملک میں ناموری حاصل کرلی ہے وہ حالت موجودہ سے کہیں زیادہ دلچسپی انگلستان اور ہندوستان کے معاملات سے لینے لگیں گے جس سے نظام حکومت کا یہ نمایاں نقص رفع ہو جائیگا۔ ممکن ہے کہ یہ اعتراض درست ہو لیکن اس سے ہمارا یہ مطلب نہیں کہ وزرای سلطنت برطانیہ جو کہ نہایت عالی خیال مدبر ہیں وہ ان وسائل سے کام لیکر ہندوستان کے نظم و نسق کو بہتر بنانے کی کوشش نہ کریں گے لیکن اس میں کبھی شک نہیں کہ ان کی حالت انھیں اس بات پر مجبور کرے گی کہ وہ اپنے اختیارات بڑھانے میں اس وسیلے سے کام لیں گے

(۱۲۸)

اگر حکومت ہند کلیتاً وزرای سلطنت برطانیہ کے سپرد کردی جائیگی تو اس وقت جیسا کہ خیال ہے اس سے کہیں زیادہ عہدے انگلستان میں قایم کرنے ہونگے اور چونکہ پھر ہندوستان کے مختلف محکموں پر پارلیمنٹ کے مقرر کئے ہوئے قواعد و ضوابط سے حکومت کی جائیگی اس لئے ان پر بہت سے لوگ ہاتھ مارنے کی کوششیں کرینگے۔ سول اور فوج کے چند ایسے عہدے ہیں جن کا تعلق کسی خاص محکمے سے نہیں ہے بلکہ ان کے وجود میں آنیکا انحصار واقعات اور ضروریات پر ہے۔ لہذا ایسے عہدوں پر تقررات کرنے کا کام مقامی افسران کی رائے پر چھوڑ دینا چاہئے۔ بالفرض اگر مقامی افسران کے بھی وہی خیالات ہیں جو اس معاملہ میں وزرا کے ہونگے تو ان کے یہ خیالات اور ترقی پائینگے اور پھر بے ضرورت بہت سے عہدے قایم ہو جائینگے اور جو بات وہاں اب مفقود ہے اس کا رواج بڑھ جائیگا اور اس نسبت سے عہدہ داروں کے وظائف کی تعداد میں بھی اضافہ ہو جائیگا اگر یہ سوال کیا جائے کہ وہاں یہ خرابیاں اس وقت کیوں موجود تھیں تو اسکا جواب صاف ہے کہ مقامی حکام کی اس قسم کی حرکات کی روک تھام مجلس نظما کرتی رہتی ہے اور مجلس نظما کا نگران حال انڈیا بورڈ ہے جو نہایت سختی سے بلکہ انتقامی جذبہ سے اس پر نگاہ رکھتا ہے

باب (۱۲۹)

اس قسم کے دباؤ کے علاوہ کمپنی کے قابل ترین ملازمان بھی مقامی حکومت اور حکام انگلستان کی معمولی ناراضگی سے بھی نہایت خوفزدہ ہو جاتے ہیں اور ملازمت کے مختلف شعبوں کو جو خاص اختیارات حاصل ہیں اُن میں یہ حکام بہت کم مداخلت کرتے ہیں۔ اختیارات سے تجاوز کرنے اور ان کے غلط استعمال کی روک تھام کا یہ سلسلہ قایم ہے جو نہیں ٹوٹ سکتا ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سلسلے کی نہایت زبردست کڑی خود کمپنی ہے۔ اگر یہ درمیانی جماعت موجود نہ ہوتی تو ہندوستان کے اعلیٰ افسروں کو اس قسم کی حرکات پر رضامند کرنے میں کچھ بھی دشواری نہ ہوتی بلکہ وہ اس نظام حکومت کی دل سے تائید اور حمایت کرتے جس سے کہ وہ خود مستفید ہوتے اور جو حصول دولت کی خواہش اور تمنا کو پورا کرنے کے لئے نہایت موزوں ہے اور یہ اعانت صرف ان حکام تک محدود نہ ہوتی جن کا تقرر انگلستان میں کیا جاتا ہے جن ملازمان نے کہ ہندوستان میں ترقی کی ہے ان کا اعلیٰ عہدوں پر مقرر ہوتا اور ان کا امتیازی رتبہ محض ان کی ناموری کے باعث ہوتا اور جس جماعت سے کہ ان کا تعلق ہے اسکو نقصان پہنچانے کے لئے وہ ایسی تدابیر کر سکتے ہیں جن میں کہ ان کا کوئی ذاتی تعلق نہ ہو۔ کون شخص اس بات کو یاد رکھ سکتا ہے کہ ایسی اعانتوں کی موجودگی میں جب کہ وزرا تمام قابل اشخاص اور ہر صحیح معلومات رکھنے والے کو اپنے ساتھ ملالیں گے تو پارلیمنٹ کی مداخلت ان کی ناجائز کارروائیوں کو روکنے کے لئے جن کا تعلق بعید ملک کے پیچیدہ مسائل سے ہوگا مفید ثابت ہوگی ؟

(۱۳۰) جو نوآبادیات براہ راست سلطنت برطانیہ کی ماتحتی میں ہیں ان کی تاریخ سے یہ نتیجہ نکالنا غالباً ناموزوں نہ ہوگا کہ اگر ہندوستان براہ راست تاج برطانیہ کی ماتحتی میں دیدیا جائے تو کیا واقعہ ہوگا۔ اس بات کا یقین ہے کہ ان بعید مقبوضات کے طرز حکومت اور سرپرستی کے استعمال کی بابت جو تحقیقات کی جائینگی وہ ان حضرات کے دلائل کے حق میں چنداں مفید نہ ہونگی جو حکومت ہند میں اس قسم کی تبدیلی کے حامی اور کوشاں ہیں ؟

اگر ہماری یہ خواہش ہے کہ ہندوستان میں ہماری حکومت مستقل طور پر

قائم رہے تو ہمیں ہمیشہ اس کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ ہندوستان کا نظام حکومت انگلستان کے مناسب حال ہو اور ہمیں صرف غیر معمولی اوقات ہی میں نہیں بلکہ ہمیشہ وہاں کی عملداری کی پورے طور پر نگرانی اور دیکھ بھال کرنی چاہئے۔ مثلاً ہم یہ نہیں فرض کرسکتے کہ وزراء آجکل کی طرح عرصۂ دراز تک اپنے عہدوں پر برقرار رہینگے اور رائے عامہ بھی ان کی طرح تائید کرتی رہیگی۔ جب تک یہ حالات قایم ہیں وزراء اپنے سرپرستی کے اختیارات کی اتنی پروا نہیں کرینگے جتنی کہ ان کے پیشرووں کو تھی یا اُن کے جانشینوں کو ہو سکتی ہے جس وقت کہ مخالف جماعتوں کی قوت برابر ہوگی اس وقت کیا کامیاب جماعت اپنا اقتدار قایم رکھنے میں کوئی کسر اٹھا رکھے گی اور جب اس کے مخالفین کامیاب ہونگے تو اس سے کیسی کچھ تبدیلیاں رونما نہ ہونگی۔ اس قسم کے انقلابات کے ہم عادی ہیں اور انگلستان کے حق میں یہ نہایت مفید ہیں لیکن اگر انھیں ہندوستان تک وسعت دیدی گئی تو ان کے بار بار رونما ہونے سے ہماری طاقت کی جڑ کٹ جائیگی کیونکہ یہ کہنا غالباً مبالغے میں داخل نہیں ہے کہ اگر ہم سلطنت ہند کو برقرار رکھنے کے خواہاں ہیں تو وہاں کے نظم و نسق کو ان نقصانات سے علٰحدہ رکھنا چاہئے جو انگلستان کی سیاسیات کے اثر سے پیدا ہو سکتے ہیں ۔؎

(۱۳۱)

مرقومۂ بالا دلائل سے وہ نقصانات ظاہر کرنا مدنظر ہے جو ہماری رائے میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت توڑ دینے سے اول ہندوستان کو اور بالآخر انگلستان کو پہنچینگے لیکن صرف اسی خطرہ کا اندیشہ نہیں کہ وزراء کو زیادہ اختیارات حاصل ہو جائینگے بلکہ بہت زیادہ اندیشہ اس طریقہ کا ہے جس میں کہ وہ اپنے اختیارات کو استعمال کرینگے اور پھر وزراء کی بار بار کی تبدیلیوں سے اور بھی زیادہ خطرات پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ گذشتہ چند سال میں تاج برطانیہ کے اختیارات میں بہت کچھ اضافہ ہوگیا ہے لیکن سلطنت کی ہر ایک کارروائی پر رائے عامہ کے روز افزوں اثر نے اس قوت میں توازن پیدا کر دیا ہے۔ برخلاف اس کے ہم اس بات سے واقف ہیں کہ ہندوستان کے نظم و نسق میں رائے عامہ کے اس اثر سے کوئی مفید کام نہیں لیا جاتا ہے اور نہ لیا جاسکتا ہے کیونکہ اول تو وہ

باب ۹ | ملک یہاں سے بہت زیادہ فاصلے پر ہے دوسرے وہاں کے مفاد یہاں پر بہت کم سمجھے جاتے ہیں۔ اس لئے یہ امید نہیں کی جا سکتی ہے کہ یہاں کی رائے عامہ سے وہ ملک کبھی مستفید ہو سکے گا۔ بلکہ اس کے برعکس یہ اندیشہ کرنے کی وجہ موجود ہے کہ رائے عامہ پر عملدرآمد کرنے سے ایسی تدابیر اختیار کی جا سکتی ہیں جس سے برطانیہ کو جزوی اور مشکوک فائدہ پہنچ جائے لیکن ان تدابیر سے ہندوستان کو سخت نقصانات پہنچ جائینگے ۔

(۱۳۲)

دسواں باب

ہندوستان کی مقامی حکومت

(۱۳۳)

اختیارات گورنر جنرل۔ اس کے فرائض منصبی میں مجوزہ تبدیلی۔ ہمارے مقبوضات کے بعض مقامات پر لفٹننٹ گورنروں کا تقرر۔ عدالت۔ پولیس عمال۔ سول اور فوجی محکموں کے نظام حکومت کے متعلق خیالات ۔

دوسری قابل توجہ بات ہندوستان میں ہماری حکومت کی نوعیت ہے مسٹر پٹ کے قانون میں خواہ اور نقائص موجود ہوں لیکن اس کی رو سے صاف گورنر جنرل بنگال با جلاس کونسل کو دیگر صوبوں کے متعلق اختیارات دیکر ایک زبردست نقص کو رفع کر دیا ہے۔ کافی تجربے سے یہ معلوم ہو گیا ہے کہ اس وسیع ملک کا ایک اعلیٰ افسر مقرر کرنے کی تدبیر نے وہاں کے اندرونی امن و سکون اور بیرونی حملوں سے حفاظت کے کام کو بڑی ترقی دی ہے اس سے ماتحت حکام کی باہمی مخالفت و جھگڑوں کا خاتمہ ہو گیا ہے اور ہماری سلطنت کے وسائل آمدنی کو بہت ترقیاں حاصل ہوئی ہیں۔ اس قانون کے منظور

باب۱

ہو لنے کے بعد سے بہت سے واقعات رونما ہوئے ہیں جن کے باعث گورنر جنرل کے فرائض میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا ہے۔ آجکل یہ فرائض اس سے کہیں زیادہ ہیں جو ایک فرد انجام دے سکتا ہے اس لئے نیز دیگر وجوہ سے اس بات کی اشد ضرورت ہے (۱۳۴) کہ نظام حکومت میں ایسی تبدیلی کر دیجائے جس کی رو سے اس اعلیٰ افسر کو حکومت بنگال کے اندرونی انتظامات کی تفصیلات سے تعلق نہ رہے۔ ان معمولی کارروائیوں سے نجات حاصل کرنے سے جن میں کہ آجکل اس کا بہت زیادہ وقت صرف ہوتا ہے پبلک کو بہت کچھ فائدہ پہنچے گا کیونکہ پھر اس اعلیٰ افسر کو زیادہ ضروری مسائل پر توجہ کرنے اور ان مقامات کا بچشم خود معائنہ کرنے کا بہت زیادہ موقع ملیگا جو اس کے زیر حکومت مگر دور دراز فاصلہ پر واقع ہیں۔ گذشتہ تیئس سال کے دوران میں ایسے بہت سے موقعے پیش آئے جبکہ بنگال کا اندرونی انتظام نائب صدر کے متعلق رہا اور تجربہ سے ثابت ہوگیا ہے اس تبدیلی سے کمپنی کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچیگا اور فی الحقیقت اگر گورنر کے ذمہ صرف یہی کام رہے تو وہ اس شخص سے کہیں بہتر طریقہ پر اپنے اس فرض کو انجام دے سکتا ہے جس کے سپرد سلطنت کے دیگر اہم فرائض بھی ہوں قانون پارلیمنٹ کے ایک فقرہ نے گورنر جنرل کو یہ اختیار دیا[1] ہے کہ اہم معاملات اور بالخصوص ایسے مسائل میں جن کا تعلق فلاح عامہ سے ہو وہ بلا اتفاق رائے یا خلاف رائے کونسل کے اپنی ذمہ داری پر کام کر سکتا ہے اور اس میں وہ سیاسی تدابیر بھی داخل ہیں جن سے کام لینا وہ اپنا فرض منصبی تصور کرے۔ (۱۳۵) اس لئے ہندوستان کا مکمل سیاسی نظم و نسق گورنر جنرل کے سپرد کر دینا کسی اصول یا حکومت ہند کے رواج کے خلاف نہیں ہے۔ جس طرح کہ گورنر جنرل آجکل مدراس اور بمبئی کے معاملات طے کرتا ہے جو اس کی منظوری یا فیصلے کے واسطے اس کے پاس بھیجے جاتے ہیں اسی طرح پر وہ بنگال کے اندرونی معاملات کا تصفیہ کرے گا اور اس صورت میں جہاں تک کہ اس کے ذاتی اختیارات

[1] بحوالہ جارج سوم باب سوم دفعہ ۴۷ ۔ اسی فقرہ کی رو سے اسی طرح کا اختیار مدراس اور بمبئی کے گورنر صاحبان کو دیدیا گیا ہے ۔

باب ۹

کا تعلق ہے وہ بہت کچھ محدود ہو جائینگے[1] لیکن سیاسی معاملات میں اس پر چنداں پابندی عائد نہ ہوگی اگرچہ اس وقت اسکی ذاتی ذمہ داری اپنے افسران مقیم انگلستان کے روبرو بہت زیادہ ہو جائیگی ؛

اس انتظام سے گورنر جنرل ان فوائد سے محروم ہو جائیگا جو اسے اپنے موجودہ مشیروں کے تجربہ اور معلومات سے حاصل ہوتے ہیں لیکن یہ کمی ایک ایسے انتظام سے پوری ہو جائیگی جس کی رو سے اس کے عملے میں بہترین قابلیت کے اعلیٰ افسر مقرر ہونگے جو اُسے ہر قسم کی اعانت دیں گے مثلاً آجکل معتمدی سیاسیات و امور خارجہ کے عہدہ پر کلکتہ کے دفاتر میں سالہا سال کام کرنے کے بعد کوئی افسر پہنچتا ہے لیکن اس وقت یہ عہدے تنخواہ اور رتبہ کے لحاظ سے اس قسم کے ہونگے کہ پولیٹیکل محکمہ کے اعلیٰ افسران اس عہدے پر پہنچنے کے آرزومند ہوا کریں گے اور یہی کیفیت امور عامہ۔ عدالت۔ مال اور فوجی محکموں کے (۱۳۶) معتمدین کی ہوگی۔ اگر اس تجویز پر عملدرآمد ہوگا تو ان عہدہ داروں اور ان کے معاونین کا انتخاب کسی خاص صوبہ سے نہ ہوگا بلکہ سارے ملک کے جملہ ملازمان میں سے یہ افسران منتخب کئے جائیں گے۔ اس انتظام سے جو فائدہ حاصل ہوگا اس کا اندازہ اس وقت نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس ذریعہ سے قابل حضرات کو کام کرنے کا شوق پیدا ہوگا ان کی خدمات کے صلے ملیں گے۔ مدراس اور بمبئی کی ملازموں کے رتبے بلند ہونگے (جہاں تک کہ ان مقامات پر اعلیٰ ملازموں کا تعلق ہے) اور وہ صوبہ بنگال کے عہدوں کے مساوی ہو جائینگے اور ان کے تعصبات دور ہو جائینگے۔ نیز اعلیٰ افسروں کے دل پر زیردستوں کی کارگذاری کا عمدہ اثر پڑیگا۔ اس کی بدولت افسروں میں فراخ دلی پیدا ہوگی اور وہ اپنے اپنے صوبے کے مفاد سے بڑھ کر سلطنت کے عام فوائد

---

[1] مثلاً آجکل وہ کونسل کی رائے کے خلاف اپنے ذاتی اختیار سے کام لیکر جو تدبیر مناسب سمجھے اس پر عمل کر سکتا ہے لیکن اس صورت میں گورنر باجلاس کونسل کی رائے کو مسترد یا نامنظور کرنے سے اس پر بہت زیادہ ذمہ داری عائد ہو جائیگی ؛

کو پیش نظر رکھیں گے اور اس کے اثرات سے بہت سے عظیم الشان فوائد حاصل ہو سکے۔ حاشا وکلا ہمیں ان افسروں کی قابلیت میں کلام نہیں جو کلکتہ کے اعلیٰ انتظامی عہدوں پر مامور رہ چکے ہیں یا آئندہ مامور ہوں گے۔ ان میں بعض نہایت نامور اشخاص گذرے ہیں لیکن ایک ہی مقام پر ان میں سے اکثر کا سکونت گزیں ہونا اور اپنی اپنی ملازمت کے متعلق ان کے جذبات اور اپنے محکموں سے انکا قدرتی تعلق و میلان (۱۳۷) جن کی کامیابی کے لئے انھوں نے اپنی امکانی اور بہترین کوششیں صرف کی ہیں ان وجوہ سے ان کے دل میں ایک قسم کا تعصب پیدا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے ایسے مسائل میں جن کا تعلق ہندوستان کے عام مفاد سے ہوگا ان کے فیصلے لازمی طور پر تنگ نظری پر مبنی ہونگے اگر گورنر جنرل کے عملے میں ایسے افسر ہوں جنھیں ہندوستان کے کسی خاص حصہ کے متعلق مقامی واقفیت حاصل نہو تو یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہو سکتی ہے۔ گورنر جنرل کے یہاں مختلف محکموں کے معتمدین اپنی اعلیٰ قابلیت اور کل سلطنت کے متعلق نظام حکومت اور عام واقفیت کے لحاظ سے منتخب کیے جاینگے ہو

ہماری اس وسیع سلطنت اور اس کے مختلف اضلاع علاقوں میں ایک ہی قسم کے اصول و قواعد و ضوابط نافذ کرنے اور یکساں ادارے قائم کرنے کی جو مسلسل کوشش کی جارہی ہے اس سے بڑھ کر حکومت ہند کے لئے کوئی مضرت رساں چیز نہیں ہو سکتی ہے اور اس خرابی کے رفع کرنے کے لئے مجوزہ انتظام سے بہتر (۱۳۸) کوئی اور تدبیر میسر نہیں ہو سکتی لیکن تاوقتیکہ گورنر جنرل کے ذمے سے اپنے مستقر کے

لہ یہ بات نہ صرف حکومت کی کارروائیوں میں نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہے بلکہ خاص خاص صوبوں کے متعلق جو خیالات ظاہر کئے گئے ہیں ان سب میں بھی یہی نظر آتی ہے لیکن ان تمام کتابوں کے مصنفین نے جن میں یہ خیالات درج ہیں اپنی لاعلمی یا غرور کی وجہ سے اسے عمومیت دے دی ہے۔ ان کا اثر انگلستان تک پہنچا جہاں ہندوستان کے باشندوں کے عادات خصائل رسم ورواج مذہبی رسوم اور کیرکٹر کے حالات شائع کئے گئے ہیں یہ حالات اگرچہ درست ہیں لیکن اگر عام خیال سے ان کو دیکھا جائے تو وہ صداقت سے اسقدر دور ہیں جسطرح

باب۵

اندرونی معاملات کا انتظامات نکال لیا جائے اس تجویز پر ہرگز عملدرآمد نہیں ہوسکتا ہے۔

بنگال[1] کی مقامی حکومت کے فرائض گورنر جنرل سے علیحدہ کرلینے میں ایک اور فائدہ بھی ہے کہ ایسی معمولی کارروائیوں سے اس کا اعلیٰ نام علیحدہ رہیگا جن کے متعلق کلکتہ کے باشندے ہمیشہ شورش مچاتے ہیں۔ اس علیحدگی سے گورنر جنرل کے اختیارات میں کوئی کمی واقع نہ ہوگی بلکہ روزمرہ اُسے ایسے معمولی کام انجام دینے کی ضرورت باقی نہیں رہیگی جن سے اس کے وقار کو نقصان پہنچے چونکہ حکومت کی کامیابی کے لئے اس کا احترام وادب برقرار رہنا اشد ضروری ہے۔ لیکن اس تجویز کے ان اجزا کے ترتیب دینے کے وقت اس امر کی بیحد احتیاط رکھنی چاہئے کہ گورنر جنرل کے اختیارات اور اثر میں کسی قسم کی کمی نہ ہونے پائے۔ اس کے اہم اور وسیع ادائے فرائض میں ان امور کا لحاظ ضروری ہے کیونکہ ان باتوں سے اس کے اقتدار واثر میں اضافہ ہوتا ہے جو ایسے بڑے عالی کے مرتبے کے لئے نہایت ضروری ہے۔

(۱۲۹) موجودہ نظام حکومت میں گورنر جنرل کے اثنائے قیام میں وہاں کی مجالس کی صدارت کرنے کا حق حاصل ہے لہذا بنگال میں ایک مستقل نائب صدر مقرر کردینے سے مجوزہ مقصد نظام حکومت میں بغیر کسی خاص تبدیلی کے حاصل ہوسکتا ہے۔ اس کے سپرد تفصیلی کام ہونگے اور گورنر جنرل کو یہ اختیار حاصل رہیگا کہ جب کبھی

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ کے فرانس اور اسپین کے حالات سے نتائج اخذ کرکے یورپ کا حال بیان کیا جائے۔

[1] اکثر حضرات اسے ایک جدید محکمہ تصور کرینگے لیکن اس کے قائم کرنے میں کچھ زیادہ خرچ نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس میں گورنر نائب صدر صوبہ بنگال کی تنخواہ کے علاوہ بہت تھوڑی رقم صرف ہوگی اور یہ سارا صرفہ دیگر صوبوں کے مصارف کے مساوی ہوگا جہاں تک کہ اس انتظام کے دیگر اجزاء کا تعلق ہے اس سے صرف مختلف کاموں کا طریقہ عمل تبدیل ہوجائے گا اور معمولی دفتری کام میں تبدیلی واقع ہوگی اور ہر ایک محکمے کے اعلیٰ افسروں کی تنخواہ میں قدرے بیشی ہوجائیگی۔

باب ۵ وہ ضرورت محسوس کرے وہ بنگال میں بھی صدارت کے فرائض انجام دے اس انتظام سے وہ تصادم رفع ہوجائیگا جس کا اندیشہ گورنر جنرل کے کلکتہ میں مستقل یا زیادہ قیام کرنے کی حالت میں پیدا ہوسکتا ہے ؛

گذشتہ واقعات نے ہمارا تسلط اور ہمارا اثر ہندوستان کے دور دراز مقامات تک پہنچا دیا ہے اس لئے ان مقامات کے انتظام کے لئے طرز حکومت میں تبدیلی کرنے کی اشد ضرورت لاحق ہوگئی ہے اس موضوع پر ایک اور کتاب میں مفصل بحث کی گئی ہے جس میں کہ مالوہ اور اس کے گردو نواح کے علاقوں کے لئے ایک لفٹننٹ گورنر مقرر ہونے کی پرزور سفارش کی گئی ہے[1]؛

لیکن یہاں صرف اس قدر کہدینا کافی ہے کہ ہماری سلطنت کی حقیقی حالت کو پیش نظر رکھکر نہ صرف وسط ہند[1] میں بلکہ ہمارے مقبوضات کے دیگر حصوں میں بھی مقامی حکومت قایم کرنے کی ضرورت ہے۔ اس تدبیر سے ہماری رعایا میں اعتماد پیدا ہوگا اور ملک میں امن و امان قایم ہوجائیگا اور جب کبھی کوئی (۱۴۰) خطرہ رونما ہوگا تو بآسانی اس کی مدافعت ہوسکے گی۔ ان عظیم الشان فوائد میں ہم اس قدر اور اضافہ کرسکتے ہیں کہ اس انتظام کی بدولت ہم اپنے نظام حکومت میں ایسی ترمیمات بآسانی کرسکیں گے جن کی تائید تجربہ سے ہو اور جن کی ضرورت اس وجہ سے اور بھی محسوس ہورہی ہے کہ ان علاقوں کے باشندے جن پر ہمیں حکومت قائم کرنی ہے بلحاظ عادات وخصائل اور اپنی حالت کے ان صوبوں کی رعایا سے مختلف ہیں جن کے فائدے کے لئے ہم نے ادارے قائم کئے تھے اور یہ بیان کردینا بھی کچھ کم ضروری نہیں ہے کہ انتظام کی اس اسکیم سے

---

[1] سنٹرل انڈیا کیلئے جو تجویز کہ مقامی حکومت قائم کرنے کی پیش کی گئی ہے یہی تجویز دکن کے لئے بھی ہوسکتی ہے جس میں کہ ناگپور کا علاقہ اور خاص ہندوستان کے مغربی و شمالی علاقے شامل ہوں۔ مسٹر جیمس اسٹوارٹ نے پولیس کے متعلق ایک فاضلانہ مضمون میں آخرالذکر ملک کے واسطے مقامی حکومت تجویز کی ہے دیکھو رپورٹ پنجم صفحہ ۸۶)

باب

ہماری قوت میں بھی اضافہ ہوگا اور بالآخر مصارف میں بھی کفایت ہوگی کیونکہ اس انتظام سے ہم اپنے بڑے بڑے محکموں میں تخفیف کر سکیں گے اور ہندوستان کے دل میں ہماری قوت و حکومت کی جو وقعت ہے وہ بھی قائم رہ سکے گی اور اندرونی انتظام کے لئے ہم انھیں ملازم بھی رکھ سکیں گے۔ اکثر حضرات اہل ہند کو روشن خیال اور قابل بنانے کے تو حامی ہیں لیکن انھیں بڑے عہدے دینے یا صیغۂ راز میں ملازم رکھنے کے اس لئے مخالف ہیں کہ اہل ہند کو وہ جاہل بے ایمان اور بد اخلاق تصور کرتے ہیں۔ اگر ذرا سی دیر کے لئے بھی ان کے اس افسوسناک بیان کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو کیا کوئی شخص جسے فطرت انسانی یا انسان کی مختلف جماعتوں کا خفیف سا بھی علم ہے وہ اس بات کو تسلیم کر سکتا ہے کہ انسان کو ان تمام مواقع سے محروم کرنے کے بعد جو نیک اور اعلیٰ کاموں کیلئے محرک بن سکتے ہیں محض اخلاقی یا مذہبی تعلیم سے شائستہ بنایا جا سکتا ہے ہم انھیں تعلیم دیکر انکی پست اور ذلیل حالت سمجھا سکتے ہیں جیسے وہ اسوقت اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے لیکن اگر ہم اس بات کے خواہاں ہوں کہ علم و فضل حاصل کر کے وہ معلمین کے اور بھی زیادہ مطیع اور فرماں بردار ہو جائیں تو ہمیں چاہئے کہ ہم ان پر اعتبار کریں اور انکی عزت کریں۔ اگر ہم اس بات میں کامیاب ہو گئے کہ وہ خود اپنے آپ کو باوقعت سمجھنے لگیں تو دوسروں کی نگاہ میں بھی وہ بہت جلد باعزت ہو جائینگے۔

لے مسٹر جیمس اسٹوارٹ نے مذکورۂ بالا رپورٹ میں اس مسئلے پر بڑی قابلیت سے بحث کی ہے۔ وہ دریافت کرتا ہے کہ کیا ہندوستان کے باشندے اور قسم کی مخلوق ہیں جن کی دیانت داری محدود کر دی گئی ہے اور جن کو اصول مقرر کر کے ذلیل کر دیا گیا ہے (رپورٹ پنجم صفحہ ۱۸۵) یہی قابل افسر اہل ہند کی سوسائٹی کی درجہ بندی پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے اگر ہم ان کے پرانے اداروں کی بنیاد پر جدید عمارتیں بنانا چاہتے ہیں جو ان کے عادات و اطوار کے موافق ہوں اس کی ضرورت اور موجودہ نظام حکومت کے نتائج پر بحث کر کے وہ رائے پیش کرتا ہے کہ اگر ہم اسی حالت سے آگے کو بڑھتے جائینگے تو ان صوبوں میں عجیب قسم کی ایک عظیم الشان سلطنت نظر آئیگی جہاں کی حکومت اپنی رعایا کو انکی

باب　(۱۴۲)

اس بات کی ہرگز توقع نہیں کی جاسکتی ہے کہ ہم کسی زمانے میں بھی اہل ہند کے ساتھ معاشری اور قریبی تعلقات قایم کرنے میں کامیاب ہونگے۔ چونکہ ہم غیر ملکی ہیں اور ہمارے اطوار۔ ہمارا مذہب اور ہمارے جذبات ان سے بالکل مختلف ہیں اس لئے اپنی یہ امید بر آنے کی ہمیں ہرگز توقع نہیں لیکن ہمیں اپنی یہ کوشش مسلسل جاری رکھنی چاہیئے کہ وہ اپنی حالت سے مطمئن ہوجائیں اور اس کا سب سے زیادہ موثر طریقہ ان کو سرکاری ملازمت میں داخل کرنا ہے ہم اپنی حکومت کی نوعیت کی رو سے مجبور ہیں کہ ہم اپنی سیاسی اور فوجی قوت ان کے سپرد نہیں کرسکتے لیکن جو امر کہ ایسے خطرہ سے خالی ہو اس میں انھیں شریک کرلینے کا یہی ایک زبردست دلیل ہے لہذا اگر انھیں اس قسم کی تعلیم دی جائے جس سے کہ وہ اپنے ملک کے نظم ونسق میں حصہ لینے سے محروم رہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ یا تو وہ ہماری حکومت کے خلاف کوشش کرینگے یا وہ ایسی پستی کے حالتیں جا پہنچینگے کہ بجز کاہلی یا عیش پرستی کے ان کی زندگی کا کوئی اور مقصد ہی نہ ہوگا۔

ہندوستان میں ہماری عملداری کے ہر شعبے میں ایک بڑا نقص یہ ہے کہ ہم نظام حکومت میں یکسانی پیدا کرکے اہل ہند پر حکومت کرنے میں سہولت پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اس طریقے سے چونکہ ذیلی معاملات کے سمجھنے میں قدرے سہولت ہوتی ہے لہذا جو لوگ کہ دار الحکومت میں مامور ہیں وہ ذیلی کاموں کی نگرانی کرنے کی اپنے میں پوری قابلیت تصور کرلیتے اور اس سبب سے وہ مقررہ قواعد ضوابط سے ایک انچ بھی ہٹنا نہیں چاہتے اگرچہ مقامی حالات واقعات کی وجہ سے ان قواعد میں ترمیم کرنے کی کیسی ہی شدید ضرورت کیوں نہ ہو۔ اسی خیال اور حکومت کی محبت کی وجہ سے وہ اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ کسی شخص کو ایسا عہدہ یا رتبہ دیا جائے جو اپنے اختیارات کی بدولت ان کے دباؤ اور ان کی متواتر نگرانی سے

(۱۴۳)

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ ہر ایک ایسی جائز آرزو سے محروم رکھے گی جس کے پورا کرنے کے لئے لوگ اپنی قابلیتوں کو ترقی دیتے ہیں اور اگر انہیں قابلیت موجود ہوتی ہے تو اس کے ذریعے سے وہ اپنے دل کو فراخ اور اپنی فہم و فراست کو بلند تر کرتے ہیں (رپورٹ پنجم صفحہ ۵۸۴)

باب
باہر ہو سکے یا جس کی وجہ سے ان کے اختیارات میں کچھ فرق آجائے۔ لیکن اب وقت آگیا ہے کہ امن قائم کرنے اور اپنے وسیع علاقوں کی مرفہ الحالی کو ترقی دینے کے مقابلے میں غیر اہم جزوی معاملات کے جملہ خیالات کو یک لخت ترک کردیا جائے ہمارا تجربہ بتاتا ہے کہ یہ مقاصد صرف اسی تدبیر سے حاصل ہو سکتے ہیں جو ہم نے اوپر پیش کی ہے"

نظام عدالت

جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے نظام عدالت کے متعلق رائے زنی کرنے کا فطرتاً رجحان پیدا ہوتا ہے جسے ہم نے اولاً بنگال میں قائم کیا اور پھر اسے مدراس اور بمبئی تک وسعت دیدی۔ اس انتظام کی خوبیاں تفصیل سے بیان کرنے میں ایک جلد صرف ہوگی لیکن ہم اپنی تحقیقات کو صرف ایک مسئلہ تک محدود کرتے ہیں کہ جیسی عدالتیں ہم نے اپنے پہلے مقبوضات میں قائم کی ہیں آیا ان میں کچھ ترمیم یا اصلاح کرنی چاہئے یا ایسی ہی عدالتیں ہم اپنے جدید مقبوضات میں بھی قائم کردیں؟

(۴۴ ۱)
برطانیہ عظمیٰ کی پارلیمنٹ نے یہ فیصلہ کردیا ہے کہ اہل ہند پر ان کے قوانین اور رسم ورواج کے مطابق حکومت کرنی چاہئے۔ لیکن بنگال کی صدر حکومت نے موجودہ نظام حکومت اس وجہ سے قائم کیا ہے کہ یہی نظام وہاں کے باشندوں کے لئے نہایت موزوں ہے چونکہ وہاں پر عرصۂ دراز تک مسلمانوں کی حکومت رہ چکی ہے۔ بنگال کی حکومت نے شرع شریف کو بمقابلہ دھرم شاستر اپنی عدالتوں میں رائج کرنے میں ترجیح دی چونکہ دھرم شاستر اسقدر مکمل نہیں جس پر کہ ہماری کوئی عدالت مقدمات کا تصفیہ کرسکے لیکن بنگال کے حالات جن کے لحاظ سے یہ عمل کیا گیا

لے اس کا تعلق فوجداری قانون سے ہے کیونکہ سول قانون میں اہل ہند کے ہر فرقہ کے مذہب

باب | دوسرے علاقوں کے حالات سے بہت مختلف ہیں اس بات کے بار بار دہرانے کی ضرورت نہیں کہ ہندوستان نہ ایک قوم ہے اور نہ اس ملک میں خاص تنظیم قایم ہے بلکہ یہاں مختلف قومیں آباد ہیں اور متعدد نظام حکومت قایم ہیں تقریباً ہر ایک صوبے کے رسم و رواج یا بالفاظ دیگر وہاں کے قوانین اس کے قریبی صوبہ کے قوانین سے بالکل مختلف ہیں اگرچہ یہ کہنا درست ہے کہ یہ رسم و رواج تحریری نہیں ہیں لیکن نامعلوم زمانے سے اُن پر بطور قانون کے عمل کیا جاتا ہے اور ہندؤں کے رسم و رواج اور ہندوانہ اداروں سے ان کا قدیمانہ تعلق چلا آتا ہے۔

مسلمانوں نے ہندوستان کو مکمل طور پر کبھی فتح نہیں کیا اور ہندوستان کے ایک بڑے حصے کا اندرونی انتظام بالعموم ہندو راجاؤں اور ہندو سرداروں ہی کے ہاتھ میں رہا اور ہندوستان کے دیگر حصوں میں بھی ہندو (۱۴۵) رسم و رواج میں بجز ظالمانہ اور جبریہ کارروائیوں کے مواقع کے شاذ و نادر ہی مداخلت کی جاتی تھی اس لئے ہم اسے تسلیم کرتے ہیں کہ اگرچہ مسلمانوں میں محکمانہ اسپرٹ موجود تھی اور وہ ہندوؤں کو بحیثیت غیر مسلم ہونے کے ذلیل و حقیر تصور کرتے تھے لیکن مسلمانوں کا اسلامی قانون ہندو رعایا میں برائے بیت[له] جاری تھا اور ان پر ان ہی کے قانون سے حکومت ہوتی تھی[له]

نظام عدالت قایم ہونے کے بعد اصلی قانون قواعد و ضوابط کی جلدوں میں دفن ہو گیا کیونکہ متواتر اس بات کی ضرورت واقع ہوتی رہی کہ ہم انہیں اپنی حکومت کے اصولوں کے مطابق ڈھال لیں۔ کمپنی کے نہایت قابل ملازمان

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ اور رسم و رواج کا لحاظ رکھا گیا ہے عدالتوں کی اشکال اور نوعیت ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں کی عدالت سے اخذ کی گئی ہے۔

[له] یہ صحیح ہے کہ تقریباً ہر ایک قصبہ اور ہر ایک گاؤں میں ایک قاضی مقرر تھا لیکن جہاں پر کہ ہندو آبادی کی کثرت ہوتی وہاں پر قاضی صرف اپنی قوم والوں کے مقدمات طے کرتا تھا تحقیقات سے یہ ایک عام قاعدہ معلوم ہوا۔ ظلم و ستم کے واقعات اس سے مستثنیٰ ہیں[له]

باب

محکمۂ عدالت میں مامور کیے گئے ہیں لیکن ہم یہ بھی بتائے دیتے ہیں کہ اگرچہ
عدالتوں پر ہم زر کثیر صرف کرتے ہیں اور ان میں نہایت قابل اور دیانت دار اور
محنتی اصحاب مقرر کیے گئے ہیں اور ان عدالتوں کے قیام کی وقت یہاں کے
باشندوں کے حقیقی یا فرضی تعصبات کا بھی لحاظ رکھا گیا تھا۔ تاہم ان عدالتوں
کو رعایا میں ہر دلعزیزی حاصل نہیں ہوئی ہے لہ

(۱۴۶) جو کچھ کہ بیان کیا گیا ہے وہ اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ ہندوؤں
میں یہ عدالتیں ہر دلعزیزی حاصل نہیں کر سکتیں اور مسلمانوں کے متعلق بھی ہم اس
بات کو تسلیم کر سکتے ہیں کہ دیوانی اور فوجداری کے قوانین میں بہت سی ترمیمات
ہو لینے اور عیسائی جج کے کرسی عدالت پر بٹھالنے سے قانون کی بہت کچھ رغبت
اور اس کا خوف مسلمانوں کے دل سے جاتا رہا ہے جو قرآن شریف کے قائم
کئے ہوئے قانون کا ان کی نظر میں تھا۔ تمام فرقوں کے عام خیالات سے یہ
نتیجہ اخذ کر کے اور سوسائٹی کی موجودہ حالت کو مدنظر رکھ کر ہمیں ہرگز تعجب نہ
کرنا چاہیئے کہ اعلیٰ طبقے کے ہندو اور مسلمان ایک ایسے نظام عدالت کے
اجراء سے غیر مطمئن ہو گئے ہیں جس کی رو سے نہایت سخت اور بے لاگ انصاف
کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور جس میں خاص اشخاص اور ان کے تعصبات
کا کچھ خیال نہیں کیا جاتا بلکہ عام اصول انصاف اور قانونی الفاظ کی پابندی کی

لہ بنگال کا ایک مشہور اور تجربہ کار سولین قانون فوجداری کے متعلق حسب ذیل
رائے ظاہر کرتا ہے جو ہم نے مسلمانوں سے لیا ہے "ہزاروں پنڈتوں (یا مولوی
معلمین یا فاضل لوگ) میں سے ایک ہندو بھی عربی کا تو کیا ذکر فارسی بھی اچھی طرح نہیں
پڑھ سکتا ہے اور جب یہ لوگ ان کتابوں کا پڑھنا بھی پاپ سمجھتے ہیں جن میں
کہ یہ قانون درج ہے تو اس حقیقت کا معلوم کرنا آسان ہو جاتا ہے کہ ہندو
قوم ان قوانین سے نا آشنا ہے اور آئندہ بھی نا علم رہیگی جن سے کہ ان کا وجود اور
ان کی آزادی وابستہ ہے" (مراسلہ منجانب مسٹر فورسکو قائم مقام جج استغیثہ بنارس
بنام چیف سکرٹری بنگال از جون پور مورخہ ۱۶ فروری سنہ ۱۸۱۶ء)

باب۲ جاتی ہے ؎

(۱۴۷) اس کتاب کی نوعیت ہمیں اجازت نہیں دیتی کہ ہم ایک ایسے مسئلہ پر تفصیلی بحث کریں جس کی بابت عدالتی محکموں کی طرح نہایت قابل حضرات کی رائیں مختلف قسم کی ہیں۔ کسی انتظام کی غلطیاں بتا دینا زیادہ آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ نقائص رفع کرنے کے لئے کوئی تجویز پیش کی جائے اور ایسی تجویز کو جس کے متعلق کسی قسم کا تجربہ اور آزمائش نہ ہوئی ہو بہتر ثابت کر دیا جائے تقریباً سب لوگ اس رائے سے متفق ہیں کہ ہمارے نظام عدالت میں چند نقائص ضرور موجود ہیں ؎

رعایا کی یہ ایک مستقل شکایت ہے کہ جو عدالتیں ہم نے قائم کی ہیں ان میں روپیہ اور وقت بہت صرف ہوتا ہے اور اگرچہ سب لوگ انگریز ججوں کی ایمانداری کو تسلیم کرتے ہیں لیکن اسی کے ساتھ ماتحت ہندوستانی ججوں کو لوگ عام طور پر مغرور اور راشی جانتے ہیں جو زیادہ تر اس وجہ سے بدنام ہیں کہ اُن میں سے بیشتر ادنیٰ طبقے کے ہندوستانیوں میں سے لئے گئے ہیں ؎

رُہیلکھنڈ میں ہماری عدالتوں کے متعلق جو تعصبات موجود ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں پر مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہے جیسا کہ پیشتر بیان ہو چکا ہے[۱] وہاں کے متعدد ججوں اور کمشنروں کی رائے پر زور الفاظ میں بیان کر دی گئی ہے اور بنگال کے بہت سے تجربہ کار اور قابل سول افسروں کی رائے بھی اس واقعہ کی تائید میں پیش کی جا سکتی ہے کہ اس صوبے میں اس نظام عدالت کی کافی آزمائش

(۱۴۸) ہوئی اور اس میں بیحد مایوسی کا سامنا ہوا اور باوجود ان اصلاحوں کے جو نظام عدالت میں کی گئی ہیں اس نیک نیت بانی کے سوچے ہوئے مقاصد حاصل کرنے کے لئے ابھی بہت کچھ اصلاحات کرنے کی ضرورت باقی ہے۔ اس کے بیان کرنے سے یہ غرض نہیں ہے کہ ہماری عدالتیں قائم ہونے سے بڑے فوائد نہیں پہنچے ہیں حکومت نے نہایت عمدہ اصولوں پر عمل کیا ہے اور نظام عدالت کی اصلاح

---

[۱] جلد اول صفحہ ۵۸۶ ؎

باب ۱

میں بڑی سخت محنت اور دانشمندی سے کام لیا گیا ہے اور بنگال و بہار کے صوبوں میں مسلسل چالیس سال تک امن وامان قائم رہنے سے یہ بات قطعی ناممکن تھی کہ اس طویل مدت میں نظام عدالت سے کچھ فائدہ نہ پہنچتا اور یہ بات بھی تسلیم کرلی گئی کہ ہماری موجودہ رعایا بہ نسبت ابتدائی زمانے کے اب اس نظام عدالت سے زیادہ راضی اور خوش ہے۔ اس لئے اگر کوئی ایسی ترمیم پیش کی جائے جس سے کہ یہ قدیم نظام مسدود ہو جائے تو ہمارا یہ خیال فی الحقیقت احمقانہ اور خلاف مصلحت ہوگا لیکن ہر شخص یہ مانتا ہے کہ اس کے نقائص رفع کرنے کیلئے ہمیں اپنی ان تھک کوششیں جاری رکھنی چاہئیں[1]

(۱۲۹) تاخیر اور مصارف کم کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے[2] کہ ہندوستانی حکام عدالت کے لئے تعلیم کے بہترین وسائل فراہم کئے جائیں ان کے لازم ہونے ہیں

---

[1] ہمارے موجودہ نظام عدالت میں یہ نقائص بیان کئے جاتے ہیں کہ اس سے مقدمہ بازی کا شوق پیدا ہوتا ہے مقدمات کے فیصلے میں بہت تاخیر ہوتی ہے مقدمات میں روپیہ بہت صرف ہوتا ہے۔ چونکہ قوانین خاص مقدمات کی ضرورت بات کو مدنظر رکھ کر بنائے گئے ہیں اور عام اصولوں پر مبنی نہیں ہیں اس لئے ان میں بہت زیادہ تنگ خیالی موجود ہے اور وہ اس قدر پیچیدہ اور تعداد میں ضخیم ہو گئے ہیں کہ ان کے متعلق مکمل معلومات حاصل ہونا ناممکنات سے ہے اور اس وجہ سے صرف معدودے چند حضرات ہی انھیں سمجھتے ہیں اور جو ہندوستانی کہ قانون کا مطالعہ کرتے ہیں ان میں سے بیشتر حضرات کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ قانون کی پیچیدگی سے کسی جرم کو چھپا کر فائدہ اٹھائیں یا قانون کی مدد سے دوسروں کو دھوکہ دیکر سزا سے بریت حاصل کرلیں۔

[2] ہندوستانی عدالتی افسران کو سرکاری درسگاہوں میں تعلیم دینی چاہئے جو صرف قانونی پیشہ کے خیال سے نہیں بلکہ عام و صلاح کے اصولوں پر قائم کی جائیں اور کسی وکیل کو وکالت کرنے کی اجازت نہ دینی چاہئے تاوقتیکہ وہ نیک چلنی کا صداقت نامہ پیش کرے ہمیں چند عہدے مالی فائدے اور عزت کے قائم کرنے چاہئیں جن کے حصول کے لئے

بابٹ | خاص خاص قابلیتوں اور واجب الاحترام کیرکٹر کی شرط لگائی جائے۔ ہندوستانی کمشنروں کو زیادہ تعداد میں ملازم رکھا جائے انھیں زیادہ وسیع اختیارات دیئے جائیں اور ہندوستانی کمشنروں کی عدالتوں نیز پنچایتوں کے دائرۂ عمل کو وسعت دیجائے[1]

(۱۵۰)

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ دیانت دار اور قابل آدمی کوشش اور خواہش کریں اور جو ہندوستانی ان عہدوں کے اہل ہونگے اور اس قابل فخر امتیاز کے حاصل کرنے کے کوشاں ہونگے ان کی اپنے ہم وطنوں کی نظر میں عزت و توقیر بڑھ جائیگی۔ اس قسم کی اصلاح سے موجودہ نظام عدالت کو بہت زیادہ فائدہ پہنچے گا۔"

[1] ۱۸۲۱ء میں ہندوستانی کمشنروں کو ۵۰۰ روپیہ تک کے دعوے کے مقدمات طے کرنے کا اختیار دیدیا گیا ہے اس تجربے میں کامیابی حاصل ہونے پر اُن کے اختیارات میں مزید اضافہ کرنا ہوگا اور ہم امید کرتے ہیں کہ غالباً پھر کوئی ایسا زمانہ بھی آئیگا جبکہ ضلع کے جج کو ماتحت عدالتوں کے مرافعوں کے علاوہ معدودے چند مقدمات طے کرنا ہونگے۔

جو حضرات کہ پنچایتی عدالتوں کے مخالف ہیں وہ اکثر یہ کہتے ہیں کہ حکومت ہند کے کاغذات سے ثابت ہوتا ہے کہ پنچایتی عدالتیں ہر دلعزیز نہیں ہیں کیونکہ اہل ہند دوسری عدالتوں کی طرح ان کی طرف زیادہ رجوع نہیں ہوتے۔ اس کی وجہ کسی دوسرے مقام پر بیان کردی گئی ہے۔ ہندوستانی فرماں رواؤں کے زمانے میں جب کبھی شکایتیں ہوتیں یا مقدمات دائر کیئے جاتے تو شاہ وقت خود مختارانہ حکم دینے کے بجائے انصاف اور اعتدال کے خیال سے ان شکایتوں اور مقدمات کی تحقیقات کے لئے پنچایت مقرر کرنے کا حکم دیتا تھا جو شخص ان اصولوں سے واقف ہیں جن پر کہ ان حکومتوں میں عملدرآمد ہوتا تھا نیز خیالات سے آگاہ ہیں جو ہندوستانی والیانِ ملک کی رعایا کے تھے کیا وہ اس بات کو مان سکتے ہیں کہ ایسی صورت میں مدعی یا مدعا علیہ اپنے کو آزاد تصور کرتا تھا۔ معاملے کی نوعیت خواہ کچھ بھی کیوں نہ ہو کیا وہ اپنے مقدمے کی تحقیقات کے لئے پنچایت کے سپرد ہونے کی مخالفت کرسکتا تھا حالانکہ اسے اس بات کا حق حاصل تھا لیکن وہ جانتا تھا کہ اس طرح اس کا انکار کرنا غرور سمجھا جائیگا اور پھر اُسے سرسری اور سخت سے سخت کارروائی کا نتیجہ بھگتنا پڑیگا۔ لیکن حکومت برطانیہ کے دور میں لوگوں کو اس قسم کا کوئی اندیشہ

باب ۱۵

لیکن اشد ضرورت اس بات کی ہے کہ جملہ قواعد و ضوابط پر نظر ثانی کی جائے اور ایک مکمل قانون مدون کیا جائے اور اس کام کی تکمیل کے واسطے نہایت قابل حکام سے کام لیا جائے۔ انھیں زیادہ قانون داں ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ ایسے افسروں کی ضرورت ہے جن کے دل کسی خاص نظام کے متعلق تعصبات سے مبرا ہوں اور جو گذشتہ حالات اور تجربات سے پورے طور پر کام لے سکیں۔ اس کام کی تکمیل میں جو کچھ خرچ ہو وہ کم ہے کیونکہ یہ قانون غالباً چنداں ضخیم نہ ہوگا تاوقتیکہ ہم ایک ہی قانون سارے ہندوستان کے لئے نہ قرار دیں۔ ہماری رائے میں ہر ایک صوبے کے لئے ایک اور تضمینی قانون بنانا چاہئے جس میں وہاں کے باشندوں کے رسم و رواج اور ان کے مخصوص خصائل کا خاص طور پر لحاظ رکھا جائے اس موقع پر ہم اپنی یہ رائے بھی ظاہر کرتے ہیں کہ عدالتی نظام کی توسیع کیلئے ہم زیادہ احتیاط سے کام نہیں لے سکتے ہیں اس کے تجربہ کے لئے ہماری عملداری میں بنگال اپنے باشندوں کی اطاعت کیشی کے باعث نہایت موزوں مقام تھا شمالی ہند میں اس کا اجرا زیادہ خطرناک ثابت ہوا اور مالوہ ورا چھوتانہ کے ہندو باشندے اس نیکی کو اپنے

(۱۵۱)

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ نہیں ہوتا ہے اور تاوقتیکہ ان عدالتوں میں بعض مقدمات کے طے ہونے کے لئے کوئی خاص حکم نہ دیدیا جائے ان عدالتوں میں فیصلہ کرانے کے لئے ایک فی صد فریقین بھی رضامند نہیں ہونگے۔ مدعی اور مدعاعلیہ یہ سوچا کرتے ہیں کہ اپنا مقدمہ پنچایتی عدالت سے طے کرانا یا ضلع کی عدالت میں دائر کرنا ہمارے حق میں زیادہ سودمند ہوگا اور جب دونوں کی رائے میں اختلاف ہوتا ہے تو بالآخر وہ ضلع کی عدالت میں اپنا مقدمہ دائر کرتے ہیں لیکن اس نتیجہ کو ضلع کی عدالتوں کی فضیلت ثابت کرنے میں لبطور مسلمہ ثبوت کے نہیں پیش کرنا چاہئے۔ قبل اس کے کہ اس حقیقت کو تسلیم کیا جائے دریافت طلب یہ بات ہے کہ ایسے ایماندار لوگ پسند کرتے ہیں یا بدمعاش (بحوالہ سنٹرل انڈیا جلد دوم صفحہ ۲۹۶)

لہ ہماری عملداری کے مختلف مقامات کے قابل لوگ اپنی معلومات اور مشوروں سے ایسے اصحاب کو بہت کچھ امداد دیں گے۔

باب ۴ حق میں نہایت مضر خیال کرینگے۔ کیونکہ ان کے عادات و اطوار اور رسم و رواج میں مسلمانوں کی عملداری میں بھی کوئی نمایاں تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ اس مسئلہ پر دوسری جگہ بحث کی گئی ہے اور مقدمات فیصل کرنے کے لئے ایک تجویز پیش کر دی گئی ہے جو ان علاقوں کی حقیقی حالت کے واسطے زیادہ موزوں ہے۔ ہم محولۂ بالا کتاب کا اقتباس پیش کئے دیتے ہیں کیونکہ اس تجویز کے اصولوں کو ہم کسی اور بہتر (۱۵۲) طریقہ سے ظاہر نہیں کر سکتے ہیں مولف کہتا ہے کہ "فرض کرو کہ اگر وسط ہند میں ایک مقامی حکومت قائم کر دی جائے جو وہاں کے انتظام کے لئے نہایت موزوں و مناسب ہو تو جہاں تک کہ عام اصولوں کا تعلق ہے یہ بات طے کر دینی چاہئے کہ وہ اپنے کاموں کو کس طور پر انجام دیگی۔ اب اس کے متعلق پہلا سوال یہ ہے کہ وہ عدالتی کام کس طور پر انجام دیگی۔ عدالتی مقدمات خواہ اسی علاقہ کے ہوں یا ماتحت ریاستوں نے اس کے فیصلے کے واسطے بھیجے ہوں۔ قبل اس کے کہ اس موضوع پر بحث کی جائے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وسط ہند جیسے علاقے کی اول خصوصیات بیان کر دی جائیں۔ اس مسئلہ کا نہایت ضروری جز یہ ہے کہ عدالتی انتظامات کی تنظیم و ساخت میں ہم اپنے قوانین۔ اصول اور تعصبات کا خیال رکھینگے یا اپنی رعایا کے قوانین اصول اور تعصبات کو مدنظر رکھنا چاہئے۔ ہمیں اولین اصول یہ قرار دیدینا چاہئے کہ کوئی نظام حکومت ہرگز کارآمد نہیں ہو سکتا جبتک کہ وہ لوگ جن کے فائدے کے لئے وہ بنایا گیا ہو اسے پورے طور پر سمجھ لیں اور پسند نہ کرلیں۔ جبتک کہ اس حکومت کی نیک نیتی کا یقین نہ ہو جائے جس کے تحت لوگ رہتے ہیں اس وقت تک رعایا کے دل میں محبت ہونا تو درکنار حکومت کی طرف سے اُسے اطمینان تک نہیں پیدا ہو سکتا ہے اور یہ بات اس وقت تک پیدا ہونی ممکن نہیں جب تک کہ سب لوگ حکومت کے اصول نہ دیکھیں نہ سمجھیں۔ اگر ہمارا نظام حکومت رعایا سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ ہے (۱۵۳) اور اگر وہ ایسے اصول پر مبنی ہے جنہیں رعایا نہیں سمجھتی اور اس کی ساخت اور

؎ بحوالہ سنٹرل انڈیا جلد دوم صفحہ ۴۴۲ تا

یات

اس کا طریق عمل ان کے حالات اور جذبات کے خلاف ہے تو پھر اس کے بدلے میں رعایا ہماری مطیع نہ ہوگی اور نہ ہم پر وہ کسی قسم کا اعتماد کریگی۔ ان باتوں کے حصول کے لئے ہمیں اپنی رعایا سے میل جول پیدا کرنا چاہیئے۔ ہندوستانیوں کی امداد کے بغیر ہندوستان کبھی ہرگز فتح نہیں کر سکتے تھے اور اب صرف انھیں کی اعانت سے ہم اسے اپنے قبضے میں رکھ سکتے ہیں۔ ہماری اصلی حالت نے اس ضرورت کو اور بھی زیادہ لازمی ولا بدی کر دیا ہے۔ ہمیں اس کی ضرورت نہیں کہ ہم اتر کر ان کے معیار پر آجائیں لیکن ہمیں اپنی موجودہ اصلی یا مفروضہ بلندی سے اس قدر نیچے تو ضرور اتر آنا چاہیئے جہاں پر کھڑے ہو کر ہم انھیں یہ ترغیب دے سکیں کہ ترقیات کے کام میں آپ ہمارا ساتھ دیجئے۔ جب کبھی سوسائٹی میں اہم اور سودمند انقلاب پیدا کرنا مقصود ہو تو اس کی تکمیل کے لئے یہ امر ضروری ہے کہ اصلاحات خود سوسائٹی کے اندر کی جائیں نہ یہ کہ اس سے بلند معیار کے اشخاص اپنے خود ساختہ اصلاحات یا ایسی ترمیمیں جنھیں معدودے چند روشن خیال حضرات مفید تصور کرتے ہوں اس میں داخل کردیں۔ ہر ایک عنصر کے ملانے ہی سے ساز ہوتا ہے اس لئے جو لوگ کہ بڑی قوموں میں اصلاح کرنے کے خواہاں ہوتے ہیں وہ مجبور ہو کر اصلاح کرتے ہوئے ڈرتے ہیں اور استدلال سے گھبراتے ہیں کیونکہ اس قوم کا بڑا حصہ جس کا فائدہ پیش نظر ہوتا ہے حقیقی معنوں میں ذی عقل نہیں ہوتا اور یہ بات صاف ظاہر ہے کہ کوئی تجویز اس وقت تک سودمند نہیں ہوسکتی جب تک کہ وہ لوگ خود اسے نہ سمجھ لیں اور مفید نہ تسلیم کرلیں جنھیں فائدہ پہنچانے کی غرض سے وہ پیش کی گئی ہو۔ یہی دلیل ان جملہ قانونی تدابیر پر بھی منطبق ہوتی ہے جو ہم نے اختیار کئے ہیں یا اپنی مشرقی سلطنت میں ہم آئندہ اختیار کریں گے لیکن سردست ان کے نتائج کو صرف ان تدابیر تک ہم محدود کرتے ہیں جو وسط ہند کے لئے ضروری ہیں اس صوبے کے باشندے

(۱۵۴)

زیادہ تر ہندو ہیں اس لئے اس صوبے میں مسلمانوں کا مکمل قانون جاری کرنا

سلہ وسط ہند میں مسلمانوں کی آبادی کا تناسب ایک اور ۲۱ ½ کا ہے (بحوالہ صفحہ ۲۲۵) اور راجپوتانہ میں مسلمانوں کی آبادی اس سے بھی کم ہے۔

باب ۱

جن کی آبادی وہاں پر پانچ فی صدی بھی نہیں ہے انگریزی قانون کے اجراء جیسی جدت ہوگی اور متذکرہ وجوہ سے ہمارا یہ فعل ہندو رعایا کے جذبات کے سخت خلاف ہوگا اگر ہم وہاں کے باشندوں کو رضامند کرنا چاہتے ہیں اور ان کی اعانت سے فائدہ اٹھانے کے خواہاں ہیں تو ہمیں چاہئے کہ ہم وہاں پر ایسا طریقۂ حکومت جاری کریں جس سے وہ آشنا ہیں اور جسے وہ اچھی طرح سمجھتے ہوں اور اس کی تدبیر یہ ہے کہ ہم پنچایتی عدالتوں کو برقرار رکھیں اور انھیں دوبارہ تقویت پہنچائیں۔

پولیس

ہماری ہندوستانی رعایا کا کثیر طبقہ اپنے فطری تحمل اور خموشی عادتوں کے باعث دیگر اقوام کی طرح عمدہ پولیس کی بہت قدر دانی کرتا ہے تاکہ اطمینان کے ساتھ وہ زندگی کے پرامن کام انجام دیتی رہے۔ اس بات کو وہ عموماً پسند کرتے ہیں اور وہ جب حکومت کے تحت رہتے ہیں اس کی وقعت کا اندازہ اس کی اس کامیابی سے کرتے ہیں جو وہ دیگر امور کے علاوہ انھیں چور، ڈاکو (۱۵۵) اور قاتلوں سے محفوظ رکھنے میں ظاہر کرتی ہے۔ بندوبست استمراری کے زمانہ میں پولیس کے جو فرائض بنگال میں قرار دیے گئے تھے ان میں کامیابی نہیں ہوئی۔ ایسے زمانے میں اس انتظام کی ناکامی فی الحقیقت نہایت دہشت ناک تھی اس مسئلے پر لوگوں کی رایوں میں اختلاف تھا کہ جن لوگوں کے سپرد پولیس کا انتظام

۵۲ لارڈ منٹو نے اپنے مراسلہ مورخہ سنہ ۱۸۰۸ء میں تحریر کیا تھا کہ دیگر سینکڑوں ثبوتوں کے علاوہ جو شہادتیں کہ سال میں پیش ہوئی ہیں ان سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ ڈکیتیوں اور قتل کی وارداتوں کے علاوہ نہایت ظالمانہ جرائم کئے جاتے ہیں۔ اس میں وہ اس قدر اضافہ

باب۔ کیا گیا تھا۔ رہا ان کی کاہلی اور نالایقی سے ناکامی ہوئی یا خود اس نظام میں زبردست خرابیاں تھیں۔ لیکن یہ بات صاف طور پر نمایاں تھی کہ اگرچہ ہم اپنے ان فیاضانہ اور آزادانہ اصول پر نازاں تھے جن پر کہ عدالت اور مال کا نظام قایم کیا گیا تھا تاہم کلکتے کے قریبی اضلاع میں ڈاکو اور قاتل اس درجہ لوٹ مار کر رہے تھے جس کے باعث سالہا سال تک جان و مال اس قدر غیر محفوظ تھا جس قدر کہ نہایت وحشی ممالک میں بھی نہ ہو گا۔ اس آفت کو رفع کرنے کے لئے نہایت زبردست کارروائیاں کی گئی ہیں اور اس وقت سے انگلستان اور ہندوستان دونوں کی حکومت پولیس کے (۱۵۶)

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ کرتا ہے کہ ہمیں یہ ہرگز فرض نہ کرنا چاہئے کہ یہ جرائم شاذ و نادر یا کسی خاص ضلع تک محدود ہیں بلکہ انکا ارتکاب بنگال کے ہر ایک ضلع میں ہو رہا ہے۔ حکومت کے معتمد خاص مسٹر ڈاڈ ویل نے محکمۂ پولیس کی رپورٹ میں نہایت قابلیت کے ساتھ تحریر کیا ہے کہ اگر میں ڈاکوؤں کے مظالم کا ہزارواں حصہ بھی بیان کروں اور رعایا کی تکالیف اور مصیبتوں کو ظاہر کروں اور اس کے بیان کرنے میں نہایت نرم اور ملائم الفاظ بھی تحریر کروں تب بھی میرا بیان قابل یقین تصور نہیں ہو گا۔ ڈاکوؤں کے مظالم کی داستان سے کئی ضخیم جلدیں پر ہو سکتی ہیں جن کی ہر ایک سطر پڑھ کر خوف اور غصہ کے مارے خون تاؤ کھانے لگے گا۔

مسٹر ایڈورڈ اسٹریچی جج نے جنھیں دورہ کرنے کی وجہ سے ان وارداتوں کے دیکھنے کا بہت زیادہ موقع ملا ہے اپنے مراسلہ مورخہ ۳۱ جون ۱۸۰۸ء بنام مسٹر ہیلی رجسٹرار نظامت عدالت میں اپنی حسب ذیل رائے تحریر کی ہے کہ اکثر کہا گیا ہے کہ راج شاہی میں بہت زیادہ ڈکیتیاں ہوتی ہیں لیکن اگر ان کی وسیع حد معلوم ہو جائے اور اگر خوف و دہشت۔ قتل۔ آتش زنی اور دیگر سخت مظالم کی وارداتوں کی کیفیت حکومت کے روبرو پیش کر دی جائے جن کا یہاں پر مسلسل ارتکاب ہو رہا ہے تو مجھے یقین کامل ہے کہ حکومت ضرور کوئی مناسب تدبیر ان کے دفعیہ کے لئے اختیار کریگی بیشک ہر ایک سرکاری ملازم رعایا کو قتل و غارت گری اور لوٹ مار سے محفوظ رکھنے کا دل سے خواہاں ہے لیکن رعایا کی حالت موجودہ پر پوری توجہ نہیں کی جاتی ہے اور موجودہ پولیس کا خراب

باب ۱

مسئلے پر بہت زیادہ توجہ کر رہی ہے ''
مدت سے یہ مسئلہ زیر بحث ہے کہ آیا ہم حاکم ضلع کو عدالتی اختیارات بھی عطا کریں یا نہیں ہمارے ایسا کرنے پر جو اعتراض کئے جاتے ہیں وہ یا تو اُن عام دلائل پر مبنی ہیں جو دیگر ملکتوں کی عملداری کی نشو ونما پر قائم کیگئی ہیں یا انکی بنیاد اس زنگ وسد پیچ جو دستور انگلستان کو اختیارات کے غلط عائد کرنے پر پیدا ہوتا ہے اور جسکا قائم رکھنا ہمیں (۱۵۷) اپنی ہندوستان کی حکومت میں ضروری ہے۔ مگر اس حد تک جہانتک ہم بغیر اپنے وسائل کو نقصان پہنچائے اسے قائم رکھ سکیں۔ اور جو لوگ حاکم ضلع کو عدالتی اختیارات دینے کے حامی ہیں وہ بھی یہی دلیل پیش کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ چونکہ حاکم ضلع کے فرائض منصبی اس قسم کے ہیں کہ اس کا اپنے ضلع کی رعایا سے میل جول ہوتا ہے اس لئے جرائم کے انسداد اور مجرموں کی گرفتاری میں دیگر اشخاص کے مقابلے میں زیادہ سہولت ہوگی اس سے انکار نہیں کہ اُسے اس حیثیت سے جو اختیارات حاصل ہونگے اور اس کی بدولت جو قوت اسے حاصل ہوگی اس کا گا ہے ما ہے بیجا استعمال ہو سکتا ہے لیکن ایسی شاذ و نادر نا مناسب کارروائیوں سے جو خرابی پیدا ہوگی اس کا بدل ان خوبیوں سے ہو جائیگا جو اس کی وساطت سے پولیس کی اصلاح سے پیدا ہونگی ''

مرقومہ دلائل یقیناً انگریزی اصولوں سے نہیں ہیں بلکہ ایشیائی قسم کے ہیں لیکن اس لحاظ سے وہ کچھ کم توجہ کے لائق نہیں ہیں کیونکہ یہاں پر زیر بحث یہ مسئلہ نہیں ہے کہ ہمارے خیالات اور جذبات کیا ہیں بلکہ سوال تو یہ ہے کہ کونسی کارروائی نہایت سود مند ہوسکتی ہے اور کونسی تدبیر ہماری مشرقی رعایا کی حفاظت اور خوشحالی کا موجب ہوگی اور اگر ایک سول عامل کے سپرد مجسٹریٹی کے فرائض کے علاوہ کوئی اور کام نہ ہو تو اس پر یہ زبردست اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اگر اس میں ایسی قابلیت موجود ہے کہ وہ اپنے عہدے کے فرائض خوش اسلوبی سے انجام دیتا ہے تو اسے کسی اور عہدے پر ترقی دیدینی چاہئے اور محکمۂ پولیس سے زیادہ اہم کوئی اور محکمہ نہیں

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ نامکمل اور نامعقول انتظام محض ایک قسم کا تمسخر ہے۔
(بحوالہ رپورٹ پنجم دکاغذات وصولی مالگذاری)

باب

ہوسکتا ہے جہاں اس کا تجربہ نہایت کار آمد ہوگا اس تجویز میں بڑی خوبی یہ ہے کہ جو شخص ترقی کر کے حاکم عدالت کے عہدے پر پہنچنا چاہتا ہے اس کی تربیت اس محکمے میں بہت عمدہ ہو جاتی ہے لیکن اس تربیت کی صرف اس صورت میں ضرورت (۱۵۸) ہوگی جبکہ عدالت اور مال کے محکمے ایک دوسرے سے علٰحدہ رکھے جائیں۔ ایک نامور عہدہ دار مال کی یہ رائے نہایت درست ہے کہ نائب حاکم ضلع کو روزمرہ کاشتکاروں اور زمینداروں سے زبانی گفتگو کرنی ہوتی ہے اُسے ہر ایک سرکاری کام کے سلسلے میں کاشتکاروں اور زمینداروں کے عادات وخصائل اور معاشرتی حالات اور بیرونی تعلقات کا علم رہتا ہے اسے اُن کے شخصی اثرات کا اندازہ ہو جاتا ہے اور اسی بنا پر اُسے ان کی باہمی ضروریات۔ آپس کے تعلقات اور بالآخر حکومت کے تعلقات بآسانی معلوم ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح وہ اُن کے ارادوں اور متحرکات سے واقف ہو جاتا ہے اور اپنے فرض منصبی کی نوعیت کے باعث وہ تحکمانہ طور پر اپنی رائے کا ان پر اثر نہیں ڈالتا بلکہ بطور مشیر اور ثالث کے وہ ان کے معاملات میں دخل دیتا ہے اور انھیں اپنا ہم خیال بناتا ہے۔

وہ لکھتا ہے کہ ایک نائب مجسٹریٹ کی حالت اس سے کس قدر مختلف ہے اُسے ہر ایک مقدمے میں فوراً ہی جج کا کام کرنا پڑتا ہے اور جو مقدمات اسے روزانہ فیصل کرنے پڑتے ہیں ان کے متعلق قبل از قبل معمولی واقفیت حاصل کرنے کا بھی موقع نہیں ملتا۔ البتہ کچھ مدت تک اس خدمت کو انجام دینے کے بعد وہ اپنی رہنمائی کے واسطے چند قواعد تیار کرسکتا ہے جو اُسی کے فیصلوں کی یکسانیت یا دیگر اسباب پر مبنی ہوسکتے ہیں لیکن کام شروع کرنے کے وقت اس کے پاس کوئی مواد اس قسم کا موجود نہیں ہوتا جس سے کہ وہ چند اصول قائم کرسکے۔ لوگوں کے عادات واطوار سے چونکہ وہ قطعی ناآشنا (۱۵۹) ہوتا ہے اس لئے مقدمات کی ہر ایک بات اُسے نئی اور تعجب خیز معلوم ہوتی ہے۔ اس طرح اولاً کسی معاملے کا تصفیہ کر دینا اور بعد میں اُس معاملے کو سمجھنا درحقیقت ایک احمقانہ حرکت ہے۔

اس بات سے وہ یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ جب مددگار مال کام شروع کرتا ہے تو اس کے رعایا کے ساتھ بے تکلفانہ تعلقات ہوتے ہیں اور حاکم عدالت جب کام شروع

کرتا ہے تو وہ رعایا سے بالکل الگ تھلگ رہتا ہے وہ اپنے کو ان سے افضل سمجھتا ہے اور اُس میں تحکمانہ غرور ہوتا ہے اول الذکر اس عجیب و غریب قسم کی حکمت عملی کے مختلف اجزا اور ان کے ابتدائی اصُول اور تعلقات سے معلومات حاصل کرنے میں ابتدا ہی سے مصروف رہتا ہے اور آخر الذکر رعایا کے حقوق اور ان کے رسم ورواج کی بابت بلا کسی رہبری کے فیصلے کرتا ہے"۔

اس قابلانہ اور طویل مراسلہ سے ہم نے جو اقتباس پیش کیا ہے اُس سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ اگر عام اصولوں کا لحاظ کرکے اور اختیارات کے بیجا استعمال کے اندیشے سے ہم مجسٹریٹ اور کلکٹر کے فرائض منصبی کو ملا دینے سے باز رہیں تو ہم کو یہ بھی ماننا پڑیگا کہ اگر مجسٹریٹ کے اختیارات نوجوانوں کے سپرد کئے جائیں تو انھیں صرف وہی نوجوان خوش اسلوبی سے انجام دے سکتے ہیں جنھوں نے محکمۂ مال کی تعلیم حاصل کی ہے۔ ہندوستان کے نظم ونسق کا فن صرف تفصیلی معلومات حاصل کر لینے ہی سے سیکھا جا سکتا ہے اور جب کبھی حکومت کے اس شعبہ کا بخوبی انتظام ہو جائیگا اور جب ملازمان پولیس اپنے فرائض کو عمدگی کے ساتھ انجام دینے لگیں گے اُس وقت عدالتی محکمہ کے اعلیٰ شعبوں پر سے کام کا بار بہت ہلکا ہو جائیگا لیکن ہماری رعایا ہماری حکومت سے اسو قت (۱۶۰) مطمئن ہوگی جب ہمارے نظام حکومت کے اثر سے مقدمہ بازی میں کمی ہوگی اور بیشی نہ ہوگی اور جب ہم مجرموں کو گرفت اور سزا یابی سے بچنے کی امید میں مایوس کرکے جرائم کا انسداد کردیں گے صوبۂ بنگال میں پولیس کا جدید انتظام بندوبست استمراری کے اجراء کے زمانہ میں ہوا تھا اور بندوبست استمراری سے رعایا کی حالت میں جو تبدیلیاں پیدا ہوگئی تھیں ان ہی کی مطابق پولیس کے قواعد تیار کیئے گئے تھے صوبۂ بنگال کی مالگذاری کی حالت متزلزل تھی اس کا سنبھالنا ضروری تھا اور اعلیٰ زمیندار سے لیکر دیہات کے ادنیٰ ملازم تک جسے کچھ بھی اختیار حاصل تھا ہر قسم کی زیادتیاں کرتا تھا لہذا اس با اختیار جماعت کی کثیر تعداد کے ظلم و تشدد سے جو خرابیاں پیدا ہوگئی تھیں ان کا صرف ایک ہی موثر علاج تھا کہ ان کے جملہ اختیارات یک تخت سلب کرلیئے جائیں۔ جس نیت سے کہ یہ زبردست کام کیا گیا اس پر ہرگز شبہ نہیں کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس کی بنیاد رحم و انصاف پر رکھی گئی تھی۔ لیکن اگر ہندوا قوام کی تنظیم کے

باب ۳

اندرونی حالت کے متعلق ہمیں اور زیادہ واقفیت حاصل ہوتی تو ہم ملک کے اندر امن و امان قائم کرنے کے دوسرے ذرائع کو نظر انداز نہ کرتے اس صورت میں اصلاحات کی کوششیں شروع ہو جاتیں اور اگر ہم اس میں کامیاب ہو جاتے تو یہی لوگ جو دوسروں کی حکومتوں میں بدی کا آلہ بنے رہے ہیں اپنی سوسائٹی میں نیکی کا آلہ بن جاتے۔ لیکن اس قسم کی کوئی کوشش نہیں کی گئی بلکہ ہر ایک مجسٹریٹ کو پولیس کی ایک جمعیت دیدی گئی جو ملک کے باشندوں میں سے اندھا دھند بھرتی کی گئی تھی۔

(۱۶۱)

صوبۂ بنگال میں اس انتظام کی ناکامی دیکھ کر پولیس کی اصلاح کے لئے وہاں پر بڑی سخت کوششیں کی گئی ہیں اور ایک حد تک ان کوششوں میں کامیابی بھی حاصل ہو گئی ہے۔ ضلع کھٹک میں جہاں دیہاتی محکموں کی اصلاح اور تجدید کی گئی اور وہ تمام اختیارات جن کا ہماری حکومت کے اصولوں کے مطابق ان کے تفویض کرنا ممکن تھا خاص خاص ہندوستانیوں کو دیدئے گئے اس کے نتائج ملک کے امن کے لئے نہایت خوشگوار ثابت ہوئے[1]۔

پولیس کا بہتر اور موثر نظام ہمارے کئی جدید مقبوضات میں جاری کیا گیا ہے لیکن ہمیں یہ بات بطور اصول کے قرار دیدینی چاہیئے کہ ہماری کامیابی کا انحصار خصوصاً سوسائٹی کے ان اداروں اور طبقوں کو برقرار رکھنے پر ہے جنھیں ہم نے موجود پایا ہے اور ہماری کامیابی اس پر بھی منحصر ہے کہ ہم اپنی رعایا کے معزز افسر کو مقامی ملازمت میں ایسے عہدوں پر مقرر کردیں جن سے ان کا وقار اپنی قوم کی نظر میں بجائے کم ہونیکے اور زیادہ بڑھ جائے ہم ملک کے اندرونی انتظام میں خوبی پیدا کرنے کی کوئی توقع اس وقت تک نہیں کر سکتے ہیں جب تک کہ اپنی رعایا کے اس طبقے کی اتنی حوصلہ افزائی نہ کریں کہ وہ اپنے اپنے ضلع میں امن قائم رکھنے کے لئے اپنی پوری کوشش صرف کریں۔

(۱۶۲)

اکثر یہ تجویز پیش کی گئی ہے کہ فوج کے ہندوستانی افسر اور سپاہیوں[2]

---

[1] بحوالہ مراسلہ از بنگال مورخہ ۱۱ر جنوری ۱۸۳۳ء۔

[2] مجلس نظما نے اپنے مراسلہ مورخہ ۵ر نومبر ۱۸۱۸ء میں حکومت بنگال کو تحریر کیا تھا کہ وہ

باب

کی ایک خاص تعداد کو پولیس میں نوکر رکھا جائے اس سے بڑھکر کوئی اور تدبیر ان لوگوں کی حوصلہ افزائی کرنے اور ان کو صلہ دینے کی نہیں ہو سکتی ہے جن کی وفاداری اور بہادری پر ہماری سلطنت کی بقا کا انحصار ہے اس مسئلہ پر آئندہ مفصل بحث کیجائیگی لیکن یہاں صرف اس قدر بیان کر دینا کافی ہے کہ محض ایسے وجوہ کی بنا پر اس تجویز پر عمل کرنے سے (جو مالی فائدہ ہے کے مقابلہ میں سیاسی لحاظ سے بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے) اس وقت تک ہرگز باز رہنا چاہیے جب تک کہ دلائل سے یہ ثابت نہ ہو جائے کہ اس انتظام سے ہماری رعایا کے حق میں ناانصافی ہوگی یا ملک کے اندرونی امن و سکون اور سلطنت کے عام مفاد کو تقویت پہنچنے کے بجائے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

(۱۴۳) بنگال میں یوروپین افسر کے محکمے مامور کئے گئے ہیں اور جہاں کہیں بھی اسی قسم کے ادارے قائم ہونگے وہاں یوروپین افسران کی خدمات کی ضرورت لاحق ہوگی لیکن اس کے متعلق یہ ایک زبردست سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر پولیس کے انتظام میں ایسی تبدیلی ہوئی جس سے کہ سارے محکمہ پولیس کی اصلاح ہو جائے اور یہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ محکمہ پولیس میں چند کمیشن یافتہ اور غیر کمیشن یافتہ ہندوستانی افسران اور فوجی سپاہیوں کو بھرتی کرنے کے مسئلہ پر جلد توجہ کرے جو مجوزہ درج شدہ یا پنشن یافتہ لوگوں کی فہرست میں سے لئے جائیں یا اگر حکومت مناسب سمجھے تو باضابطہ فوج میں سے اس غرض کے لئے چند علاوہ ان کو منتخب کرلے ہمارے نزدیک اگر پولیس کے فرائض ادا کرنے کیلئے ہندوستانی افسر اور سپاہی ملازم رکھے جائیں تو اس سے بہت کچھ خرچ میں کفایت ہو جائیگی ہندوستانی پولیس افسران اور سپاہیوں کو ایسی ترغیب و تحریص دینی چاہئے جس سے کہ اپنے عہدے کے کام میں کوشش کرنے کا انکو شوق پیدا ہو لیکن ان عہدوں کی تنخواہ میں کم از کم ایک تہائی کی کمی کردینی چاہئے کیونکہ اسکے ساتھ انھیں فوجی خدمت کا الاؤنس بھی ملتا رہیگا۔

نظام نے فوجی افسران اور سپاہیوں کو مامور کرنے کے لئے پولیس کے کچھ عہدے مخصوص نہیں کئے تھے لیکن انھوں نے تحریر کیا کہ مجوزہ انتظام سے جو سیاسی مقصد مدنظر ہے اسے چند معمولی یا جزوی اعتراضات کی بنا پر رد نہیں کرنا چاہئے۔

لہ اس کا کام ضعیف سپاہیوں کو انکی تنخواہ تقسیم کرنا ہے مدراس کے محکمہ پولیس میں کئی فوجی افسران

باب ۱

محکمہ ہندوستانی سپاہیوں کی حوصلہ افزائی اور ترغیب و تحریص کا وسیلہ بن جائے تو اس صورت میں ان یورپی افسران کی خدمات کسی حد تک ضروری ہونگی۔ اس مسئلے کے متعلق ایک اور واقعہ ہے جسے ہرگز نظر انداز نہ کرنا چاہیے کہ فوجی لوگوں کے خیالات اور اصول سب سے جداگانہ ہوتے ہیں اور یہ بات تسلیم کرنی ہوگی کہ جس نے سول کی تعلیم پائی اور اس میں ملازمت کی ہو وہ شاذونادر ہی یہ سمجھ سکتا ہے کہ فوجی سپاہیوں کے ساتھ کس طرح کا برتاؤ کرنا چاہیئے۔ اور یہ دلیل ہندوستان پر بالکل صادق آتی ہے کیونکہ ہندوستانیوں کو فوج میں بھرتی کرنے سے ان کی حالت میں نمایاں تبدیلی پیدا ہوگئی ہے ہندوستانی فوجی سپاہی اگر پولیس میں ملازم رکھے جائینگے تو اُن کے فرائض منصبی کی نوعیت ایسی ہوگی جس سے انھیں اپنے افسروں کے احکام کی پوری پوری پابندی کرنی ہوگی لہذا اس انتظام کو کامیاب بنانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ چند ایسے قابل اور معقول فوجی افسر جو کچھ عرصہ تک ملازمت کر چکے ہوں محکمہ پولیس کے سپرنٹنڈنٹ یا ضلع کے مجسٹریٹ بنائے جائیں۔ اس انتظام سے سویلین عہدیداروں کی حق تلفی نہیں ہوگی اور نہ وہ ایسے عہدوں سے محروم کئے جائینگے جن کے حاصل کرنے کے وہ آرزومند ہوسکیں یا جنھیں اپنے مالی فائدہ کا ذریعہ تصور کریں بلکہ وہ اس قسم کے بے شمار اور تکلیف دہ فرائض سے نجات حاصل کرنا ہی بہتر سمجھیں گے جن پر اگر پوری توجہ کی جائے تو بہت سے بڑے کاموں میں ہرج واقع ہوتا ہے اور جنھیں اگر ایک لمحہ کے لئے بھی نظر انداز کر دیا جائے تو سوسائٹی کے کسی نہ کسی فرد کی جان و مال کو سخت نقصان پہنچ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

اس تجویز پر بہت سے اعتراضات ہوسکتے ہیں کہ فوجی افسران میں یہ ایک وصف سمجھا جاتا ہے کہ وہ میدان جنگ میں نہایت تعجیل کے ساتھ کام کرتے ہیں لیکن بحیثیت سول افسر یہ جلد بازی ایک نقص سمجھی جائے گی۔ امن کے زمانے میں بھی وہ قانون کی حد سے تجاوز کر کے طبعاً سختی سے کام لیں گے اور اس کے باعث

۱۶۴

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ ملازم رکھے گئے ہیں جہاں پر کہ اس محدود تجربہ میں ایسی کامیابی حاصل ہوئی ہے جس سے کہ وسیع پیمانے پر نہایت معقول کامیابی کی توقعات پیدا ہوگئی ہیں کو

باب ۱

سوال افسران کے ساتھ ان کا جھگڑا ہو جانے کا اندیشہ ہے اسی کے ساتھ غالباً یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یورپین فوجی افسران اگر اپنے سرکاری فرائض کو بھول جائیں تو بھی انھیں ان لوگوں سے جن کے سپرد اس تجویز کے مطابق انتظامات قائم رکھنے کا کام ہوگا بجائے مزاحمت کے اعانت ہی ملے گی۔

حکومت ہند کے دیگر مسائل کی طرح اس مسئلہ کا فیصلہ بھی ان فوائد کو پیش نظر رکھکر کرنا چاہیئے جو نقائص کے باوجود باقی رہتا ہے۔ اس مسئلے میں بھی متعدد مشکلات سے ایک کا انتخاب کرنا ہے۔ اگر حفاظت عامہ کے خیال سے پولیس میں ہندوستانی فوجیوں کا ایک جز رکھنا ناگزیر ہے اور اگر ان کے لئے ایسے فوجی عہدیدار بھی ضروری ہیں جن کی ماتحتی میں وہ بیشتر کام کر چکے ہیں تو انتظام میں ایسی تدابیر اختیار کرنی چاہیئں جن سے کہ سلطنت کے دیگر شعبوں کو کچھ نقصان نہ پہنچے اور جس سے سلطنت کو نقصانات پہنچنے کے جملہ اندیشے رفع ہو جائیں۔

(۱۶۵) اس تدبیر پر عملدرآمد کرنے کے لئے غالباً ان لوگوں کو محکمہ پولیس ہی سے بالکل علیحدہ رکھنے کی ضرورت لاحق ہوگی جو فوجی محکمہ سے لئے جائیں گے۔ ایسی صورت میں انھیں اس وقت ادنیٰ عہدوں پر مامور کرنا چاہیئے اور جب وہ ضروری قابلیت پیدا کرلیں تو ان کی کارگزاری دیکھ کر رفتہ رفتہ محکمے کے اعلیٰ عہدوں پر ترقی دینی چاہیئے۔ اس طور سے فوج والوں کے کیرکٹر کی آزمائش ہونے لگے گی اور بعض فوجی افسر سیول محکمے کے دوسرے درجے کے عامل بننے کے قابل ہو جائیں گے اور اتنی ہی ان سے توقع کی جاتی ہے۔ کیونکہ معمولی قسم کے خاص خاص کام ان کے تفویض کئے جائیں گے اگر ابتدا میں اس تجویز کو چھوٹے پیمانے پر آزمائش کی جائے تو بہتر و مناسب ہوگا اور اگر اس میں کامیابی حاصل ہو تو پھر اس کی توسیع آسانی کی جا سکتی ہے۔

مالگذاری

ہماری سلطنت ہند کی مالگذاری جمع کرنے کے مسئلے پر صرف چند خیالات

ظاہر کئے جا سکتے ہیں مالی نقطۂ نظر سے یہ مسئلہ ہماری مرفہ الحالی کے لئے نہایت نتیجہ خیز ہے لیکن جن مسائل پر اس سے پیشتر بحث کی گئی ہے ان سے چونکہ اس کا قریبی تعلق ہے اس لئے اس کی اہمیت بہت زیادہ ہوگئی ہے کیونکہ بلا خوف البطال یہ ماننا پڑے گا کہ مالگذاری کے بندوبست میں جس قدر کامیابی یا ناکامی حاصل ہوگی اسی قدر مقدمہ بازی یا اور جرائم میں کمی یا بیشی ہوگی حقیقت حال یہ ہے کہ ہندوستانی اقوام کی نوعیت اور کیرکٹر کے لحاظ سے ۹۰ فی صد رعایا کی خوش حالی اور آرام و آرائش کا انحصار عدالتی اور سیاسی انتظامات سے کہیں زیادہ مالگذاری کے اہتمام پر ہے۔

(۱۶۶) نامعلوم زمانے سے اہل ہند زراعت پیشہ ہیں اور ابتدا ہی سے اراضی کی غیر معمولی اور بہت چھوٹی تقسیم ہوگئی ہے اور اس کے متعلق جس قدر حقوق ہیں ان میں بادشاہ سے اور اس کے ملازموں سے لے کر گاؤں کے رہنے والے اور کاشتکار جنہیں اپنے اپنے چھوٹے قطعات پر موروثی حقوق حاصل ہیں سب حصہ دار ہیں اراضی کی اس تقسیم کا کوئی صحیح پتہ نہیں لگ سکتا ہے کہ کس زمانے میں ہوئی لیکن اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کے حملہ آور ہونے سے کئی صدی پیشتر یہ تقسیم موجود تھی۔ ان فاتحین نے بجز معدودے چند کے صرف اسی پر اکتفا نہ کیا کہ ہندوؤں کے اداروں کو علی حالہ چھوڑ دیا بلکہ انہیں کو اپنی سلطنت کا جزو بنا لیا اور جنگ و جدال اور بغاوتوں کے زمانہ میں جن میں کہ ہندوستان مبتلا تھا اس کی توقع بھی نہیں ہو سکتی تھی کہ اس کے صوبوں میں کوئی ایک نظام حکومت جاری ہوگا بعض صوبوں کی آبادی کی تبدیلی اور بعض کی کلیتًا بربادی ہونے سے نہایت قدیم اور مقدس اداروں کی ہیئت اور اصول ہی بدل جاتے تھے لیکن راس کماری سے لے کر ہندوستان کی شمالی و مغربی حد تک اراضی کی کاشت اور اس کے متعلقہ حقوق میں ایک نہایت حیرت انگیز یکسانی پائی جاتی ہے۔

(۱۶۷) جس مقام پر فاتح کی تلوار زمیندار یا کاشتکار کے حقوق کو پامال نہیں کرتی ہے وہاں کا زمیندار یا کاشتکار (بشرط ادائے مالگذاری یا حصہ گورنمنٹ) اپنے اجداد کی اراضی اور پیشے قطع میں اراضی کے متعلق جملہ حقوق پانے کا مدعی ہوتا ہے اور اس کو

باب۱ وہ اپنا لازوال ورثہ سمجھتا ہے لیکن جہاں کہیں کہ ظلم اور تشدد سے یہ حقوق پامال کر دیئے جاتے ہیں وہاں کے باشندے اپنے بزرگوں کے طریقے اختیار کر کے یا اپنے فرماں رواؤں کی پالیسی پر کاربند ہو کر یہ حقوق پھر حاصل کر لیتے ہیں۔[1]

جہاں کہیں کہ ایسی حالت تھی وہاں پر گاؤں کے مکھیا اور اس کے زیردستوں کو واقفات کا لحاظ کر کے کم و بیش وہی حقوق عطا کر دیئے گئے جو اُن کے پچھلے حقوق کے مشابہ تھے اور محض اس واقعہ سے کہ کسی شخص کے بزرگوں نے دو تین پشت سے بعض کھیتوں میں کاشت کی ہے اس کو کاشتکارانہ حقوق حاصل ہو جاتے تھے جن کو پھر ظلم اور ناانصافی کے کوئی اور وجہ پامال نہیں کر سکتی تھی۔ ان حقوق کی قیمت اور وسعت میں بے شمار مقامی اختلافات ہوتے تھے لیکن یہ حقوق ہر جگہ موجود تھے اور ایسی اچھی طرح سمجھ لئے گئے تھے اور رواج نے اُن کو اس طرح منظور کر لیا تھا کہ وہ نہ صرف شعبہ مال کے ہر ایک انتظام کی بنیاد بن گئے تھے بلکہ جنگ انقلابات۔ مظالم اور لوٹ مار میں بھی برقرار رہتے تھے۔ (۱۷۸) انہی تعلقات اور اصولوں سے دوبارہ امن قائم کرنے اور خوشحالی پیدا کرنے میں مدد ملتی تھی۔ ان سب باتوں کی صرف وہی لوگ داد دے سکتے ہیں جنہوں نے ان کو بچشم خود ملاحظہ کیا ہے۔

[1] ممالک متوسط میں گاؤں کے موروثی مقامی افسران کے حقوق کی بڑی قدر کی جاتی ہے اور کوئی ملک اس قابل تعریف ادارے کی لازوال نوعیت کے ایسے ثبوت نہیں پیش کر سکتا ہے جیسا کہ پنڈاری کے بعد باشندوں کو اپنے مسمار مکانات میں واپس آنے کے لئے ہر قسم کی ترغیب دی گئی۔ اکثر اضلاع میں بالخصوص دریائے نربدا کے متصل بہت سے دیہات زائد از تیس سال سے ویران پڑے ہوئے تھے ان دیہات کے باشندے منتشر ہو کر ہر قسم کے پیشے کرنے لگے تھے۔ بہت سے پٹیل بے خانماں ہونے سے ڈاکو بن گئے تھے اور اپنے مسمار اور تباہ شدہ دیہات کے قریب رہنے لگے تھے ان کے بعض رشتہ داروں اور دوستوں نے بھی ڈکیتی کا پیشہ اختیار کر لیا تھا۔ بعض کاشتکار اپنے دیہات سے سیکڑوں میل کے فاصلے پر جا کر کاشت کرنے لگے تھے۔ کاشتکاران کی بڑی تعداد شہروں میں چلی گئی تھی جہاں پر ان کو عارضی سکونت کے لئے جگہ مل گئی تھی اور باغات اور کھیتوں میں

باب ا

اس زبردست مسئلہ پر ہم صرف اس قدر بحث کرنا چاہتے ہیں کہ جدید مقبوضات

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ محنت مزدوری کر کے وہ بسر اوقات کرنے لگے تھے لیکن کسی قوم کو اپنی پیدائش کے مقام سے اس درجہ الفت نہیں ہوتی جس قدر کہ ہندوؤں کو ہوتی ہے اور ممالک متوسط کے ہندوؤں کو باوجود تکالیف اور مصیبتوں کے اپنے وطن جانے کا بےحد اشتیاق تھا چر ایک گاؤں کے خاندان اگرچہ ایک دوسرے سے فاصلہ پر مقیم تھے لیکن وہ آپس میں مستقل طور پر خط وکتابت کرتے اور شادی بیاہ کرتے رہتے تھے اور اس مصیبت نے ان کے تعلقات کے رشتوں کو اور مضبوط کر کے ان کو متحد کر دیا تھا۔ جب ان کو اس کا یقین ہو گیا کہ امن قائم ہو گیا ہے تو وہ اپنے مسمار مکانوں میں واپس آ گئے پٹیلوں کے شیر خوار بچوں کو یہ لوگ اپنے سروں پر بٹھا کر لائے اور یہ لوگ جب اپنے گاؤں میں پہنچے تو آپس میں اور حکومت سے بغیر کسی قسم کا جھگڑا کئے زمیندار یا کاشتکار نے مکان کی ہر ایک دیوار اور ہر ایک کھیت پر اپنا اپنا قبضہ کر لیا۔ دیگر قابضوں کے حقوق سے چنداں وقت پیش نہ ہوئی تھی کیونکہ مقامی حکام کو اپنے فائدہ کا کچھ خیال نہ ہوتا تھا اور نو واردوں کے نفع بخش شرائط کو وہ نامنظور کر دیتے تھے کیونکہ یہ امید کی جاتی تھی کہ موروثی زمیندار یا کاشتکار غالباً واپس آ جائے گا جس کو زمیندارانہ یا کاشتکارانہ حقوق حاصل ہیں ان حکام میں سے بدترین اشخاص بھی اپنی سول حکومت اور نظام مالیات کی اس قابل قدر اور مستحکم بنیاد کو برقرار رکھنے کی ضرورت سے ناآشنا نہیں ہیں (سنٹرل انڈیا جلد دوم صفحہ ۲۰) انگریزی حکومت نے شعبہ مال کے انتظام میں سب سے اول زبردست کارروائی یہ کی کہ ۱۷۸۹ء میں صوبہ (۱۹۸) بنگال میں استمراری بندوبست کر دیا۔ اس کارروائی کی خوبیوں نے بڑی بحث پیدا کر دی ہے (۱۹۹)

لے جنوبی ہند کے فاضل مورخ کرنل ولکس نے ہندوستان کی جائداد ارضی کے متعلق ایک پورا باب سپرد قلم کیا ہے اس کی رائیں خاص توجہ کی مستحق ہیں کیونکہ وہ وسیع تحقیقات پر مبنی ہیں اور اپنی تحقیقات سے نتائج اخذ کر کے اس نے صحیح رائے قائم کی ہے ورنہ جو اصول اس نے قائم کئے ہیں اُن کی بآسانی تردید ہو سکتی تھی ہم اس ذہین مصنف کے بیحد ممنون ہیں کہ اُس نے پنچایتی عدالتوں اور دیہاتی محکموں کا مکمل اور صحیح حال سب سے اول بتایا ہے ؎

بابنل (میں کس طور پر اور کس حد تک بند وبست استمراری کو رائج کرنا چاہیئے ؟)

بند وبست استمراری کے اصول اساسی یہ ہیں کہ مالگذاری وصول کرنے میں سہولت ہو۔ مالگذاری کی جلد کمی وبیشی کا کلیتاً خاتمہ کردیا جائے اور کاشتکاری میں اصلاح اور ترقی کی ترغیب دیجائے تاکہ جو لوگ اپنی کاشت کو ترقی دیں وہی اس کے نفع سے بھی مستفید ہوں ؟

بند وبست استمراری رائج کرنے کے وقت لارڈ کارنوالس نے اپنی یہ رائے ظاہر کی تھی کہ بالفرض اگر زمیندار[1] کو اراضی پر بہتر ین حق حاصل ہیں (جو میری رائے میں انکو ضرور حاصل ہے) تاہم ملک کی ترقیات کے بہت سے وجوہ سے انکو یا کسی اور شخص کو یہ حق دینا ضروری ہے لارڈ کارنوالس کے یہ الفاظ ہیں "حکومت کو اس سے کچھ سروکار نہیں کہ اراضی کس کی ملکیت ہے بشرطیکہ وہ اراضی کی کاشت کرے رعیت کی حفاظت اور سرکاری مالگذاری ادا کرے" لارڈ کارنوالس نے جن (۱۷۰)

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ اور اس کے زبردست حامی بھی اب اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اس میں بہت زیادہ عجلت سے کام لیا گیا اور جن اضلاع کا بند وبست استمراری کیا گیا ہے وہاں کے وسائل آمدنی اور وہاں کے باشندوں کے مختلف حقوق اور تعلقات کے متعلق بہت ناکافی معلومات حاصل کی گئی ؟

[1] لفظ زمیندار کے معنی زمین رکھنے والے کے ہیں لیکن ہندوستان کے بعض صوبوں میں تھوڑی سی اراضی کے مالک کو بھی زمیندار کہتے ہیں۔ اور ایک ضلع کے کسانوں کے سردار یا نمایندے کو بھی اکثر زمیندار کہتے ہیں۔ مغل بادشاہوں کے صوبیدار مالگذاری وصول کرنے کیلئے انکو ملازم رکھتے تھے اور اس کے صلے میں زر نقد دیا جاتا یا کچھ اراضی ان کے نامزد کردی جاتی تھی یہ اراضی ان کی خدمات اور فرائض کے لحاظ سے ہوتی تھی اور اس نامزد شدہ اراضی میں ان کو سرکاری حصہ لینے کا اختیار حاصل ہوتا تھا اور ہندو رواج کے مطابق یہ اشیاء ان موروثی بن گئے۔ مسلمانوں کی سلطنت کے زوال پر ان لوگوں نے ایسی اراضیات کو غصب کرلیا اور ان میں سے اکثر نے اس کی قوت سے بھی کام لیا جو ان کی زمینداری

(۱۷۱) باب۲

عام اساسی اصولوں پر عمل کیا تھا ان کی نوعیت مرقومہ بالا واقعات سے پورے طور پر ظاہر ہوتی ہے اہل ہند کے رسم و رواج۔ جذبات اور قوانین کے متعلق کافی معلومات اور تجربہ نے لارڈ کارنوالس کے مشیر سر جان شور کو یہ ترغیب دی کہ اس کارروائی میں تاخیر کی جائے جس کے نقائص کا سر جان شور نے پیشتر سے اندازہ کر لیا تھا لیکن لارڈ کارنوالس کی اس پر جوش خواہش نے جس کو وہ رعایا کے حق میں رحمت اور حکومت کیلئے سودمند تصور کرتا تھا اس کی محبوب تجویز پر عملدرآمد ہونے کے متعلق ہر ایک اعتراض کو سر جان شور کے دل سے رفع کر دیا ؎

چنانچہ اس زبردست تجویز پر فوراً عملدرآمد ہو گیا اور جائدادوں کی اصلی حالت اور مختلف طبقوں بالخصوص طبقہ ادنیٰ کے حقوق میں اصلاح کرنیکا کچھ خیال نہیں کیا گیا گویا یہ توقع کی گئی تھی کہ چند عام اصول جن کے باعث مالگزاری کی وصولیابی میں سہولت ہو گی اور جن کے سبب سے بڑے زمیندار مرفہ الحال ہو کر ملک کی خوشحالی کا موجب ہونگے ایسے فائدے پہنچائیں گے جن سے کہ اُن جملہ خرابیوں کی تلافی ہو جائے گی جن کے پیدا ہونے کا اس وقت اندیشہ کیا جاتا ہے ؎

اس اہم مسئلے کے متعلق جو سرکاری مطبوعات شائع ہوئے ہیں اور جن اصحاب نے بغور اُن کا مطالعہ کیا ہے وہی اس سوال کا جواب دے سکتے ہیں کہ یہ اُمیدیں کس حد تک پوری ہوئی ہیں ؎

اس کا اول شکار زمیندار ہی ہوئے جن کی فلاح کے واسطے یہ تدبیر اختیار کی گئی کیونکہ اس کی رو سے جو جدید فرائض ان پر عائد ہوئے اُن کو اپنے عادات و خصائل کے باعث وہ انجام نہیں دے سکتے ہیں۔ اس کی رو سے اُن کو جو اختیار (۱۷۲)

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ کی حفاظت کے لئے اُن کو دی گئی تھی اور اب ان اراضیات کو انھوں نے اپنی ملکیت قرار دے لیا کیونکہ انھوں نے یا ان کے بزرگوں نے گورنمنٹ کی خدمت کی ہے اس غاصبانہ کارروائی پر بھی اُن کو صرف حق مالگزاری حاصل تھا البتہ موروثی خاندانی جائداد میں ان کو حق ملکیت پہنچتا تھا۔ زمینداران کے حقوق اور قبضہ کی تفصیل کتاب موسومہ سنٹرل انڈیا جلد دوم کے صفحہ ۷ پر دیکھنا چاہئے ؎

باب ۱

حاصل ہو گیا اُس کو بیجا استعمال کر کے وہ اور زمینداروں اور کاشتکاروں پر ظلم کرنے لگے ہیں۔ کاشتکاروں نے شنکا یتوں کا طومار باندھ دیا اور قدیم رسم ورواج کو بطور ثبوت کے پیش کیا۔ چنانچہ ان کے حقوق کی حفاظت کے واسطے بہت سے قوانین یکے بعد دیگرے تیار کئے گئے۔ اس امداد پر بھروسہ کر کے انھوں نے قانون کی پناہ لی اور زمیندار کا مقابلہ کیا جو صرف مقدمات دائر کر کے لگان وصول کر سکتا تھا جس میں کہ بہت کچھ وقت اور روپیہ ضائع ہوا کیونکہ کاشتکار یا تو لگان ادا کرے ورنہ بقایا لگان کی صورت میں اس کی اراضی فروخت کر دینی چاہئے؛

لیکن گورنمنٹ کو وہ اختیار حاصل تھا جو اُس نے زمیندار کو نہیں دیا تھا کہ بلا صرفہ کے سرسری کارروائی کر کے مقدمہ فیصل کر دیا جائے۔ یہاں پر اس کے بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کہ اس قانون اور اپنے عادات و خصائل کے باعث بنگال کے تقریباً کل زمیندار نیست و نابود ہو گئے جن کو چند اصلی یا فرضی حقوق عطا کئے گئے تھے ان کی زمینداریاں ایک ایسے فرقے نے خرید لیں جس کے پاس دولت تھی مگر جس کا کبھی کوئی تعلق کاشتکاروں سے نہیں رہا تھا یہ افسوسناک نتیجہ اس تعجیل کا ہے جس سے کہ بندوبست استمراری جاری کیا گیا اور یہ انجام ہے سوسائٹی کے مختلف فرقوں کے حقوق اور نظام سے لاعلمی کا جس کا تبدیلی کرنے سے قبل علم ہونا چاہئے تھا۔ اس تبدیلی نے زمینداری کے جملہ حقوق پر اپنا اثر دکھایا جو محض ایک قانون بنا دینے سے ایسا زبردست ثابت ہوا ہے جس کی نظیر روئے زمین کے کسی ملک میں نہیں مل سکتی ہے۔ بندوبست استمراری سے خاص

(۱۷۹۳

غرض یہ تھی کہ مالگذاری وصول کرنے کے لئے چونکہ بار بار قواعد تیار کرنے پڑتے تھے اس لئے اس خرابی کو ہمیشہ کے لئے رفع کر دیا جائے لیکن اس کی خوبیاں دیکھنے کے وقت ہم کو چاہئے کہ اس کے اغراض اور اس کے عملدرآمد کے وسائل بھی ملحوظ رکھیں۔ اس میں شک نہیں کہ ہمیشہ کے لئے تقلیل مالگذاری لگا دینا نہایت دانشمندی اور انصاف پر مبنی ہے لیکن وہ رعایت کاشتکاروں کے ساتھ ہونے کی ضرورت تھی جو ہم نے زمینداروں یا ان مالکان زمین کے ساتھ کی ہے جو اس وقت موجود تھے یا جنھیں ہم نے خود بنایا تھا کیونکہ زیادہ مستحق کاشتکار ہی کو زمین پر

باب ۷

حق ملکیت حاصل ہے۔ اگر کوئی زمیندار اراضی کو ترقی دیتے میں روپیہ صرف کرتا ہے تو یہ امر مسرت کا موجب ہے لیکن حکومت نے جو ایثار فلاح عامہ کی خاطر کیا ہے اُس کا بدل اُس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ خوشحال اور کفایت شعار طبقہ کاشتکاروں کو اراضی کے خرید لئے اور اپنی مقبوضہ اراضی پر قابض رہنے کا حق نہ حاصل ہو۔ جو گورنمنٹ کہ مالگذاری میں اضافہ کرنے سے گریز کرتی ہے اُس کو روپیہ کے عام مصارف کے لئے اپنے وسائل آمدنی کی آئندہ ترقیات کو بھی دیکھنا چاہیئے اور اس کے لئے بہتر زمانہ درکار ہے کہ اس فیاضانہ پالیسی کی بدولت جو لوگ دولتمند بن جائیں اُن پر براہ راست کوئی اور محصول لگایا جائے لیکن چونکہ رعایا کی تعداد اور اُن کے آرام آسایش میں ترقی ہو رہی ہے اور وہ ضروریات زندگی اور سامان تعیش کے زیادہ خواہشمند ہو رہے ہیں اس لئے حکومت کو تجارتی محصول میں روز افزوں اضافہ ہونے کی توقع کرنی چاہیئے۔

(۱۸۲۳ء)

بنگال کے استمراری بندوبست کی غلطیوں سے جو تجربہ حاصل ہوا وہ مدراس اور بمبئی کے علاقے میں بندوبست جاری کرنے میں نہایت مفید ثابت ہوا لیکن اس انتظام کی مزید توسیع کی پالیسی پر بہت سے شبہات اور شکوک[1] ہونے لگے اور اس کی توسیع رُک گئی جو اعتراضات کہ پیش کئے گئے وہ اس کے اصول پر نہ تھے بلکہ زیادہ تر طریق عمل پر تھے۔ اگر مکمل معلومات حاصل کر کے اور فریقین کے ساتھ منصفانہ طور پر گورنمنٹ کا مطالبہ اور رعایا کے ادائے مالگذاری میں کسی قانون سے سہولت پیدا کر دی جائے تو جانبین کو اس سے جو فوائد پہنچیں گے اُن سے کون شخص انکار کر سکتا ہے اور عام طور پر یہ بھی تسلیم کر لیا گیا ہے کہ ترقیات کی مسلمہ بنیاد و مناسب مالگذاری

---

[1] لارڈ ولیم بینٹنگ گورنر مدراس نے ان شبہات کی بنا پر بہت سوالات مرتب کر کے شائع کئے تاکہ جو متعلقہ اضلاع کے بندوبست میں اُس کی رہبری کے لئے مزید معلومات حاصل ہو جائیں اس تحقیقات کا نتیجہ حکومت کی کارروائی میں درج کیا گیا اور اس لئے اسکی پہلی رائے کو مزید تقویت دی اور اُس نے گورنر جنرل کی منظوری متعلق زمینداری سسٹم کی مزید توسیع روکنے کے واسطے حاصل کرنے کی غرض سے کلکتہ کا سفر کیا (بحوالہ جنوبی ہند مصنفہ ولکس جلد اول صفحہ ۱۶۷)

باب ۸

لگتا ہے جو قدیم حقوق زمینداری کے تسلیم کر لینے کی عاقلانہ روش ہیں بھی کسی کو کلام
نہیں لیکن اس کے خلاف کہا جاتا ہے کہ جدید کاشتکار پیدا کرنے اور زیادہ سے زیادہ
قیمت لگانے والے کے ہاتھ اراضی فروخت کرنے کی صورت میں ہم کو مناسب
ہے کہ یا تو حکومت کے حق مالگزاری میں سے خریدار کو کچھ حصہ دیکر ہم کو اپنی آمدنی
میں کمی گوارہ کر لینا چاہئے یا اس کو یہ استحقاق دینا چاہئے کہ وہ ادنی زمینداروں
اور موروثی کاشتکاروں سے مروجہ لگان سے کچھ زیادہ وصول کیا کرے کیونکہ
گورنمنٹ جب کبھی مالگزاری معاف کرتی ہے تو اس کا نفع زیادہ تر کاشتکاروں
ہی کو پہنچتا ہے ان میں سے اکثر دلائل مدت کاشت اور رعایا کے عادات و اطوار
کے مقامی اختلافات پر مبنی تھے اور اس اختلاف کی بابت کہا جاتا ہے کہ
اگر ہم اپنی ہندوستانی رعایا کے مختلف فرقوں اور قوموں سے وصول مالگزاری
کے لئے اپنے محکموں میں یکسانی پیدا کرنے پر اصرار کریں گے تو یہ امر ہمارے مفاد
اور ہماری مسلک کے خلاف اور انسانی ہمدردی و دانشمندی سے بعید ہوگا۔ اس کی
بحث میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اگرچہ ہم اپنی گزشتہ کارروائی کالعدم نہیں کر سکتے اور
نہ دئے ہوئے حقوق واپس لینا چاہتے ہیں لیکن اسکے ساتھ ہم نے جو تجربہ حاصل
کیا ہے اور جس کی بنا پر ہم آئندہ کارروائی اختیار کریں گے اس کے فوائد سے ہم کو محروم
نہ رہنا چاہئے۔ اگر تفصیلی تحقیقات سے ہم کو یہ معلوم ہو جائے کہ کسی ایک صوبے کے
باشندے پشتہا پشت سے دوسرے صوبے کے بعض رسم و رواج اور قوانین کے مخالف
ہیں ان کے حقوق میں اختلاف ہے اور وہ کسی دوسرے طریقہ سے مالگزاری دینے
اور اپنے جھگڑوں کو فیصل کرنے کے عادی ہیں تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا
اپنی رعایا کے مختلف تعصبات عادات اور خیالات کے مناسب ہم کو حکومت کرنی
چاہئے یا اپنی سہولت کی غرض سے سب کو ایک لاٹھی ہانکنا چاہئے؟

اگر یہ مناسب معلوم ہو (جو بیشک مناسب ہے) کہ اعلیٰ طبقے کے
ہندوستانیوں کی ترقی کی خاطر ہم اپنی مالگزاری کا ایک حصہ قربان کر دیں جس کے
پانے کے ہم ہر طرح مستحق ہیں کیونکہ ان ہندوستانیوں کی شرافت اور انکی وقعت
سے ہم کو ملک کے اندرونی انتظام میں امداد مل سکتی ہے۔ مثلاً ایک فوجی افسر نے

باب ۱

ہماری فوج میں نمایاں خدمات انجام دیے ہیں یا کسی قانونی آفیسر یا جج نے اعلیٰ قابلیت اور دیانت داری کے ساتھ خدمات انجام دئے ہیں تو ان افسروں کو اور واجب الاحترام کھیا یا پنچایتی عدالت کا صدر اضلاع و دیہات کے مخلص اور مستحق سرداروں کی عزت افزائی انھیں کے ضلع میں کرنی چاہئے ہم کو دیسی حکومت کا اتباع کر کے فائدہ اٹھانا چاہئے جو نیا کنواں بنانے والے یا کوئی مفید قومی کام کرنے والے کو بنجر اراضی عطا کر دیتی ہے۔ دیسی حکومت کی مانند ہم کو بھی کفایت شعار اور جفاکش کاشتکار کی فلاح کی فکر کرنا چاہئے ان ہی طریقوں سے ہم خدمات کا صلہ اور کوشش کرنے کی ترغیب و تحریص دے سکتے ہیں اور اپنی اندرونی حکومت کو طاقتور بنا سکتے ہیں اس مقصد کے حصول کے فی الحقیقت یہی ذرائع ہیں۔ اس کا عملی طریقہ یہ نہیں کہ محض قابلیت کا لحاظ کر کے چند غیر معروف اشخاص کو منتخب کر لیا جائے جن کی نہ کوئی عزت اور نہ جن کے کچھ مقامی تعلقات ہیں اور ان کو چند روپئے دے کر اس کمی کو پورا کر دیا جائے ایسا فعل اپنی کارروائی کو بالکل ضائع کر دینا ہوگا۔

(۱۷۷)

ہماری مشرقی سلطنت کی مختلف حصوں کے صدر مقامات اور بڑے تجارتی شہروں کے قریبی اضلاع میں دولت کی افراط سے سوسائٹی اور جائداد میں عظیم الشان انقلابات پیدا ہوں گے جو اراضی سے نسبت اور ملکیت سے باغی ہو جائے گا اور کاشتکار یا تو اپنے آبائی اور سماجی حقوق سے دست بردار ہو جائیگا یا اپنے نفع کے خیال سے اپنا مال منڈی میں جا کر فروخت کرنے لگے گا اور واقعات سے جو انقلابات رونما ہوں گے ان سے مطمئن ہو کر اور اپنے نفع اور آرام کے خیال سے وہ رفتہ رفتہ اپنے آباؤ اجداد کے طریقوں کو چھوڑ دے گا لیکن ایک ایسی سوسائٹی کی حالت اور تعلقات کی ترقی کن تبدیلی پیدا کرنے کے لئے جو تدابیر ضروری ہیں وہ مقامی اور محدود ہونی چاہئیں کیونکہ یہ تدابیر ہماری جدید سلطنت کے جزو اعظم کے لئے ناموزوں ہیں اور اگر بعض مقامات پر ہم یہ تدابیر عمل میں لائیں گے تو ان کا نتیجہ ہماری خواہش کے بالکل برعکس نکلے گا کیونکہ جن لوگوں کو ہم رضامند کرنا چاہتے ہیں وہ ہم سے بھڑک جائیں گے اور جن مقامات میں کہ ہم

باب۱ امن قائم کرنا چاہتے ہیں وہاں پر یہ لوگ بد امنی پیدا کر دیں گے اور چونکہ وہ ہمارے جذبات اور قوانین سے ناآشنا ہیں اور ہماری نیت اور ارادہ سے ناواقف ہیں اس لئے ان تدابیر کا نتیجہ ہماری حکومت کی بدنامی ہوگا حالانکہ ہماری حکومت کا منشا امن قائم کرنا اور انسانیت و انصاف سے کام کرنا ہے ؎

(۱۷۸) ہندوستان کی مختلف حصوں میں دیسی حکومتوں نے مالگذاری وصول کرنے کے مختلف طریقے اختیار کئے ہیں انھوں نے کبھی تو زمینداروں کو ملازم رکھ کر تحصیل مالگذاری کا کام لیا اور کہیں موضع واری یا رعیت[1] واری بندوبست کیا حکومت مدراس کے بعض اضلاع میں رعیت واری بندوبست جاری کیا گیا ہے جس پر بہت سے اعتراضات ہوئے ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ رعیت واری بندوبست میں بہت زیادہ تفصیلی کام ہے اس لئے حاکم ضلع کو بہت زیادہ چھان بین اور جفاکشی اور غور و فکر سے کام کرنے کی ضرورت ہے جس کی عام طور پر ان میں کمی ہے اور چونکہ اس میں کسان کی محنت کی نسبت سے لگان بڑھایا جاتا ہے اسی وجہ سے کاشتکاروں کے کاہل بن جانے کا احتمال ہے اور بالآخر وہ مفلوک الحال ہو جائیں گے اس بندوبست پر ایک زبردست اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ اس کی بدولت عہدہ داران مال کو ایک ایسا اختیار حاصل ہو جائیگا جس کا وہ بیجا استعمال کرنے لگیں گے کیونکہ ان کے فوائد اور اُن کے فرائض بالکل متضاد ہونگے اول اعتراض کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ کسی درمیانی شخص مثلاً زمیندار کے بجائے اگر کسی یوروپین کے سپرد بندوبست کا تفصیلی کام ہوگا تو یہ امر کاشتکار کے حق میں بہتر ہوگا۔ دوسرے اعتراض کے جواب میں کہا گیا ہے کہ اگر کوئی قابل افسر مال اپنے

---

[1] کھوار یا رعیت داری بندوبست وہ ہے جس میں حکومت فرداً فرداً ہر ایک کاشتکار کی اراضی کا بندوبست کرتی ہے ہر ایک اراضی زیر کاشت پر حکومت ایک خاص رقم بطور سرکاری مالگذاری کے مقرر کر دیتی ہے اور یہ رقم پیداوار کی قیمت کا کوئی خاص جز نہیں ہوتی ہے اور نہ پیداوار کی کمی و بیشی سے اس رقم میں کوئی تبدیلی کی جاتی ہے ؎

پاٹ

ضلع کی تفصیلی حالت سے ایک بار واقف ہو جائے گا تو اس کا کام آسان ہو جائے گا اور اس کی تحقیقات کی تفصیل اور باشندوں کے ساتھ اس کے ربط ضبط کے اثرات سے جج کی محنت بہت کچھ بچ جائے گی۔

(۱۷۹)

تیسرے اعتراض کے متعلق اس بات سے انکار کیا جاتا ہے کہ کسان کی محنت کی نسبت سے لگان میں اضافہ ہوگا اگرچہ پیداوار کی نسبت سے لگان میں بیشی ہو گی۔ عہدے داران مال کے اختیارات کی بابت جو اعتراضات ہیں وہ اس کی دیانت داری پر عدم اعتماد اور رشک و حسد پر مبنی ہیں اور اُن کا یہ جواب ہے کہ یہ اصول خواہ کیسے ہی منصفانہ کیوں نہ ہوں یہ انگلستان کے لئے موزوں ہیں ہندوستان کے لئے ہرگز موزوں و مناسب نہیں ہو سکتے ہیں کیونکہ ہندوستان میں عمدہ قسم کی حکومت قائم کرنے کے لئے ایسے مسائل کی بابت ہم اس قسم کے نظریے قائم کرکے گمراہ ہو جاتے ہیں جو ہماری رعایا کے عادات و اطوار نیز ہماری حکومت کی نوعیت سے بالکل مختلف ہیں ہم نے پوری کامیابی کے ساتھ اپنے بعض صوبوں میں جو طریقہ تشخیص مالگذاری کا جاری کیا ہے اُس کی تائید اور مخالفت میں مرقومہ بالا دلائل پیش کئے گئے ہیں لیکن سارے ہندوستان میں اس کو بندوبست استمراری کی طرح رائج کرنا بھی دانائی کے خلاف ہوگا۔ ہمارے ممالک محروسہ میں بعض مقامات ایسے واقع ہوئے ہیں جنھیں صرف حکومت کی فیاضانہ کوششیں ہی برقرار رکھ سکتی اور ان کو فرفہ الحال بنا سکتی ہیں وہاں پر مالگذاری کا تعین صرف اس امر کی ضمانت ہوگا کہ ان کی ترقی کرنے پر حکومت کو بھی مالی فائدہ اُٹھانے کا امکان پیدا ہو جائے گا۔

ملکوں میں روپیہ آنے کے زراعت کے علاوہ اور بھی ذرائع ہونے چاہئیں تاکہ جنگ و جدال۔ قحط اور امساک باراں کے نقصانات سے حکومت محفوظ رہ سکے لیکن جب تک کہ اس قسم کی حفاظت کا انتظام نہ ہو یہ بات ضرور معقول معلوم ہوتی ہے کہ پیداوار کی بیشی سے رعایا کو جو منافع ملے اُس کا ایک جز حکومت کو بھی دیا جائے۔ یہ اصول کاشتکاروں کے عادات اور خیالات کے مطابق ہے وہ اپنی آمدنی پر ایک منصفانہ اور معتدل مالگذاری دینا پسند کرتے ہیں وہ مالی انتظامات کے متعلق ہمارے اعلیٰ خیالات کو نہیں سمجھتے اور اس لئے وہ

(۱۸۰)

باب۱ ان کو پسند بھی نہیں کرتے ہیں۔ ہماری حکومت سے پیشتر کسی کی عملداری میں بھی بندوبست استمراری نہیں ہوا لیکن تجربے نے ثابت کردیا ہے کہ جہاں پر کہ حکمران عادل تھے وہاں پر اُن کی وصولی مالگذاری کا طریقہ ملک کی ترقی دولت کی افراط اور زمینداری پیدا کرنے کے مطابق تھا۔[1]

ہماری رعایا میں سے کاشتکاروں کا طبقہ رسم ورواج کا بہت زیادہ پابند ہے اس لئے اگر ان کی بہتری کے واسطے کوئی تبدیلی کی جائے تو وہ خوف زدہ ہو جائینگے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں مقابلہ کرنے کی بالکل سکت نہیں ہے اُن کو معلوم ہے کہ وہ کس قدر بار اُٹھانے کے عادی ہیں لیکن اپنی جہالت کی وجہ سے وہ ڈرتے ہیں کہ نہیں معلوم اس کے بجائے ہم پر کون سی مصیبت نازل ہوگی ان وجوہ سے ہمارے مختلف مقبوضات کے لئے ایک عام نظام قائم کرنا اسی طرح خلاف دانائی ہے جس طرح یہ دلیل پیش کرنا غلط ہے کہ ہماری رعایا اُن قوانین کے تحت ایسی آسودہ اور مرفہ الحال نہیں ہوسکتی جن کی کہ وہ عادی ہے جیسی کہ ان قوانین سے ہوسکتی ہے جو ہم اپنی سہولت کے لئے اور اپنے خیال کے بموجب ان کی اصلاح کے لئے جاری کریں۔ (۱۸۱)

زراعت کی توسیع سے ملک کو جو ظاہری ترقی ہوئی اس کو کسی نظام کی آزمائش نہیں کہہ سکتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ جنگ سے مستثنیٰ رہنے کی باعث رعایا کے اس طبقہ کی مردم شماری میں اضافہ ہوگیا ہے جس کا خاص پیشہ کاشتکاری ہے اور ہندوستان کے ہر ایک حصہ کی موجودہ حالت اس امر کا بیّن ثبوت ہے۔ کاشتکار مدت دراز سے جنگ سے مستثنیٰ ہیں اور اس وجہ سے نہایت ظالم دیسی حکومت میں بھی ملک ایسے ہی سرسبز اور شاداب ہیں جس طرح کہ کمپنی کے مقبوضہ

---

[1] رعیت واری بندوبست سے رفتہ رفتہ زمینداری پیدا ہو جائے گی بشرطیکہ مالگذاری معتدل ہو اور ایسے اصولوں پر مبنی ہو جن کو لوگ سمجھ سکتے ہیں اور جن میں کبھی کمی بیشی نہیں ہوتی۔ لگان یا مالگذاری سے کہیں زیادہ اُن اصولوں کو سمجھانے کی ضرورت ہے جن پر کہ مالگذاری کی وصولیابی مبنی کی گئی ہے۔

باب ۱ (۱۶۴۲)

ممالک ہیں اکثر حضرات مفصل تحقیقات[1] کئے جانے سے خوف زدہ ہو تے ہیں کیونکہ ان کا خیال یہ ہے کہ اس کا عملدرآمد اور نتیجہ رعایا کے حق میں مضر ہو گا لیکن حکام کو اپنے علاقے کے متعلق جس قدر مکمل معلومات حاصل ہوں گی اُسی قدر وہاں کے باشندوں پر ظلم و جبر نہ ہو سکے گا تاوقتیکہ ہم یہ فرض نہ کر لیں کہ اس قسم کی معلومات کو ظلم و تشدد کا وسیلہ بنا یا جائے گا۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جہاں کہیں ہم نے بند وبست جاری کیا ہے وہاں پر جو معلومات ہم نے حاصل کی ہے اس معلومات کو ہم نے کاشتکاروں پر سختی کرنے کے لئے استعمال کیا ہے اور اضافۂ مالگذاری کی خواہش نے کاشتکاروں کو اس فائدہ سے محروم کر دیا ہے جس سے لوگوں کو کوشش اور محنت کرنے کی رغبت پیدا ہوتی ہے اگر اس الزام کو رفع حجت کے لئے صحیح بھی مان لیا جائے تو اس سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ ہم نے اپنے علم کا غلط استعمال کیا نہ یہ کہ وہ علم ہی غیر ضروری تھا۔ فی الحقیقت ہم اس بات کو تسلیم کر سکتے ہیں کہ بغیر اس تفصیلی معلومات کے اکثر اہم مسائل میں ہماری حکومت اور قانون سازی محض تاریکی میں ہوتی رہے گی اور منصفانہ اصولوں پر معتدل مالگذاری لگا کر رعایا کو آسودہ حال

---

[1] ایک فرد کی ذاتی جائداد کی طرح صوبۂ گجرات کی تفصیلی پیمائش کی گئی لیکن اس کے متعلق کبھی یہ شکایت پیدا نہیں ہوئی کہ اس سے رعایا کو کچھ تکلیف پہنچی یا اس پر کسی طرح کا ظلم ہوا۔ ہمارے ممالک محروسہ کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہے کہ جہاں کے باشندے گجراتیوں سے زیادہ قانع اور آسودہ حال ہوں۔ مغلوں کی حکومت میں بھی بجز چند مستثنیات کے سارے ہندوستان میں عام طور پر پیمائش ہوتی تھی اور قریباً ہر ایک گاؤں کی پیمائش کاغذات میں درج تھی اس لئے جن دیہات کی پیمائش کے کاغذات ضائع ہو گئے ہیں وہاں کی پیمائش اگر ہم کریں گے تو کاشتکار ہم کو انصاف پسند تصور کریں گے البتہ تفصیلی پیمائش سے زمیندار اور دیگر حضرات جو اراضی پٹے پر دیتے ہیں بے چین اور خوف زدہ ہوتے ہیں کیونکہ وہ زیادہ سے زیادہ لگان مقرر کر کے وصول کر لیتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کی حقیقی آمدنی سے ہم قطعی لاعلم رہیں البتہ جن اضلاع میں کہ پیمائش ہونے کا رواج نہیں ہے اُن کی پیمائش کاشتکاروں کی رضامندی حاصل کرنے پر ہونی چاہیئے جب

بنانے کی ہماری تمنا اس وقت تک پوری نہیں ہو سکے گی جب تک کہ اس مقصد کے حصول کے لئے ہمارے پاس تفصیلی معلومات موجود نہ ہوں اور ہم واضح طور پر اس بات کو نہ سمجھ لیں کہ ہمارے ممالک محروسہ کے مختلف باشندوں کے ہر ایک طبقے کے فوائد کے لئے اور ان کے مناسب حال اُن کے کون کون سے قوانین قابل عمل درآمد ہیں۔ ہندوستان میں ابھی عملداری قائم کرنے اور مالگذاری کے متعلق تفصیلی معلومات حاصل کرنے کے متعلق حال ہی میں بہت سی کارروائی ہوئی ہے لیکن ہماری واقفیت اپنی لاعلمی کے احساس سے صرف چند قدم آگے بڑھی ہے اور ابھی اس کے واسطے بہت سا زمانہ درکار ہے قبل اس کے کہ ہم ایسے واقعات فراہم اور تجربہ حاصل نہ کرلیں جن پر کہ ہم غیر متزلزل انتظامات مستقل طور پر کرنے کی جرأت کر سکتے ہیں اور یہ زمانہ اگرچہ انسانی زندگی کے لحاظ سے طویل ہے لیکن سلطنت کے لئے بہت مختصر ہے۔

(۱۸۳)

محکمہ جات پولیس۔ مال و عدالت کے نظم و نسق کے متعلق بہت کچھ مطالعہ کرنے سے ہم نے جو نتائج اخذ کئے ہیں ان ہی پر ہم نے اپنی مرقومۂ بالا رائے قائم کی ہے گذشتہ تجربہ سے ہمیں یہ ضروری سبق حاصل کرنا چاہیئے کہ ہر ایک ایسی کارروائی میں ہم نہایت احتیاط اور آہستگی کے ساتھ قدم بڑھائیں جن کے تصادم کا اندیشہ رعایا کے تعصبات اور عادات سے ہو سکتا ہے۔ اپنی حکومت کی نوعیت کا لحاظ کرکے ہمیں بیشک بعض ایسے ادارے قائم کرنے ہوں گے جو موجودہ اداروں سے بالکل مختلف ہوں گے لیکن حتی الامکان موجودہ اداروں کو ہمیں اپنی تنظیم میں شامل

(۱۸۴)

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ وسط ہند کے چند اضلاع کے باشندوں نے اس کی مخالفت کی تھی اور ان کے اس حق کو تسلیم کر لیا گیا تھا۔

لے اس دعوی کی صداقت کے لئے قارئین کو محکمہ عدالت اور محکمہ مال کے کاغذات کی ضخیم جلدیں پڑھنا چاہیئے جو ابھی حال ہی میں شائع ہوئی ہیں پھر اُن کو معلوم ہو جائیگا کہ تحقیقات کرنے سے روزانہ نئے اور اہم واقعات معلوم ہوتے جاتے ہیں جن کا اثر رواج اور حقوق کے باعث ہر ایک ایسے مسئلہ پر پڑتا ہے جو اراضی کے حقوق کے متعلق ہو۔

باب۴

کرلینا چاہیئے۔

ہماری قوت کی ترقی تاجروں اور بعض غربا اور بیکسوں کے حق میں ضرور مفید ثابت ہوئی ہے لیکن اعلیٰ طبقہ کے ہندوستانیوں اور بہادر قوموں پر اس کا الٹا اثر پڑا ہے اور ہماری سلطنت کی بقا کا انحصار زیادہ تر ان خرابیوں کے دفعیہ ہی پر ہوگا۔ فتوحات کی ذریعہ سے اپنی عملداری کو توسیع دینے میں اگرچہ ہم کامیاب ہو گئے لیکن اس کامیابی کی بدولت ہمارے ہاتھ سے یہ عظیم الشان فائدہ نکل گیا کہ اس سے پیشتر ہم گذشتہ عملداری کے مظالم اور بد انتظامی کو اپنے یہاں کے انصاف اور خوش انتظامی سے مقابلہ کرکے دونوں کا فرق دکھایا کرتے تھے۔ اب اس نقصان کی تلافی صرف اُس امن سے ہوسکتی ہے جو اپنی دانائی سے ہم اندرونی انتظامات کرکے قائم کرسکتے ہیں لیکن یہ کارروائی عجز و انکسار کے ساتھ نہ کہ غرور اور فخر کے ساتھ کرنی چاہیئے۔

ہمیں اپنے علم کی فضیلت کے جملہ متکبرانہ دعاوی سے اپنے دل کو پاک کرلینا چاہیئے اور جو عظیم الشان مقاصد ہمارے پیش نظر ہیں اُن کو ایسے وسائل سے حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے جو ان مقاصد کی خاص نوعیت کے لئے موزوں ہوں لیکن اگر ہم دوسرا طریقہ اختیار کریں گے تو اُس سے ہم خود مطمئن ہوجائیں گے اور آپس میں ہم ایک دوسرے کی مدح سرائی کریں گے اور انگلستان میں بھی ہماری واہ واہ ہوجائے گی کہ ہم نے ایسی تجاویز اور قوانین ہندوستان میں رائج کئے جن کو انگریز سمجھتے ہیں اور جن کی وہ قدر کرسکتے ہیں لیکن نہ تو ہمارے قوانین کی خوبی اور نہ اُن حضرات کی جفاکشی۔ دیانتداری اور فہم و فراست جو ان پر عملدرآمد کریں گے ان خرابیوں کو دور کرسکے گی جو ہر ایسی تدبیر سے پیدا ہونگی جو اہل ہند جیسی رعایا کے قدیم تعصبات اور ان کی جبلی عادات و خصائل کے مخالف ہونگی۔ اس میں شک نہیں کہ رفتہ رفتہ (۱۸۵) زمانہ خود تبدیلی پیدا کردیگا لیکن ابھی وہ زمانہ بہت دور ہے جب ہم اس تبدیلی کی توقع کرسکتے ہیں اور جب کبھی وہ زمانہ آئے گا تو خود سوسائٹی کی عملی کارروائیوں سے اُن کے حق میں وہ سودمند اور بہتر ہوگا۔ ہم نے اس کتاب کے اوراق میں بار بار یہی بات ذہن نشین کرانے کی کوشش کی ہے۔ حکومت تو صرف اس قدر کرسکتی ہے کہ ملک کے اندر امن قائم کردے اور رعایا کے عادات و خصائل و جذبات کا

باب ۱

لحاظ کر کے قوانین اور اصول مقرر کر دے تاکہ رفتہ رفتہ اور خوشی کے ساتھ حسب مراد ترقی ہونے لگے لیکن حکومت کو اس کا خیال ضرور رکھنا چاہیے کہ اگر اس مقصد کے حصول میں جلد بازی سے کام لیا جائے گا تو اس تعجیل سے اصل مقصد کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہے ؛

سول سروس

سلطنت ہند کے اندرونی انتظامات کے مختلف محکموں کے متعلق اپنی رائے ظاہر کر دینے سے ہم کو یہ خیال پیدا ہوا کہ ان سرکاری افسروں کے کیرکٹر کا بھی معائنہ کریں جو عملاً سارا انتظام کر رہے ہیں اگرچہ کمپنی کی سول سروس میں بہت سے انقلابات پیدا ہوئے لیکن ہر ایک زمانے اور ہر ایک انتظام کے تحت اس سلسلے نہایت قابل اور مشہور لوگ پیدا کئے ہیں ؛

ہماری عملداری کے ابتدائی زمانے میں ہندوستان کا نظم و نسق جن لوگوں کے ہاتھ میں تھا انھوں نے دانشمندی سے کام لیکر وہاں کے انتظام کیلئے ان قوانین سے روگردانی کرنے میں عجلت بہت نہیں کی جو اس وقت وہاں پر جاری تھے کچھ عرصہ تک ہندوستانی اور یوروپین مل جل کر مالی اور عدالتی خدمات انجام دیتے رہے۔ جس زمانے تک یہ حالت رہی اُس وقت یوروپین سویلین ہندوستان کی زبانوں[1] اور دفتر کے کام کی تفصیلات سے آگاہ نہ ہوتا تھا اگرچہ وہ کسی ضلع یا محکمہ کا (۱۸۶) اعلیٰ افسر ہوتا تھا۔ دفتر کا تفصیلی کام شریف ہندوستانیوں کے سپرد تھا اور اُن کو اپنے عہدہ کے لحاظ سے وہی مشاہرہ ملتا رہا جو اسی عہدہ پر ہندوستانی حکومت کے

[1] یہ ریمارک مدراس اور بمبئی کی زبانوں کی بابت ہے۔ بنگالی زبان کے متعلق نہیں ہے کیونکہ ابتدائی زمانہ ہی سے سویلین بنگالی جانتے تھے اور بعض سویلین تو فارسی کے مسلمہ عالم تھے ؛

زمانے میں دیا جاتا تھا۔ اس انتظام میں خوبیاں اور نقائص دونوں موجود تھے
اور اگر اس میں کوئی فوری تبدیلی پیدا کر دی جاتی تو غالباً ہماری عملداری کی ترقی میں
بہت سخت موانعات حائل ہو جاتے کیونکہ ہماری ترقی میں اُن ہندوستانیوں کے
رتبہ اور اثر سے بڑی امداد ملی جو یورپین حکام کے ساتھ کام کرنے کے لئے
ملازم رکھے گئے تھے لیکن جب یورپین حکام کو کام کی تفصیلات سے واقفیت حاصل
ہو گئی اُس وقت سے ہندوستانی ملازمان کی نہ وہ عزت رہی اور نہ وہ تنخواہیں رہیں
جو انھیں پیشتر ملتی تھیں۔ اس تبدیلی سے بہت سے ہندوستانی ملازمت سے
کنارہ کش ہو گئے اور اُن کی جگہ پر ادنیٰ طبقے کے ذلیل لوگ مقرر ہو گئے جو ناجائز وسائل
سے روپیہ پیدا کرنے میں ہرچند ان محتاط نہ تھے اور نہ اُن کا کوئی ذاتی وقار رعایا
کی نظر میں تھا حالانکہ ان کے پیشرووں کے ذاتی وقار سے اُن کا عہدہ بھی معزز
مانا جاتا تھا۔ ان نئے ملازمان نے ناجائز طریقوں سے نفع حاصل کیا اور انھوں
نے اپنا ناواجب اثر اور اختیار برقرار رکھنے کے لئے کوششیں کیں اور اس وجہ
سے ان ملازموں نے نہ صرف اپنے کو بلکہ اُن سب کو حقیر اور ذلیل کیا جنھوں نے
ان کا اعتبار کیا تھا اور ان کو ملازم رکھا تھا۔

(۱۸۷) مقامِ شکر ہے کہ اب ایسی تبدیلی واقع ہو گئی ہے جس کے باعث کمپنی کے سول
ملازمان میں اپنے فرائض کو زیادہ خوبی سے انجام دینے کی ذاتی قابلیت موجود ہے لیکن
اس سے یہ غلط نتیجہ نہ نکالنا چاہئے کہ پچھلے انتظام میں کچھ خوبیاں نہ تھیں اور موجودہ
انتظام میں کوئی نقص ہی نہیں ہے۔ پہلے سول افسران پر اکثر نہایت ناسمجھانہ
اعتراضات کئے گئے ہیں۔ یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ یہ حکام عام طور پر نہ تو ہندوستانی
زبانوں سے اس قدر واقف تھے اور نہ دفتر کے تفصیلی کاموں سے ان کو اس
درجہ آگاہی حاصل تھی جس قدر کہ آجکل ہے اور یہ کہنا بالکل درست ہے کہ ان حکام
کی آمدنی کے جو وسائل تھے وہ آج کل کے مقررہ ذرائع سے کہیں زیادہ مبہم تھے
اور ان میں بددیانتی کا زیادہ امکان تھا۔ لیکن ہماری ابتدائی عملداری کی نوعیت
کے باعث ہندوستانی زبان کی واقفیت اگرچہ روزمرہ کی کارروائی میں بڑی ممد
معاون ہوتی تھی لیکن جس طور پر اس سے کام لیا جاتا تھا وہ چنداں موثر اور نتیجہ خیز

باب ۱

نہ سمجھا جاتا تھا۔ ملک کے نظم و نسق کے اصلاح شدہ نظام میں دیسی زبان کی واقفیت کی شرط ان عہدوں کے لئے لازمی قرار دیدی گئی ہے لیکن ایک قابل سیویلین کے تیار کرنے میں جفاکشی۔ اصول کی سخت پابندی۔ عام واقفیت۔ اور عقل سلیم کے مقابلے میں دیسی زبان کی واقفیت ادنیٰ درجہ پا سکتی ہے کیونکہ اس عہدے کی نوعیت کا اندازہ کرنے میں اس کی وقعت اسی قدر ہو سکتی ہے جس کی وہ مستحق ہے۔ ان اوصاف کو ترقی دینے اور اُن سے مفید طریقے پر کام لینے میں دیسی زبانوں کی واقفیت سے ضرور امداد ملتی ہے لیکن اگر محولۂ بالا اوصاف موجود نہ ہوں تو محض دیسی زبان کی واقفیت بے سود ہے اور جب اس کے حصول پر زیادہ زور دیا

(۱۸۸) گیا ہے تو بسا اوقات اس سے پبلک کو نقصانات پہنچے ہیں اگرچہ کمپنی کے پہلے سول حکام اپنے عہدے کے ذیلی امور اس طور پر انجام نہیں دیتے تھے جس طرح کہ وہ آج کل کرتے ہیں لیکن سرکاری کاغذات سے پورے طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اُن میں عام معلومات اور ذاتی قابلیت کی کچھ کمی نہ تھی البتہ طرز حکومت میں فرق تھا اور اسی وجہ سے جن ذرائع سے اُن کی خدمات کا معاوضہ دیا جاتا تھا وہ بھی مختلف تھے۔ تو وہ تنخواہ کی بجائے وہ آمدنی کا کچھ حصہ اور اپنی محنت کا معاوضہ ہندوستانی عہدے داروں کی طرح جن کی جگہ انھوں نے لی تھی وصول کر لیتے تھے اور انکی حکومت نے اسے جائز قرار دے دیا تھا۔ ہندوستان کی حکومت سے انگلستان کی جس جماعت سے تعلق تھا اس کی نوعیت کے لحاظ سے بھی یہ موزوں تھا اس لئے ہماری ابتدائی عملداری کے لئے یہی طریقہ نہایت مناسب سمجھا گیا لیکن اس انتظام کی خرابیاں ظاہر ہونے لگیں اور اُن کی اصلاح کر دی گئی لیکن جب تک کہ یہ انتظام برقرار رہا تو اس وقت تک سیویلین جن کو چند واضح اور مسلمہ ذرائع سے تنخواہ دی جاتی تھی انگلستان کے چند اعلیٰ حکام سے زیادہ قابل الزام نہ تھے جن کو ہمارے بزرگوں کے مقرر کردہ طریقہ کے مطابق فیس یا جرمانہ کی آمدنی سے تنخواہ ملتی تھی۔

البتہ کمپنی کی سول سروس کے متعلق چند امور غور طلب ہیں لارڈ کلائیو کے

(۱۸۹) زمانے سے لیکر اس وقت تک ان لوگوں کے متعلق یکساں شکایتیں ہوتی ہیں۔ ان کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ ہندوستان میں آتے ہی یہ لوگ فضول خرچ

باٹیا

ہو جاتے ہیں اس وجہ سے عموماً یہ لوگ بہت زیادہ مقروض رہتے ہیں اور اسی کے باعث ان میں بعض ایسے خصائل پیدا ہو جاتے ہیں جو ان کی ذاتی دقعت اور مسرت اور سرکاری ملازمت کے مفاد اور فلاح کے خلاف ہوتے ہیں۔ عام طور پر یہ ایک مسلمہ واقعہ ہے لیکن اس خرابی کا علاج نہیں معلوم کیا گیا ہے اپنی خدمات کا بیش بہا معاوضہ ملنے سے فضول خرچی کی عادت پڑ جانا اُن کی نوعمری اور آئندہ ترقیات کا لحاظ کرتے ہوئے ایک قدرتی فعل ہے۔ شباب امیدوں سے پُر ہوتا ہے اور ان توقعات کے بر آنے کے واسطے مشکلات دور کرنے کے لئے جو ذرائع سوچے جاتے ہیں وہ اکثر غلط ثابت ہوتے ہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ زندگی کے دوسرے شعبوں میں ایسے پختہ خیال کے نوجوان موجود ہیں جو نوجوانی کی ایسی ترغیبات پر پورا قابو رکھتے ہیں اور حصول آزادی کے مبارک خیال سے کفایت شعاری کی عادتیں اختیار کر لیتے ہیں اور ساتھ ہی یہ لوگ روپیہ بچانے کے ذلیل خیالات سے بھی بالکل مبرا ہوتے ہیں۔ ہم ایسے اثرات بہترین توقعات ترقی رکھنے والے نوجوانوں میں اپنے گرد و پیش دیکھتے ہیں ان لوگوں نے تجارت وکالت یا سرکاری ملازمت کے لئے ضروری تعلیم حاصل کی ہے اور اس لئے ہمیں مطمئن ہو جانا چاہئے کہ جس مقصود کے ہم متلاشی ہیں وہ ترغیبات کے مناظر میں بھی دستیاب ہو سکتا ہے اُن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جائے گا کہ انگلستان کے دارالحکومت میں ہندوستان سے کہیں زیادہ فضول خرچی کی رغبت ہو سکتی ہے ؛

اس بات پر غور کرنا ضروری ہے کہ آیا کمپنی کے نوجوان سول ملازموں کی تربیت اور ان کے فرائض منصبی میں کوئی ایسی بات موجود ہے جو اس حیرت انگیز فرق کا موجب ہو سکتی ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ فضول خرچی کی عادت اس وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے کہ نوجوان سویلین کو یہ یقین ہوتا ہے کہ آئندہ وہ کسی بڑے عہدہ پر جا پہنچے گا اور اس بات پر ہرگز کوئی اعتراض نہیں کہ وہ شروع میں اسسٹنٹ کلکٹر یا جج مقرر ہوتا ہے اور پھر اپنی جفاکشی اور تجربے سے رفتہ رفتہ ترقی کر کے اعلیٰ عہدے تک کیوں جا پہنچتا ہے۔ یہ امر ناگزیر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ نوجوانوں کے اوصاف ان کے رتبے کے شایان شان ہونے چاہئیں لیکن اس کے ساتھ ہی یہ دلیل پیش کی

(۱۹۰)

باب

جاتی ہے جو بالکل درست ہے کہ ساری تعلیم و تربیت کا تو محض یہ اثر ہو سکتا ہے کہ نوجوانوں میں ضابطہ کی پابندی آجائے اور اُن کے خصائل اس قسم کے ہو جائیں جن سے کہ اُن میں واقفات اور تجربہ سے اپنی معلومات میں اضافہ کرنے کی قوت پیدا ہو جائے لیکن یہ معلومات انکے حق میں اسی وقت مفید ہو سکتے ہیں جب اُن کی عمر کی ترقی کے ساتھ ان معلومات میں بھی اضافہ ہوتا رہے اور ساتھ ساتھ اُن کے عادات و اطوار درست ہوتے رہیں جو رفتہ رفتہ ان کے کیرکٹر کو ترقی دینے کا موجب ہو جائیں۔

کمپنی کے نوجوان سول ملازم کو پورا یقین ہوتا ہے کہ کبھی نہ کسی محکمے میں اس کو ضرور جگہ مل جائے گی۔ قابلیت کی کمی اُس کی ترقی کے مانع ہو سکتی ہے۔ لیکن اُس کی بے ڈھنگی عادتیں اور اُس کی مقروضی اس کی ترقی کے مانع نہیں ہو سکتی ہے لیکن اگر مقابلہ کر کے دیکھا جائے تو انگلستان کے نوجوان سرکاری ملازموں کی حالت اس سے کس قدر مختلف معلوم ہوتی ہے کیونکہ انھیں خواہ کیسی ہی آزادانہ تعلیم کیوں نہ دی گئی ہو وہ زینہ کی اول سیڑھی کو ہمیشہ غور سے دیکھتے رہتے ہیں کیونکہ انھیں بخوبی معلوم ہے کہ اوباشی۔ فضول خرچی اور مقروضی ہر قدم پر اُن کی ترقی کے مانع ہوگی اور اپنے گرد و پیش وہ ایسی مثالیں دیکھتے رہتے ہیں جو متنبہ کرتی رہتی ہیں اور جن کو دیکھکر وہ اس زینہ کی آخری سیڑھی پر جا پہنچنے کے لئے نہایت باقاعدہ اور مسلسل کوشش کرتے رہتے ہیں۔

(۱۹۱)

اس سوال کے اس پہلو پر بہت زیادہ بحث ہوئی جس کا تعلق اُن کالجوں سے ہے جو ہندوستان کی سول سروس کے لئے نوجوانوں کو تعلیم دینے کی غرض سے قائم کئے گئے ہیں کلکتہ[۱] اور ہیلی بری کے کالجوں میں دیگر درسگاہوں کی طرح خوبیاں اور خرابیاں دونوں موجود ہیں۔

---

[۱] مدراس کا کالج کلکتہ کے کالجوں سے بالکل مختلف اصول پر قائم کیا گیا ہے اس میں ہندوستانی اور دو نوجوان سویلین تعلیم پاتے ہیں جو پڑھتے تو اپنے مکانوں پر ہیں اور کالج میں آکر سالانہ امتحان دیدیتے ہیں لیکن پہلے ہی اُن کی تنخواہ یا الاونس میں ترقی ہونے سے پیشتر یہ شرط ہے کہ وہ خود قابلیت حاصل کر کے دیسی زبانوں کا امتحان پاس کریں۔

باب ۱

سول ملازماں کو کم عمری کے زمانے میں یہاں کے انتہائی کی مقامات پر پہنچنے سے اُن کی بہت سی بری عادات کی خود بخود اصلاح ہوگئی اس انتظام سے سول ملازماں میں اپنے فرائض انجام دینے کی عام قابلیت پیدا ہوگئی اور چونکہ اس درسگاہ کو نوجوان سول ملازمان کے کیرکٹر سے واقف ہونے کا موقع ملتا ہے اس لئے اسکی بدولت حکومت ای ان کو ایسے عہدوں پر مقرر کرنے کے قابل ہوگئی جس کے لئے ان میں ضروری اوصاف (۱۹۲) موجود تھے اور اپنے آقاؤں سے تعلیم پانے کے باعث اُن میں شوق مقابلہ کا مادہ پیدا ہوگیا جس سے انھوں نے اپنے کو ممتاز اور نمایاں کرنے کے لئے اس قدر کوشش کی جو دوسری صورت میں وہ کبھی ہرگز نہ کرتے اس سے بڑے بڑے فوائد حاصل ہوئے لیکن نوجوانوں کی جماعت کو کلکتہ جیسے بڑے شہر میں ایک مقام پر مجتمع کردینے سے بڑی خرابی یہ پیدا ہوگئی کہ ایسی جگہ پر فضول خرچی کو روکنا اگر ناممکن نہیں تو بہت دشوار ضرور تھا کیونکہ اس شہر میں اسراف کی ترغیبات اور پھر اپنے شوق کو پورا کرنے کی سہولتیں موجود تھیں ایسے مقام پر ان کی عمر اور اس شہر کی حالت کے لحاظ سے ان کے چال چلن کی نہایت سختی کے ساتھ نگرانی کرنے اور ضابطہ کی پورے طور پر پابندی کرانے کی ضرورت تھی ؞

انگلستان کا کالج ایک بڑے پیمانے پر ہے اور اپنے فاضل اساتذہ کی تعلیم سے پورے طور پر مستفید ہونے کی ہر طرح کی سہولت موجود ہے ؞

ہماری یہ غرض نہیں ہے کہ اس کالج کی حمایت اور مخالفت میں جو دلائل کہ پیش کئے گئے ہیں ان پر ہم تفصیلی بحث کریں البتہ اس سوال کا یہ حصہ خاص طور پر توجہ کرنے کے لائق ہے کہ کس عمر کے طلبا اس کالج میں داخل کئے جائیں اور اس کے متعلق

لے اس موقع پر ہم صرف فورٹ ولیم کالج کا تذکرہ کرتے ہیں جس میں سول ملازمان کو ہندوستان پہنچنے پر تعلیم دی جاتی تھی۔ اس مفید درسگاہ کو علاوہ تعلیم و تربیت کے یہ فخر بھی حاصل ہے کہ اس کے فاضل یورپین اور ہندوستانی اساتذہ نے ملک کی اور بہت سی شاندار خدمات انجام دی ہیں حکومت کو چاہیئے کہ اسکو اگر زیادہ نہیں تو کم از کم ایک علمی مقام ہمیشہ تصور کرتی رہے جو نوجوانوں کو مفید علوم کی تعلیم دینے کے واسطے قایم کیا گیا ہے اور اس خدمت کو وہ نہایت خوبی کے ساتھ انجام دے رہا ہے ؞

بانبلا (۱۹۳)

لوگوں کی رائیں مختلف ہیں جن اصحاب نے کہ سرکاری ملازمت کے مختلف شعبوں میں ان نوجوانوں کی ترقیات کا بغور معائنہ کیا ہے غالباً اُن کی یہی رائے ہوگی کہ مختلف طریقوں کی خوبیاں اور خرابیاں جانچنے کے بعد نوجوانوں کو عمدہ طور پر تعلیم دے کر ۱۷یا زیادہ سے زیادہ ۱۸ سال کی عمر میں اس ملک میں بھیجنا مناسب ہوگا اس سے بجائے کسی نقصان کے زیادہ فائدہ پہنچنے ہی کی توقع ہو سکتی ہے۔ یہ درست ہے کہ انگلستان میں ایک یا دو سال تک اور تعلیم پانے سے وہ اور زیادہ قابلیت حاصل کریں گے اور بعض طلبا تو زیادہ تعلیم پانے سے شہرت اور ناموری بھی حاصل کریں گے لیکن نامور لوگ بنانا تو ہمارا مقصد نہیں ہے (نامور، تو وہ خود ہی بنجائیں گے) بلکہ ایک ایسی جماعت تیار کرنا ہمارا مقصد ہے جو اپنے فرائض منصبی کو خوش اسلوبی سے ادا کرسکے اور اس وجہ سے ان کی ایسی عمر ہونی چاہئے کہ ابتدا میں جو کام اُن کے سپرد کیا جائے وہ اپنے کو اُسی کے مطابق بناسکیں ہندوستان کی ملازمت میں داخل ہونے پر سارے علم و فضل سے بڑھ کر اگر اس کے ساتھ دماغ میں نخوت اور ہمہ دانی کا تکبر شامل ہوگیا جو نوجوانی کے لوازمات میں سے ہے۔ اپنی کمزوریوں کا عاجزانہ احساس کہیں زیادہ سودمند ہوگا انگلستان میں زیادہ پختہ عمر ہونے تک قیام کرنے کی تائید میں یہ دلیل بھی پیش کی جاتی ہے کہ تکمیل تعلیم کے علاوہ وہ اچھے اصولوں کے پابند ہوجائیں گے اور انھیں اپنے وطن سے الفت اور اس کے متعلق واقفیت پیدا ہوجائیگی۔ اگر یہ نتائج یقینی ہوں تو اس سے زیادہ اور کیا مناسب ہوسکتا ہے۔ مستثنیات کو چھوڑ کر عام طور پر ہم یہی فرض کرسکتے ہیں کہ ۱۷ سے ۲۰ سال تک کی عمر میں عادات و خصائل اور اصول زندگی بجائے عقل اور ترقی پذیر ہونے کے بے ثبات

(۱۹۴)

اور متزلزل ہوتے ہیں بالخصوص ایسی صورت میں جبکہ کسی نوجوان کو اس قسم کے خطرات لاحق ہوں جو نہایت باقاعدہ محکموں میں ان کی کمی تعداد کی باعث ضرور پیدا ہونگے اور جبکہ اُن کے والدین اور اعزا عرصۂ دراز کے لئے جدائی ہونے کے خیال سے اُن کے شوق اور حوصلے کو پورا کرنے کی خاص کوشش کریں گے۔ علاوہ بریں نوجوانی میں اپنے ملک کے عیش پرستی کے وسائل سے حظ اٹھانے کی خواہش ہوگی لیکن آئندہ جس طرح کی زندگی انھیں بسر کرنا ہے اس کے واسطے یہ کچھ خوش آیند

باب

تیاری نہ ہوگی ایسی صورتیں جب انھیں یہ خیال ہوگا کہ اس طرح عمر کا بڑا حصہ گزارنا ہے تو یا تو وہ اس جگہ سے ناراض ہوکر واپس آجائیں گے یا پھر نہایت لاپروائی کے ساتھ وہ ان نعمتوں کی تلافی کے لئے جس سے وہ اپنے آپ کو محروم سمجھیں گے فضول خرچ بن جائیں گے ؛

اس بات سے انکار نہیں ہوسکتا کہ نو عمری میں جو لوگ کہ ہندوستانی ملازمت اختیار کرلیتے ہیں انھیں چند خطرات پیش آتے ہیں اور ان میں سے بعض خطرات بہت بڑے ہیں لیکن جو شخص کہ زیادہ عمر میں ملازمت کرے گا اُس کی بہ نسبت کم عمری میں ملازمت اختیار کرلینے میں یہ بہتری ہے کہ وہ اپنی ملازمت کے مختلف مدارج میں شامل رہے گا اور اپنے کو مفید ثابت کرسکے گا ؛

علاوہ بریں چند ضروری اوصاف اور نیک چلنی کی شہادت ضروری ہے اور کسی نوجوان کو ہندوستانی سول سروس کیلئے جانے کی اجازت نہ دینی چاہیئے جبتک کہ اس میں یہ اوصاف نہ موجود ہوں لیکن اگر اس ملک کے قوانین پر سختی کے ساتھ عملدرآمد کیا جائے اور ان کے عہدہ اور تنخواہ کی ترقی کا انحصار حصول قابلیت پر کردیا جائے اور یہ بھی طے کردیا جائے کہ اگر سفر دشمنی اور فضول خرچی کی وجہ سے اُن کی ترقی مسدود ہوگی تو کم از کم (۱۹۵) اس میں حارج ضرور ہوگی تو پھر بھی یہ توقع بجا طور پر ہوسکتی ہے کہ اس اصلاح سے موجودہ انتظام کے بہت سے نقائص رفع ہوجائیں گے لیکن اس کو موثر بنانے کے لئے بہت سی تبدیلیاں کرنی پڑینگی۔ بحالت موجودہ سول ملازم چند خاص قابلیتیں حاصل کرنے کے لئے مجبور ہے قبل اس کے کہ وہ ملازمت میں لیا جائے اور جب وہ دفتر میں ہوتا ہے تو اس کو بہت سا وقت سرکاری خدمات کے انجام دینے میں صرف

۱ے کئی مرتبہ یہ قاعدہ مقرر کیا گیا لیکن اس پر کبھی سختی سے عملدرآمد نہیں ہوا جس کے وجوہ ظاہر ہیں۔ کیونکہ ایسے قوانین انگریزی حکومت کے خیالات کے سخت خلاف ہیں جو سرکاری ملازمان کے پرائیوٹ معاملات میں دست اندازی کریں لیکن جبکہ اس سے ہمارے ملک کی شہرت اور اغراض وابستہ ہوں تو ایسی صورت میں اس فرض کے ادا کرنے میں کوتاہی نہ کرنی چاہیئے ؛

باب ۱۱

کرنا ہوتا ہے اور اگرچہ خاص خاص حالتوں میں بعض بے ڈھنگی عادتیں اور اس کی مقرر ہ سرکاری کام میں حارج اور مانع نہیں ہوتیں لیکن ان عیوب سے نہ صرف اس کے بہترین جذبات کے مردہ ہونے بلکہ اس کے اصولوں کے ٹوٹ جانے کا بھی اندیشہ ہے اور وہ ایسے اثرات کے تحت میں بھی آسکتا ہے جو اُس کی ذاتی شہرت اور سلطنت کے اغراض کے حق میں مضرت ناک ثابت ہوں۔

زندگی کے دیگر شعبوں میں نوجوانوں کی جو مثال ہمارے پیش نظر ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا مقصد حاصل ہو سکتا ہے اور اس سے وہ طریقہ معلوم ہو جاتا ہے جس سے کہ یہ خرابی دور ہو سکتی ہے لیکن ایسی احتیاط کے ساتھ اس پر عمل کرنا چاہیئے جس سے کہ یہ ملازمت (۱۹۶) حوصلہ افزا ثابت ہو نہ کہ حوصلہ شکن بن جائے ملازمت میں جو نوجوان داخل ہوتے ہیں ان کے رشتہ داروں اور پبلک کے مفاد کے لحاظ سے ہمیں ہندوستان کے موجودہ قواعد سے زیادہ سخت ضابطہ اُن کے واسطے مقرر کرنا چاہیئے۔ انھیں زیادہ تر اس قسم کی تعلیم دینی چاہیئے جس سے کہ ان میں اپنی ملازمت کی ابتدائی خدمات انجام دینے کی قابلیت پیدا ہو جائے اور اس میں اُن کے ساتھ کسی قسم کی ہرگز رعایت نہ کرنی چاہیئے تاکہ اس قسم کی قابلیت اور مستعدی پیدا ہو جانے کے بعد وہ اپنے افسران بالادست کو امداد دے سکیں جن کی ماتحتی میں کہ انکو کام کرنا ہوگا اور انکی کارگذاری اور چال چلن کے متعلق افسران بالادست کی رپورٹ پر انکی ترقی منحصر ہونی چاہیئے اور اگر کوئی نوجوان سویلین ملازمت کے لئے ضروری قابلیت حاصل نہ کرے یا اپنی کاہلی اور بے ضابطگی کا ثبوت دے تو چند سال بعد اسے انگلستان واپس بھیج دینا چاہیئے بظاہر یہ بہت سختی معلوم ہوتی ہے لیکن اگر امیدواروں کو معلوم ہو جائے کہ نالائقی اور بد چلنی کا یہ انجام ضرور ہوگا تو (۱۹۷) شاذ و نادر ہی یہ سزا دینی پڑیگی پھر ایسے والدین جنھیں اپنے لڑکوں کی قابلیت یا چال چلن کے متعلق کچھ بھی شکوک ہوں گے اس قسم کی آزمائش کے لئے ہرگز آمادہ نہ ہونگے۔ اور پھر ہر ایک معقول اور شریف شخص حماقت۔ فضول خرچی اور بد چلنی سے باز رہیگا کیونکہ اُسے یہ خوف لگا رہیگا کہ ان ناشائستہ حرکات سے وہ اپنے اور دوسروں کو شرمندہ کرنے اور مصیبت میں

لہ اکثر یہ شکایت کی گئی ہے کہ اگر ہیلیبری کالج کا کوئی ۱۶ سالہ طالب علم ہندوستان کو جانا پسند نہیں کرتا تو اس کے اختیار میں ہے کہ اپنی طفلانہ حرکت سے وہ اپنی عمر بھر کی ساری توقعات کو ضائع

باب۱۔

پھنسانے کا موجب ہوجائے گا لیکن بالفرض اگر کبھی اس کے برعکس نتیجہ برآمد ہو تو چند لوگوں کو اس قسم کی معقول سزا دینے سے نہایت مفید مثال قایم ہوجائیگی اور ہندوستان کے موجودہ اور آیندہ سول افسروں کی نیک نفسی اور قابلیت کو پیش نظر رکھ کر اس بات کا گمان نہیں ہوسکتا کہ ان میں سے کوئی نوجوانوں یا اُن کے متعلقین ومعاونین کا لحاظ کرکے کسی ایسے قاعدے کی پابندی یا عملدرآمد میں جو اس اہم مقصد کے حصول کے لئے اختیار کیا جائے بداخلت کرے گا۔ بہت سے چھوٹے انتظامات سے اس تدبیر کی کامیابی میں مدد مل سکتی ہے لیکن یہ امر یقینی ہے کہ جس وقت سے کہ اس قسم کی سخت کارروائی شروع ہوگی اُس وقت سے کاہلی اور فضول خرچی کی مثالیں شاذ رہ جائینگی نہ صرف افراد اور ان کے احباب کاہلی اور فضول خرچی کے مخالف بن جائیں گے بلکہ سرے سے ان کے وسائل ہی مفقود ہوجائیں گے۔

اور پھر ان لوگوں کو قرضہ نہیں دیا جائے گا جن کی مسرفانہ عادت ان کو

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ کر دیتا ہے اور اپنے کالج کے خلاف کسی جرم کا ارتکاب کرکے وہ اپنا نام خارج کرالیتا ہے۔ اور یہ امر بھی مسلم ہے کہ گورنمنٹ کے پاس اس کے کچھ وجوہ موجود ہوں گے کہ ملازمت میں داخل ہونے والوں کے لئے اُس نے ایسے سخت قواعد کیوں بنائے ہیں طلبا کی عمر کا لحاظ کرکے ان قواعد میں کچھ نرمی کرنے کی ضرورت ہے لیکن یہ رعایت ایسے طلبا کے ساتھ ہرگز نہ کرنی چاہیئے جو کاہل یا آوارہ ہوں بعض حضرات انگلستان اس طرح واپس کرنے پر اعتراض کریں گے لیکن بڑی عمر پہنچ کر خوئے بد کی اصلاح قطعی ناممکن ہے۔

لے جن تدابیر کی ہم نے سفارش کی ہے انسے جو مختلف تدابیر کی آزمائش کی گئی اور قطعی ناکامی ہوئی اکثر یہ تجویز پیش کی گئی ہے کہ ایک خاص عمر تک کے نوجوانوں کے ذمہ جو قرضہ ہو وہ خاص واقعات کی صورت میں قانوناً واپس نہ دلایا جائے اور اگرچہ اس قسم کے قرضے ملازمت میں حارج اور مانع نہ ہوں گے لیکن ایسی اور شرائط اور ضمانتیں پیش ہوسکتی ہیں جو منظور ہوسکتی ہیں۔ زر پیشگی کی ادائگی کی اقساط میں اضافہ ہوسکتا ہے لیکن اس تدبیر سے لاأبالی نوجوان اپنی حرکات سے باز نہ آئیں گے کیونکہ ان کی فضول خرچی کو روکنے کی ایسی ناکافی کوششوں سے اُن کی پریشانیوں میں اور اضافہ ہوجائیگا۔

باب۱۲ قرضہ ادا کرنے کے لائق ہی نہ رکھے گی ؛

(۱۹۸) اس قسم کی ہر ایک تجویز پر نتیجہ خیز عملدرآمد کرنے کے لئے ہندوستان میں نوعمر امیدواروں کی تعداد میں اضافہ کر دینے کی ضرورت ہوگی تاکہ مقامی حکومت کو ابتداء ملازمت ہی کے وقت انتخاب کرنے کا موقع مل سکے اور آئندہ ترقیات کے واسطے اس اصول پر عمل کرنے کے واسطے ملازمت اور ترقی کی مدت مقرر کر دینی چاہئے ہماری رائے میں کسی اور تدبیر سے وہ اعلیٰ دماغی اوصاف نشو ونما نہیں پا سکیں گے جن کا ان سب لوگوں میں ہونا ضروری اور لازمی ہے۔ جو سلطنت ہند کے اعلیٰ عہدوں پر مقرر ہوتے ہیں یا مقرر ہونے کی توقع رکھتے ہیں ؛

آج کل ایک سویلین کی سب سے بڑی تمنا یہ ہوتی ہے کہ وہ مجلس اعلیٰ کا رکن بن جائے اور چونکہ ہر پانچ سال کے بعد اس میں رکنیت کی جگہ خالی ہوتی رہتی ہے اسلئے رکنیت کے خواستگار سویلین کے دل میں اس تمنا کے پورے ہونے کا اشتیاق اس کو نہایت شاداں اور فرحاں رکھتا ہے کوئی وجہ نہیں کہ ایوان تجارت مجلس صیغۂ مال کے صدر اور صدر دیوانی ایک میعاد معینہ کے بعد کیوں نہ[1] تبدیل ہوتے رہیں ؛

ان عہدوں کے لئے نامزدگی[2] کا اختیار مقامی حکومتوں کو حاصل ہے وہ ایک رکن کو دوبارہ مقرر کر سکیں گی اگر اُس کی غیر معمولی قابلیت سے اس جگہ میں استثنا کی ضرورت پیش آئے گی اور اس استثنا سے مقابلے کی پر جوش اسپرٹ پیدا ہو کر اس نظام میں نئی جان پڑ جائے گی ؛

اس تجویز پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ رکن مجلس کو ۵ سال تک جو تنخواہ

(۱۹۹) ملے گی اُس سے وہ اس قدر عیش کر سکے گا جو کسی دوسری ملازمت میں وہ نہیں کر سکتا ہے

[1] اگر اس قسم کی کوئی تبدیلی کی جائے تو انصاف اس کا مقتضی ہے کہ جو لوگ ان عہدوں پر مامور ہیں اگر وہ خواہش کریں تو پورے ۵ سال تک اُن کو اسی عہدے پر رہنے دیا جائے ؛

[2] اس اختیار کے ناجائز استعمال پر اعتراض ہو سکتے ہیں لیکن اس کا شافی جواب یہ ہے کہ مقامی حکومتوں نے مجلس کی رکنیت کے لئے اس وقت تک جن لوگوں کی سفارش کی ہے اُن کی فہرست ملاحظہ کر لی جائے ؛

باب۱

اسے ۵ سال بعد عہدہ کو چھوڑ دینے پر مجبور کرنا سخت ظلم ہوگا لیکن اس اعتراض کا یہ جواب ہے کہ
سلطنت ہند جیسی حکومت کا یہ ایک ضروری اصول ہے کہ مفاد عامہ کے لحاظ سے
ملازمان کو ترقی اور انعامات دئے جائیں اور اس انتظام سے سلطنت کو جن فوائد کے
پہنچنے کی امید ہے اُن سے سلطنت کو محروم رکھنے کی بہ نسبت یہ بہتر ہے کہ ان عہدوں
پر جو لوگ مامور ہوں ان کے مشاہرہ میں اضافہ کر دیا جائے۔ ایسی تدابیر پر ضرور عمل
کرنا چاہئے جن سے کہ ہمارے قابل سویلین انگلستان اور ہندوستان میں ناموری
اور اعلیٰ عہدے حاصل کرنے کی توقع کر سکیں سول سروس میں داخل ہونے کے لئے
(۲۰۰) کثیر دولت پیدا کرنے کی جو امید کسی زمانے میں تھی وہ اب باقی نہیں رہی ہے۔ اب
سول سروس کے امیدوار صرف یہ توقع رکھ سکتے ہیں کہ وہ زیادہ عمر پہنچکر اوسط درجہ
کی حیثیت حاصل کرینگے آرام و آسائش کے ساتھ زندگی بسر کر سکینگے سلطنت انکو اس
سے زیادہ الاؤنس نہیں دے سکتی جو اُن کو اب ملتا ہے اس لئے جو لوگ کہ اس
ملازمت میں داخل ہوتے ہیں اُن کو ابتدائً ملازمت میں دولت پیدا کرنے کا خیال
کرنا نہایت نامناسب ہے جو اگرچہ بد دیانتی سے جدا ہے تاہم اس بلند خیالی کے بالکل منافی
ہے جس کا قائم رکھنا اس امر کے ثبوت کے لئے ضروری ہے کہ ہم اس قبیح عادت
سے بالکل پاک و صاف ہیں اور اس کے سوائے کسی اور تدبیر صحیح کفایت شعاری سے
کام لینے کی طرف کبھی توجہ نہ ہوگی جو خیالات اور اعمال کی آزادی کیلئے لازمی و لابدی شئے ہے۔"

خواہ کیسا ہی انتظام ہو اور کیسے ہی احکام کیوں نہ نافذ ہوں سرکاری
ملازمت کے اس شعبہ کی ترقی اور اس کے استحکام کی کامیابی کا انحصار
مقامی حکومت کے اعلیٰ افسران کی قابلیت اور کیرکٹر پر ہے ہندوستان کے عمدہ
(۲۰۱) نظم و نسق کا انحصار اُن کے علم و فضل۔ غیر جانبداری اور۔ غیر متزلزل استقلال عمل پر ہے

لہ اس محکمے نیز دیگر شعبوں کے سرکاری ملازمان کے متعلق یہ مسئلہ خاص توجہ کا مستحق ہے کہ انگلستان
کو روپیہ روانہ کرنے میں وہ سخت نقصان میں رہتے ہیں۔ اور اگر اس کا سلسلہ جاری رہا تو اسکے
اثرات ان کے بچوں کی تعلیم اور اُن کی خدمت سے علٰحدگی پر پڑیں گے جو سرکاری ملازمان کو ہر طرح
اپنے وطن مالوف سے وابستہ رہنے کے اساسی اصول کے منافی ہے۔"

باب۵ ہم اپنی حکومت کے دیگر شعبوں کے معیار کو گھٹا کر انھیں ایک خاص حد تک غیر معمولی قابلیت کی ضرورت سے آزاد کر سکتے ہیں لیکن کونسل آف اسٹیٹ کی صدارت کیلئے ہمیں ہمیشہ مسلسل نہایت قابل حضرات کی ضرورت لاحق رہیگی جس پر اس کی عجیب نوعیت کے باعث اس کے حکام کے ذاتی کیرکٹر کا اثر اتنا ہی پڑتا ہے جتنا کہ ایک مطلق العنان بادشاہ کا اس کی سلطنت پر۔

ہندوستانی فوج

اگرچہ ہماری حکومت کی کامیابی کا زیادہ تر انحصار سول انتظام پر ہے لیکن جب تک کہ ہمارے پاس اعلیٰ درجے کی فوجی قوت موجود نہ ہو اس وقت تک اس کی ترقی کے لئے ہماری ساری کوششیں بے سود ثابت ہوں گی اور اس لحاظ سے اس ملک میں ہمارے فوجی محکمے کے متعلق ہر ایک مسئلہ نہایت اہم ہے کیونکہ فوجی قوت ہی کے بل بوتے پر ہم ہندوستان کو قبضے میں رکھ سکتے ہیں اور اگر فوجی انتظامات میں خرابی ہوگی تو یقیناً وہ ہماری تباہی کا موجب ہوگی۔ گزشتہ واقعات کی شہادت سے یہ بات پورے طور پر ثابت ہو چکی ہے اور اب اس کی تائید میں کوئی دلیل پیش کرنا محض فضول ہے بادشاہ سلامت کے جو رسالے ہندوستان میں مامور ہیں اُن میں کلیتاً یورپین ہیں اور ان میں اور برطانوی فوج میں کچھ بھی فرق نہیں ہے۔ کیونکہ وہ برطانوی فوج کا ایک جزو ہے لہذا فوج کے اس حصے کے متعلق کسی قسم کی رائے زنی کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

(۴۰۲) اس لئے ہم صرف کمپنی کی فوج کی تنظیم اور اس کے قوانین پر غور کریں گے۔ جو ڈھائی لاکھ سپاہ[1] پر مشتمل ہے اولاً ہم اس کے عام انتظام کی خرابیوں کو رفع کرنے کے

[1] کمپنی کی فوج میں ۳۶۶ ۲۳۲ ۲ ہندوستانی افسر اور سپاہی ہیں۔ بحوالہ مراسلہ بجانب لارڈ کارنوالس

باب

تجاویز پر ایک سرسری نظر ڈالیں گے جو پیش کی گئی ہیں اور پھر اُن تبدیلیوں پر غور کریں گے جو واقعات کے لحاظ سے ضروری معلوم ہوتی ہیں ۔

مسٹر ڈنڈاز (Dundas) وزیر ہند نے لارڈ کارنوالس سے یہ درخواست کی تھی کہ وہ ایک ایسی تدبیر بتائے جس سے کہ ہندوستانی فوج کو شاہی فوج بنا دیا جائے اور اپنی تجویز کی تائید میں حسب ذیل دلائل پیش کئے " سلطنت ہند کے تحفظ اور استحکام کے لئے اور اُس بے لطفی اور رشک و حسد کو رفع کرنے کے واسطے جو شاہی فوج اور کمپنی کے مختلف صوبوں کے رسالوں کے مابین اکثر ظاہر ہو چکا ہے " ۔

لارڈ کارنوالس کے جواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا یہ پختہ عقیدہ تھا کہ دونوں قسم کے ملازمان کے تشفی بخش اور منفعت بخش کوئی انتظام مستقل طور پر نہیں ہو سکتا ہے جس سے کہ ہندوستان کی دیسی اور یورپین فوج کو شاہی فوج میں تبدیل کر دیا جائے اور ترمیمیں کر کے اس کو آئندہ بالکل اُن قوانین کا محکوم اور پابند کر دیا جائے جو بادشاہی فوج میں نافذ ہیں ۔

(۲۰۳)

لارڈ کارنوالس نے اپنی یہ رائے ظاہر کی تھی کہ اگر ہندوستان کی فوج شاہی بنا دی جائے تو اس صورت میں بھی اُسے کمپنی کے بالکل ماتحت رہنا چاہئے اور جن اصحاب کے ہاتھ میں مقامی حکومت کی زمام حکومت رہے انھیں فوج کے ادنیٰ اور اعلیٰ افسران کو معطل کرنے اور انگلستان واپس بھیج دینے کا پورا اختیار حاصل ہو البتہ حضور ملک معظم کو یہ حق حاصل ہے کہ اس طرح انگلستان بھیجے ہوئے افسر کے چال چلن کی وہ بعد میں تحقیقات فرمائیں اور اس صورت میں صرف مقامی حکومت ہی اس ناطق حکم دینے کی مجلس نظما کے روبرو جوابدہ ہوگی۔ لارڈ کارنوالس نے اپنے مرقومۂ بالا خط میں اس بات کو بطور ایک اصول کے بار بار ذہن نشین کرنے کی کوشش کی ہے کہ ایسی تدابیر اختیار کرنی چاہئیں جن سے ہر قسم کے یورپین افسران اور بالخصوص فوجی افسروں کو انگلستان واپس جانے کی ترغیب و تحریص پیدا ہو جائے وہ سفارش کرتا ہے کہ چند سال کی ملازمت

بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ بنام مسٹر ڈنڈاز مورخہ ۷ر نومبر ۱۷۹۴ء

باب ۱

کے بعد ہر قسم کے یوروپین افسران کو رخصت اور ملازمت[۱] سے دست کشی اختیار کرنے کی صورت میں پوری تنخواہ دی جائے۔ مدت ملازمت کے لحاظ سے ترقی دینی چاہیئے اور چند شرائط کے ساتھ وہ کمیشن کے عہدے فروخت کرنے کا بھی حامی ہے۔ اس کی رائے ہے کہ فوج کی دو شاخیں یوروپین اور ہندوستانی بالکل علٰحدہ علٰحدہ کردی جائیں اور آئندہ اُن کے باہمی تبادلے کی اجازت نہ دی جائے کیونکہ اس سے سرپرستی کے غلط استعمال اور نالائق یوروپین افسران کی دیسی فوج میں آنے کا دروازہ کھل جائیگا۔ (۲۰۴)

اس لئے آخر الذکر کی حفاظت کرنے کی ضرورت بہت زور کے ساتھ بیان کی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ "جو افسران ایسے دور دراز مقام پر خدمات انجام دینے کے واسطے مستقل طور پر مامور کردئے گئے ہیں پھر اُن کے حقوق کی باضابطہ طور پر حفاظت کرنی چاہیئے تاکہ کسی سپہ سالار فوج کی بے ضابطگی سے انھیں نقصان نہ پہنچ سکے کمپنی نے جب ۱۸۱۳ء میں اپنے خاص حقوق کی تجدید کے لئے درخواست کی تو اُس وقت فوج کے منتقل ہونے کا مسئلہ پھر پیش ہوا۔ جن حضرات نے کہ اس کی حمایت کی تھی اُن کی خاص دلیل اُس رشک وحسد اور نا اتفاقی کو ختم کردینے کی ناگزیر ضرورت پر مبنی تھی جو ہندوستان میں شاہی اور کمپنی کی فوج کے افسران کے مابین موجود تھی لیکن اُن کی منتقلی کے جو اصول کہ اب پیش کئے گئے وہ لارڈ کارنوالس کے اصولوں سے چند خاص مسائل میں بالکل مختلف ہیں۔ سپہ سالار فوج کو خصوصاً اعلیٰ

---

[۱] لفٹنٹ کرنل کو ۲۶ سال کی ملازمت کے بعد میجر کو ۲۳ سال کی کپتان کو ۲۰ سال کی اور کلغی وجھنڈی بردار افسر کو ۱۶ سال کی ملازمت کے بعد انگلستان جانیکی اجازت دینی چاہیئے۔

لارڈ کارنوالس نے سفارش کی ہے کہ سپہ سالار فوج کو یہ اختیار حاصل ہونا چاہیئے اور اگر وہ اس اختیار سے کام لینا پسند کرے تو ایک رجمنٹ میں کمیشن یافتہ افسر کی جگہ خالی ہونے پر دوسری رجمنٹ کے افسر کو اس جگہ کے خرید لینے کی اجازت دیدے لیکن اس اختیار سے وہ اس کا مجاز نہیں کہ کسی ایسے افسر کا اُس خالی جگہ پر تقرر کردے جن کی مدت ملازمت اس عہدے کے خریدار افسر سے زیادہ نہیں ہے"

باب ۱

عہدہ داروں کے ہندوستان کی مقامی سروس کا شوق دلانے اور اس کا صلہ دینے کے طور پر یہ تجویز کیا گیا کہ وہ کرنل کے درجہ تک پہنچنے پر دنیا کے ہر ایک حصہ میں ملازم ہوسکیں گے اور اس تدبیر سے یہ امید کی گئی کہ اس سے نہ صرف اس شعبہ میں ملازمت کرنے کا شوق پیدا ہوگا بلکہ ملک کی عام ملازمت کے واسطے قابل اور تجربہ کار اشخاص بھی دستیاب ہوسکیں گے یہ تجویز بھی پیش کی گئی کہ فوج کی ان دونوں شاخوں میں باہمی تبادلہ رائج کیا جائے البتہ چند ایسے قیود لگا دئے جائیں جو مقامی سروس کی خوبیوں کو برقرار رکھنے کے واسطے ناگزیر ہوں اور جو لوگ کہ ہندوستان کی فوجی ملازمت میں داخل ہوں اُن کے واسطے ہندوستان کی زبان جاننا اور ایک معینہ میعاد تک ہندوستان میں قیام کرنا لازمی قرار دیدیا جائے جو افسر کہ فوج کے ہندوستانی شعبہ میں داخل ہوں اُن کو اپنی جگہ فروخت کرنے کی اجازت نہیں دینی چاہئے۔ البتہ چند مقررہ سال تک ملازم رہنے کے بعد اُن کو خدمت سے علیحدگی اختیار کرنے کی صورت میں پوری تنخواہ ملنے کا موجودہ استحقاق حاصل رہیگا۔ یہ بھی قرار پایا کہ اس تبدیلی کے بعد مختلف صوبوں کی فوجوں کو ملاکر ایک فوج بنادی جائے۔ (۲۰۵)

ہندوستانی فوج کی اصلاح کے اساسی اصول کی بنا پر اس بات کی بھی نہایت پُرزور سفارش کی گئی کہ اُس رشک اور اشتعال کا بھی خاتمہ کر دینا چاہیے جو بنگال مدراس اور بمبئی کی فوجوں کی ترقی اور الاونس میں امتیاز کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔

کمپنی اور شاہی فوج کے افسران کے باہمی تبادلے کی مخالفت میں یہ زبردست دلائل پیش کئے گئے کہ دیسی فوج کا دستور العمل ایک خاص قسم کا ہے اور جو یورپین افسر اُس میں ملازم ہیں انھیں ضروری تعلیم دی جاتی ہے اور گذشتہ تدابیر سے ملازمت کے اس شعبے میں جو خوبیاں اور قوت پیدا ہوگئی ہے وہ اُس زمانے میں موجود نہ تھی جب لارڈ کارنوالس نے افسران کے تبادلے کی تجویز پیش کی تھی اور یہ بھی بیان کیا گیا کہ جو مقاصد اُس شریف النفس کے مدنظر تھے وہ سنہ ۱۷۹۶ء کے قواعد سے حاصل ہوگئے اور جس حد تک کہ موجودہ فوج کی نوعیت اور تنظیم کے لحاظ سے کمپنی کی فوج کے افسران کا درجہ اور رتبہ شاہی فوج کے افسران کی وجہ سے بڑھایا جاسکتا تھا بڑھا دیا گیا۔ ہندوستان کی فوج کو انگلستان کے اعلیٰ فوجی افسر کے تحت کر دینے سے فوج (۲۰۶)

باب ۱ کی قابلیت اور کیرکٹر کو جو خطرہ پیش آئیگا اس پر بڑے زور شور کے ساتھ بحث کی گئی اور یہ کہا گیا کہ اگر ان افسروں کے باہمی تبادلے کئے جائیں گے تو ہندوستان کے فوجی افسروں کی نہ کوئی قابلیت اور نہ استحقاق اور نہ اُن کی حفاظت کے قوانین کا خیال اُس اثر اور ہمدردی کا مقابلہ کر سکے گا جو ہمیشہ شاہی فوج کے افسران کے حق میں ہوگی ۔

اور اس بیان سب باتوں کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ مقامی فوج جب شاہی کر دی جائیگی تو وہ ادنے درجے کی ہو جائیگی اور اس سے ہم کو سخت اندیشہ ہے کہ یہ امر ہماری سلطنت ہند کے وجود کے حق میں نہایت مہلک ثابت ہوگا اکثر دستوری اعتراض پیش کیا جاتا ہے کہ اس قدر عظیم الشان فوج کی کمان کو تاج برطانیہ کے سپرد کرنے سے اس کی سرپرستی کے اختیارات میں بہت زبردست اضافہ ہو جائے گا وہ اس وقت بھی دوہرایا گیا لیکن مجلس نظما کے صدر نے جو دلائل پیش کئے ہیں وہ زیادہ تر سیاسی وجوہ پر مبنی ہیں ۔ ہم اُن ہی کے الفاظ میں اُن کے دلائل بیان کئے دیتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ابھی تک کمپنی کی رعایا اور غیر سلطنتیں کمپنی کی عزت

(۲۰۷) کرتی ہیں کیونکہ اُس کے پاس ایک زبردست فوج موجود ہے وہی اس فوج کی تنظیم کرتی ہے ۔ اس میں کمی بیشی اور اس کے لئے افسران کا تقرر کرتی ہے کارگذاری پر انعامات اور نالائقی پر سزا دیتی ہے ۔ پورانے افسر اور سپاہیوں کے وظیفہ پر علیحدہ ہونے پر ان کے آرام و آسایش کا بندوبست کرتی ہے المختصر اعلیٰ درجہ کی فوجی اسپرٹ رکھنے والے لوگوں کی ایک زبردست جماعت پر حکومت کرنے کے جملہ فرائض انجام دیتی ہے اور اُن کی فرماں برداری اور وفاداری سے کمپنی کو ہر طرح کی عزت اور فائدہ حاصل ہوتا ہے سول حکومت اور سول ملازمت کے ارکان کو دیکھئے کہ ان کے افسر بھی سویلین ہیں اور وہ بطیب خاطر اپنے افسر کی اطاعت کرتے ہیں اور اس وجہ سے وہ اندرونی انتظام نہایت خوبی سے کر رہے ہیں اور اسی لئے اُن کی باہر بھی قدر ہے ۔ چند شاہی رجمنٹوں کے لئے جانے سے یہی سمجھا گیا ہے کہ یہ کارروائی مفاد عامہ کی غرض سے کی گئی ہے لیکن اگر کمپنی اپنی ساری فوجی قوت سے محروم کر دی جائے گی اگر وہ کسی ایک رجمنٹ کی بھی مالک نہ رہیگی ۔ نہ کسی سپاہی کو اُس کے

عہدے پر برقرار رکھ سکے گی نہ کسی ماتحت کو ترقی دیکر افسر بنا سکے گی اور اگر یہ زبردست جماعت جو ہمیشہ کمپنی کی عنایت کی امیدوار رہی ہے اُس سے علیحدہ کر دی جائیگی تو رعایا بھی سمجھے گی کہ ہماری قوت کا خاتمہ ہوگیا اور ہمارا زوال بھی قریب آرہا ہے لیکن اگر حسب معمول کمپنی کو فوج میں ملازم رکھنے سویلین مقرر کرنے اور ان سے نظم ونسق کا کام لینے کا پورا استحقاق حاصل رہیگا تو رعایا کو بھی کوئی بے اطمینانی نہ ہوگی۔ یہ (۲۰۸) ملازم جج۔ مجسٹریٹ اور کلکٹر کے فرائض انجام دینے میں رائے عامہ سے اُس احترام اور امداد کی توقع نہیں کرسکتے تھے اور نہ فوج کی وفاداری کی امید کرسکتے تھے جو اس صورت میں حاصل ہوتی کہ سب اپنے حقوق کے تحفظ۔ ہمدردی اور صلے کے واسطے ایک ہی حاکم کی چشم عنایت کے امیدوار ہوتے ہیں

سول حکومت سے فوج کو بالکل علیحدہ کر دینے۔ سارا نظام حکومت بدل دینے اور فوج کو مقامی حکومت کی ماتحتی سے نکال لینے اور یہ جملہ اختیارات سپہ سالار فوج کے ہاتھ میں دیدینے سے فوجی محکمہ کو نہایت خطرناک قوت حاصل کرنے کے وسائل اور ترغیبات حاصل ہوجائیں گی کیونکہ ان اختیارات کے استعمال میں سپہ سالار فوج ایک ایسی قوت کا ماتحت ہوگا جو نصف کرۂ ارض کے فاصلے سے واقع ہوئی۔ مزید براں فوج والے راست بادشاہ سے تعلق رکھنے کی وجہ سے سول حکام کو نہایت حقیر اور ذلیل حاکم سمجھنے لگیں گے اور چونکہ یہ لوگ ایک کم حیثیت افسر کے ماتحت ہوں گے اس لئے ان کی دادرسی میں بڑی دقت ہو جائے گی۔ اہل ہند فوجی قوت اور فوجی قوت رکھنے والے کو عموماً واجب التعظیم سمجھتے ہیں اور آج کل وہ بعض ایسے واقعات بھی دیکھتے ہیں جنمیں کہ فوجی قوت نے سول اور پولٹیکل انتظامات میں امداد دینے کے بہانہ سے عملاً اُن پر حکومت کی ہے اس طرح کمپنی کی حکومت بہت ذلیل ہوجائے گی اور دوسروں کی نگاہ میں گر جائے گی اور مجلس نظماء کے نزدیک اُسے اس عظیم الشان سلطنت کے باحسن وجوہ نظم ونسق کے لئے ضروری اختیارات حاصل نہیں رہیں گے اور پھر یہ سوچنا ہوگا کہ اس خرابی کو دور کرنے کے لئے کیا اصلاح کیجائے۔ (۲۰۹)

لے بحوالہ کارروائی بابتہ تجدید ترجیحی حقوق کمپنی صفحہ ۳۷

باب ۲

فوج کی منتقلی کو روکنے کے واسطے یہ دلائل کافی وزنی خیال کئے گئے۔ لیکن ممکن ہے کہ جب دوبارہ اس پر بحث کی جائے تو یہ پھر قابل توجہ تصور کئے جائیں۔ لہٰذا اس بات پر غور کرنے کی اشد ضرورت ہے کہ اس انتظام کے نقائص کس طور پر دور ہوسکتے ہیں اور کس طرح ہمارے مشترکہ ملک کی ملازمت کے مختلف شعبوں کے مفاد کو مستحکم بنیاد پر قائم کیا جاسکتا ہے تاکہ اُن کی کارگذاری سلطنت کی قوت کا موجب ہو۔

جملہ دانشمند مدبرین اور قابل فوجی افسران کی یہی ایک رائے ہے کہ شاہی فوج اور کمپنی کے فوجی افسران کے مابین اور فوج کے مختلف شعبوں میں جو نفاق اور رشک وحسد پیدا ہوگیا ہے[1] اُس کو بالکل رفع دفع کردینے کی سخت ضرورت ہے بعض تنگ خیال حضرات کی یہ رائے ہے کہ اختلاف پیدا کرنے ہی میں سلطنت کی عافیت ہے لیکن یہ حضرات غالباً اس کو بھول گئے ہیں کہ ان کے خوفزدہ ہونے کے وجوہ جن دہشت ناک واقعات پر مبنی ہیں وہ ایسے حسد اور مخالفت کا نتیجہ ہیں جن پر افسوس کیا جاتا ہے انھیں اس کی بھی خبر نہیں کہ ایک وسیع دائرے اور بے شمار لوگوں میں کسی خراب اسپرٹ کے پھیلانے سے اسپرٹ کو معدودے چند حضرات میں پیدا کرنا زیادہ آسان ہے جو بعض مقامی واقعات سے متاثر ہوگئے ہیں۔ لیکن یہ خیالات تذکرہ کے قابل نہیں ہیں کیونکہ ہم اس بات کو بآسانی تسلیم کرسکتے ہیں کہ اگر ہماری کبھی یہ پالیسی ہوجائے کہ ہم اُن یوروپین افسران میں اختلافات پیدا کرکے حکومت کریں جن پر کہ سلطنت ہند کی سلامتی کا ہم بھروسہ کرتے ہیں تو اس سلطنت میں بہت جلد زوال آجائے گا۔ اس فرقے کی قابلیت سرگرمی اور وفاداری ہی سے ہماری قوت بنتی ہے اور اُن ہی کے اتفاق سے اس قوت کو ترقی ہوگی اور ان میں حسد۔ نااتفاقی

(۲۱۰)

[1] فوج کے اعلیٰ افسران کو اپنے ماتحت مختلف شعبوں میں اس طور پر تقررات کرنے کی جانب ہمیشہ توجہ کرنی چاہئے جن سے اُن میں اتحاد اور اپنے کام کو انجام دینے کی قابلیت پیدا ہو اور شاہی وکمپنی کے رسالوں اور مختلف شعبوں کی پلٹنوں میں علٰحدہ علٰحدہ بھرتی نہ کرنی چاہئے۔ جبکہ وہ ایک ہی خدمت پر مامور کئے جائیں کیونکہ اس سے بڑی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور رشک وعناد میں اضافہ ہوتا ہے حالانکہ جو لوگ یکساں مصیبتیں اور خطرات برداشت کرتے ہیں اور وہ

اور مخالفت کو برقرار رکھنے سے ہماری قوت گھٹنے لگے گی کیونکہ یہ حضرات اگرچہ مختلف محکموں میں مختلف خدمات انجام دیتے ہیں لیکن سب ایک ہی ملک کی خدمت کر رہے ہیں اور اُن کی وفاکیشی دور دراز مقامات پر نوآبادیات قائم کرنے والے حضرات جیسی نہیں ہے جو وہاں پر خود سکونت اختیار کر لیتے ہیں۔ ہندوستان میں ہماری عملداری قائم ہونے کے وقت سے ہندوستانی فوج نے ملک کے مختلف حصوں میں اپنے فرائض سے جو عارضی طور پر روگردانی کی ہے اُس سے اس حقیقت کی صداقت اور قوت پورے طور پر آشکارہ ہوگئی ہے۔ کمپنی کی فوج کی اعانت اور سرفرازی کا مسئلہ جتنا ضروری ہے اتنا ہی دشوار بھی ہے۔ یہ مسئلہ تاج برطانیہ کی ہمدردانہ رفاقت کے بغیر ہرگز حل نہیں ہوسکتا ہے۔ ہر قسم کے احکام اور اعزازیں اسے مساوی حصہ ملنا چاہیئے اور حضور ملک معظم کی فوج کی طرح یہ بھی ان کی شفقت اور نوازش کی یکساں مستحق ہے اعزاز۔ رتبہ۔ ترقی و امتیازات میں بھی اسے برابر کا حصہ ملنا چاہیئے اور موجودہ حالات میں ہمت پست کرنے والے جو اثرات ان پر پڑ رہے ان کے تدارک کے لئے ہر ممکن تدبیر اختیار کرنی چاہیئے۔ اگر سیاسی وجوہ سے اس کا جداگانہ نام رہے تاہم خیالات انتظامات اور حقوق میں اس کو شامل رکھنا چاہیئے تاکہ دونوں قسم کی ملازمتیں قریب تر ہو جائیں۔ (۲۱۱)

ان مقاصد کے حصول کے لئے حضور ملک معظم کی حکومت اور کمپنی دونوں کو چند مراعات ضرور کرنی پڑیں گی۔ کمپنی کے اعلیٰ فوجی افسر ان کو دوسری ملازمتوں میں خدمت حاصل کرنے کا حق دیدینا چاہیئے۔ اس سے ہندوستان کی ملازمت کی وقعت بڑھ جائے گی اور بالآخر یہ ملک کے حق میں بھی سودمند ثابت ہوگی اور اس سے پھر شاہی ملازمت کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچ سکے گا۔

شاہی اور کمپنی کی فوج کے افسران کو سخت شرائط کے ساتھ باہمی تبادلہ کی اجازت[1] (۲۱۲)

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ سب کامیابی اور ناکامی میں شریک ہیں تو ایسی صورتیں ان کے درمیان اتحاد اور محبت پیدا ہونی چاہیئے۔

[1] اس قسم کے تبادلوں میں اگر کوئی افسر ہندوستانی شاخ میں داخل ہونے کا خواہش مند

بانڈ

دینی چاہیئے۔ یہ تبادلے گا ہے ماہے وقوع میں آئیں گے لیکن یہ نہایت کارآمد ثابت ہوں گے کیونکہ اس سے ملازمت کی دونوں شاخوں میں اتحاد اور کمپنی کے فوجی افسران کے خیالات بلند ہو جائیں گے۔ شاہی فوج کے افسران کو یہ مستقل طور پر شکایت ہے کہ یہاں کے دستور کے مطابق وہ اکثر عزت اور منفعت کے عہدوں سے محروم رہتے ہیں کیونکہ ان عہدوں پر صرف کمپنی کے ملازم مامور ہوتے ہیں افراد کی بابت تو یہ شکایت درست ہے لیکن کل ملازمت کے متعلق یہ شکایت غلط ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ہندوستان میں شاہی فوج کے مامور شدہ چند افسر ایسے ضرور ہوتے ہیں جو ان عہدوں پر مقرر ہونے کے لائق ہوتے ہیں اور یہ بھی درست ہے کہ ایسے بہت سے افسران نے ہندوستان میں اتنی مدت تک خدمات بھی انجام دی ہیں جس سے کہ وہ ان عہدوں کے پانے کے مستحق تھے لیکن اس قسم کے عام مسائل جن کا اثر بڑی جماعتوں کے حقوق پر پڑتا ہے صرف عام اصولوں ہی سے طے ہونے چاہئیں افسران کمپنی کو اس قسم کے جو فوائد حاصل ہیں انھیں وہ قدیم رواج کی وجہ سے اپنے قانونی حقوق تصور کرنے لگے ہیں اور جن حالات میں کہ وہ اب تک رہے انھیں پیش نظر رکھو کہ وہ نہایت بجا طور پر ہر ایک ایسی مداخلت کو جس کا ان حقوق پر اثر پڑنے کا اندیشہ ہو حسد کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس سے گھبراتے ہیں کمپنی کے یہ فوجی افسران شاہی فوج کے معدودے چند قابل افسران سے تو کچھ اندیشہ نہیں کرتے اور اس سے بھی کسی کو انکار نہیں کہ اس قسم کے قابل افسران اسٹاف میں عہدے پانے کے مستحق بھی ہیں لیکن ان کا یہ اندیشہ درست ہے کہ اگر یہ راستہ کھل گیا تو پھر بہت سے ایسے لوگ آموجود ہونگے جو مقامی ضرورت کے لحاظ (۲۱۳)

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ ہوگا تو اس کے لئے ہندوستانی زبانوں کا اچھی طرح جاننا اور اپنے عہدے کے بموجب چند سال تک ہندوستان میں ملازمت کرنا لازمی شرط ہوگی ۱۲

لہ جن افسران کو ہندوستان کی آب وہوا موافق نہیں یا جنھوں نے کچھ روپیہ پیدا کر لیا ہے مگر وہ فوجی ملازمت ہی میں رہنا چاہتے ہیں۔ ان کا تبادلہ شاہی فوج میں کر دیا جائے گا اور ان کی جگہ پر ایسے افسر بھیجے جائیں گے جو خارجی ملازمت کے خواہاں ہیں اور غیر ملک میں زندگی بسر کرسکتے ہیں ۱۲

باب

سے نااہل مگر زیادہ اثر رکھنے والے ہوں گے اور اس طرح ان کی اُن تمام
امیدوں کا خاتمہ ہو جائے گا جن کے حصول کے بعد وہ اپنے وطن مالوف جانے
کی قوی امید کرسکتے تھے اگر ان دونوں ملازمتوں میں تبادلہ رائج ہو جائے تو پھر ایک ایسا
دروازہ کھل جائے گا جس سے شاہی ملازمت کے قابل افسران عہدوں پر مقرر
ہوسکیں گے جن سے وہ اس وقت تک محروم ہیں اس مقصد کے حصول کی کوئی
اور تدبیر نہیں ہوسکتی ہے جس سے کہ ناجائز فائدہ اٹھانے کا احتمال نہ ہو اور جن سے
کہ ہندوستانی فوج کے حقوق اور جذبات کو کسی قسم کا سخت نقصان نہ پہنچے

پندرہ سال ہوئے کہ تینوں صوبوں کی افواج کو ملا کر ایک فوج بنانے کی
سفارش بطور مناسب تدبیر کے کی گئی تھی لیکن اس کے بعد سے جو واقعات رونما
ہوئے ہیں ان کی بدولت اب یہ امر ضروری ہو گیا ہے ہماری حکومت کے ممالک
محروسہ کی تقسیم بحر اعظم اور بر اعظم کے حساب سے نہیں ہے اگرچہ سارا ہندوستان
ہمارے قبضے میں نہیں ہے لیکن اس وسیع ملک کے ہر ایک صوبے میں ہمارا
فوجی قبضہ موجود ہے اور ان علاقوں میں بیس ہزار سے تیس ہزار تک ہماری مستقل
فوج رہتی ہے جہاں تک کہ فوجی مقامات کے تعلق ہے وہ بنگال مدراس اور بمبئی
کے لئے یکساں طور پر اہم ثابت ہو چکے ہیں اور تاوقتیکہ اشتراک عمل کے لئے (۲۱۴)
ہم سارے صوبوں سے اپنی فوجیں نہ ہٹا لیں کوئی داخلی بغاوت یا بیرونی جنگ
وقوع میں نہیں آسکتی ہے لیکن نبرد آزما فوج اور اس کے ملازموں تنخواہ اور
عہدوں کا نظام ایسا عجیب واقع ہوا ہے کہ ہم ان سب کو ایک جگہ جمع نہیں
کرسکتے کیونکہ اس سے اگر غدر کا نہیں تو سخت بے چینی پیدا ہونے کا خطرہ ہے اس
کے حل مسائل کی بحث کو طوالت دینا محض فضول ہے کیونکہ ایک معمولی شخص
کو بھی اس کی نوعیت اور نتائج صاف نظر آتے ہیں اور جو لوگ کہ اپنے ذاتی تجربے
سے اس مسئلے کے متعلق بہتر رائے قائم کرسکتے ہیں اُنھیں اس مسئلے کو نامکمل چھوڑ
دینے میں نہ صرف سخت مشکلات بلکہ خطرات نظر آتے ہیں۔ اس کا علاج
آسان ہے اور اس کے عملدرآمد کی صرف وہی حضرات مخالفت کرسکتے ہیں جن کے
دل ذاتی تعصبات سے آلودہ ہیں یا جو ایسے لوگوں میں اختلافات اور امتیاز پیدا

باب۱ کرنے کے خواہاں ہیں جن کے اتحاد سے سلطنت کی حقیقی سلامتی وابستہ ہے ؂

چونکہ ہندوستانی افواج میں جو بہادر قومیں داخل ہیں اُن میں سے بیشتر کی زبان اور خصائل میں یکسانیت ہے اور اس فوج کی نوعیت ایسی ہے کہ اگر تین صوبوں کی فوجوں کو ملا کر ایک فوج کے تین حلقے کر دئیے جائیں تو اس میں کوئی دقت یا پریشانی لاحق نہ ہوگی۔ ہر ایک حلقہ ایسا ہی رہیگا جیسا کہ اب ہے اور اُس کے افسران کے عہدوں کے لئے نوعمر امیدوار نامزد ہوں گے اور اُس کی جس رجمنٹ میں اسامیاں خالی ہونگی ان کا تقرر ہوگا ایسی تنظیم کی حالت میں افسران کے اُن پر میجر کے عہدہ تک پہنچنے سے جیسا کہ آجکل ہوتا ہے اپنی رجمنٹ سے لفٹنٹ کرنل تک کے عہدہ تک ترقی پانا بہتر ہوگا کیونکہ اصل نظام میں ایسی ترمیم کر دینے سے بجز اس صورت کے کہ فوج میں اضافہ کیا جائے ہندوستان کے دور دراز مقامات سے اُن کا ہٹایا جانا بند ہو جائے گا اور ہر سینیر افسر کو اس کے درجہ کے اعتبار سے ترقی دی جائے گی اور کسی حلقے کے لحاظ سے ترقی نہ ملے گی ؂ (۲۱۵)

مرقومۂ بالا تجویز سے موجودہ انتظام میں کچھ خرابی پیدا نہ ہوگی عملہ بدستور رہیگا۔ البتہ اگر جنرل[1] منتخب کرنے کی ضرورت لاحق ہو تو اس کا انتخاب اُس حلقے سے ہوگا جس میں کہ جگہ خالی ہوئی ہے بلکہ ساری فوج کے ملازمان میں سے اس کا انتخاب کیا جائے گا رجمنٹوں کے عہدے کمانڈنٹ کے امیدواروں کے نام ایک عام فہرست میں درج کر دئیے جائیں گے اور اگر اس تجویز پر عملدرآمد ہوا تو افسران اپنی مدت ملازمت کے لحاظ سے ترقی کر کے ہندوستانی فوج کی مختلف پلٹنوں کے کرنل ہو جائیں گے اور وہ اُس حلقے کے کرنل نہ ہونگے جس میں کہ وہ رجمنٹ کے افسر تھے۔ اس تبدیلی کے وقوع میں آنے پر جنرل سے لے کر ادنیٰ افسر تک یعنی ہر ایک عہدہ کی تنخواہ اور الاونس مساوات اور انصاف کے صاف اور صریح اصولوں پر مقرر کرنی چاہئے تاکہ فوج کے کسی حصے کو یہ شکایت کرنے کا موقع نہ رہے کہ اسی عہدہ اور اسی کام کی حالت فلاں مقام پر ہماری حالت سے بہتر ہے ؂

---

[1] اس انتخاب کا اختیار صرف سپہ سالار فوج کو دینا چاہئے ؂

باب　ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ہماری ہندوستانی فوج کے دستور العمل میں ان تبدیلیوں میں سے بعض پر عملدرآمد کرنے سے چند خفیف مشکلات پیش آئیں گی۔ جن اصحاب نے کہ گذشتہ دس بارہ سال سے فوج میں ملازمت نہیں کی ہے اُن کے دلمیں (۲۱۶) خاص خاص شبہات اور اعتراضات پیدا ہونگے کیونکہ وہ ان تبدیلیوں کی ضرورت ہی کو نہیں سمجھ سکتے ہیں۔ لیکن جو حضرات کہ ہماری مقبوضہ فوجی چھاؤنیوں سے واقف ہیں اور اُن کو مختلف صوبوں کے مخلوط رسالوں کی ملازمت کے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے وہ ان امتیازات کا خاتمہ کر دینے کی شدید ضرورت کو بخوبی سمجھتے ہیں جنہوں نے سرکاری ملازمت کو پیچیدگی میں ڈالدیا ہے اور اگر اُن میں تبدیلیاں نہ پیدا کی جائینگی تو یہ پیچیدگیاں بڑھتی ہی جائیں گی۔ ممکن ہے ایک ایسی تدبیر کی دانائی پر لوگوں کے جذبات اور تعصبات ان کو شبہات اور شکوک کرنے پر مائل کریں جس کی رو سے بعض صورتوں میں ایک حلقے کے افسر دوسرے حلقے میں تبدیل کر دیئے جائیں گے۔ وہ یہ دلیل پیش کر سکتے ہیں کہ سپاہیوں کے اطوار و خصائل مختلف ہوتے ہیں جن کی وجہ سے ان کے ساتھ مختلف طرح کا برتاؤ کرنا پڑتا ہے علاوہ بریں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ کسی افسر کا ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے پر تبدیل کرنا بھی ایک طرح کی سختی ہوگی از انجملہ اول دلیل کی بابت یہ کہا جا سکتا ہے کہ زمانہ گذشتہ میں خواہ کچھ ہی حالت کیوں نہ ہو لیکن آجکل ہماری فوج کے ہندوستانی سواروں کے کیرکٹر۔ خصائل اور زبان میں چنداں اختلاف موجود نہیں قدیم رواج خواہ کچھ ہی ہو اس وقت ان سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنے کی ضرورت ہے البتہ یورپین افسر کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ مقامی نہ ہو۔ اُس کی ملازمت میں جس قدر تبدیلیاں ہونگی اور سلطنت کے جتنے مختلف مقامات پر وہ کام کریگا اسی قدر اس کی معلومات اور اس کے تجربے میں اضافہ ہوگا اور ان اوصاف کے حاصل کرنے میں خواہ اُسے کیسی ہی دشواریاں اور سختیاں کیوں نہ پیش آئیں لیکن اس کا انجام اس کی ذات اور حکومت دونوں کے حق میں نہایت کارآمد ثابت ہوگا۔

(۲۱۷) ہندوستان کی مقامی فوجوں کو ملا کر ایک فوج بنا دینے سے بہت سے حقیقی فوائد حاصل ہوں گے۔ اس سے ان جھگڑوں کا خاتمہ ہو جائیگا جو تنخواہ اور

باب

الاونس کے فرق اور کسی ایک فرد کے مشاہرہ کی ترقی سے دوسرے کو فرضی یا
حقیقی نقصان پہنچنے کے خیال سے پیدا ہوگئی ہیں پہلے یہ بات اس طرح محسوس
نہ ہوتی تھی جیسے کہ اب محسوس کی جاتی ہے کیونکہ اب ہر ایک صوبے کے
رسالے یکساں سہولت کے ساتھ کسی فوجی چھاؤنی میں منتقل کئے جاسکتے ہیں۔
جہاں کہیں کہ فوج میں اضافہ کرنیکی ضرورت ہوتی ہے تو اس کا فیصلہ گورنر جنرل بہادر
کرلیتے ہیں کہ یہ زائد فوج کس فوج کے متعلق ہوگی اور فوج میں ذرا سی تبدیلی کرنے سے
اس قسم کی زائد فوج کو ایک صوبے سے دوسرے صوبے کو منتقل کردینے میں آسانی
ہوجائیگی۔ گورنر جنرل بہادر خواہ اس کا فیصلہ کرلیتے میں کیسے ہی انصاف، فراست
اور بے لوثی سے کام لیں لیکن وہ ہرگز ایسا توازن نہیں قائم کرسکیں گے جس سے
بے چینی رفع ہوجائے کیونکہ لوگوں کی جماعتیں ہمیشہ ان تدابیر کے خلاف شورش
مچائیں گی۔ جن سے کہ اُن کی زندگی کی مستقبل توقعات وابستہ ہیں اور چونکہ فیصلہ ایک
بااختیار واحد شخص کا ہوگا اور اسکا ان پر اثر پڑیگا اسلئے اگر یہ فیصلہ اس کے حق میں مضر ہوا تو یہ لوگ
اپنے کمزور دلائل سے گورنر جنرل کو یہ الزام دیں گے کہ انھوں نے طرفداری کی اور اپنے
(۲۱۸) گردوپیش کے افسران کے اثر سے لاچار ہوکر یہ فیصلہ کیا ہے۔ فوج کے موجودہ
نظام سے جذبات پیدا ہوسکتے ہیں ان کی نوعیت اور اثرات وہ سب حضرات
بخوبی سمجھ سکتے ہیں جو فوجوں کی ساخت اور اُن کی خصلت سے واقف ہیں اسلئے
اس خرابی کے رفع کرنے کی تدبیر کو معرض التوا میں نہ ڈالنا چاہیئے اور اگر اس
انتظام کا فوری علدر آمد اور پلٹنوں میں عام طور پر اضافہ کرنا پسند نہ ہو تو کم از کم
یہ طے کردینا چاہیے کہ آئندہ رجمنٹوں میں جو اضافہ ہوا ہے بنگال۔ مدراس اور بمبئی میں مساوی طور پر
تقسیم کردیا جائے اور اس کارروائی کو اس صوبہ سے شروع کیا جائے جسکے افسران کو بہت کم ترقی ملی ہے
اس سے پیشتر جو کچھ بیان کردیا گیا ہے اُس سے ظاہر ہوگا کہ اس وجہ سے ذرا سی بھی
دقت پیش نہ آئے گی کہ ایک صوبے میں دوسرے صوبے سے زیادہ ترقیات
دینے کی ضرورت ہے کیونکہ ایک مقام کے کاموں کو دوسرے ایسے مقام پر منتقل
کردیا جائے گا جو اضافہ سے مستفید ہونے والے صوبہ کے لئے بھی مناسب ہوگا
ہندوستان کی مقامی فوجوں کے ملا دینے سے ایک اور فائدہ ابتدا ہی

باب ۱

سمجھنے لگے گا۔ جب یورپین افسر عام فہرست امیدواراں میں سے لیکر جدید فوجوں کے لئے نامزد کئے جائیں گے تو انھیں اس سے کوئی سروکار نہ ہو گا کہ وہ کس جگہ بھرتی ہوئے اور کہاں پر ان کا تقرر کیا گیا اور اس کا یہ نتیجہ برآمد ہو گا کہ ہماری ہندوستانی فوج ہماری سلطنت کے ہر ایک حصے میں کام کرنے کے واسطے آج کل سے کہیں زیادہ رضامند ہو گی۔ ایسے مواقع پیش آچکے ہیں اور آئندہ اور زیادہ پیش آنے والے ہیں جب کہ ہماری سلطنت کی عافیت اسی پر منحصر ہو گی کہ مدراس یا بمبئی کی فوج میں بنگالی یا مدراسی اور بمبئی والے بنگال و شمالی ہند کی فوج میں ملازم کئے جائیں (۲۱۹) ح وقتی پریشانیوں کو دیکھ کر جن سے ہمیں مفر حاصل ہونے کی امید نہیں ہے حکمت عملی کا کوئی ایسا اصول نظر نہیں آتا ہے جو اس سے زیادہ سلطنت کی سلامتی کا موجب ہو لیکن ہماری تجویز سے جو فائدہ مدنظر ہے اُس سے ہم بڑی حد تک محروم رہیں گے حتیٰ کہ کوئی ایسی تدبیر اختیار کی جائے جو یوروپین افسران کے حقوق کے تفریق کا خاتمہ کر دے ؛

اس تجویز کا تیسرا فائدہ بھی اسی مقصد کے لئے کار آمد ہو گا کیونکہ بغیر کسی قسم کی ناراضی پیدا کئے ہوئے جو بعض اوقات بغاوت کی حد تک جا پہنچ سکتی ہے ہم ہندوستان کے ہر حصے میں اس فوج کو منتقل کر کے اور دوسروں کے ساتھ ملا کر کام لے سکیں گے لیکن یہ صرف ایسی صورت میں ممکن ہے کہ ہندوستانی فوج کے افسروں اور سپاہیوں کی تنخواہ اور الاونس میں ہمارے مجوزہ اصولوں پر یکسانیت پیدا کر دی جائے اور تنخواہ و الونس چند خاص اصولوں پر مقرر کیا جائے اور یہ اس بات پر منحصر نہ ہو کہ فلاں سپاہی کا فوج کے کس شعبہ سے تعلق ہے ؛

(۲۲۰) مختلف صوبوں کے فوجی ساز و سامان اور فوجی شعبوں کو یکساں اصولوں پر قایم کرنا چاہیئے اور مقامی حالات کے لحاظ سے اُن میں بہت کم فرق ہونا چاہیئے ورنہ ہماری

لہ اس سے ہمارا منشا محکمہ کمسریٹ سے ہے جو فوجی شعبوں میں سب سے زیادہ اہم ہے۔ بنگال، مدراس اور بمبئی کے اصولوں میں اس درجہ فرق ہے کہ ان سب کی فوج سے زیادہ روز تک جنگ میں کام لینا قریباً ناممکن ہے ؛

باب۶

ہندوستانی افواج میں وہ قابلیت اور قوت پیدا نہ ہوگی جو متحدہ محاربے کے لئے ان میں ضرور ہونی چاہئے۔

ہندوستان کی دیسی فوج میں یورپین افسران کو انکی ملازمت کی قدامت کے لحاظ سے ترقی ملنی چاہئے تاکہ جن لوگوں نے سرکاری ملازمت کے اس محکمے میں تجربہ حاصل کیا ہے انھیں اعلیٰ عہدہ پر پہنچنے میں آسانی پیدا ہو جائے۔ ترقی کو بار بار روک دینے کی تلافی بعض مناسب تدابیر سے ہوگئی جس سے کہ وقتی سرگرمی پیدا ہوگئی لیکن اس کا نتیجہ ترقی معکوس برآمد ہوا جس سے لوگوں کی حالت پہلے سے بھی بدتر ہوگئی ہندوستان کی مقامی فوج کی ترقی روکنے کے نتائج کا اندازہ انگلستان میں تنخواہ روکنے کے نتائج کو مدنظر رکھ کر نہیں کرنا چاہئے کیونکہ دونوں میں کسی قسم کی مماثلت و مشابہت نہیں ہے مثلاً دوسری پلٹن میں تبادلہ کرا لینے کا اختیار، ملازمت کی خرید فروخت کا استحقاق و اپنے اعزا و احباب کے ساتھ رہنے کا حق انھیں حاصل ہے۔ اپنے ملک میں روزی پیدا کرنے کے مختلف دروازے اُن کے لئے کھلے ہوئے موجود ہیں اس لئے اُن کی حالت یہاں والوں سے بالکل مختلف ہے جو ایک غیر ملک کو اس طور پر جلا وطن کردیئے گئے ہیں جہاں پر وہ اپنے جملہ خاندانی رشتوں اور تعلقات سے علٰحدہ ہیں اور جن کی آئندہ فلاح صرف اُس ملازمت تک محدود ہے جس پر ابتدا سے وہ موجود ہیں کیونکہ ان کی معاش کا صرف یہی واحد ذریعہ ہے برخلاف اس کے اگر شاہی فوج کے افسران اگر اپنی ملازمت سے نالاں اور بیزار ہوتے ہیں تو ان کو بھاگ جانیکے موقعے مل جاتے ہیں اور اگر اس حرکت سے ان کی حالت زبوں ہو جائے اور ان کی فریاد بھی نہ سنی جائے تو اس کا کوئی اثر دوسروں پر نہیں پڑتا ہے کیونکہ ان کی جگہ پر سمجھدار نوجوان مقرر ہو جاتے ہیں اور اس تبدیلی سے حکومت کو بھی کچھ نقصان نہیں پہنچتا ہے کیونکہ وہاں کی فوج کا نظام ترکیبی اصلاح کا ہے کہ ادنیٰ افسر کی جگہ کے لئے کسی ایسی قابلیت کی شرط نہیں جو بہ آسانی حاصل نہ ہو سکے لیکن جو لوگ کہ کمپنی کی ملازمت میں داخل ہوتے ہیں اُن کی حالت اس سے بہت مختلف ہے۔ اُن کا شباب قابلیت حاصل کرنے میں صرف ہو جاتا ہے کیونکہ اس کے بغیر انھیں کسی پلٹن میں ادنیٰ عہدہ بھی نہیں مل سکتا ہے وہ عمر بھر اپنے اس مقدر پر شاکر رہتے ہیں۔ ناراضی اور مایوسی

(۲۲۱)

سے نہ صرف اُن ہی کی طبیعت افسردہ ہو جاتی ہے بلکہ اس کا دوسروں پر نہایت مہلک اثر پڑتا ہے اور جب وہ قدرے ترقی کر لیتے ہیں تو ان کی جگہ پر کسی غیر شخص کا تقرر چند خاص اوصاف کی شرط کے باعث بآسانی نہیں ہو سکتا ہے اور یہ اوصاف ایک خاص مدت میں اور مطالعہ ہی سے حاصل ہو سکتے ہیں اور جو اُن کی جانشینی کیلئے لازمی ہیں۔ ان سب واقعات سے ظاہر ہوتا ہے (اسی قسم کے اور بہت سے واقعات پیش کئے جا سکتے ہیں) کہ ہندوستانی فوج کی اصلاح کے مسئلہ پر اسی کے دلائل سے غور کرنا چاہئے اور اس مسئلے کو کسی دوسری فوج کی حالت اور اس کے حقوق کا مقابلہ کر کے نہیں دیکھنا چاہئے جس کا نظام ترکیبی اس سے بالکل جداگانہ ہے۔

(۲۲۲) ہندوستان کی مقامی فوج کے افسران کو نام و نمود حاصل کرنے کا موقع دینے کے واسطے (جس کے بغیر کوئی فوجی جماعت کیرکٹر حاصل نہیں کر سکتی اور بالخصوص وہ جماعت جس کا مقابلہ اُسی قوم کے دوسرے سواروں سے کیا جائے جو دیگر اصولوں پر کام کرتے ہیں) اعلیٰ افسران کو مقامی کمیشن دیئے جائیں لیکن یہ عہدے صرف اُن لوگوں کو دینے چاہئیں جو اس عہدہ کے فرائض کو اچھی طرح انجام دے سکتے ہیں۔ جس طرح امن یورپ کے باعث انگلستان میں کمیشن (جس سے عہدہ بڑھ جاتا ہے لیکن تنخواہ میں اضافہ نہیں ہوتا) کو آہستہ آہستہ ترقی دینے سے سرکاری ملازمت کو کچھ نفع نہیں پہنچتا ہے اسی طرح ہندوستانی فوج میں ذوق و شوق پیدا کرنیکے لئے جنرل افسران کو اسٹاف میں نامزد کرنا محض بے سود ثابت ہوگا ہندوستانی فوج کا ہر ایک جنرل یہ عہدہ ملنے سے پیشتر ہی بوڑھا ہو جائے گا۔ ہندوستانی فوج کے کرنل کو اسٹاف میں کام کرنے کے لئے اس قسم کا کمیشن دینے میں کچھ ہرج نہیں ہے اور پھر یہ استحقاق شاہی فوج کو بھی دینا چاہئے اس تجویز پر عملدرآمد ہونے سے افسروں کو اپنی پلٹن کے ساتھ ہندوستان جانے کی اجازت نہ ملے گی جن کا درجہ جنرل اسٹاف میں منتخب ہونے والے افسران سے بلند ہوگا لیکن اس تدبیر سے فوجی ملازمت کو کچھ نقصان نہ پہنچنا چاہئے اور بڑا فائدہ حاصل کرنے کے لئے یہ ایک قسم کی ادنیٰ قربانی ہوگی۔

انگریزی فوج اور ہندوستانی فوج کی لوکل شاخوں کے درمیان باہمی تبادلے

باب (۲۲۳)

اور کمیشن کی فروخت اُن قواعد کے ماتحت نہایت کار آمد ثابت ہوگی جن سے مقامی شاخ میں اعلیٰ قابلیت برقرار رکھی جاتی ہے کیونکہ ان تدابیر میں سے عمدہ اور ذی اثر افسر داخل ہو جائیں گے اور مقامی فوج کو جلد جلد ترقیاں ملنے لگیں گی اور اس کے لئے اس سے بہتر کوئی تدبیر مناسب نہیں کہ ایک اسٹاف کور بنائی جائے جس سے کہ پلٹن کے خالی عہدوں کو پر کرنے کے وسائل پیدا ہو جائیں جو اُن کے افسران کو اور کاموں پر لگا دینے سے خالی ہوتے رہیں گے۔ ہندوستانی فوجیں اس وقت بھی نہایت عمدہ حالت میں تھیں جبکہ اُن میں صرف ۲-۳ یورپین افسر ہوتے تھے لیکن اُس زمانہ میں ان کا فوجی افسر ہی اُن کا سردار تھا اور وہ سب اس کے مطیع و فرمانبردار تھے جن جذبات اور تعلقات کے ساتھ یورپین اور ہندوستانی دونوں کام کرتے تھے وہ آجکل کے جذبات اور تعلقات سے بالکل مختلف تھے اور آجکل یورپین افسران کی قلت بڑی خرابی سمجھی جاتی ہے اور یہ خرابی اس وقت تک بدستور موجود رہے گی جب تک کہ فوج کا باقاعدہ اسٹاف اور ضروری عملہ اس فہرست سے جدا نہ کیا جائے جس کو رجمنٹ کی خدمات انجام دینے کیلئے مکمل رکھنے کی ضرورت ہے اگر[1] یہ تجویز تسلیم کر لی جائے تو پھر اس پر عملدرآمد کرنے کے لئے نقشہ تیار کرنا چنداں دشوار نہ ہوگا لیکن اس کی بہت احتیاط رکھی جائے

---

[1] اس کو عملی صورت میں لانے کے واسطے مختلف طریقے تجویز کئے گئے ہیں ازانجملہ یہ طریقہ بہت زیادہ قابل عملدرآمد معلوم ہوتا ہے کہ صرف افسروں کے کور بنا دئے جائیں جن میں سپاہی نہ ہوں اور جب اسٹاف پر تقررات ہونے سے جگہہ خالی ہوں تو ان پر یہ لوگ مقرر کر دئے جائیں اور پھر یہ لوگ اسٹاف میں بھی لئے جا سکتے ہیں اور جس کسی کور میں ضرورت ہوگی اُسی میں یہ افسر کام کرنے لگیں گے الغرض ان افسران سے ہر طرح پر کام لیا جا سکے گا لیکن ان کی ترقیات غیر متعلق کور میں ہوں گی۔ اس تجویز پر بہت کم اعتراض ہو سکتے ہیں کیونکہ اس کی وجہ سے دوسرے باقاعدہ کور کی ترقی میں کچھ دقتیں نہ حائل ہونگی اور نہ ترقیات میں کمی بیشی واقع ہوگی جو ان افسران کی آسامیاں پر کرنے سے پیدا ہوتی ہے جنکا رجمنٹ سے اسٹاف میں تقرر ہوا ہے شروع میں یہ غیر متعلق کور زیلو رزائد کور کے بنائے جائیں گے[؟]

کہ ملازمان اور پبلک دونوں کے حقوق کا یکساں لحاظ رہے ؟

جن وجوہ نے کہ ہندوستانی فوج کو شاہی فوج بنانے سے باز رکھا جبکہ کمپنی کے حقوق کی تجدید ہوئی تھی اگر وہی وجوہ اب بھی برقرار رہیں پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہندوستانی فوج کے یوروپین افسروں کی اصلاح کے لئے جو تجاویز پیش کئے گئے ہیں ان پر کیوں نہ عمل کیا جائے۔ انھیں پورے طور پر عملی صورت میں لانے کے لئے انگلستان کے مختلف حکام میں صرف ہمدردانہ اور فیاضانہ اشتراک عمل کی اسپرٹ درکار ہے۔ اس مسئلے کو قومی مسئلہ کی مانند ضروری اور اہم تصور کرنا چاہئے۔ اور اس خیال سے اُسے نہ دیکھنا چاہئے گویا چند افراد کے ذاتی حقوق کا فیصلہ کرنا ہے۔ ہندوستان کے تحفظ کے لئے ہمیں اپنی ہندوستانی فوج کی وفاداری اور قابلیت پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ یوروپین افسران اس کی وفاداری اور شہرت کو برقرار رکھنے کی دربانی کرتے ہیں۔ اُن کی حالت ہماری نوازش و اعانت کی مستحق ہے اور اس بات کو تسلیم کرنے میں کچھ مبالغہ نہیں ہے کہ اگر کسی صلے سے اس جماعت کو مایوس کر دیا جائے گا اور اس وقت تک جو صلہ کہ صرف اسی جماعت کو ملتا رہا ہے اگر یہ صلہ دینے کے لئے ان کے مقابلے میں کسی غیر کے حقوق پیش کر دئے جائیں گے تو سلطنت ہند کو اپنے قبضے میں رکھنے کی بہترین توقعات کے حق میں ہماری یہ کارروائی سخت مہلک ثابت ہوگی۔ اس اہم مسئلے پر جب سرگرم بحث شروع ہوگی اور اس وقت جس باضابطہ رشک و حسد سے کام لیا جائیگا اُس کو موجودہ سپہ سالار اعظم افواج برطانیہ کے شخصی اثر اور اُس کے اعلیٰ کیرکٹر کے خیال سے نظرانداز نہ کرنا چاہئے کیونکہ یہ زبردست شخص جس وقت تک کہ اس اعلیٰ عہدہ پر مامور رہے اس وقت تک ہندوستانی فوج کی مقامی شاخ کو فیاضانہ اور منصفانہ سلوک ہونے کی پوری امید رکھنی چاہئے ؟

باب ۲ (۲۲۴)

(۲۲۵)

دیسی فوج

ہندوستان میں سلطنت برطانیہ کے آئندہ استحکام اور فلاح پر جن سیاسی

باب۹ وجوہ کا اثر پڑ سکتا ہے اُن سب سے زیادہ اہم ہماری فوج کے ہندوستانی ملازمان کی وفاداری ہے - ہندوستان کے باشندے زیادہ تر امن پسند پیشوں میں مصروف رہتے ہیں اس لئے اگر وہ چاہیں تب بھی وہ سلطنت کی حفاظت نہیں کر سکتے اگرچہ وہ اس کو سمجھ سکتے ہیں کہ سلطنت کی حفاظت کرنے سے اُن کو کیا فائدہ حاصل ہوگا - ہمارے قوانین اور مختلف محکموں کی غرض یہ ہے کہ ہمارے زیر حکومت جو جنگجو قبائل ہیں اُن کی بعض خصائل کو اگر ہم بالکل دور نہ کر سکیں تو کم از کم ان میں کمی ضرور پیدا کر دیں لیکن رفتہ رفتہ ایسی تبدیلی پیدا کرنا مناسب ہوگا ورنہ اس سے جو خطرات اور بد امنی پیدا ہوگی اس سے ہم ہرگز نہ بچ سکیں گے لیکن جب تک کہ ہم اپنی ہندوستانی فوج کی وفاداری پر بھروسہ کر سکتے ہیں اس وقت تک ہم اندرونی (۲۲۶) خطرات سے مامون و محفوظ ہیں لیکن اگر ہماری فوج بدظن ہو جائے تو ہر ایک شورش نہایت خطرناک صورت اختیار کر سکتی ہے اور یورپین فوج کے استعمال سے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ صرف ذرا ہی دیر کے لئے حفاظت ہو جائے گی اور اصل خرابی بہت بڑھ جائے گی؛

(اس کے وجوہ بعد کو بیان کئے جائیں گے) ہماری اس کارروائی سے ہماری ہندوستانی فوج کی وفاداری اور اُس کی قابلیت میں کمی آ جائے گی جس کی بہادری اور وفاداری ہی کی بدولت ہم ہندوستان کو اپنے قبضہ میں رکھ سکتے ہیں غالباً ان خیالات کی صداقت میں کسی کو کلام نہ ہوگا اس لئے بہترین تدابیر صرف وہی ہو سکتی ہیں جو ہماری ہندوستانی فوج کی اطاعت کیشی اور وفاداری کے جذبات کو ترقی دیں سول حکومت کے خاص اشکال اور کفایت شعاری کے سخت قواعد کی پابندی کا خیال ہمیں اپنی سلطنت اور قوت کے اس سرچشمے کے مقابلے میں ترک کر دینا چاہیئے ورنہ بڑی بڑی محنتوں سے بنائی ہوئی یہ عمارت باد مخالف کے ایک جھونکے سے گر پڑے گی؛

ابتدا[1] سے لے کر اس وقت تک ہماری ہندوستانی فوج میں بہت سی

[1] بنگال، مدراس اور بمبئی کی ہندوستانی فوج کی ترقیات کے صحیح حالات کوارٹرلی ریویو جلد ۵ صفحہ ۳۸۵ میں مل سکتے ہیں؛

باب ۱۰

تبدیلیاں واقع ہو چکی ہیں۔

ہندوستان میں انگریزی حکومت قائم ہونے کے ابتدائی زمانے میں یورپ کے فنون سپہ گری اس قدر ترقی یافتہ نہ تھے جس قدر کہ اب ہیں اس لئے ان تھوڑے سے یورپینوں نے جو ہندوستانیوں کو غیر ممالک میں اپنے ساتھ لڑنے کیلئے آمادہ کر رہے (۲۲۷) تھے یورپ کے فنون سپہ گری کے ایسے حصہ کو بھی ہندوستانی فوج میں رائج نہیں کر سکے جو اہل ہند کے تعصبات خصائل اور مذہب میں مخل ہو سکے ایک جاکٹ کی بجائے انگریزی کپڑے کا کرتا پہنا کر۔ فوجی قواعد اور فوجی نقل و حرکت کے طریقے سکھا کر ہندوستانی کو سپاہی بنا دیا گیا اور اُس کو انگریزی ہتھیار دیئے گئے اور ان اوصاف کے باعث وہ دیگر ہندوستانیوں سے افضل ہو گیا کیونکہ وہ تنظیم کے ابتدائی اصولوں سے بھی ناواقف تھے (جن کی رو سے لوگ ملکر کام کرتے ہیں) اور خواہ ان کی تعداد کیسی بڑی کیوں نہ ہو وہ اپنے ہی بھائیوں کی مختصر سی فوج سے بآسانی شکست کھا جاتے تھے کیونکہ ان کے یوروپین افسروں نے اپنے ہنر۔ دانائی اور سرگرمی سے ان کو ضابطہ کا پابند اور مسلح کیا تھا اور وہی جنگ میں ان کو احکام دیتے تھے۔

چونکہ ابتدائی زمانے کے سپاہی کو اپنے برادران وطن پر تنظیم میں فضیلت حاصل تھی اس لئے اُس کا فخر کرنا ایک قدرتی امر تھا اور کمپنی کی فوج کے ہندوستانی اس بات سے بہت خوش اور مطمئن تھے کہ ان کو نہ صرف جنگی قابلیت حاصل کرنے کا موقع ملا بلکہ ان کی مالی حالت بھی بہتر ہو گئی ہے ابتدا میں ہندوستانی سپاہیوں کے بٹالینوں میں معدودے چند یوروپین افسر تھے۔ اور ہر ایک کمپنی میں صرف ایک کپتان ایک ایڈجوٹنٹ اور ایک سارجنٹ رہتا تھا۔ اکثر فوج کی کمان صوبہ داروں اور جمعداروں کو دی جاتی تھی[1] اور تنظیم کی کمزوری (۲۲۸) اور اس زمانے کی عام بددیانتی کے باعث صوبہ دار سے لے کر سپاہی تک ساری ہندوستانی فوج کو اپنی خدمات کی نوعیت سے مالی فائدہ حاصل کرنے کا

---

[1] اکثر ان کو چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں تقسیم کر کے ملک کے مختلف مقامات پر بھیجا جاتا تھا جہاں کی رعایا سے مختلف بہانے کر کے وہ روپیہ وصول کر لیتے تھے۔

باب۱ سے قبع ملجاتا شجاعت پر کہ وہ اکثر ناسور کئے جاتے تھے اس فائدہ نے کمپنی کی فوجی ملازمت کو پسندیدہ اور منفعت بخش بنا دیا تھا اور یورپین افسروں کے کریمانہ اور مشفقانہ برتاؤ نے اس میں اور زیادہ کشش پیدا کردی تھی چونکہ ہر ایک بٹالین میں یورپین افسروں کی تعداد بہت کم تھی اس لئے اگر عمداً انہیں تو ضرورتاً وہ نہایت دلجوئی سے کام لیتے تھے اور وہ ڈرانے دھمکانے کے ساتھ شفقت و عنایت سے بھی اپنی کور پر حکومت کرتے تھے ان کے اثر و اقتدار کا انحصار خوف و رعب سے زیادہ شفقت و مہربانی پر تھا وہ اپنے دیسی افسروں کا خاص لحاظ کرتے اور ان کے عہدہ کی ذمہ داری کے اعتبار سے ان کے ساتھ شفقت اور عزت کا برتاؤ کرتے تھے۔ ہندوستانی کمانڈنٹ کا اپنی کور پر تقریباً وہی اثر تھا جو یورپین کمانڈر کا تھا اس کا بدیہی ثبوت یہ ہے کہ مدراس کی بعض قدیم ہندوستانی بٹالین ابھی تک اپنے ہندوستانی کمانڈنٹ کے نام سے موسوم ہیں۔

اس تنظیم میں بیشک بہت سے نقائص تھے لیکن اسی کے ساتھ اس میں بہت سی خوبیاں بھی موجود تھیں کیونکہ اگرچہ یورپین کمانڈنگ افسر بلا روک ٹوک نہایت عظیم الشان خدمات انجام دیتا تھا لیکن عموماً اس کی کور مالی فائدہ (۲۲۹) کا وسیلہ ہوتی تھی اور اس میں ہندوستانی کمانڈنٹ سے اسے بڑی مدد ملتی کیونکہ اس مال غنیمت میں اس کو بھی حصہ دیا جاتا تھا لیکن وہ دونوں اپنی کور کے کام اور چال چلن کی درستی میں بہت دلچسپی لیتے تھے اور سپاہیوں کے ساتھ وہ ہمیشہ نہایت فیاضانہ اور مشفقانہ برتاؤ کرتے تھے۔

یورپین افسران کی تعداد بڑھا لیے۔ لباس میں عظیم الشان تغیر کرنے اور تنظیم کی اصلاح سے ہندوستانی افواج کے دستور العمل میں بہت سی اہم تبدیلیاں واقع ہوگئیں اور متعدد وجوہ کی بنا پر یہ تبدیلیاں عمل میں لائی گئی تھیں ہندوستانی والیان ملک نے اپنے یہاں کی افواج کو یورپین فنون جنگ سکھا دئیے تھے اس لئے ان پر فضیلت حاصل کرنے کے لئے یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ کمپنی کی ہندوستانی فوج فن جنگ میں مزید ترقی کرے اور چونکہ یورپ میں اس فن نے بہت کچھ ترقیات حاصل کرلی تھیں اور جو شاہی فوج ہندوستان آئی تھی وہ

باب ۱۲

اُن کے روبرو بطور نمونے کے موجود تھی علاوہ بریں بہت سے شریف اور اعلیٰ تعلیم یافتہ یورپین افسران ترقی کے مواقع کی وجہ سے یہاں کی فوج میں ملازم ہو گئے تھے چنانچہ بہت سے افسران کی یہ رائے تھی کہ ان اسباب کی بنا پر سپاہی اپنے افسروں کے پہلے سے بہت زیادہ مطیع و فرماں بردار ہو گئے ہیں اور ان میں جو تنظیم اور فوجی قابلیت اب پائی جاتی ہے اس کی نظیر پہلے نہیں ملتی ؎

(۲۲۰) کور کی کمان کے لئے کپتان[1] منتخب ہوتے تھے اور چونکہ فوج میں یہ ایک اعلیٰ درجہ تھا اور ذمہ داری کا کام تھا اس لئے اس کا حاصل کرنا افسروں کیلئے کافی ترغیب اور تحریص کا موجب تھا ؎

اس عہدہ کے لئے صرف اُن ہی افسران کا انتخاب ہوتا تھا جو سپاہی افسر مشہور ہوتے تھے یعنی یہ ایسے افسر تھے جن میں جملہ سپاہیانہ اوصاف موجود تھے اور جن سپاہیوں کی کمان ان کے سپرد تھی اُن کے تعصبات۔ عادات و اطوار سے بھی وہ بخوبی واقف تھے۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ اس انتظام سے فوجوں کا لباس اور ان کی تنظیم تکمیل کے اعلیٰ درجہ کو پہنچ گئی اور ایسی ایک بھی مثال نہیں ملے گی جس میں سپاہیوں کو ناراض کر کے ان کی اصلاح کی گئی ہو بلکہ اس کے برعکس صرف وہی فوجیں اپنی کارکردگی و تنظیم کے واسطے بہت زیادہ مشہور رہتی تھیں جو اپنی کمان کے افسروں کی بہت زیادہ مطیع و فرماں بردار رہتی تھیں اور یہ افسر بھی اپنے سپاہیوں کی ضروریات اور ان کے جذبات کا بہت لحاظ رکھتے تھے اور ہمیشہ یہی کوشش کرتے رہتے تھے کہ ہماری فوج کی ظاہری حالت

(۲۲۱) اور ان کا ڈسپلین دوسری فوجوں سے بہتر ہو کیونکہ اسی پر اُن کی شہرت اور ترقی کا دار و مدار تھا۔

[1] یہ انتخاب انگریزی رجمنٹوں کے کپتانوں میں سے ہوتا تھا جو کمپنی کے ملازم تھے۔ اور یہ بات اکثر دیکھنے میں آئی ہے کہ جن افسران نے ہندوستان کی زبان نہیں سیکھی یا جو اپنی تیز مزاجی کے باعث ہندوستانی فوج کی کمان کرنے کے لائق نہیں سمجھے گئے وہ اسوقت تک انگریزی فوج میں ماتحت افسر رہے جب تک کہ ترقی کر کے وہ فیلڈ آفیسر نہ ہو گئے اس انتظام کی رو سے ہر بٹالین میں دس

باب ۱

اس انتظام میں ہندوستانی افسروں کی بہت کچھ قدر و منزلت ہوتی تھی اور اس کا باعث کمان افسر ہوتا تھا جس کو اپنے عہدہ اور معقول تنخواہ کے باعث اتنا اثر اور رعب و داب حاصل تھا کہ وہ مہربانی کر کے سپاہیوں کی عزت افزائی کرتا تھا اور اپنی فوج کے نوعمر افسران کی نگرانی رکھتا تھا اور انھیں نصیحت بھی کرتا تھا کہ ہندوستانیوں کے ساتھ ہمیشہ اچھا برتاؤ کرنا اور جو سپاہی کہ پرانے ملازم تھے یا جنھوں نے اپنی بہادری کا ثبوت دیا تھا اور اس لئے وہ عزت اور عنایت کے مستحق تھے ان کے ساتھ کمان افسر نہایت عمدہ سلوک کرتا تھا اور حکمت عملی اور فیاضی کے اصول کے مطابق یہ امر نہایت ضروری بھی تھا۔

سنہ ۱۷۹۶ء میں ہندوستان کی فوجی ملازمت میں ایک اور زبردست تبدیلی واقع ہوئی جب کہ اس میں نئے قوانین جاری کئے گئے کیونکہ کمپنی کے فوجی افسران اور شاہی فوج کے افسران متعینہ ہندوستان کے رتبہ کی کمی و بیشی کے متعلق بہت سے واقعات رونما ہونے سے ان قوانین کا جاری کرنا نہایت ضروری ہوگیا تھا ان قوانین کی رو سے ہندوستانی دو پلٹنوں کی ایک رجمنٹ بنا دی گئی جس میں شاہی رجمنٹ کے مساوی افسر رکھنے کی اجازت دیدی گئی اور رجمنٹ میں میجر کے درجہ تک ترقی قرار دی گئی جس سے یہ توقع کی گئی تھی کہ افسران اور سپاہیوں کے مابین ارتباط اور اعتماد پیدا ہوجائے گا اور یورپین افسران کی تعداد اور زیادہ ہوجانے سے ہندوستانی فوج کی حالت اور درست ہوجائے گی کیونکہ جب ہر ایک چھوٹی جماعت پر ایک انگریز افسر ہوگا تو اس کی معلومات اور تجربہ سے یہ جماعت مستفید ہوگی۔ ان قوانین کا نہایت خراب اثر یہ ہوا کہ کمان افسران کی حالت میں بہت کچھ تغیر پیدا ہوگیا کیونکہ ان قوانین کے نفاذ سے اُن کا برائے نام رعب و داب باقی رہ گیا اور فی الحقیقت مثل سابق کے عزت افزائی کا موجب نہیں رہا اس میں بیشمار مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا اور کسی قسم کا اثر (۲۳۳)

لہ اس کو اپنی کور کا بیتہ جہاؤنی کی کمان کی تنخواہ اور دیگر معاوضے ملتے تھے۔

باب ۱۱

اور وقار نہ تھا اس لئے فوجی ملازمت سے دلچسپی لینے والے افسر جو قدرے شہرت بھی حاصل کر لیتے تھے حتی الامکان ان عہدوں سے گریز اور پرہیز کرتے تھے اور وہ اسی کوشش اور فکر میں رہتے تھے کہ انھیں گورنمنٹ کمان یا جنرل اسٹاف میں کوئی عہدہ مل جائے۔ ہندوستانی فوج کے نظام ترکیبی کے اس حصہ کے نہایت بُرے نتائج کو سب نے محسوس اور تسلیم کر لیا ہے ان خرابیوں کی کسی قدر اصلاح بھی ہوئی ہے لیکن فوجی محکمہ کی اس ضروری شاخ کی اس وقت تک پورے طور پر اصلاح نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس عہدہ کو اس قدر باوقعت اور منفعت بخش نہ بنا دیا جائے کہ ہندوستانی رجمنٹ کے معزز اور شریف افسران بجز کسی شعبہ کا افسر ہونے کے عام طور پر اسٹاف میں عہدہ حاصل کرنے سے اس عہدہ پر پہنچنا زیادہ معزز نہ سمجھنے لگیں۔[1]

(۲۳۴)

حکومت ہند نے سپاہی کو رکے افسران کی حالت پر بہت کچھ توجہ مبذول فرمائی ہے اُنکے الاونس میں اگرچہ قدرے اضافہ ہو گیا ہے لیکن ایسی تدابیر عمل میں نہیں آئی ہیں جن سے سپاہیوں کے دل میں وفاداری اور اطاعت کیشی کا جذبہ پیدا ہو۔ دو لاکھ چالیس ہزار ہندوستانی سپاہیوں[2] کی فوج میں صوبہ دار کی تنخواہ زیادہ سے زیادہ دہائی سو[3] ماہوار ہوتی ہے۔ ۳۰۔۴۰ سال کی ملازمت کے بعد وہ اس عہدے پر پہنچتا ہے لیکن اس عہدے پر پہنچکر اُس کی اس قدر بھی وقعت نہیں ہوتی ہے کہ اسکا افسر جو اکثر ایک نو عمر لڑکا بھی ہو سکتا ہے اس کے ساتھ درشتی سے پیش نہ آئے۔ بارکوں اور کیمپ میں اُسے کوئی علیحدہ مکان تک نہیں ملتا وہ سپاہیوں کے ساتھ رہتا ہے اور معذور ہو کر فوج سے کنارہ کش ہو جانے کی صورت میں

---

[1] ابھی حال ہی میں یہ مفید تدبیر اختیار کی گئی ہے کہ ہر ایک کور میں ایک صوبیدار میجر مقرر کر دیا گیا ہے۔

[2] گذشتہ نقشہ میں ہندوستانی فوج کے افسر اور سپاہیوں کی مجموعی تعداد ۲۳۳۳۶۶ دکھائی گئی ہے۔

[3] مدراس میں رسالہ کے صوبیدار کی بھی یہی تنخواہ ہے لیکن بنگال میں رسالہ کے صوبیدار کو ما۲ صہ ماہوار ملتے ہیں۔

اگرچہ اسے تنخواہ ملتی ہے جس سے وہ بسر اوقات کر سکے لیکن وہ اپنے اہل و عیال کی پرورش کا کوئی بند و بست نہیں کر سکتا ہے وہ اپنے بال بچوں کو اپنے ساتھ فوج میں اس خوف سے نہیں رکھتا ہے کہ اپنے عادات و اطوار کے باعث ان کو جسمانی سزا نہ (۲۲۴)
ملے اس کی اولاد زندگی میں اس کے لئے وبال جان اور اس کے مرنے پر لاوارث اور مفلس قلاش رہ جاتی ہے بیشک بعض ایسی مثالیں بھی فوج میں ملیں گی کہ کسی ہندوستانی افسر کو تھوڑا سا وظیفہ بھی دیا گیا ہو اور چند خاص صورتوں میں اس کے ورثا کو بھی اس کے وظیفہ کا کچھ حصہ دیا گیا ہے لیکن ایسی مثالیں شاذ ہیں اور یہ سلوک صرف اُن افسران کے ورثا کے ساتھ کیا گیا ہے جنھوں نے فوج میں کوئی غیر معمولی نمایاں خدمت انجام دی ہے لیکن با ایں ہمہ اس کے جملہ بالا دست افسران کو جن کی ماتحتی میں اس نے کام کیا تھا اس رعایت کے حاصل کرنے میں اپنے پورے اثر سے کام لینا پڑا ہے۔ لیکن اس طرح پر چند انعامات دینے کا کوئی عام اثر ہماری ہندوستانی فوج پر نہیں پڑ سکتا ہے۔ ایسی حالت میں یہ کوئی استعجاب کا مقام نہیں کہ سخت آزمائش اور خصوصاً غدر کے موقع پر ہماری ہندوستانی فوج نے بہت کم سرگرمی اور جوش کا اظہار کیا۔ ایسی صورت میں اُن کی حالت مشتبہ رہی اور وہ چندا بے تعلق سے رہے کیونکہ اُس پر وہ ذوق و شوق کی کمی تھی جس کی اس موقع پر سپاہیوں کو مدد دینے کے لئے ضرورت تھی۔[۱] (۲۲۵)

ان کو اپنے افسران کی اعانت کرنی پڑتی تھی اور چونکہ باغیوں کے ساتھ ان کے قومی اور عزیزانہ تعلقات تھے اس لئے ان کو نہایت مشکل اور خطرناک خدمت انجام دینی ہوتی تھی اور اگر وہ اس خدمت کے انجام دینے میں ناکام رہے تو یہ نقص ہمارے انتظام کا ہے اُن کا کچھ قصور نہیں لیکن اگر ہم اپنے انتظام میں جان ڈالدیں اور ان کے دل میں ذوق و شوق کا جذبہ پیدا کر دیں تو

---

[۱] ہمارے ہندوستانی افسران کی حالت ۱۸۵۷ء میں بمقام دہلی، پورا اور کچھ بغاوت بارکپور میں یکساں رہی اُن کا طرز عمل کچھ اس قسم کا رہا کہ وہ اپنی ملازمت ترک کرنا تو پسند نہ کرتے تھے لیکن اسی کے ساتھ اپنے مشکل اور خطرناک فرض منصبی کو بطیب خاطر ادا کرنے پر بھی آمادہ نہ تھے۔

باب ۱۱

پھر وہ جان لڑا کر اور پوری کوشش کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیں گے اور اپنے مستقبل کے لیئے ان کو مایوسی نہ ہوگی بلکہ کچھ فلاح و بہبود کی امید ہوگی ؎

اگر ہندوستان میں ہماری قوت کی نوعیت کے لحاظ سے ہندوستانی افسران کے ہاتھ میں فوجوں کی کمان دی جاسکتی جیسا کہ ظاہر ہے اس طرح ان کے اعزاز کا یہ دروازہ بند کر دیا جائے تو اُن کی حوصلہ افزائی اور عزت افزائی کے دوسرے دروازے کھول دیئے جائیں۔ جن اصولوں پر ہندوستانی فوجیں قائم ہیں ان کی پوری پابندی کرنے کے بعد ہمارے لیئے مناسب ہے کہ ہم اپنے ہندوستانی سپاہیوں کے دلوں میں یہ بات پیدا کریں کہ پسندیدہ خدمات انجام دینے کے بعد وہ اپنی زندگی آرام اور اعزاز کے ساتھ بسر کر سکتے ہیں اور اپنی قوم میں عزت حاصل کرنے کی توقع کر سکتے ہیں اور جو مراعات ان کے ساتھ کی گئی ہیں ان کا کچھ حصہ چند قواعد کے تحت ان کی اولاد کو بھی حاصل ہو سکتا ہے تو پھر اُن میں ایسی وفاداری کا جذبہ پیدا ہو جائے گا جس میں کوئی خرابی نہ آسکے گی ایسی تدابیر اختیار کرنے سے (۲۳۶) ہندوستانی فوج کی ملازمت معزز اور ہر دل عزیز ہو جائے گی اور پھر اعلیٰ ترین خاندان کے ہندوستانی اس کے حاصل کرنے کی خواہشمند ہونے لگیں گے اور اس طرح چند سال کے عرصہ ہی میں ہماری رعایا کی وفاداری میں ترقی ہوگی اور وہ نہایت سرگرم اطاعت کیش بن جائے گی۔ فوج کے پنشن یافتہ حضرات اور اُن کی اولاد رعایا میں حکومت کی وفاداری کے جذبات پھیلائے گی کیونکہ اسے یہ احساس ہوگا کہ جو کچھ عزت انھیں نصیب ہوئی وہ اُس حکومت کی بدولت ہے جس کی خدمات انھوں نے کامل وفاداری اور اطاعت شعاری کے ساتھ انجام دی ہیں ؎

جو ہندوستانی کمپنی کی فوج میں ملازم ہیں وہ سب نہایت شائستہ ہیں اور ان کا ذاتی چال چلن نہایت عمدہ ہے ان میں سے نوشی عام طور پر نہیں پائی جاتی اور بدچلنی کی بھی شاذو نادر مثالیں ملتی ہیں اور ان میں نہایت پسندیدہ نیکیاں اور خوبیاں موجود ہیں لیکن وہ کسی نیکی کی خوبی یا کسی بدی کے عیوب کے خیال سے نہیں بلکہ اپنے سخت مذہبی احکام کے خیال سے وہ اپنے سول اداروں

باب۱ کی خلاف ورزی کرنے سے ڈرتے ہیں۔ اکثر صورتوں میں یہ لوگ اپنے کو آزاد نہیں
تصور کرتے ہیں وہ رسم و رواج کے قانون اپنے مذہبی پیشوا یا گروہ کے حکم اور اپنے
بزرگ اور بلند مرتبہ لوگوں کے اثر پر اپنی ذاتی رائے کو قربان کر دیتے ہیں اور
ان وجوہ سے اکثر اوقات دفعتاً ان کے نرم اور اثر پذیر دل میں ضد ہٹ دھرمی
اور وحشیانہ سختی پیدا ہو جاتی ہے ہندوستان کے جملہ باشندے اور
(۲۳۷) بالخصوص بہادر اقوام نام و نمود کی بہت شائق ہیں اور وہ قوت کی ظاہری شکل
کی اس قدر توقیر کرتے ہیں جس قدر کہ حقیقی قوت کی ہو سکتی ہے اور فی الحقیقت
ہمیں یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوتی ہے کہ وہ ظاہری اعزاز کی ہر ایک علامت کو
نہایت اہم تصور کرتی ہیں بالخصوص ایسی حالت میں کہ وہ اعزاز ان کے اکابر
نے مرحمت کیا ہو لہٰذا کمپنی کے ہندوستانی سپاہی میں بھی اپنے ہموطنوں کی
خصوصیات موجود ہیں۔ چونکہ وہ ذہین۔ زود فہم خود پسند اور اپنی بڑائی کا متمنی
ہوتا ہے اس لئے وہ دوسروں کے مقابلے میں توجہ اور عدم توجہ سے بہت
جلد متاثر ہوتا ہے اور اگرچہ یہاں کی آب و ہوا اسے کاہل بنا دیتی ہے اور اس
کا جثہ بھی کچھ زیادہ قوی نہیں ہوتا لیکن شاباش دیکر اس سے غیر معمولی محنت
لی جا سکتی ہے لیکن اگر سختی اور درشتی کی جائے اور وہ اظہار ناراضی نہ کرے تو
وہ پست ہمت اور پہلے سے بھی زیادہ کاہل ہو جاتا ہے۔

ہمارا یہ بیان کافی تجربہ پر مبنی ہے کہ ہندوستان کے دیسی سپاہیوں
کی کارگذاری کا دار و مدار ان کے افسران کے برتاؤ پر ہے۔ اگر افسران اُن
کے ساتھ عزت و توقیر اور ان کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کرتے ہیں اور اُن کے رسم و رواج
کا لحاظ رکھتے ہیں تو وہ نہایت مطیع اور فرماں بردار بن جاتے ہیں اور پھر ہر ایک
موقع پر وہ عدیم النظیر سرگرمی اور شجاعت کے جوہر دکھاتے ہیں لیکن اگر کمان
افسران کے ساتھ معمولی برتاؤ کریں یا اُن کو ناقابل اعتبار سمجھتے ہیں یا اپنے کسی
(۲۳۸) فعل سے اُن کے رسم و رواج یا مذہب کی تذلیل کرتے ہیں تو وہ نہایت بزدل
اور غیر مطمئن ہو جاتے ہیں۔ اُن کی حالت کا یہ قدرتی نتیجہ ہے کیونکہ جس قوم کی وہ
اجرت پر خدمت کرتے ہیں اس سے ان کے اور کسی قسم کے تعلقات نہیں ہیں لہٰذا

باب

وہ اپنے قریبی افسران کے اثر کی بدولت معمولی طریقے پر اپنے فرائض انجام دیتے رہتے ہیں لیکن جو افسران اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اپنے ماتحت سپاہیوں میں کس طرح اپنی جیسی اسپرٹ پیدا کی جاسکتی ہے اور جو اثرات کہ وہ اپنے سپاہیوں کے دل نشین کرنا چاہتے ہیں وہ کس طرح اُن کے دل نشین کرائے جا سکتے ہیں اُن کو چنداں وقت پیش نہیں آتی ہے کیونکہ ان لوگوں کی تربیت اور اُن کے خیالات انھیں ناموری اور شجاعت کے کارنامے دکھانے پر مائل کر دیتے ہیں ؛

ایک فوج جس کی اس قسم کی تنظیم ہو اور جس میں ایسے مزاج کے سپاہی ہوں بہت جلد خراب ہو سکتی ہے اور یہ فوج اُس قوت کی تباہی اور بربادی کا موجب ہو سکتی ہے جس کی حفاظت کے واسطے وہ ملازم رکھی گئی ہے لیکن اس بات کا کوئی اندیشہ نہیں تاوقتیکہ ہم اپنی حقیقی قوت کا غلط اندازہ کر کے صرف یوربین فوج پر بھروسہ نہ کریں اور ہندوستانی فوج کو بہ نظر حقارت نہ دیکھیں اور اگر خدانخواستہ ہم کبھی اس فاش غلطی کے مرتکب ہوں تو وہی دن ہماری مشرقی سلطنت کے زوال کی ابتدا کا ہوگا۔ یوربین فوج کی افزائش سے نہ صرف ہماری سلطنت کو مالی نقصان پہنچے گا بلکہ ہماری ہندوستانی فوج کی یہ رائے بدل جائے گی کہ حکومت میں اس کی کچھ عزت و توقیر ہے اور ساری ہندوستانی فوج پست ہمت ہو جائیگی جس سے ہماری فوجی طاقت کو اس درجہ نقصان پہنچے گا جس کی تلافی ہمارے اعلیٰ درجہ کی یوربین افواج کی آمد سے نہ ہو سکے گی خواہ وہ کسی تعداد میں کیوں نہ طلب کی جائے۔ یوربین افسراں کی ماتحتی میں ہندوستانی فوج کا ملازم رکھنا نہایت غور طلب مسئلہ ہے۔ ہمارے نہایت قابل کمان افسر جنھوں نے ہندوستانی فوج سے کام لیکر فتوحات حاصل کی ہیں۔ اگرچہ وہ گورہ فوج کے جوش اور مردانگی کو افضل سمجھتے ہیں لیکن انھوں نے اپنے کسی فعل سے یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ انھیں ہندوستانی فوج پر اعتبار نہیں اور نہ کبھی ہندوستانی فوج کو یہ سمجھنے کا موقع دیا کہ وہ دوسری نظر سے دیکھی جاتی ہے۔ انگریزی اور ہندوستانی فوجوں کو ہر ایک معرکہ میں شریک کر کے انھوں نے ہندوستانی فوج کے دل میں

(۲۳۹)

باب ۱۲ (۴۴۰)

نہ صرف فخر اور ترغیب و تحریص کا مادہ پیدا کیا[1] جس سے کہ اُن کی فوجی قابلیت میں بہت کچھ اضافہ ہو گیا بلکہ اُن میں وفاداری اور محبت کا ایسا جذبہ پیدا کر دیا جس سے سلطنت کے عمومی فوائد پہنچنے کے علاوہ اُن معرکوں میں فوری کامیابی حاصل ہوئی ہے[2]

اس بیان سے ہندوستانی فوج کی عجیب و غریب خصلت معلوم کر لئے ہیں بہت کچھ مدد ملے گی اور اُن جملہ انتظامات کے نتیجے اور ہماری قوت کے اس شعبہ کی قابلیت اور وفاداری کا انحصار ہر درجہ کے اُن یورپین افسران کے مزاج علم اور قابلیت پہ اور کارکردگی پہ ہے جو دیسی افواج کے کمان افسر ہیں اس

---

[1] ہندوستانی فوج کے دل میں اس طرح کے جذبات پیدا کرنے والے کمان افسران میں سے حسب ذیل اصحاب خصوصیت کے ساتھ قابل تذکرہ ہیں مثلاً لارڈ کلائیو۔ سر آئر کوٹ ۔ لارڈ کارنواس اور ڈیوک آف ویلنگٹن۔

[2] ریویو کے رسالے کے جس مضمون کا اس سے پیشتر ہم حوالہ دے چکے ہیں (جلد ۸ صفحہ ۳۹۲) اُس میں جنرل سر جان فلایڈ مرحوم کی اُس توجہ کی بہت کچھ داد دی گئی ہے جو مرحوم کو اس مسئلہ کے متعلق تھی چنانچہ تبصرہ نویس لکھتا ہے کہ بہادر انگریزی پلٹن ۱۹ کے شہرۂ آفاق کمان افسر نے اس پلٹن کے یوم ورود سے ہندوستانی اور انگریزی فوج میں ارتباط اور باہمی محبت کے تعلقات پیدا کرنے کی بجد کوشش کی۔ اسے اپنے مقصد میں پوری کامیابی حاصل ہوئی اور دونوں قسم کی فوجوں کی متفقہ کوششوں سے اس کے ہندوستان میں قیام کرنے کے زمانے میں اُس کی ذاتی شہرت کو اور چار چاند لگے اور جو دوستانہ تعلقات اس نے پیدا کر دیئے تھے وہ اُس کی روانگی کے بعد بھی قایم رہے اور آسائی کے میدان جنگ میں یہ دوستانہ تعلقات درجہ کمال کو پہنچ گئے تھے۔

"ویلنگٹن نے جس قدر لڑائیاں لڑی ہیں ان میں جنگ آسائی نہایت سخت تھی اور اس جنگ کے ایک نہایت نازک موقع پر جب بہادر انگریزی سپاہ انتہائی جد و جہد کر رہی تھی اس نے دیکھا کہ اُس کے ہندوستانی ساتھی ان کے قدم بہ قدم چلتے اور یکساں شجاعت سے نبرد آزمائی کر رہے ہیں"، ہندوستانی فوج کو اس سے بھی زیادہ ایک سخت مرحلہ یہ پیش آیا کہ

باب (۲۴۱)

مسئلہ کو اس نظر سے دیکھنے پر موجودہ نظام کے نقائص رفع کرنے کی فوری ضرورت محسوس ہوتی ہے لیکن نقائص دور کر لینے کے لئے ایسی تدابیر پر عمل کرنا چاہیئے جو فیاضانہ پالیسی کے معقول اصولوں پر مبنی ہوں اور جو ہندوستانی فوج کے خصائل ۔ اس کی ہیئت ترکیبی اور سپاہیوں کی حقیقی حالت کے مناسب حال ہوں لیکن اگر ایسی تدابیر اختیار کرنے میں عرصہ تک غفلت برتی جائے گی تو اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ پھر مختلف صوبوں کی مقامی حکومتیں جزوی اور مقامی خرابیاں رفع کر لینے کے لئے ضروری کارروائی کریں گی لیکن اس کارروائی سے عام بے چینی اور خطرہ پیدا ہونے کی بنا پڑ جائے گی مطالبے کو روکنے والی دانشمندانہ دور اندیشی اور مراعات دیگر مطالبہ پورا کرنے والی کمزوری میں نہایت زبردست فرق ہے ۔ اول الذکر ترقی کرنے والی حکومت کی اور آخر الذکر زوال پذیر حکومت کی خاص علامت ہے ؛

ہندوستانی فوج کی وفاداری کو تسلیم کرنے اور ان میں جوش اور سرگرمی پیدا کرنیکی تدبیر کی بابت مفصل بحث کرنا موجب طوالت ہے لیکن اگر اس مسئلہ کی اہمیت تسلیم کر لیجائے تو پھر اس کی تدابیر کی اختراع میں کچھ دقت نہ ہوگی ۔

اسکے متعلق ہم جو کچھ تدابیر اختیار کریں اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ مستحق دیسی افسران کے مناسب حال ہم چند انعامات ضرور مقرر کریں اور یہ انعامات اس طرح کے ہوں جن کے حصول کے لئے نہ صرف چند افسروں کے دل میں شوق پیدا ہو بلکہ ان انعامات کے حاصل کرنے کی ان لوگوں کو بھی توقع رہے جو اسی طرح کی عزت اور وہی درجہ حاصل کر لینے کے لئے ساعی ہوں ۔ ہم نے ہندوستان میں مجبوراً بہت کچھ ضائع کیا ہے اور ہم نے جن لوگوں کو اپنی قوم میں معزز اور سربلند پایا تھا وہ ہماری

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ۔ جو ہندوستانی پیدل فوج قلعہ ویلور کی حفاظت پر متعین تھی اس نے مشتعل ہو کر اپنی فوج کے انگریز افسروں کو قتل کرنا شروع کر دیا لیکن اتنی سخت آزمائش میں ہندوستانی سوارہ فوج کی وفاداری میں شمہ بھر بھی تزلزل واقع نہ ہوا اور قلعہ کا دروازہ کھل جانے پر اس نے مثل گورہ فوج کے اپنے گمراہ اور مجرم اہل وطن کو بے دریغ قتل کر ڈالا ؛

باب ۸ سپاہ اتی حکومت میں بالکل تباہ و برباد ہو گئے۔ دانشمندانہ اور فیاضانہ پالیسی اس امر کی مقتضی ہے کہ ہم اپنی رعایا میں ایک اعلیٰ طبقہ پیدا کریں اور اسے برقرار رکھیں اور اس مقصد کے حاصل کرنے کی نہایت موثر تدبیر یہ ہے کہ جس شخص نے فوج (۲۴۲) میں نمایاں کارگذاری دکھائی ہو ہم اسکے وطن میں اُس کو کچھ عزت دیں اور اس کا رتبہ بڑھائیں تاکہ اس کے ابنائے وطن اس کی عزت کریں اور انھیں یہ خیال پیدا ہو کہ پہلی حالت خواہ کیسی ہی کیوں نہ ہو لیکن سرکاری خدمات کا انجام دینا عزت افزائی کا موجب ہوتا ہے۔ انعام یا صلہ دینے کا یہ طریقہ تمام ایشیائی سلطنتوں کے دستور کے عین مطابق ہے اور اگر ہم اس تدبیر کو عمل میں لائیں گے تو یہ تدبیر اہل ہند کے خیالات اور ان کی مرضی کے موافق ہوگی ؛

ممتاز ہندوستانی افسران کو جو کچھ بھی صلہ دیا جاسے وہ اُن کی خدمات اور حقوق کے موافق ہونا چاہیئے اور وہ صلہ ان کی اولاد کو بھی دینا چاہیئے اور اُن کے لڑکوں کو فوج میں بھرتی ہو کر مختلف مدارج طے کرنے کی ترغیب دی جائے اور ہر ایک عہدہ پر انھیں مقررہ تنخواہ سے کسی قدر زیادہ تنخواہ دینی چاہیئے اور جسمانی سزا سے مستثنیٰ کر دینا چاہیئے۔ ہمارا فوجی نظام رضا کار بھرتی کرنے اور ہندوستانی کیڈٹ مقرر کرنے کی اجازت نہ دیگا لیکن جو شخص بھی کہ فوج میں بھرتی ہو اُسے خود ایسی کوشش کرنی چاہیئے کہ وہ ترقی کرکے صوبیدار کے عہدہ تک پہنچ جائے اور فوجی سپاہی بیحد خوش ہونگے کہ ان کے افسروں کے لڑکے اُن کے ساتھ کام کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی ان کی عزت اس عہدہ کی مانند ہوتی ہے جس تک پہنچنے کے وہ سب ساعی اور خواہاں ہیں۔ ہندوستانی کمیشن یافتہ افسران جب اسٹاف میں لئے جائیں جیسا کہ اکثر ہوتا ہے تو انھیں ایک مقررہ الاؤنس ملنا چاہیئے اور آجکل کی طرح اُن کو آئندہ انعامات ملنے کے واسطے صرف اُن افسروں کے رحم و کرم پر نہ (۲۴۳) چھوڑنا چاہیئے جن کے تحت انھوں نے اعلیٰ خدمات انجام دی ہوں۔ اگر دانائی کے ساتھ اُن سے یہ کام لیا جائے تو وہ نہایت قابل قدر خدمات انجام دیتے ہیں اور اس کام میں کوئی یورپین افسران کا مقابلہ نہیں کرسکتا انھیں اکثر شعبوں کا نگراں کار اور بعض مرتبہ سپہ دار بھی بنانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس قسم کے

باب۱۵

تقررات اسٹاف والوں میں سے کرنے چاہئیں اگر ان عہدوں کے لئے اُن کا انتخاب ہوگا تو اُن کے خدمات کا انھیں صلہ بھی مل جائے گا اور اس عہدے کے حاصل کرنے کے لئے ان کو تحریص و ترغیب بھی پیدا ہوگی۔

مرقومۂ بالا تدابیر نہایت سودمند ثابت ہوں گی اور ان کے عملدرآمد میں کچھ زیادہ صرف بھی نہ ہوگا لیکن ان کا نفاذ صرف اعلیٰ عہدوں تک محدود ہوگا اور ان کے ساتھ جو عنایت و نوازش کیجائے گی اُس کا دوسروں پر بھی اثر پڑیگا لیکن سلطنت اور سلطنت کی حفاظت کرنے والی فوج کے حقوق کو باہم شیر و شکر کرنے کے لئے کچھ اور بھی کرنا ہوگا۔ اس کو موثر بنانے کا یہ طریقہ ہے کہ فوجی سپاہی کے ذہن نشین کردیا جائے کہ اگر فوج میں وہ قابل قدر خدمات انجام دے گا تو پھر اپنے صوبہ میں اُسے سول ملازمت ملنے کا استحقاق حاصل ہوجائے گا۔ جو امیدوار کہ شجاعانہ خصائل کے مناسب حال عہدوں کے خواہاں ہوں ان کے لئے باقاعدہ فوج میں چند سال تک ملازمت کرنے کی شرط لگادی جائے اور جن لوگوں نے کہ فوج میں ملازمت کی ہے وہ پولیس کا کام اگر بہتر نہیں تو کم از کم دوسرے طبقوں کی طرح بڑی خوبی سے انجام دے سکتے ہیں۔

(۲۴۴)

پولیس کے سپاہیوں کے ساتھ یہ رعایت کی جاسکتی ہے کہ اگر وہ خواہش کریں اور کاشت کرنے کے وسائل اُن کے پاس موجود ہوں تو ان کی تنخواہ کا ایک حصہ وضع کرکے اُن کو بنجر اراضی دیدی جائے۔

اس رعایت کو عام طور پر رائج کردیا جائے تو اس سے بید فوائد حاصل ہونگے کیونکہ اس کا عمدہ طور پر انتظام کردیا جائے تو نئے ملازمان کو ترغیب و تحریص ہوگی ان کے خدمات کا انھیں یہ صلہ مل جائے گا اور پھر اس کی بدولت ملک کے اندرونی امن و سکون اور مرفہ الحالی کو ترقی حاصل ہوگی اس تجویز کے لئے یہ کوئی معمولی سفارش نہیں ہے کہ اس طرح ملازمان کو ان کے عمدہ خدمات کا صلہ دینے کے ہمیں ذرایع حاصل ہوجائیں گے ہماری فوج کی اطاعت کیشی اور وفاداری میں بیحد ترقی ہوجائے گی اور ساتھ ہی اس تدبیر سے مصارف میں کچھ بیشی نہ ہوگی بلکہ اور کفایت ہوجائے گی۔

اسے کامیابی کے ساتھ درجۂ تکمیل تک پہنچانے میں جو دقت حائل ہوگی اُسے ہم نے

باب ۱

پیشتر ہی بیان کر دیا ہے لہذا اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ مجسٹریٹ اور سپرنٹنڈنٹ پولیس اس جماعت میں سے لئے جائیں جو فوجی سپاہی ہوں پر حکومت کرنے کی عادی ہوں "طرز حکومت" کے کسی نظم میں فوری تبدیلی پیدا کرنا دانشمندی کے خلاف ہے لیکن اگر یہ تجویز پسند ہو تو بتدریج اس کا نفاذ ہونا لازمی قرار دیا جائے مقامی حالات کے لحاظ سے ذیلی امور میں ترمیم ہو سکتی ہے لیکن اس کے اساسی اصولوں سے روگردانی نہ کرنی چاہیئے۔ یہ سیاسی امور ہیں اور ہندوستان میں ہمارے وجود سے ان کا خاص تعلق ہے ہندوستان میں ہماری فوجی حکومت ہے لیکن اپنے ممالک محروسہ کو اپنے قبضہ میں رکھنے اور ان کو ترقی دینے کا وسیلہ ہمارا سول انتظام ہے جس کی خوبی کا انحصار فوجی طاقت کو دانائی اور ہوشیاری سے کام میں لانے پر ہے۔ یہ ایک مسلمہ امر ہے لیکن اس کی صداقت حکومت ہند کے اعلیٰ افسروں کے ذہن نشین کرانی نہایت ضروری ہے کیونکہ ایسے تجاویز پیش کرنا محض فضول ہیں (۲۲۵) جن کے عملدرآمد میں جزوی اور مقامی خیالات۔ ذاتی اثر اور قوت یا مقررہ تنظیم کی حمایت سے ہر قسم کی رکاوٹیں پیدا ہوتی رہیں اور جن کے ناکام ثابت کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے ؎

لہ محکمہ پولیس میں ہندوستانیوں کے تقرر کو مجسٹریٹ یا جج قابل التفات نہیں سمجھتے کیونکہ جن لوگوں کا تقرر ہوتا ہے اُن سے مجسٹریٹ یا جج کا کوئی تعلق ہی نہیں لیکن ان کے ماتحت پولیس کی ملازمت کو قابل قدر سمجھتے ہیں لہذا وہ اپنے افسران بالادست کے اثر سے اپنی امکانی کوشش کرینگے کہ موجودہ انتظام میں کچھ تبدیلی نہ ہونے پائے ؎

گیارھواں باب

ہندوستان میں رہنے والے انگریز اور اینگلو انڈین صاحبان کی حالت پر تبصرہ عیسائیت کی تبلیغ۔ اخبارات اور مطابع کی حالت

انگریزی جماعت

اگر اس انگریزی جماعت کا کچھ تذکرہ نہ کیا جائے جو کمپنی کی ملازم تو ہے نہیں لیکن وہ ہندوستان میں اس کی زیر سیادت رہتی ہے تو یہ کتاب نامکمل رہے گی۔ یہ جماعت گذشتہ چند سال میں بہت بڑھ گئی ہے[1] اور غالباً ان اصحاب کی تعداد میں ابھی اور بہت زیادہ اضافہ ہونے والا ہے اور اس وجہ سے ان مسائل پر بہت کچھ توجہ کرنی ہوگی جن کا تعلق ان کے حقوق و مراعات سے ہوگا۔

کلکتے، بمبئی اور مدراس میں عدالت العالیہ قائم کر دینے سے جملہ انگریزی رعایا

---

[1] جو انگریز کہ ہندوستان میں ملازم ہیں بلکہ مقیم ہیں ان کی تعداد تین ہزار ہے از انجملہ دو ہزار بنگال میں پانچ سو مدراس میں اور پانچ سو بمبئی میں رہتے ہیں۔ یہ تخمینہ غالباً اصلی تعداد سے زیادہ ہے اگر اس میں جہازراں[2] بھی شامل کر لیئے جائیں تب بھی اتنی تعداد نہ ہوگی دفعہ ۱۰۴۔ قانون ۵۳ جارج سوم باب ۱۵۵۔

باب ۱۱
کی جو ان عدالتوں کے دائرۂ حکومت میں رہتی ہے مقامی حکومت کے غیر معمولی اختیارات کے خلاف قانونی حفاظت ہوگئی ہے البتہ چند صورتوں میں قانون نے حکومت مذکور کو یہ اختیار دیدیا ہے کہ وہ بغیر اجازت نامہ کے ہندوستان میں رہنے
(۲۴۷) والے انگریزوں کو انگلستان واپس بھیجدے۔

جب عدالت العالیہ بنگال میں اول مرتبہ جج مقرر ہوئے تو ان کو کمپنی کے کل صوبجات کی رعایا کے مقدمات فیصل کرنے کا اختیار حاصل تھا لیکن صرف چند روز کی آزمائش سے معلوم ہوگیا کہ یہ انتظام چل نہیں سکتا اور پھر تجربہ سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ ان کے محدود دائرہ میں بھی مقامی حکام سے سخت تصادم ہوجانے کا قوی احتمال ہے اس لئے اس خرابی کو جو اندرونی کمزوری اور نااتفاقی سے پیدا ہوسکتی ہے رفع کرنے کی یہ تدبیر ہے کہ اس عہدۂ جلیلہ پر نہایت احتیاط اور غور و خوض سے ایسے اصحاب کا تقرر کیا جائے جو نہ صرف اعلیٰ درجہ کے قانون داں ہوں بلکہ ٹھنڈے دل سے کام کرنے والے بھی ہوں قوت فیصلہ زبردست ہو اور ان کو اپنے حلقے کے متعلق جہاں انھیں کام کرنا ہے پوری واقفیت حاصل ہو اور تاوقتیکہ ایسے اوصاف رکھنے والے اصحاب عدالت العالیہ کے مقتدر عہدہ ججی پر مامور نہ ہوں گے اس وقت تک یہ اندیشہ لگا رہے گا کہ حکومتوں کے ان مرکزوں کی روز افزوں آبادی کے ساتھ شرقی سلطنت کے نظم و نسق کے اس نازک اور اشد ضروری شعبہ کے چلانے میں سخت پریشانیوں اور دقتوں کا سامنا ہوگا۔

ان سب عدالتوں کا دائرہ دارالسلطنت سے صرف چند میل آگے تک
(۲۴۸) ہے جہاں پر کہ وہ قائم ہوئی ہیں اور ابھی ان کے لئے بہت زمانہ درکار ہے اور اہم تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔ جب اس کے حلقہ کو وسعت دیجائیگی انگریزی قانون

لہ اکثر یہ تجویز پیش ہوئی کہ ہندوستان میں ملک معظم کی عدالتوں کے حلقہ کو وسعت دیدیجائے لیکن اس کو باور کرنا دشوار ہے کہ جو شخص انگریزی قانون کی تاریخ اور موجودہ حالت سے آگاہ ہے اور جس نے کسی مشرقی یا غیر ملک کی بطور تفتیش کی ہو وہ کسی ایک ملک میں دوسری جگہ کا قانون نافذ کرنے کی سفارش کرے گا سبب انگریز اپنے یہاں کے قانون کے اصول

باب ۱۱

جن لوگوں کی حفاظت کرتا ہے اُن کی حالت ہماری ہندوستانی رعایا کی حالت سے بالکل مختلف ہے کلکتہ۔ مدراس اور بمبئی میں انگریز۔ اینگلو انڈین اور ایسے ہندوستانی آباد ہیں جن کے تعلقات حقوق اور کاروبار انگریزی قانون اور انگریزی رسم و رواج سے وابستہ ہیں اور جن میں سے اکثر انگریزی قانون کے زیر اثر پیدا ہوئے اور تعلیم پائی اور اس وجہ سے یہ لوگ اپنے عادات و خصائل خیالات و جذبات کے لحاظ سے ایک جداگانہ قوم بن گئے ہیں جو ان صدر مقامات سے ۲۰ میل کے فاصلہ پر قصبات اور دیہات میں رہنے والوں سے بالکل مختلف ہیں۔ دنیا کے پردے پر تبدیلی سے خوف زدہ ہونے والی ہندوستانی جیسی کوئی اور قوم نہیں ہے۔ انگریزی قانون کا اثر اس قدر کم ہے کہ وہ اب تک ہمارے خاص خاص مقبوضات کی چہاردیواری سے آگے نہیں پہنچا ہے اس سے ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہندوستانی رعایا کو مہذب بنانے کی کوششوں کو پورے طور سے بار آور ہونے میں کس قدر مدت درکار ہوگی جن باتوں کو ہم تہذیب کی برکات تصور کرتے ہیں انھیں وہ لوگ جنھیں ہم ان کے اختیار کرنے پر آمادہ کرنا چاہتے ہیں جدت اور تغیر اور اپنی پرانی عادتوں اور اپنے اسلاف کے مذہب پر ایک قسم کا حملہ تصور کرتے ہیں۔

(۲۴۶)

ہمارے صدر مقامات اور وہاں کے مضافاتی اضلاع میں صرف اسقدر فرق ہے کہ صدر مقامات عرصہ سے ہمارے قبضہ میں ہیں اور وہ اضلاع ابھی حال ہی میں ہم کو ملے ہیں جہاں تک کہ ہماری حکومت کے اصولوں۔ ہمارے کیرکٹر اور ہمارے اداروں کے علم کا تعلق ہے ہمارے مختلف صوبوں کا مقابلہ جن پر کہ ہماری وسیع سلطنت مشتمل ہے بجا طور پر

لہ بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ کے بیچاری ہیں کہ جان و مال کی حفاظت کی جائے اور اس اصول پر انگریزی قانون مبنی ہے لیکن انگریزی قانون کی کارروائی باضابطہ اس اصول کا لازمی جزو نہیں ہے اور بجز انگلستان کے جہاں پر کہ اتفاقیہ یا خاص واقعات کے باعث اس ضابطہ کو ترقی ہوئی ہے یہ ضابطہ بڑی خرابی اور پریشانیوں کا موجب ہے اور انگریزی قانون ہندوستان میں تو اہل ہند کے سب سے قدیم رسم و رواج کے منافی ثابت ہوگا۔

باب۱۱

ایک ایسے خاندان سے کیا جا سکتا ہے جس میں سمجھدار بچوں سے لیکر شیر خوار بچے تک موجود ہوں۔ دیرینہ واقفیت کے باعث جن امور کا ایک کو علم ہے وہی دوسرے کے لئے پریشان کن ہیں۔ جس غذا سے کہ جوان العمر کی نشو ونما ہوتی ہے وہی غذا ایک بچہ کے لئے سم قاتل ہوسکتی ہے ان واقعات کو پیش نظر رکھ کر ہمیں نہایت احتیاط کے ساتھ گامزن ہونا چاہئے ورنہ ہم ایسی مشکلات میں پھنس کر رہ جائیں گے جن سے عہدہ برا ہونا سخت مشکل نہ ہوگا ایک غیر محدود اختیارات رکھنے والی (۲۵۰) حکومت نہایت محفوظ طور پر تجربات کر سکتی ہے وہ ایسے حق کو واپس لے سکتی ہے (جس سے کسی فائدہ کی امید نہ ہو وہ آج اُن حقوق کو منسوخ کر سکتی ہے جو اُس نے کل ہی عطا کئے تھے لیکن ہندوستان میں انگریزی حکومت کی یہ حالت نہیں ہے کیونکہ رعایا کے حقوق سے جن نوازشات اور مراعات کا تعلق ہے وہ ہرگز واپس نہیں لی جا سکتی ہیں کیونکہ ایسا فعل حقیقی یا ظاہری طور پر دستور انگلستان کی آزادانہ اسپرٹ کے منافی ہوگا علاوہ بریں ان کی واپسی سے حکومت پر اہل ہند کے اعتماد میں کمی آ جانے کا اندیشہ ہے جس پر کہ آئندہ کی مستقل ترقی کی جملہ توقعات مبنی ہیں اس لئے اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ ایسی تدابیر اختیار نہ کی جائیں جن سے اس قسم کے حقوق پیدا ہوتے ہوں تاوقتیکہ ہم کو یقین کامل نہ ہو جائے کہ ہم ان تدابیر کو مستقل طور پر برقرار رکھ سکیں گے اور ان سے ہماری ہندوستانی رعایا کو کسی طرح کا نقصان نہ پہنچے گا اور ہماری سلطنت کو اس سے عام طور پر فائدہ حاصل ہوگا۔ ہندوستان میں رہنے والے انگریزوں کے متعلق سب سے اول یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کو ہندوستان میں آباد ہونے کی اجازت دینا کس حد تک محفوظ اور قرین دانشمندی ہے اور زرعی و تجارتی ترقیات کی شاہراہ ان کے واسطے کس حد تک کھولنی چاہئے اس مسئلہ کا یہ جزو نہایت اہم ہے کیونکہ یہ ایک بدیہی بات ہے کہ بڑے پیمانے پر نو آبادی صرف اسی صورت میں قائم ہو سکتی ہے کہ جو لوگ آباد ہوں وہ صاحب جائداد ہوں ان کے پاس اراضی ہو اور اس کی پیداوار کے وہ مالک ہوں۔ ہندوستان میں انگریزوں کو زراعت کرنے کی اجازت دینے کو خطرناک اور خلاف مصلحت بنانے کے لئے جو دلائل کہ پیش کئے جاتے ہیں

باب ۱۱ (۲۵۱)

ان کا زیادہ تر موجب ہمارے مشرقی مقبوضات کی خاص نوعیت ہے (جس کو بار بار دہرانے کی ضرورت نہیں) ہندوستان کو نوآبادی نہ شمار کرنا چاہیئے بلکہ وہ ہماری ماتحت سلطنت ہے جس کو ہم نے وہ جملہ حقوق دینے کا وعدہ کیا ہے جو بادشاہ اپنی رعایا کو دیا کرتے ہیں کہ اس کی املاک۔ قوانین۔ رسم و رواج اور مذہب برقرار رکھا جائے گا۔ ہم ایسی اصلاحات عمل میں لا سکتے ہیں جن سے ملک کی عام مرفہ الحالی اور رعایا کی سود و بہبود کو ترقی حاصل ہو۔

(اگر ہم نے کوئی وعدہ نہ کیا ہوتا تب بھی یہ بات ہماری پالیسی کا لازمی جز تھی) ہم پر از روئے ایمان و انصاف اس امر کی پابندی عائد ہے کہ اپنی ترقی کیلئے کوئی ایسی تدبیر ہرگز اختیار نہ کریں جس سے رعایا کے حقوق میں مداخلت ہو یا جن سے اُن کے تعصبات برانگیختہ ہوں یا جو اُن کے قدیمانہ خصائل اور جذبات کے منافی ہوں۔

جو شخص بھی کہ یہاں کی زمینداری کی نوعیت اور رعایا کی حالت سے واقف ہے اس کو اس میں شبہہ کرنے کی گنجائش نہیں ہوسکتی کہ اس ملک میں کسی بڑے پیمانے پر انگریزوں کی نوآبادی قائم کرنے کا مرقومہ بالا نتیجہ برآمد ہوگا۔ ہندوستان کی مزروعہ اراضی کے ہر ایک کھیت میں لوگوں کو مختلف قسم کے جس قدر حقوق حاصل ہیں وہ خاص طور پر معلوم کر لئے گئے ہیں اور جن اصحاب نے اس مسئلہ کا پورے طور پر مطالعہ کیا ہے وہ اس بات کو تسلیم کریں گے کہ ہمارے اکثر صوبوں میں انگریزوں کو زمینداری خریدنے کی مطلق گنجائش نہیں ہے البتہ وہ ایسے مقامات پر اراضی خرید سکتے ہیں جہاں پر کہ ہمارے قوانین کی رو سے وہ فروخت ہوسکتی ہے اور اس کے بعد وہ بڑے بڑے شہروں کے گرد و نواح میں آباد ہوسکتے ہیں جہاں پر اراضی جائداد کی نوعیت ایک خاص حد تک چند اسباب کی بنا پر جن کا ذکر ہو چکا ہے تبدیل ہو گئی ہے۔ ہمارے ممالک محروسہ میں بہت سے بنجر ہیں لیکن ان کے دعویدار ہو سکتے ہیں جو اپنی ملکیت کے زبردست استحقاق پیش کرسکتے ہیں۔ یہی حالت جنگلات کی ہے۔ جن میں مویشی چرانے وہاں سے لکڑی اور گھاس کاٹنے کے حقوق قدیمی دیہات کے باشندوں کو حاصل ہیں علاوہ بریں

(۲۵۲)

جیسا کہ بیشتر بیان کیا گیا ہے کہ ملک میں امن اور مرفہ الحالی ہو جانے پر کاشتکاروں کی آبادی بڑھ جائے گی اور پھر فکر معاش لاحق ہونے پر وہ اپنے اسلاف کے دستور اور رواج کے بموجب اُفتادہ اراضیات میں جا کر آباد ہونے پر مجبور ہوں گے اور وہاں کی پیداوار میں وہ اپنا آبائی استحقاق بتا کر حصہ پانے کے دعویدار ہوں گے ایسی افتادہ اراضیات کو آباد کرنے کے لئے حکومت جو کچھ مالی امداد دیتی ہے تو مالگذاری میں اضافہ ہونے کی شکل میں اس کو اپنا دیا ہوا روپیہ واپس مل جاتا ہے اور جب بعض افراد کو نفع رسانی کے خیال سے حکومت اپنے مالکانہ حقوق سے جزواً یا کلیتاً دست بردار ہو جاتی ہے اور جیسا کہ کسی دوسری جگہ بیان کر دیا گیا ہے ہماری رعایا میں ایسی جماعتیں موجود ہیں جو سب سے پہلے حکومت کے ان عطیات سے مستفید ہونے کے لئے اپنے حقوق مشروط النفاذ پیش کر دیتی ہیں۔

اگر مرقومۂ بالا واقعات صحیح ہیں تو کاشتکاروں اور اُن سے اعلیٰ طبقہ والوں کے حقوق زمینداری میں بلا کسی مداخلت کے ہم صرف قلیل تعداد میں انگریزوں کو ہندوستان میں آباد ہونے کی اجازت دے سکتے ہیں۔ ہماری غرض خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو لیکن ہم ایسی تدابیر پر عمل نہیں کر سکتے ہیں جن سے ہندوستان میں آباد ہونے والے انگریزوں کو ایسی ترقی حاصل ہو جس سے کہ وہ ہماری قوم کا ایک کارآمد اور مطمئن جز بن جائیں کیونکہ ایسی کارروائی سے ہماری ہندوستانی رعایا کو ہماری طرف سے مایوسی اور بددلی پیدا ہوگی۔ (۲۵۳)

انگریز کاشتکاروں کو ہندوستان میں آباد کرنا اہل ہند کے تعصبات رسم ورواج اور مذہب کے سخت خلاف ہوگا اور یہ اس قسم کا خطرہ ہوگا جو انگریزوں کے افعال سے پیدا نہ ہوگا بلکہ ہندوستانیوں کے وہم وگمان سے پیدا ہوگا کیونکہ انگریز کاشتکاروں کو آباد کرنے کی بابت وہ خیال قائم کریں گے کہ سوسائٹی کی موجودہ تنظیم کے خاتمہ کی یہ ابتدا ہے وہ ان انگریزوں کو اپنے حقوق کا غاصب تصور کریں گے انگریزوں کے سرمایہ اور اُن کے اعلیٰ طریقۂ کاشت اور محنت سے وہ کسی قسم کا فائدہ نہیں اٹھائیں گے البتہ صرف ادنیٰ قسم کے مزدوروں

باب ۱۱

کو قدر سے فائدہ پہنچ جائیگا باقی لوگ انگریز کاشت کاروں سے مقابلہ کرنے سے خائف رہیں گے کیونکہ ان کو وہ حکومت کی محبوبہ جماعت تصور کریں گے اور اپنے دل میں اُن سے بغض وکینہ رکھیں گے جن کا اظہار خواہ کسی صورت میں بھی ہو بہر حال مفاد عامہ کے حق میں سخت مضرت رساں ثابت ہوگا۔

انگریز کاشتکاروں کی دماغی اور جسمانی حالت چند پشت کے بعد روبہ تنزل ہو جائے گی اور اس تنزل کو روکنے کے لئے خواہ کیسی ہی تدابیر کیوں نہ کی جائیں لیکن آب وہوا کے اثر اور جاہل و رذیل عورتوں سے تعلقات ہونے کے باعث اُن کی حالت ضرور بدتر ہو جائے گی کیونکہ واقعات مجبور کریں گے کہ وہ ان رذیل عورتوں سے ارتباط پیدا کریں اور ان کے گرد وپیش جو جاہل اور ادنیٰ قسم کے لوگ ہوں گے ان کی خراب عادتیں اور رذیل خیالات کا ان پر ضرور اثر پڑیگا۔ اور جب کبھی بھی یہ تبدیلی واقع ہوگی تو اس کی بدولت وہ قوم بدنام ہوگی جس سے برائے نام اُن کا تعلق رہیگا اور اپنی قوم کی قوت میں کسی قسم کا اضافہ کرنے کی بجائے وہ اپنی قوم کی قوت کو کمزور بنانے کا وسیلہ ثابت ہونگے

(۲۵۴)

بحالت موجودہ ہم لوگ معدودے چند ہیں لیکن ہندوستان میں ہماری حکومت کا وجود صرف اس امر پر ہے کہ ہندوستانی ہمارے کیرکٹر کی فضیلت کو تسلیم اور محسوس کرتے ہیں۔ اس لئے ہم کو ہمیشہ اس کی احتیاط اور لحاظ رکھنا چاہیئے کہ ہم کوئی ایسی حرکت نہ کریں جس سے کہ اپنے حکمرانوں کے متعلق رعایا کی رائے میں فرق آجائے۔ اور جو شخص کہ اس ملک اور یہاں کے باشندوں کی حالت سے واقف ہے اُس کو اس میں شک وشبہہ نہیں ہوسکتا ہے کہ انگریزوں کے مختلف صوبوں میں چند غیر معروف انگریزوں کے خاندان آباد کر دینے سے مرتومہ بالا نتیجہ ضرور برآمد ہوگا۔

لہ حکومت کا کوئی ایسا قانون نہیں ہے جس نے سمجھدار ہندوستانیوں کے دل پر ہماری نیک نیتی کا اس قدر گہرا اثر ڈالا ہو جس قدر ہمارے اس قانون نے کیا ہے جس کی رو سے یورپین صاحبان کو ہندوستان میں ارضی جائداد خریدنے کی ممانعت ہے اس مسئلہ کے متعلق کرنل لکس

باب ۱۱ (۲۵۵)

تجارت اور صنعت و حرفت سے نفع اٹھانے کے واسطے بہت سے انگریز ہندوستان میں آئے ہیں اور جو تبدیلیاں کہ واقع ہو چکی ہیں اور واقع ہو رہی ہیں ان کے باعث غالباً ان انگریزوں کی تعداد میں ابھی اور اضافہ ہو گا ہمارے تاجروں کے کاروبار سے ہماری سلطنت کو بہت کچھ نفع پہنچا ہے اور آئندہ بھی پہنچتا رہے گا کیونکہ انھوں نے ہندوستان میں اپنا روپیہ پھیلا دیا ہے صنعت و حرفت کی ترغیب و تحریص کی ہے اور ملک کی عام مرفہ الحالی کو ترقی دی ہے اور اپنے وسائل آمدنی کو بڑھا کر حکومت کی قوت کو امداد پہنچائی ہے۔ انگریز دستکار بھی ایک مختصر سے حلقے میں نہایت کارآمد ثابت ہوئے ہیں اور اہل ہند کے حقوق میں کسی قسم کی دست اندازی نہ کرنے کے باعث اُن کا کسی عنوان سے بھی ہندوستانیوں کے ساتھ تصادم نہیں ہوا بلکہ اس کے برعکس وہ اہل ہند کے محسن ثابت ہوئے ہیں کیونکہ انھوں نے اہل ہند کے روبرو اپنی مثال پیش کر کے ان کو بتا دیا ہے کہ تجارت کے وہ اعلیٰ اصول کیا ہیں جن پر عمل کرنے سے افراد اور قومیں کثیر دولت پیدا کر لیتی ہیں انھوں نے اہل ہند کو زندگی کے کارآمد اور زریں اصول سکھائے ہیں اور ان ہی اصحاب سے ہم کو یہ توقع ہے کہ اہل ہند کے روبرو یہی حضرات شائستہ اور مہذب سوسائٹی کی ہر طرح کی ترقی کی مثال پیش کریں گے گورنمنٹ کے سول اور فوجی افسران اپنے عہدے کے لحاظ سے رعایا سے الگ تھلگ رہتے ہیں اور رعایا ان کی تقلید نہیں کر سکتی ہے لیکن انگریز سوداگروں جن سے وہ بیوپار کرتے ہیں اور انگریز دستکار جن کے نیچے وہ کام کرتے ہیں یا جن سے ان کا مقابلہ ہوتا ہے ان سب سے ان کے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ سے نے اپنے مراسلہ میں تحریر کیا ہے کہ اگرچہ نپولین بونا پارٹ انگریزوں کے کسی فعل کی تعریف کرنے میں بڑا محتاط تھا لیکن اس قانون کی بابتہ اس نے کہا کہ میں نے تو کبھی اس قسم کے قانون کا تذکرہ سنا نہیں کرنل کی بات کا یقین کرنے میں تامل کیا لیکن جب کرنل نے اُسے یقین دلایا کہ یہ قانون نہ صرف نافذ ہے بلکہ اس پر بڑی سختی کے ساتھ عملدرآمد ہوتا ہے تو یہ سن کر نپولین نے بے ساختہ ہمارے اس قانون کی تعریف کی اور داد دی ؎

باب ۱۱

بہت قریبی تعلقات ہوتے ہیں اور اگرچہ ذات دن کے خصائل و عادات مختلف ہوتے ہیں لیکن بہت سے ہندوستانی غیر محسوس طریقہ میں اُن رسم رواج کے مقلد بنجاتے ہیں جو کچھ عرصہ گذر نے پر اپنے یہاں کے رسم و رواج سے ان کو بہتر اور افضل معلوم ہونے لگتے ہیں (۲۵۶)

ان وجوہ سے ہماری قوم کے تاجروں اور صناعوں کو بڑی اہمیت حاصل ہوگئی ہے اور ان کی تعداد میں اضافہ ہونے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے بشرطیکہ ان شرائط اور قواعد کی نہایت سختی کے ساتھ پابندی کی جائے جو ان کے واسطے مقرر کئے گئے ہیں۔ انگریزی حکومت ہندوستان میں اپنی نوعیت کے لحاظ سے ان قیود میں کمی نہیں کر سکتی ہے۔ اس کے بعض اختیارات بالخصوص رعایا برطانیہ کو ہندوستان سے جلاوطن کر کے انگلستان کو بھیج دینے کا اختیار ہمارے آزادانہ دستور کے ہر ایک اصول اور انگریزوں کے جذبات کے بالکل منافی ہے لیکن ہماری سلطنت ہند کے دستور العمل کے خلاف نہیں ہے اور یہ اختیار اُن شرائط کے عین مطابق ہے جو انگریزوں کو یہاں آنے اور پھر مختلف پیشے اختیار کرنے کی اجازت دینے سے پیشتر کرلی جاتی ہیں لیکن انگریزی سوسائٹی کی نوعیت سے ہم سمجھتے ہیں کہ جب کبھی کوئی کیسی ہی ضروری خود مختارانہ کارروائی کی جائے گی تو حکومت اور ہندوستان کے صدر مقامات کی رعایا کے اس طبقہ سے ضرور جھگڑا پیدا ہوگا اور اس صورت میں انگلستان میں اس طبقہ کے ساتھ ہمدردی کی جائے گی اور اس وقت حکومت ہند کو کمزور اور ذلیل کرنے کے لئے جو کوششیں ہوں گی ان کا مقابلہ کرنے کے لئے انگلستان اور ہندوستان کے حکام کو بڑے استقلال اور دانائی سے کام لینے کی ضرورت ہوگی؛

ان تاجروں اور صناعوں کی تعداد کچھ زیادہ نہیں ہے جن کو صوبجات[1] سے کچھ فاصلہ پر سکونت اختیار کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ ان میں بعض لوگ (۲۵۷)

---

[1] تاوقتیکہ چیف سکرٹری کا دستخطی سارٹیفکٹ حاصل نہ کر لیا جائے کسی برطانی رعایا کو پریسیڈنسی سے ۱۰ میل سے زیادہ فاصلہ پر رہنے کی اجازت نہیں۔ اس سارٹیفکٹ میں جائے سکونت اور قیام کی مدت درج کر دی جاتی تھی (بحوالہ دفعہ ۱۰۸ - باب ۱۵۵ جارج سوم قانون ۵۳)

تو سول اور فوجی مقامات پر رہتے ہیں اور چند انگریزوں نے اپنے کارخانے[1] قائم کر لئے ہیں اور وہ ایسے صوبوں میں رہتے ہیں جو بہت مدت سے ہمارے زیر حکومت ہیں۔ ان لوگوں کی تعداد بہت کم ہے اور بہت سے وجوہ سے ان کی تعداد میں اضافہ کرنا مناسب ہے۔ لیکن اگر ہم ان کی تعداد میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں تو ہم کو اس قانون میں ترمیم کر دینی چاہئے جو ان کے واسطے مدون کیا گیا ہے۔ بجز سنگین جرائم کے ان کے معاملات مقامی عدالتوں میں پیش ہونے چاہئیں اور جج صاحبان اور مجسٹریٹوں کے اختیارات میں اس قدر اضافہ کر دینا چاہئے کہ وہ اپنے ضلع کے یورپینوں کی زیادتیوں کا انسداد کر سکیں ان کے حکم کا مرافعہ ہو سکتا ہے لیکن اس قاعدہ کو اس طرح مکمل کر دینا چاہیئے جس سے کہ ہندوستانیوں کے ساتھ ناانصافی نہ ہونے پائے چونکہ[2] آج کل اگر کوئی ہندوستانی کسی انگریز تاجر یا دستکار پر دعوے کرتا ہے تو اس کے مقدمے میں انصاف سے کام نہیں لیا جاتا ہے۔ (۲۵۸)

جو یورپین کہ سرکاری ملازمت میں نہیں ہیں ان کو صرف ایسے شہروں میں سکونت کرنے کی اجازت دینی چاہئے جو ہمارے قبضے میں عرصہ دراز سے ہیں اور جو ہماری حکومت سے آگاہ ہیں اور اگر اس سے خراب نتائج برآمد نہ ہوں تو پھر اس کو رفتہ رفتہ وسعت دیدینی چاہئے۔ ہم اپنے قدیم اور جدید مقبوضات کی حالت کا فرق بیان کر چکے ہیں کہ مثلاً جدید مقبوضات کی رعایا اپنی جہالت کے باعث ہر ایک

---

[1] یہ کارخانے عموماً نیل اور شکر سازی کے ہیں۔

[2] جملہ یورپین بجز برطانوی رعایا کے پراونشیل فوجداری عدالتوں میں پیش ہو سکتے ہیں لیکن برطانوی رعایا پر فوجداری کا مقدمہ صرف پریسیڈنسی کی شاہی عدالت میں چل سکتا ہے اور اس کو ۵۰۰ روپیہ جرمانہ اور عدم ادائی کی صورت میں ۲ ماہ کی سزا دینے کا اختیار حاصل ہے اس سے زیادہ سزا دینے کے لئے اسے پیشتر سے منظوری حاصل کرنا ہوگی لیکن یہ کارروائی ان ہندوستانیوں کے حق میں بڑی سختی ہے جو ان کے خلاف دستغاثہ دائر کرنا چاہتے ہیں لیکن مصارف اور طویل فاصلہ کے باعث استغاثہ نہیں دائر کر سکتے ہیں (جلد دوم)

یورپین کو حکومت کا آدمی تصور کرتی ہے۔ ہماری سوسائٹی کے فرق سمجھنے کے واسطے ابھی انھیں مدت مدید درکار ہوگی اور جب تک کہ اُن کو اس قسم کی معلومات حاصل ہوں اُن کے امن و سکون اور ہمارے طرز حکومت پر ہندوستان میں آنے والے ہر ایک انگریز کے افعال و اقوال کا اس درجہ اثر پڑے گا جس کا ہم بمشکل اندازہ کر سکتے ہیں۔ یہ توہمات اور اندیشے مزید واقفیت حاصل ہونے پر مناسب وقت پر خود بخود رفع ہو جائیں گے لیکن جب تک یہ بدگمانیاں دور نہ ہو جائیں اور ہماری عادات و اطوار اور ہمارے عمدہ طرز حکومت سے وہ واقف نہ ہو جائیں اس وقت تک بجز فوجی اور سول ملازموں کے جن پر سخت قیود اور پابندیاں عائد ہیں کسی اور یوروپین کو ہندوستان میں رہنے کی اجازت دینا نہایت مخدوش ثابت ہوگا۔

(۲۷۹)

اگرچہ ایک زمانہ میں کمپنی کی حکومت اپنے رعایتی تجارتی حقوق کے تحفظ کے باعث یورپینوں کے ہندوستان میں آنے کی سخت مخالف تھی لیکن آجکل مجلس نظما پر یہ الزام لگانا بالکل پوچ اور لچر ہے کہ اُس نے اپنی تنگ خیالی سے انگریزوں کو ہندوستان میں سکونت اختیار کرنے کی ممانعت کر دی ہے۔ اور قیود عاید کر دیئے ہیں۔ برخلاف اس کے جس حد تک کہ یہاں آباد ہونے والوں کی حفاظت ہندوستانی رعایا کے مفاد اور سلطنت کی فلاح اور امن کا لحاظ رکھتے ہوئے ان کا آباد ہونا ممکن تھا انھیں اجازت دی گئی ہے۔ جن اصولوں پر کہ کمپنی کی حکومت نے عمل کیا وہ سلطنت کی حفاظت اور رعایا کی فلاح کے لئے ضروری تھے کیونکہ بہت سے حضرات اپنی تنگ خیالی کے باعث اہل ہند کے متعلق نہایت غلط رائیں قائم کر لیتے تھے لیکن ان غلط رایوں کی بنا پر جو شور و غوغا مچایا جاتا ہے اس سے متاثر ہو کر ہرگز اُس احتیاط سے چشم پوشی نہ کرنی چاہئے جو اس وقت تک ہماری رہبر اور محافظ رہی ہے خیالی پلاؤ پکانے والے حضرات جن مراعات کے متوقع ہیں وہ یقیناً موہوم ثابت ہوں گی یہ حرکات ہندوستان میں رہنے والے انگریزوں کے مابین افتراق پیدا کر دیں گی اور اگر ہم ان سے مرعوب ہو گئے تو ہم اپنے ملک کو کسی قسم کا نفع پہنچائے بغیر جس سے کہ ایسی تدبیر کے خراب نتائج کی کچھ تلافی ہو سکے

(۲۶۰) اپنی ہندوستانی رعایا کو ناقابل تلافی نقصانات پہنچائیں گے

اینگلو انڈین صاحبان

یورپین صاحبان کے جو بچے ہندوستانی بیویوں سے ہوتے ہیں وہ دوغلے یا اینگلو انڈین کہلاتے ہیں۔ اگرچہ وہ انگریزی جماعت کا جزو نہیں ہوتے لیکن اُن سے بہت کچھ مشابہ ہوتے ہیں صُلبی تعلقات کے علاوہ ان کی زبان تعلیم عادات وخصائل اور مذہب کی یکسانیت ایسے تعلقات ہیں جن کے باعث ان کا خاص تعلق انگریزوں سے رہنا چاہئے لیکن رنگ اور حیثیت کا فرق بہت سے اینگلو انڈین صاحبان کو انگریزوں کی جماعت سے بالکل علیحدہ کر دیتا ہے اور چونکہ وہ ہماری ہندوستانی رعایا سے مابہ الامتیاز ہیں اس لئے اُن کی خود ایک علیحدہ جماعت بن گئی ہے۔ سلطنت ہند اور سلطنت انگلستان نے گذشتہ چند سال سے اس فرقہ کی جانب خاص طور پر توجہ کی ہے اور ایسی تدابیر اختیار کرنے کی فکر دامن گیر ہے جن سے کہ ان کی مذہب حالت کو ترقی دے کر اس فرقہ کو معزز اور کارآمد بنا دیا جائے[1]۔

اگرچہ اس جماعت کے افراد کی تعداد کچھ زیادہ نہیں ہے لیکن ان کی حالت کو جلد درست کرنے میں بہت سے موانعات حائل ہیں۔ ان میں زیادہ تر ولد الحرام ہیں اور ان کے پاس معقول جائداد بھی نہیں اس لئے وہ اپنی اولاد کی بمشکل پرورش کر سکتے ہیں اور اسی وجہ سے وہ اولاد کی جلد شادی بھی نہیں کر سکتے ہیں[2]۔

(۲۶۱) شاذ و نادر ہی کسی اینگلو انڈین کی شادی یورپین لیڈی سے ہوتی ہے اور چونکہ وہ اپنی جماعت میں یا ہندوستانی عورتوں سے شادی کرتے ہیں اس لئے اُن کی اولاد ان سے بھی زیادہ سیاہ فام ہوتی ہے اور اگر والدین غریب ہوتے ہیں تو پھر ادنیٰ درجہ کے دیسی عیسائیوں کی لڑکیوں سے شادی ہو جاتی ہے جس کا

---

[1] رعایا کے اس فرقہ کی صحیح مردم شماری نہیں کی گئی ہے۔
[2] یہ لوگ پرتگالیوں اور نو عیسائیوں کی اولاد ہیں۔

باب ۱۱

یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ دوسری نسل میں یورپین نسل کی جملہ جسمانی علامات زائل ہو جاتے ہیں لیکن اس کے برعکس اس فرقہ کی عورتیں یورپین اصحاب سے شادی کر لیتی ہیں ان کے بچے صاف رنگ کے ہوتے ہیں اور چونکہ ان کا تعلق دوسری سوسائٹی سے ہوتا ہے اس لئے دو ایک پشت کے بعد وہ اپنی ننہال والوں سے بالکل علیحدہ ہو جاتے ہیں۔

معدودے چند اینگلو انڈین صاحبان نے فوجی کارنامے دکھانے کی بدولت کچھ شہرت اور دولت حاصل کی ہے باقی زیادہ تر یہ حضرات صوبجات کے مستقر اور خاص خاص فوجی اور سول مقامات پر رہتے ہیں اور عام طور پر یہ لوگ سرکاری دفاتر اور یورپین سوداگروں کے یہاں کلرک اور محاسب ہیں یہ لوگ عموماً انگریزی اور اس صوبہ کی مقامی زبان بولتے ہیں جس میں کہ وہ پیدا ہوئے ہیں۔ چند اصحاب کے علاوہ ان کا کوئی سیاسی اثر ہندوستانیوں پر نہیں ہے اور نہ اس قسم کا اثر پیدا کرنے کی انھوں نے کبھی کوشش کی اور اگر وہ اس کے حاصل کرنے کے درپے ہونگے تو ان کے راستہ میں سخت مشکلات حائل ہوں گی (۲۶۲)

انگریزوں کی وقعت اہل ہند کی نظر میں اس وجہ سے بہت زیادہ ہے کہ وہ اپنی گورنمنٹ کے بہت وفادار ہیں لیکن وہ کسی ایسے شخص کی عزت نہیں کر سکتے جو قابلیت میں تقریباً ان کے مساوی ہے اور جس کے حقوق جداگانہ ہیں اور جو کسی ایسی معزز قوم کا فرد بھی نہیں جو ہندوستان میں شریف اور معزز سمجھی جاتی ہے۔ ان کے پسندیدہ خصائل اور قابلیت کے باعث ممکن ہے کہ ان کے تعلقات ہندوستانیوں کے ساتھ ہو جائیں لیکن ہمارے تصور میں کوئی ایسا زمانہ نہیں آتا ہے جب اینگلو انڈین اصحاب کی جماعت ہندو یا مسلمانوں کے ساتھ کسی قسم کے خطرناک تعلقات قائم کرے گی۔ ان کی تعداد میں معقول بیشی ہونے کو زمانہ دراز درکار ہے لیکن یہ لوگ عموماً تعلیم یافتہ ہیں اور اس وجہ سے اپنی تعداد کے لحاظ سے بہت زیادہ وقعت ان حضرات نے حاصل کر لی ہے۔ انگریزوں کی جماعت کے ایک حصہ سے ان کا میل جول رہتا ہے اور ان کے سیاسی تعلقات دیسی عیسائیوں سے ہوتے ہیں اور اس وجہ سے ان کو آسانی

بابلا سیاسی اہمیت حاصل ہو سکتی ہے لیکن ہم امید کرتے ہیں کہ ہماری فیاض اور انصاف پسند حکومت تنگ خیالی سے اس اصول پر عمل نہیں کرے گی کہ حقوق و مراعات رعایا کی اسی جماعت ہی کو عطا کی جائیں جن میں ان کے حاصل کرنے کی قوت موجود ہو اور نہ محض اس وجہ سے ان کو مناسب حقوق سے محروم کرے گی کہ ان کے مطالبہ کا لہجہ زیادہ خوشامدانہ نہیں ہے۔ حکومت کو چاہئے کہ وہ مختلف اصولوں پر عمل کرے اور اس جماعت نیز اپنی رعایا کے ہر ایک فرقہ کو اس کی حالت کے لحاظ سے مناسب حقوق عطا کرے تاکہ رعایا کی مناسب توقعات پوری ہو جائیں البتہ اتنا خیال ضرور رہے کہ سلطنت کا کسی قسم کا نقصان نہ ہونے پائے ؛ (۲۶۳)

اگرچہ اس جماعت کی طرف سے لاپروائی کی جاتی ہے لیکن اس نے زندگی کے ہر ایک شعبہ میں اپنے کو کارآمد اور معزز ثابت کر دکھایا ہے۔ اس لئے ہم ان کی مذہبی اور اخلاقی حالت درست کرتے رہیں اور ان کی تعلیم کے لئے بڑے پیمانے پر ہم درسگاہیں قائم کر دیں اور پھر ان کی قابلیت اور حالت کے اعتبار سے ہم ان کے لئے وسائل معاش پیدا کر دیں اگر ہماری یہ تجویز اصولاً تسلیم کر لی جائے تو پھر اس پر عملدرآمد ہونے میں کچھ دقت پیش نہ آئیگی کیونکہ ہندوستان کی سول اور فوجی ملازمت کے واسطے جو سخت شرائط اور قیود ہیں ان میں تبدیلی کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی اس پر عمل پیرا ہونے سے ہماری موجودہ قوت میں کچھ کمی نہ ہوگی بلکہ اپنی رعایا کے ایک اولوالعزم۔ وفاکیش اور کارآمد طبقہ کی حوصلہ افزائی کرنے سے آئندہ ہماری قوت میں مزید اضافہ ہو جائیگا اپنی جماعت اور ہندوستانیوں کی نظر میں اینگلو انڈین صاحبان کا وقار محض اس وجہ سے ہے کہ انھوں نے اپنے کو یورپین جماعت سے ملا رکھا ہے۔ وہ اپنی اصلی نسل سے وابستہ رہنا چاہتے ہیں کیونکہ اس سے ان کا رتبہ بلند ہوتا ہے اور صرف اس صورت میں کہ ان کی اہانت اور ذلت کی جائے وہ انگریزوں سے علیحدہ ہو کر کارروائی کرتے ہیں اور اپنے حقوق انگریزوں سے جداگانہ اور مختلف قسم کے تصور کرنے لگتے ہیں۔ چونکہ وہ یورپین جماعت میں اپنے کو شامل کرنا باعث فخر (۲۶۴)

باب

سمجھتے ہیں اور ان کی عجیب و غریب حیثیت کی وجہ جو ذلت انھیں کبھی کبھی برداشت کرنی پڑتی ہے اسے وہ محسوس کرتے ہیں اور اس سے بلند ممتاز بھی ہوتے ہیں اسلئے انھیں کارآمد حلیف بنانے کے ذرائع موجود ہیں ان حضرات نے اپنی حقیقی حالت کا صحیح اندازہ کر کے نہایت مناسب طرز عمل اختیار کیا ہے اس کے ساتھ ہی ہم دانشمند و فیاض حکمران کی مانند ان کے ساتھ شفقت او عنایت کا برتاؤ کر رہے ہیں اس جماعت کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی پالیسی میں معقول ترقی ہو گئی ہے اور ہم نے ابھی حال ہی میں ان کو اراضیات خریدنے اور جوری کا ممبر ہونے کا حق عطا کیا ہے۔ اس قسم کے حقوق دینے سے بتدریج ان کی وقعت بڑھ جائے گی (۲۶۵) اور اگر انگریزوں کی جماعت میں بھی ان کا وقار قائم رہا تو ان کی حالت درست ہو جائے گی اور پھر سلطنت کے ساتھ ان کی اطاعت کیشی اور وفاداری کو مزید ترقی اور تقویت حاصل ہو گی۔

لہ اینگلو انڈین حضرات کو ہندوستان میں اراضیات خریدنے کا حق دینے پر نہایت زبردست اعتراضات کئے جاتے ہیں کہا جاتا ہے کہ اُن کی نوآبادی قائم کرنے کی یہ راہ نکالی گئی ہے۔ کیونکہ فی الحقیقت یہ لوگ اراضیات کے مالک ہونگے اگرچہ انھوں نے اپنی حرامی اولاد کے نام سے اراضی خریدی ہو اور پھر شادی بیاہ کے سلسلہ سے نوآبادی کے قائم کرنے والے یہی لوگ ہوں گے جو یورپین لوگوں کے مشابہ ہیں ان اعتراضات کا یہ جواب ہے کہ چونکہ ہم نے اس جماعت کو اُن ہی قواعد و قوانین کا پابند کیا ہے جو ہندوستانیوں کے لئے ہیں اس لئے ہم اراضیات خریدنے کے استحقاق سے ان کو محروم نہیں رکھ سکتے ہیں کیونکہ انھوں نے اپنی محنت و مشقت سے روپیہ پیدا کیا ہے اور اب اس روپیے سے وہ اراضیات خریدنے کے خواہاں ہیں۔ اس حق کے عطا کرنے میں خود حکومت کا بھی فائدہ ہے۔ چونکہ یہ جماعت گورنمنٹ کی بیحد وفادار ہے اگرچہ ان کی مادری زبان، طرز معاشرت اور مذہب اپنے یورپین اجداد جیسا ہے لیکن اپنے رنگ اور بعض خصائل کے باعث چونکہ وہ سول اور فوجی ملازمت سے محروم رہتے ہیں اس لئے اہل ہند ان کے متعلق اس قدر خائف نہیں ہو سکتے جس قدر کہ وہ یورپین نوآبادکاروں سے ہو سکتے ہیں اور

باب ۱۲

ہندوستان میں مذہب عیسوی کی اشاعت و تبلیغ

ہماری مملکت ہند میں مذہب عیسوی کی اشاعت و تبلیغ کی پالسی کو برقرار رکھنے کے مسئلے کا نہایت قریبی تعلق یورپین نوآبادی قائم کرنے اور یورپین اصحاب کی اولاد کی جانب خصوصیت کے ساتھ توجہ کرنے کے مسائل سے ہے جن پر کہ ہم گذشتہ باب میں تفصیلی بحث کر چکے ہیں۔ اگرچہ یہ حکومت کے فرائض میں سے ہے لیکن حکومت کے نام اور اس کے اقتدار کو ہرگز اس سے وابستہ نہ کرنا چاہئے۔ بحیثیت عیسائی قوم اور فرماں روائے ہندوستان ہمارا یہ فرض منصبی ہے کہ نہایت اعلیٰ پیمانے پر ہم ہندوستان میں اپنے کلیساؤں کو قائم کریں اور اپنی عیسائی رعایا کے لئے مذہبی تعلیم کے وسائل فراہم کرنا بھی ہمارے فرائض میں داخل ہے اور دینوی معنی کے لحاظ سے بھی ان کے مذہبی معلومات اور پھر عملاً مذہبی پابندی کو ترقی دینے کی بھی اشد ضرورت ہے مذہب کے پاکیزہ احکام کی پابندی اور خاص توجہ کے ساتھ عبادت کرنے سے ہماری رعایا کے اس طبقے کے عادات و اطوار درست ہو جائیں گے۔ عوام کی نظر میں ان کی وقعت بڑھ جائے گی اور ان کی مثال ہندوستان کو عیسائی بنانے میں غالباً دیگر جملہ وسائل سے کہیں زیادہ موثر ثابت ہوگی ؎

(۲۶۶)

لیکن رعایا میں اپنے مذہب کی تبلیغ و اشاعت کے لئے اگر ہم اس سے باہر قدم رکھنے کی اجازت دیں جو اپنے آبا و اجداد کے مذاہب پر قائم ہے خواہ وہ کیسے ہی چھوٹے کیوں نہ ہوں اور اپنے مذہب کا وہ اس لئے بہت زیادہ احترام کرتی ہے کہ تمدنی اور اخلاقی فرائض کے زبردست اصول کا تعلق اُس کے مذہب سے ہے تو اس حالت میں ہم کو گذشتہ زمانے کے تجربے حال

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ اس حقیقت کے باعث ہندوستان میں علم اور دیگر ترقیات بتدریج نافذ کرنے کا یہ لوگ وسیلہ بن سکتے ہیں ؎

باب ۱۱

کی معلومات اور اس حزم و احتیاط سے کام لینا چاہئے جس سے سلطنت کی سلامتی بھی ہو اور رعایاء ہند کو روشن خیال بنانے کے لئے ہماری توقعات بھی پوری ہو جائیں۔

ہندوستان میں سب سے اول قیام کرنے والے یورپین اہل پرتگال تھے ان کے اس قدر جلد تنزل کی وجہ ان کا تعصب تھا جس سے کام لیکر انھوں نے اپنا مذہب ہندوستان میں پھیلانے کی کوشش کی تھی۔ اپنی نو آبادیوں اور شہروں میں وہ دیسی عیسائیوں سے گھل مل گئے۔ اور اپنی اس حرکت سے انھوں نے اپنے ساتھ رہنے والے ہندوستانیوں اور دیگر رعایا کے مابین (۲۶۷) ایک حد فاصل قائم کر دی اور اس وجہ سے پرتگالی مذہب کے دائرے سے باہر رہنے والے ان سے بیحد خائف ہونے لگے۔ اس طور سے حصول آزادی کے اصول پر نہیں بلکہ مذہبی اصول پر بھی ان کی قوت کو بڑھنے سے روکنے کی کوشش کی گئی۔ اہل فرانس اگرچہ پرتگالیوں جیسے متعصب اور اوہام پرست نہیں تھے لیکن اس معاملے میں انھوں نے بھی ان کی طرح احمقانہ پالیسی پر عمل کیا۔ ان کی نوآبادیوں کی رعایا اور ان کی سلطنت کے جملہ قابل بھروسہ حکام کلیتاً عیسائی تھے ڈوپلے اور لیلی کے زمانے میں جبکہ ان کے اقبال کا ستارہ اوج پر تھا ان کے متعلق یہ رائے ظاہر کی گئی تھی کہ احتیاط اور ہوشیاری سے ہندو اور مسلمانوں کے مذہبی جذبات اور تعصبات کا احترام کرنے کی بجائے انھوں نے دونوں کے نہایت مقدس رسم و رواج کی اکثر اوقات توہین اور بے حرمتی کی لیکن ہندوستان میں برطانیہ کے طرز عمل کو دیکھ کر ہر شخص صرف یہی نتیجہ نکالے گا کہ اپنی ترقی کی ہر ایک منزل میں اپنے پیشروؤں کی غلطیوں سے بچتے ہی ہیں اُس لئے اپنی کامیابی دیکھی ہے۔ ہندوستانیوں کا مذہب بدلنے کی کوشش میں حکومت اور اس کے ملازمان کسی قسم کی

لے یورپ میں پرتگالیوں کی طاقت کا زوال ہندوستان میں اُن کے تنزل کا خاص سبب بن گیا لیکن اس میں شبہہ نہیں کہ اس تنزل میں تعجیل اُن کے تعصب کے باعث ہوئی۔

باب ۱۱

ذاتی اور سرکاری امداد نہیں دیتے ہیں۔اس طرز عمل کے اثرات کے نتائج تحسین کی نگاہ سے اس وقت تک نہیں دیکھے جائیں گے جب تک کہ وہ جادو جس کے زور سے یہ عظیم الشان سلطنت قایم ہے نہیں ٹوٹے گا۔

(۲۶۸) ہم نے عدالتی نظام ان ہی کے قوانین پر قایم کیا ہے جو اُن کے مذہبی رسم ورواج و اوہام پرستی سے متعلق ہیں گویا اس طرح ہم نے تبدیلی مذہب کے معاملہ میں حکومت کے اثر کو علٰحدہ رکھنے کی نہایت زبردست اور صریح ضمانت دے دی ہے۔اگر کبھی مذہبی جوش میں آکر ہم اس شرط کی خلاف ورزی کریں گے تو عظیم الشان خطرہ پیدا ہو جائے گا جس کا نتیجہ ہماری سلطنت کے واسطے نہایت مہلک ہوگا اور پھر ایک نیک عیسائی کو یہ دیکھ کر سخت افسوس ہوگا کہ اشاعت مذہب کے لئے اس طور پر کوشش کی گئی جس کی نوعیت احکام الٰہی کے برخلاف تھی اور پھر وہ ایسے اثر کو کام میں لانے سے ہمیشہ گریز کرے گا جس کی بابتہ رعایا کو کوشش کر کے یہ یقین دلا دیا گیا ہے کہ وہ کبھی استعمال نہ ہوگا۔

ہم نے نہایت اعلٰی اور واجب الاحترام پیمانے پر ہندوستان میں اپنے گرجے قائم کئے ہیں اور ان کی طرف ہمیں پورے طور پر توجہ رکھنی چاہئے۔ ان گرجوں کے لئے نہایت نمایاں قابلیت اور اعلٰی چال چلن کے پادری بھیجے جائیں اور ان پادریوں کی اس قدر تعداد ہو کہ وہ ہندوستان میں رہنے والے جملہ یورپین صاحبان کو مذہبی علم وعمل کے وسائل فراہم کرسکیں لیکن جو پادری کہ سرکاری ملازمت میں دینی خدمات پر مامور ہوں یا کالجوں میں پروفیسر ہوں انھیں کسی کا مذہب تبدیل کرنے کی ہرگز اجازت نہ دی جائے اور یہ کام

(۲۶۹) کم حیثیت مبلغوں کے متعلق رہے جیسا کہ اس وقت تک ہوتا رہا ہے جن کے پسندیدہ خصائل اور مذہبی جوش اشاعت مذہب میں زیادہ کامیابی کا موجب

۱؎ مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں کے قوانین کلیتاً اُن کے مذہب سے تعلق رکھتے ہیں چنانچہ مسلمانوں کا قاضی اور ہندوؤں کا پنڈت ان کا مذہبی اور قانونی شارح سمجھا جاتا ہے اور یہ دونوں احکام ربانی تصور کئے جاتے ہیں۔

باب ۱۱

ہو سکتا ہے اور جن کی خوش جد وجہد بہت کم خوف و اندیشہ پیدا کرے گی کیونکہ ان کا کوئی تعلق سرکاری امداد اور دست گیری سے نہ ہوگا۔ ہماری سلطنت کی توسیع کے ساتھ ساتھ بہت سے ہندوستانیوں کی یہ بدگمانی بھی بڑھتی جاتی ہے کہ ہم اُن کے مذہب میں مداخلت کریں گے۔ مقامی حکومت چونکہ رعایا کے اس اندیشے سے واقف ہے اس لئے ہر ایک موقع پر وہ اس کے رفع کرنے کی کوشش کرتی ہے اور رعایا کو بجنسہٖ یہ یقین دلاتی رہتی ہے کہ ہم ہمیشہ اُن اصولوں کی پابندی کریں گے جن پر اس وقت تک ہم کاربند رہے ہیں اور ہر ایک ایسی کارروائی سے وہ ہمیشہ گریز کرتی ہے جس کے متعلق یہ شبہہ ہو سکے کہ حکومت رعایا کے مذہب یا رسم ورواج میں مداخلت کرتی ہے یا اپنے زیردستوں کی مداخلت پر چشم پوشی کرتی ہے۔“

(۲۷) فورٹ ولیم کالج کے سالانہ امتحان بابتہ ۱۸۰۴ء میں ایک سوال یہ دیا گیا تھا کہ ایک مضمون تحریر کرکے بیان کرو کہ ہندوستانیوں اور عیسائیوں کی مذہبی کتابوں کا دیسی زبان میں ترجمہ کرنے سے اہل ہند کو کیا کیا فوائد پہنچیں گے؟“

اس پر چند مقتدر اور تعلیم یافتہ مسلمانوں نے اس خیال سے کہ اس قسم کی بحث سے مسلمانوں کے مذہبی احساسات کو صدمہ پہنچنے کا احتمال ہے

لہ تبدیلی مذہب کی کوشش میں امداد دینے کے ثبوت میں شہرۂ آفاق سوارٹز (Swartz) کی مثال پیش کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس مشنری کو سرکاری امداد کے ملنے سے رعایا کے اعتبار کو اور ترقی ہوئی تھی لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ اس مقدس اور قابل شخص کا کیرکٹر غیر معمولی قسم کا تھا اور خاص قسم کے واقعات کے دوران میں اس نے تبلیغ کا کام انجام دیا تھا اپنے ذاتی طرز عمل کی بدولت اُس کا کسان سے لیکر بادشاہ تک پر بےحد اثر تھا علاوہ بریں سوارٹز کو جس قدر امداد حکومت سے ملی تھی اُس سے کہیں زیادہ مدد اُس نے خود حکومت کو دی تھی علاوہ بریں آجکل اور اس زمانہ کی حالت میں بھی بے انتہا فرق ہے اور اس کو اپنی غیر معمولی قابلیت اور پاکیزہ خصائل کی بدولت اس کام میں کامیابی حاصل ہوئی تھی لیکن اب حالات اس قدر بدل گئے ہیں کہ اگر ہم

باب ۱۱ لارڈ ویلزلی کی خدمت میں ایک عرضداشت پیش کی جس میں درج تھا کہ ہم نہایت شکر گذاری کے ساتھ تسلیم کرتے ہیں کہ حکومت نے رعایا کو اپنے مذہبی فرائض انجام دینے کی پوری آزادی عطا کی ہے لیکن اس رواداری سے روگردانی کرنے کی ہم نہایت سخت مخالفت کرتے ہیں اس کے جواب میں گورنر جنرل کے نام اور دستخط سے یہ اعلان شائع ہوا کہ حکومت اپنا اولین اصول سمجھ کر اس پر سختی کے ساتھ کاربند ہے کہ مسلمانوں یا ہندوؤں کے مذہبی معاملات میں کسی قسم کی مداخلت نہ کی جائے اور عرضداشت پیش کرنے والوں کو ہم یقین دلاتے ہیں کہ ہماری رائے میں اس قسم کے مسائل پر بحث کرنا کالج کے قوانین کے منافی ہے جس کا تعلق مذہب سے ہو یا جس سے ہندوستان کے مذاہب کی توہین ہوتی ہو اور ہمارے نزدیک اگرچہ اس قسم کا مضمون لکھنا قابل اعتراض نہیں ہے لیکن جملہ شبہات رفع کرلنے کے لئے کہ گورنمنٹ انتہائی درجے کی رواداری سے ہمیشہ

۲۷۱ کام لیتی ہے اس لئے جس وقت ہمیں اس واقعہ کی خبر ملی ہم نے فوراً ممانعت کردی کہ ایسے مسائل پر کالج میں ہرگز بحث نہ کی جائے گورنر جنرل کے اس اعلان کی متعدد کاپیاں ہر ایک بڑے شہر اور ہندوستان کی دوسری حکومتوں کے درباروں کو بھیجدی گئیں ۔

مذکورۂ بالا واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک معمولی واقعہ سے بھی جس کا ہماری ہندوستانی رعایا کے مذہب سے تعلق ہو کس قدر زیادہ خوف پیدا ہوجاتا ہے اور ہماری ہوشیار اور دانشمند حکومت نے اس معاملے میں جو ظاہری طور پر نہایت خفیف معلوم ہوتا تھا اپنے اصول اور خیالات ظاہر کرنے کی جو کوشش کی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس قسم کے مسائل کے متعلق ذرا سی غلط فہمی کے پھیلنے میں بھی وہ کس قدر خطرہ سمجھتی ہے ۔

ویلور کے غدر اور بغاوت کے اگرچہ بہت سے اسباب تھے لیکن اسکی

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ یہ بھی فرض کرلیں کہ اس قسم کی غیر معمولی قابلیت اور صفات کی ہستی دوبارہ اس میدان میں آسکتی ہے تب بھی ہم ان تبدیل شدہ حالات میں اس قسم کی کامیابی کی ہرگز توقع نہیں کرسکتے ہیں۔

باب

خاص وجہ یہ ہوئی کہ غیر مطمئن اور چالاک اشخاص نے جاہل سپاہیوں کو یہ باور کرا دیا تھا کہ حکومت تمھارا مذہب بدلنے کی فکر میں لگی ہوئی ہے جن دلائل پر اُن کا یہ الزام مبنی تھا وہ بالکل لغو اور فرضی تھے لیکن وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ صرف ایسی بات کا سپاہیوں کے دل پر اس قدر زبردست اثر پڑ سکتا ہے کہ وہ متفق ہو کر اپنے افسران کو مار ڈالیں گے جنکے وہ ماتحت ہیں اور حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیں گے جن کے وہ ملازم ہیں۔

جس خیال سے انھوں نے یہ خوفناک حرکتیں کیں وہ دیگر مقامات پر بھی پہنچ گیا لیکن اس کی مزید توسیع کو حکومت کی دانشمندانہ کارروائیوں نے روک دیا اور ایک عام اعلان شائع کر دیا گیا جس میں نہایت واضح طور پر ان تمام باتوں کی تردید کی گئی جو بد اشخاص نے حکومت پر محمول کی تھیں اور اس بات کا اظہار کیا گیا کہ ہندوستانیوں کے مذہب اور رسم و رواج میں دست اندازی کرنے کا قطعی کوئی خیال نہیں ہے۔

۲۷۲

ا؎ گورنر جنرل باجلاس کونسل نے مجلس رازداری کے نام اپنے مراسلہ مورخہ ۷ دسمبر سنہ ۱۸۰۶ء میں یہ تحریر کیا تھا کہ ویلور کی بغاوت اور اس کے مابعد واقعات کا جو عملی اثر ہوا ہے اس سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی ہے اگرچہ مسٹر بکانن (Mr. Bucchanan) نے ساحل کے باشندوں سے مراسلت کرنے کے بعد یہ رائے قائم کی ہے کہ بغاوت ویلور کا کوئی بالواسطہ یا بلا واسطہ اور کسی نہج سے بھی خفیف سا تعلق بھی مذہب عیسوی سے نہیں تھا لیکن اس افسوسناک واقعہ کے متعلق گورنمنٹ کو جو مستند شہادت اور معلومات حاصل ہوئی ہے اس کی بنا پر ہم نے اس کے خلاف رائے قائم کی ہے اور ہم کو بخوبی معلوم ہو گیا کہ ویلور کے سپاہی جو اس طرح ورغلائے گئے کہ قتل و غارتگری پر آمادہ ہو گئے تھے اور جنھوں نے بعد میں سرکشی کی ان میں سے اکثر کے ہی ذہن نشین کرایا گیا تھا کہ حکومت ایک ایسی تدبیر میں مصروف ہے جس سے کہ اہل ہند عیسائی بنائے جائیں گے اور اس خوفناک مصیبت کا سب سے بڑا سبب یہی تھا۔

گورنمنٹ کی اس رائے سے وہ سب لوگ متفق تھے جنھوں نے اپنے فرض منصبی

سنہ ۱۸ء

باب ۱۱ (سنہ ۱۸۵۷ء)

مجلس نظما نے اس کارروائی کی سماعت کر کے اپنے مراسلہ مورخہ ۲۹ دسمبر کے ایک فقرہ میں یہ تحریر کیا کہ "ہندوستان کے نظم و نسق کی بابت ہمارا شروع سے یہ مسلمہ اصول ہے کہ وہاں کے مختلف مذاہب کو ہم نے کامل آزادی عطا کی ہے اور ہم اس بات کے ضامن ہیں کہ ہر ایک مذہب کے پیرو اپنے مذہبی خیالات اور عبادات کو پوری آزادی اور اطمینان کے ساتھ ادا کریں اور نہ تو ہم کبھی اسمیں مداخلت کرینگے اور نہ کسی دوسرے کو اجازت دیں گے کہ وہ کسی مذہب کی کسی عنوان سے بھی توہین کرے"

"ہم نے جب عیسائی مبلغین کو وقتاً فوقتاً ہندوستان میں اپنے مذہب کی تبلیغ و اشاعت کے واسطے یہاں آنے کی اجازت دی اس وقت یہ بات ہمارے وہم و گمان ہی میں نہ تھی کہ اُن کی تبلیغی کوشش میں ہم کسی قسم کی سرکاری امداد دیں گے یا اپنا اثر استعمال کریں گے کیونکہ ہم کو اس کا یقین کامل تھا کہ ہمارے مذہب کے اصولوں کو تسلیم کر لینے اور ہمارے مبلغین کی پاکیزہ مثال ہی سے رفتہ رفتہ تبدیلی مذہب میں حقیقی کامیابی حاصل ہوگی اور یہ کہ کسی نامناسب اثر یا سرکاری اعانت سے ہرگز کام نہ چلے گا اور نہ ان معاملات میں اس قسم کے اثرات کا دخل ہونا چاہیے"

اسی زمانے میں لارڈ منٹو گورنر جنرل کو عیسائی مبلغین کے عام وعظوں اور چند مطبوعات کی طرف توجہ دلائی گئی جو بنگالی زبان میں سیرام پور پریس سے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ کے لحاظ سے اس حادثے کے اسباب کے متعلق تحقیقات کی تھی۔ جن لوگوں نے سپاہیوں کو غدر کرنے اور اپنے افسران کو قتل کرنے پر آمادہ کیا ان کے ہاتھ ان اسباب کے علاوہ جن کی وجہ سے یہ حادثہ رونما ہوا اور کوئی دلائل ایسے نہیں آسکتے تھے جو ان وفادار آدمیوں کو اس قسم کے مظالم پر آمادہ کرنے کے محرک بن سکتے لیکن سپاہیوں کو بہکانے میں اس وجہ سے کامیابی حاصل ہوگئی کہ اُن کو سمجھایا گیا کہ تمہارا مذہب خطرہ میں ہے اور اسکے ثبوت میں یہ دلیل پیش کی گئی کہ قومیت کی علامتیں دور کردی گئی ہیں لباس میں ترمیم ہوگئی ہے اور اپنے غلط اتہامات کے ثبوت میں انھوں نے اسی طرح کی شہادتیں پیش کردیں اور اس کی اشاعت سائل کی ساری فوج میں ہوگئی"

باب ۱۱ (۲۶۴)

شائع ہوئی تھیں کہ ان مطبوعات کے مضامین[1] اہل ہند کے مذہبی احساسات کو سخت تکلیف پہنچانے والے ہیں؛

اعلیٰ حکومت نے اس کارروائی کو ملاحظہ فرما کر یہ حکم دیا کہ مطبع سیرام پور سے کلکتہ کو منتقل کر دیا جائے۔ یہ مطبع اگرچہ اہل ڈنمارک کی نوآبادی میں قائم ہوا تھا لیکن عیسائی مبلغین اور وہاں کا گورنر فی الحقیقت اس کو انگریزی ملک کے ماتحت سمجھتے تھے لیکن پادری سٹر کار ے[2] کے عاجزانہ معروضہ پر مطبع منتقل کئے جانے کا حکم منسوخ ہو گیا کیونکہ پادری موصوف اور دیگر عیسائی مبلغین نے یہ وعدہ کر لیا کہ ممالک محروسہ برطانیہ میں اشاعت کے واسطے اس مطبع میں جو کتابیں چھاپی جائینگی وہ اشاعت سے پیشتر سرکاری حکام کے معائنہ کے واسطے ارسال کی جائیں گی؛

(۲۶۵) گورنر جنرل باجلاس کونسل نے مجلس نظماء کی راز دار کمیٹی کی خدمت میں اس کارروائی کو بھیج دیا اور سیرام پور کے عیسائی مبلغین کی عرضداشت[3] کا حوالہ دے کر اپنی یہ رائے ظاہر کی کہ اس عرضداشت کے معتدل اور مودبانہ لہجہ کو ہم نہایت مسرت کے ساتھ تسلیم کرتے ہیں اور مذہب عیسوی کے مقدس رسائل کی اشاعت و تبلیغ کی بابتہ عیسائی مبلغین کی سرگرمی۔ نیت اور مقاصد کے متعلق ان کے بیان کی صداقت

---

[1] عیسائی مبلغین نے یہ بیان دیا تھا کہ ایک بنگالی رسالہ کو فارسی میں ترجمہ کرنے پر ایک نو عیسائی مامور کیا گیا تھا اس نے مذہبی جوش میں آکر قابل اعتراض جملے اپنی طرف سے بڑھا دیئے تھے اور ترجمہ بلا معائنہ کے شائع ہو گیا؛

[2] پیٹسٹ مبلغین کی سہولت کے واسطے سیرام پور میں مطبع قائم کیا گیا تھا۔ اس چھوٹے سے قصبہ میں مطبع کو کچھ کام نہ ملتا البتہ بقول گورنر یہ مطبع اس لئے کارآمد تھا کہ اس میں سرکاری اور پرائیویٹ اشتہارات چھاپ دئے جاتے تھے اُس کی جملہ مطبوعہ کتابیں انگریزی ممالک میں تقسیم کرنے کے واسطے ہوتی تھیں۔ مقدس اور واجب الاحترام مبلغین انگریزی رعایا تھے اس سوسائٹی کا خاص ممبر مسٹر کرے فورٹ ولیم کالج میں سنسکرت اور بنگالی کا پروفیسر تھا اور اس مطبع کو کالج سے بہت کچھ مالی امداد ملتی تھی۔

[3] بحوالہ مراسلہ لارڈ منٹو مورخہ ۲ نومبر ۱۸۰۷ء۔

باب ۱۱

کو مانتے ہیں لیکن امن عامہ کا محافظ ہونے کا فرض منصبی اور مذہب عیسوی کے برکات کی اشاعت کی فکر ہم کو یہ رائے ظاہر کرنے پر مجبور کرتی ہے کہ اس قابل ستائش مذہبی سرگرمی کے اثرات کو انہی حدود کے اندر رکھنا چاہئے اور اگر اس حد سے باہر قدم رکھا جائے گا تو پھر اس کی بابتہ ہماری قطعی رائے یہ ہے کہ اس حرکت سے نہ صرف امن عامہ میں رخنہ اندازی ہوگی بلکہ اصل مقصد کو بھی کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا اور یہ امر نہ صرف ہمارے سیاسی مفاد کے خلاف ہے بلکہ ہماری رعایا کے اس اعتماد اور عقیدہ کے بھی خلاف ہوگا جو اس کو ہماری بابتہ ہے کہ اپنے ممالک محروسہ میں ہم اپنی رعایا کے ہر ایک مذہبی فرقہ کے ساتھ پوری رواداری کا برتاؤ کرتے ہیں"

مبلغین نے اس قسم کی سالہا سال کی محنت اور کوششوں کی کامیابی اور نتائج کا ذکر کرکے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ان کی سرگرمی اور پرجوش کوشش سے وہ خطرات رونما نہیں ہوئے جن کا ہمیں اندیشہ ہے اور نہ ان کی مطبوعات جن پر ہم نے اعتراض کیا ہے اور نہ ان کے عام پند و وعظ سے کچھ خرابی پیدا ہونے کا احتمال ہے لیکن وہ زبردست واقعات جو پیش آچکے ہیں اور جو مبلغین سے نظر انداز ہوگئے ہیں وہ بدیہی طور پر ان کے نتائج باطل کر دیتے ہیں"

(۲۷۶)

اس وقت ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت ادنیٰ درجہ کی تھی اس لئے اہل ہند کو عیسائی بنانے کے لئے عیسائی مبلغین جو جد و جہد کر رہے تھے اس کے یہ معنی نہیں سمجھے جا سکتے تھے کہ انگریزی حکومت اپنی قوت کا اس طرح پر مظاہرہ کر رہی ہے یا ہندوستان کے موجودہ مذہبی نظام کے استحکام کو درہم برہم کرنا چاہتی ہے کیونکہ انگریزی حکومت نے ایسے صاف قوانین بنا دیئے تھے جن کی رو سے ہر ایک فرد کو اپنے مذہبی فرائض انجام دینے کے لئے کامل آزادی حاصل ہے اس وجہ سے اہل ہند عیسائی مبلغین کی اس کوشش کو انگریزی حکومت کی تحریک نہیں بتا سکتے تھے اور اس طرح حکومت کے بے تعلقی کی وجہ سے عیسائی مبلغین کی ذاتی محنت کا جو ثمرہ مذہب تبدیل کرنے کی بابتہ برآمد ہوا وہ مذہبی رشک وحسد کے عام جذبات برانگیختہ کرنے کے واسطے بالکل ناکافی تھا اور اس کی

باب ۱۱

خاص وجہ یہ ہوئی کہ عیسائی مبلغین نے اپنے مذہب کی تبلیغ صرف ہندوؤں ہی کی جنہیں مسلمانوں جیسا مذہبی تعصب اور مذہبی جنون نہیں ہے ودلیکن اب چونکہ انگریزی عملداری کی توسیع ہو گئی ہے اس لئے ممکن ہے کہ اہل ہند یہ اندیشہ کرنے لگیں کہ عیسائی مبلغین کی زبردست کوششیں حکومت کے زیر سیادت سر انجام پاتی ہیں جو انھیں ہر طرح کی اعانت اور تقویت دیتی ہے اور اب رعایا کے ذہن نشین یہ بات کی جا سکتی ہے کہ چونکہ ۲۷۷ برطانیہ کو براعظم ہندوستان کے بڑے حصّے پر اب لاثانی قوت حاصل ہو گئی ہے اور ہندوستان کی دیسی ریاستیں بھی اسی کے زیر اثر ہیں اسلئے اب اسکو یہ موقع حاصل ہے کہ وہ اپنے اس مقصد کی تکمیل کرے کہ رفتہ رفتہ رعایا کے اصل مذہب کو تبدیل کر کے اپنا مذہب جاری کر دے چونکہ حکومت برطانیہ اپنی قوت اور اثر کی کمزوری کے باعث اس وقت تک اپنے اس مقصد کی تکمیل کے ارادہ سے باز رہی ہے اس لئے ان واقعات کے باعث عیسائی مبلغین کی کوششوں سے رعایا کے دل میں اب بہت کچھ خوف و اندیشہ پیدا ہو سکتا ہے جو اس سے قبل کسی زمانے میں نہیں پیدا ہوا تھا

حکومت اعلیٰ اپنے اسی قابلانہ مراسلہ کے دوسرے حصہ میں تحریر فرماتی ہے کہ وہ ہماری حکومت کے سابق اور موجودہ حکام کے ذہن میں بھول کر بھی کبھی یہ بات نہیں آئی کہ ہم عیسائی مبلغین کی مذہبی جد و جہد سے کوئی واسطہ رکھیں یا اُن کے کام میں مخل اور دست انداز ہوں اگر وہ اپنے کام کو عقلمندی سے اور مجلس نظما کے احکام کے مطابق انجام دیتے رہے جو اس معاملہ میں بالکل واضح ہیں لیکن جب کبھی ان کی مذہبی سرگرمی ان حدود سے تجاوز کر گئی اور جو امن عامہ کے تحفظ اور گمراہ ہندوستانیوں میں عیسائی مذہب کی اشاعت کے واسطے نہایت دور اندیشی اور دانشمندی کے ساتھ مقرر کی گئی ہیں اور جب اس امر کا اندیشہ پیدا ہوا کہ اُن کی تصانیف اور پند و وعظ سے اہل ہند کے دلوں کو تسلی اور تشفی حاصل ہونے کی بجائے انتشار اور پریشانی لاحق ہو گی اور جب ان باتوں کی اطلاع حکومت کو ملی تو اس نے اس معاملے میں مداخلت ضروری سمجھی تاکہ اس خطرناک اور غیر منفعت بخش کارروائی کے خطرناک اثرات کو رفع کر دیا جائے" ہم (۲۷۸) نے اس کارروائی کو نہ صرف واقعات بیان کرنے کے لئے پیش کیا جن سے کہ یہ

باب ۱۱ مسئلہ واضح اور روشن ہو جاتا ہے بلکہ اس نازک اور پریشان کن معاملہ میں گورنمنٹ نے جو پرسکون اور مستحکم طرزِ عمل اختیار کیا اس سے حکومت کی سرشت اور اعتدال نمایاں ہوتا ہے اس کارروائی سے ایک بڑا سبق ملتا ہے اور تاوقتیکہ ہم تحمل اور رواداری کے ان فیاضانہ اور آزادانہ اصولوں سے دست کش نہ ہوں جنھوں نے اس وقت تک ہمیشہ ہندوستان میں انگریزی حکومت کی رہنمائی کی ہے ہم اس سبق کو نہیں بھول سکتے ہیں اور اگر اس اصول کو جاری کر دیا جائے تو رعایا کے ساتھ انصاف کرنے میں ہم ایک ممنوع فعل کو انجام دینے کے مرتکب ہونگے کہ ہم نے جبریہ طور پر اس قسم کے خیالات کو رعایا کے ذہن نشین کرنے کی کوشش کی جو خواہ کیسے ہی سچے کیوں نہ ہوں لیکن وہ خیالات ہندوستانیوں کے تعصبات جذبات اور اطوار کے منافی ہیں؛

گذشتہ ۸۰ سال میں ہماری عملداری کو جو توسیع حاصل ہوئی اور اس کے باعث رعایا کے جذبات اور احساسات میں جو تبدیلی واقع ہوگئی ہے اس نے لارڈ منٹو کی رائے کو اور زیادہ معقول اور قوی کر دیا ہے۔ اہل ہند دیکھتے ہیں کہ ہمارا کوئی مدمقابل نہیں اور اگر یہ کہا کر یہ ان کے ذہن نشین کر دیا جائے کہ ہم نے انکے مذہب اور رسم و رواج کو بدل ڈالنے کی تدبیر کی ہے تو پھر یہ بات ان کے دل پر ایسی نقش کالحجر ہو جائے گی اور وہ اپنی کم عقلی کی وجہ سے یہ نہیں سمجھ سکیں گے کہ ہم جو وعدے کر چکے ہیں کیسے ہی وعدے اور شرائط کیوں نہ کریں اور اس قسم کی باتوں کے روکنے کے لئے جو اصول اختیار کرتے ہیں وہ ہمیں اس مقصد سے باز رکھنے کے لئے کافی ہیں؛

مفتوحہ قوم کو اپنی ذلت کا جو احساس ہوتا ہے اس میں اس خیال سے بہت کچھ کمی ہو جاتی ہے کہ ہم کو اپنے مذہبی احکام اور مذہبی رسوم کے ادا کرنے کی کامل آزادی حاصل ہے جو ہمارے اسلاف سے وراثتاً ہم تک پہنچے ہیں لیکن (۲۲۹) اگر ہندوستانیوں کو اس کا ادنیٰ سا بھی اندیشہ ہوا کہ ہمارے مذہب پر حملہ کیا جاتا ہے تو اس معاملے میں وہ سب متحد ہو جائیں گے اور تجربہ نے ہم کو یہ سبق سکھا دیا ہے کہ صرف یہی خیال ہندو اور مسلمانوں کو متحد کر سکتا ہے اس کے علاوہ کوئی اور نہ

باب ۱۱

سبب اُن کے اتحاد کا نہیں ہو سکتا۔ اس کی بدولت دونوں جاہل افراد عیاروں اور باغیوں کے ہاتھ میں اس حد تک آجاتے ہیں جس کا بجز ان حکام کے جنھیں اپنے فرائض کی وجہ روزمرہ نہایت غور کے ساتھ ہندوستانی سلطنت کی رعایا کے مختلف طبقوں کی حالت دیکھنے اور اندازہ کرنے کا موقع ملتا ہے دوسروں کو وہم وگمان بھی نہیں ہو سکتا ؎

ہم نے سنہ ۱۸۱۶ء میں بریلی کی بغاوت دیکھی ہے اگرچہ اس کے وجود کا کوئی تعلق مذہبی جذبات سے نہ تھا لیکن جب تعصب اور دہشت کا جذبہ مشتعل کر دیا گیا تو پھر صاف طور پر معلوم ہو گیا جس کی کوئی نظیر ہماری تاریخ میں موجود نہیں کہ ہمارے خفیہ دشمنوں کے قبضہ میں کیسی زبردست قوت موجود ہے جس سے وہ ہماری رعایا کو ہمارے خلاف صف بستہ کر سکتے ہیں مخالفین کی یہ قوت صرف ایسی صورت میں کم ہو سکتی ہے کہ ہم نہایت غور وفکر کے ساتھ ہمیشہ ایسی تدابیر پر عمل کرنے سے گریز کریں جن سے انھیں عام رعایا کی سریع الاعتقادی یا تعصب کو برانگیختہ کرنے کا موقع مل سکتا ہے ؎

سنہ ۱۸۱۳ء میں جو قانون نافذ ہوا اس کے چند شرائط کی رو سے ہندوستان کے عیسائی مبلغین کی جد و جہد کو نئی شہ ملی کیونکہ ہندوستان میں عیسائیوں کی جو انجمنیں ہیں ان کا تعلق اپنی ہم عقیدہ انگلستان کی انجمنوں سے ہے ان انجمنوں کی ساری کوشش اشاعت مذہب اور اشاعت تعلیم کے واسطے ہو رہی ہے لیکن اب اُن کے نہایت قابل اور برگزیدہ اراکین نے عام طور پر اس بات کو تسلیم کر لیا ہے کہ جب تک بخوبی اشاعت علوم کے وسیلہ سے سنگ بنیاد نہ قائم کر دیا جائے اس وقت تک عیسائی مذہب کی اشاعت میں کامیابی حاصل ہوسکتی

۲۸۰

لے جلد اول صفحہ ۷۷۵۔

ٹے اگر کوئی اور امر مانع نہ ہوتا تو یہی سبب عیسائی مذہب کی اشاعت رہ گئے کے لئے بہت کافی ہے کہ جو پادری ہندوستان میں انجیل مقدس کا وعظ کہتے ہیں ان کے عقائد میں بیحد اختلافات موجود ہیں ؎

باب ۱۱

قوی امید نہیں ہوسکتی ہے۔ گذشتہ ۱۲ سال میں اسی عقیدہ پر عمل کیا گیا ہے اور اگرچہ حکومت نے نہایت ہوشیاری کے ساتھ نامعقول مذہبی سرگرمی کو دبایا ہے لیکن اسی کے ساتھ اُس نے ایسی تدابیریں نہایت فیاضی کے ساتھ مالی اعانت کی ہے جو رعایا کی فلاح اور بہبودی کا موجب ہوسکتے ہیں اور جن سے اُن کی آتش رشک وحسد نہیں بھڑک سکتی ہے جو امن عامہ کے لئے موجب خطرہ ہوتی ہے۔

اور اس طریقے کے جاری رہنے پر نہ صرف سلطنت کی سلامتی کا انحصار رہے گا بلکہ علم اور سچے مذہب کی اشاعت ہی سے کامیابی کی توقعات وابستہ ہوسکتی ہیں۔ (۲۸۱)

جن اصحاب کے سپرد ہماری مشرقی سلطنت کا نظم ونسق ہے انھیں اکثر یہ ناپسندیدہ فرض ادا کرنا پڑتا ہے کہ وہ بعض معاملات میں حکام انگلستان کی مخالفت کرتے ہیں جنھیں ہمارے اکثر ابنائے وطن کسی اعلیٰ وارفع مقصد کے حصول کی کھلی اور سیدھی شاہراہ تصور کرتے ہیں لیکن اگر کسی زمانے میں حکام انگلستان کے خیالات وجذبات میں تبدیلی واقع ہوگی یا ہندوستان کے مقامی حکام میں کمزوری اور ناروا جوش پیدا ہوگیا جس کے باعث وہ موجودہ قوانین کے بجائے کچھ اور اصول جہاں بانی کے مقرر کرلیں تو پھر فوراً ہی خطرات رونما ہوجائیں گے اور ابھی ہم کو تدریجی ترقیات کی جس قدر بھی توقعات ہیں وہ سب جلد کامیابی حاصل ہونے کی پُرجوش کوشش سے کلیتاً معدوم ہوجائیں گی۔

---

[1] مسٹر چارلس لوشنگٹن (Mr. Charles Lushington) نے ان تعلیمی درسگاہوں کا مفصل حال تحریر کیا ہے جو اس وقت بنگال میں موجود ہیں ان میں سے بشپ کالج قابل تذکرہ ہے جو بشپ ہیڈلٹن نے قائم کیا ہے اس کے خاص مقاصد یہ ہیں کہ وہ عیسائی بچوں کو دینی و دنیاوی علوم اور ہندوستانی خاص خاص زبانوں کی تعلیم دی جائے تاکہ وہ مشرکین میں اپنے مذہب کی اشاعت کرسکیں۔ دوسری قابل الذکر درسگاہ چنسورا کی ہے جو پادری مسٹر مے (Mr. May) نے ہندوستانیوں کی تعلیم کے لئے قائم کی ہے۔ اس کا مقصد تبدیل مذہب نہیں بلکہ یہ اصلاح ہے کہ دیہاتی مدرسوں کو اشاعت تعلیم کا وسیلہ بنایا جائے اور اس مدرسہ میں نہایت اچھا نتیجہ

باب ۱۱

ہندوستانیوں کو عیسائی بنانے کی کوشش کے صرف دو صحیح طریقے ہیں اول غیر امداد اور بے تعلق عیسائی مبلغین کے ذریعہ سے دوسرے بذریعہ تعلیم اول طریقہ میں شمہ بھر کامیابی کی امید بھی اسی وقت ہوسکتی ہے جب کہ اس کام کو عیسائی مبلغین انجام دیں جو اس مسئلہ سے مبرا ہیں کہ ان کا کوئی تعلق حکومت سے ہے بلکہ جو بہ نفس نفیس محض اپنی سعی اور تائید ربی پر بھروسہ کرکے کام کرتے ہیں ان برگزیدہ اصحاب کی ذمہ کوئی دنیاوی مہند نہ ہونا چاہیے جو ان کی کوششوں کے مانع اور مزاحم ہو۔ یہ اصحاب بطیب خاطر جملہ قومی آرام و آسایش کو ترک کردیں جس کے وہ عادی تھے اور نہایت عجز و انکسار کے ساتھ اُن جملہ ۲۸۲ تکالیف اور خطرات کو برداشت کریں جو اُنھیں درپیش ہوں۔ انھیں اپنے دائرہ عمل سے باہر نام و نمود حاصل کرنے کی ہرگز خواہش نہ کرنی چاہیے اور اپنے دائرہ سے باہر وہ جس قدر گمنام رہیں گے اُسی قدر انھیں اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہونے کی توقع ہوگی۔ مذہبی مسائل کے ذہن نشین کرنے کا یہی بہترین طریقہ ہے جو بیشتر ہندوستانیوں کے خیالات کے عین مطابق ہے کیونکہ جب دیکھیں گے کہ یہ معلمین بے لوثی سے کام کرتے ہیں جن سے ہم کچھ نفع اُٹھا سکتے ہیں اور ان کی جانب سے کسی بُرائی کا بھی اندیشہ نہیں ہے تو پھر وہ ان کے کام کو سرکاری امداد سے وابستہ نہیں کریں گے جیسا کہ وہ اکثر کیا کرتے ہیں اور نہ ان لوگوں کی بابتہ یہ گمان کرینگے کہ یہ کسی انجمن کے تنخواہ دار یا پیشہ ور معلم ہیں جو ان کے ساتھ رہ کر ان کی غلطیوں اور جرائم پر بھی نظر رکھتے ہیں تاکہ بعیدہ ممالک میں وہ ان کی اشاعت کریں اہل ہند کے یہ خیالات ان لوگوں کے متعلق ہیں جو انھیں اپنا ہم مذہب بنانے کی سعی میں مصروف ہیں۔ لیکن یہ کہنا بھی درست ہے کہ یہ خیالات خواہ صحیح ہوں یا غلط لیکن اُن سے بھی سلطنت کو خطرہ پہنچنے کا احتمال ہے اور اشاعت مذہب کی کوشش کے سد راہ یہی خیالات ہوں گے مگر اسی کے ساتھ یہ بات بھی

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ سے کام لیا گیا ہے۔ کہ نصاب تعلیم کو مذہبی مسائل سے بالکل پاک و مبرا رکھا گیا ہے۔ فی الحقیقت اس سمجھدار شخص نے نہایت محفوظ اور نہایت نفیس روش اختیار کی ہے جس سے کہ دلی مقصد حاصل ہو سکتا ہے

باب ۱۱

تسلیم کرنی ہوگی کہ عیسائی مبلغین کے ذریعے سے مذہب عیسوی کی اشاعت کا جو طریقہ تجویز کیا گیا ہے وہ زمانہ حال کے بجائے مذہب کے ابتدائی قرن کے عین موزوں و مطابق ہے اور اس وسیلہ سے کامیابی کی توقع محض قیاسی اور موہوم ہو سکتی ہے۔ اس لئے ہمیں دوسرے طریقہ پر کاربند ہونا چاہئے کہ ہم اپنی ہندوستانی رعایا کی فلاح کے واسطے درسگاہیں قائم کریں جن کا کوئی تعلق اشاعت مذہب کی کوشش سے نہ ہو اور ہم کو یہ امید رکھنی چاہئے کہ تعلیم کی بدولت اُن میں فراخ دلی اور روشن خیالی پیدا ہوگی وہ اپنی غلطیوں اور اوہام پرستی کو ترک کر دیں گے اور انجیل مقدس کے مسائل کو خود صحیح مان لیں گے جب اُن میں اس کے سمجھنے اور شناخت کرنے کی قابلیت پیدا ہو جائے گی بلاشبہ ہمارے حصول مقصد کا یہی صحیح طریقہ ہے۔ لیکن اس معاملے کے متعلق ہمیں اپنے نفس کو دھوکہ نہ دینا چاہئے۔ بہت سی نسلیں گذر جانے کے بعد کہیں اس مقصد کے حصول کا وقت آئے گا۔ اور اس دوران میں بہت سے سخت صدمے بھی برداشت کرنے پڑیں گے اور غالباً نہایت زبردست خطرہ اس وقت رونما ہوگا جب ایک طرف ہماری تعلیم سے مستفید ہو کر ہماری رعایا اپنے بے نظیر اخلاقی قوانین اور قیود سے آزاد ہو جائیگی جو اُن کے مذہب کی رو سے (خواہ اُس میں کیسی ہی غلطیاں اور اوہام پرستی کیوں نہ ہو) ان پر لازمی ہیں اور دوسری طرف سے احکام الٰہی پر صدق دل سے عمل نہیں کریں گے جو ان میں فراخ دلی پیدا کر سکتی ہے۔ یہی وہ خطرہ ہے جس کے سزاوار ہم ہی ہونگے اور اُس تباہی سے خود محفوظ رہنے اور جن لوگوں کی اصلاح کے ہم خواہاں ہیں انھیں محفوظ رکھنے کا صرف یہی ایک طریقہ ہے کہ ہم نہایت احتیاط سے کام لیں اور صرف معمولی اور غیر محسوس کامیابی پر قناعت کریں ہمارا اساسی اصول یہ ہونا چاہئے کہ ہمارے اعلیٰ مقصد کے واسطے یہی مناسب اور مفید ہے کہ بہت سے لوگوں کو سطحی تعلیم دینے کی بجائے ہم معدودے چند افراد کو پوری تعلیم دیں۔ ہمیں اپنی ساری جد و جہد صرف اُن ملکوں کی اصلاحات تک محدود

(۲۸۳)

(۲۸۴)

---

[1] اس کے متعلق ہم بظاہر عام اصول کے نتائے دیتے ہیں کہ کسی ایسے ملک میں اس قسم کا تجربہ

باب ۱

کردینی چاہیئے جہاں پر ہماری منشا کی بابتہ بہت کم غلط فہمی کا امکان ہے اور اس کی کوشش میں اپنے ایسے جوش کی زیادتی کو روک دینا چاہیئے جو ہماری کامیابی کے سدراہ ہو۔ اور رعایا کے واسطے تعلیم و تربیت کے وسائل فراہم کردینے کے بعد ہم یہ کام رعایا کے ذمہ چھوڑ دیں کہ وہ ان وسائل سے مستفیض ہو اگر وہ علم کے سرچشمہ سے سیراب ہونے کی خواستگار رہے تو پھر وہ خود ہی اس تک پہنچ جائے گی۔ لیکن اگر علوم کے پانی کو اِدھر اُدھر منتشر کردیا جائے اور ایسے لوگوں کو اس کے پینے پر مجبور کیا جائے جو علم کے پیاسے نہیں ہیں تو یہ فعل علم کی قدر و قیمت زائل کرنے اور علم کی وقعت کو نقصان پہنچانے کا موجب ہوگا۔

خود ہمارے ہی جذبات اور تعصبات اہل ہند کی اصلاح و ترقی کی کوشش میں سدراہ ہونگے۔ جن اصحاب کو بہت جلد ترقیات ہو جانے کی پوری امید ہے وہ (غالباً نادانستہ طور پر) ان خرابیوں کو مبالغہ سے بیان کرکے جن کی اصلاح کی خواہش ہے اور پیش آنے والی مشکلات کو خفیف بتا کر اعانت حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ بعض اصحاب کو وہ خطرات نظر آئیں گے جن کا فی الحقیقت کچھ وجود ہی نہیں ہے اور یہ حضرات ہر ایک دقت کو لاینحل تصور کریں گے اس افراط تفریط سے نہایت ناگوار تصادم کا احتمال ہے جو اس مقصد کے لئے سخت افسوسناک ہے۔ جو لوگ کہ اشاعت مذہب کے کام پر مامور ہیں ان کو واقعات کے بیان کرنے میں ہرگز مبالغہ سے کام نہ لینا چاہیئے کیونکہ مبالغہ کا انجام جھوٹ ہوتا ہے اشاعت مذہب جیسے شعبہ کے حضرات کو بغیر پوری معلومات حاصل کرنے کے کوئی بات وثوق کے ساتھ بیان کردینا نہایت نازیبا حرکت ہے اور اسی طرح کسی خاص ضلع۔ صوبہ یا عملداری کے باشندوں کے مذہب کے متعلق باطل رسم و رواج کو دیکھ کر سارے ہندوستان کی مختلف قوموں اور فرقوں کی حالت کی بابتہ عام نتائج اخذ کرنا بھی دوسروں کو دھوکہ دینا ہے۔ ان اصحاب

(۲۸۵)

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ کرنا خالی از علت نہ ہوگا جس میں ہماری حکومت قائم ہوئے ۵۰ سال سے کم کا زمانہ گذرا ہے۔

باب ۱۱

چاہئے کہ اہل انگلستان کے دلوں کو مشتعل کرنے کی بجائے تسلی اور تشفی دیا کریں جن سے کہ یہ حضرات مراسلت کرتے ہیں کیونکہ اس قدر دور دراز مقام پر بیٹھ کر انگلستان والے یہاں کے ان مبلغین ہی کے بیانات کا اعتبار کر کے اپنی رائے قائم کیا کرتے ہیں۔ جو لوگ کہ اپنے اسلاف کے طریقوں کی اندھی تقلید کرتے ہیں ان کی سخت غلطیوں کو ایسے الفاظ میں بیان کرنا چاہئے جس سے وحشت اور نفرت کے بجائے سامعین کے دل میں رحم اور افسوس کا جذبہ پیدا ہو۔ جو حضرات کہ اس مسئلہ پر بحث کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں ان کو اس مضمون پر نخوت اور غرور سے نہیں بلکہ عجز و انکسار کے ساتھ بحث کرنی چاہئے۔ بڑے شکر کا مقام ہے کہ اہلِ ہند و رعایا کے متعلق وسیع معلومات نے ہماری لاعلمی اور غلطیوں کو رفع کر دیا ہے اب نہایت عجز و انکسار کے ساتھ ہمیں یہ غور کرنا چاہئے کہ ہندو ”متین“ دیانت دار۔ شفیق اور بلے ضرر قوم زندگی کے کس کس فرض اور اپنی کس کس خصلت میں ہم سے افضل اور برتر ہے اس میں کبھی شک نہیں کہ ان کے بعض مذہبی مسائل اور رسم و رواج خلاف عقل اور خلاف فطرت ہیں ستی[1] اور دختر کشی کی خوفناک رسم سے اتلافِ جان دیکھ کر ہر شخص کا دل بجز ان لوگوں کے کانپ اٹھتا ہے جو ان ظالمانہ حرکات کا ارتکاب کرنے کے عادی ہو گئے ہیں لیکن ان حرکات کے متعلق تنفر ظاہر کرنے میں ہمیں یہ بات ہرگز فراموش نہ کرنی چاہئے کہ نسبتاً یہ حرکتیں مقامی اور محدود ہیں اور از انجملہ دختر کشی[2] کی رسم کو ہماری طرح سب ہندو بجز معدودے چند خاندانوں کے نہایت مذموم تصور کرتے ہیں۔

(۲۸۶)

---

[1] ستی کی رسم بہت کم ہو گئی ہے اور جنوبی ہند میں تو کوئی شخص اس سے واقف تک نہیں اور دکن یا اودھ اور ہندوستان میں شاذ و نادر ہی کوئی عورت ستی ہوتی ہے البتہ بنگال خاص میں یہ خوفناک رسم ہندوستان کے دیگر حصوں سے کہیں زیادہ رائج ہے معلوم ہوا کہ سنہ ۱۸۱۹ء میں ۶۵۰ عورتیں کمپنی کے علاقہ واقعہ صوبہ بنگال میں ستی ہو گئیں ان میں سے ۴۲۱ عورتیں کلکتہ ڈویژن میں ستی ہوئی تھیں سنہ ۱۸۲۰ء اسی علاقہ میں ستی کی وارداتیں صرف ۵۹۷ ہوئیں از انجملہ کلکتہ ڈویژن میں ۳۷۰ عورتیں ستی ہوئیں۔

[2] دختر کشی کا مفصل حال کتاب موسومہ سنٹرل انڈیا کی جلد دوم کے صفحہ ۲۰۵ پر ملاحظہ فرمائیے۔

باب ۱۵

بیواؤں کے بخوشی جان قربان کرنے کو سب لوگ گناہ عظیم تصور کرتے ہیں لیکن اس رسم کو منسوخ کرنے کے طریقہ کی بابت بہت کچھ اختلاف رائے ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ علم کی اشاعت مثال کی قوت اور بزرگوں کی نرم و صلح جویانہ مگر زبردست فہمایش۔ نفرت اور بیزاری کرنے والے انسانوں کے بے لوث خیالات رفتہ رفتہ اس وحشیانہ رسم کا استیصال کر دینگے کیونکہ ہندوستان کے بہت سے مقامات پر اس رسم کا رواج نہیں رہا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ مثل سابق کے اب نہ تو بزرگ اور نہ پنڈت لوگ اس رسم پر عمل کرنے کی داد دیتے ہیں لیکن اگر ہم نے یہ حماقت کی کہ اپنی قوت کے زور سے اپنی ہندوستانی رعایا کے کسی مذہبی رواج یا اس رسم کو موقوف کرنے کا ارادہ کیا تو جہاں کہیں یہ رسم جاری ہے وہاں پر اس کے ساتھ ہمدردی اور اس کی حوصلہ افزائی بدستور قائم رہے گی اور جن مقامات پر کہ اب اس کا رواج نہیں رہا ہے وہاں پر از سر نو جاری ہو جاے گا اس رسم کے انسداد کے متعلق ہماری کوشش کو وہ ہماری دیگر اغراض پر محمول کرکے ناجائز اور ظالمانہ حرکت تصور کریں گے علاوہ بریں اپنی قوت کو اس طور پر استعمال کرنے کا اثر دیگر مزید پریشانیوں اور خرابیوں کا موجب ہوگا اور بعض مقامات پر اس معاملے میں تھوڑی سی مداخلت کرنے سے چونکہ کوئی فوری خطرہ نمودار نہیں ہوا اس لیے بعض حضرات ہماری اس رائے کے مخالف ہیں لیکن ان کو نہ تو ہندو آبادی کی خصلت کے متعلق زیادہ معلومات حاصل ہو سکتی ہیں اور نہ وہ اُن وسائل کی نوعیت سے آگاہ ہو سکتے ہیں جو ہماری قوت کے پوشیدہ دشمن ہمارے خلاف فراہم کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں ہماری اس قسم کی ہر ایک مداخلت سے ان کے ہاتھ ایک حیلہ آجاتا ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ یہ ظالمانہ حرکت راجپوتوں کے چند خاندانوں تک محدود ہے لیکن نہایت ناانصافی کے ساتھ اسکا الزام ساری قوم راجپوت کے سر لگایا جاتا ہے جن میں سے ایک لاکھ تو ہماری فوج میں بھرتی ہیں اور اس بہادر و کثیر التعداد قوم میں ایک مثال بھی اس خوفناک رسم کی نہیں مل سکتی ہے۔

باب ۱۱

جو ہمارے خلاف اپنے اہل وطن کو مستعد کرنے کی توقعات میں اضافہ کا موجب ہوتا ہے کیونکہ غیر ملکی اور غاصبوں کی حکومت کا تختہ پلٹ دینے کو وہ ملکی ہمدردی اور مقدس کام تصور کرتے ہیں جنھوں نے انسانی ہمدردی اور اصلاح کے حیلہ سے یہاں کے ایسے رسم و رواج پر کھلم کھلا نہایت سخت حملہ کیا ہے جن کا احترام نہایت متعصب اور سخت گیر مسلمان فاتحین[1] تک نے کیا ہے اور گذشتہ تین ہزار سال سے جن پر عمل ہو رہا ہے۔ کچھ عرصہ ہوا کہ عیسائی مذہب کی تبلیغ اور اشاعت

---

[1] ڈائوڈورس سائیکولس (Diodorus Siculus) نے ستی کے حسب ذیل حالات اپنی تاریخ میں درج کئے ہیں اور رالن Rollin نے اپنی کتاب کی نویں جلد میں ان کا حوالہ دیا ہے۔

"وکہ انیٹی گونس اور یومینیز کی جنگ کے بعد آخر الذکر نے اول الذکر سے اپنے مقتولوں کو دفن کرنے کی اجازت حاصل کر لی۔

اس رسم کو ادا کرنے کے دوران میں ایک عجیب و غریب جھگڑا پیش ہوا۔ مقتولین میں ایک ہندوستانی افسر کی لاش تھی جس کے دو بیویاں تھیں از انجملہ ایک سے اس نے حال ہی میں شادی کی تھی۔ ہندوستان کا قانون کسی بیوی کو شوہر کے بعد زندہ رہنے کی اجازت نہیں دیتا کیونکہ شوہر کی چتا پر ستی ہونے سے اگر وہ انکار کر دے تو وہ ہمیشہ مطعون اور ساری عمر بیوہ رہے گی اور کسی قربانی یا دیگر مذہبی رسوم میں اُس کو شریک ہونے کی اجازت نہیں ملے گی۔ اس قانون میں صرف ایک بیوی درج ہے لیکن اس مقتول کے دو بیویاں تھیں۔ ان دونوں میں سے ہر ایک ستی ہونے کیلئے اپنا حق فائق جتاتی تھی۔ پہلی بیوی کہتی تھی کہ زوجۂ اولی ہونے کے باعث میرا حق ستی ہو جانے کا ہے دوسری نے جواب دیا کہ حاملہ ہونے کے باعث قانوناً آپ ستی ہونے سے مستثنیٰ ہیں اور بالآخر یہی فیصلہ ہوا چنانچہ اس کے غم میں پہلی بیوی روتے روتے آنسوؤں میں نہا گئی اس نے اپنے کپڑے پھاڑے اور سارے بال نوچ ڈالے گویا کوئی سخت مصیبت اُس پر نازل ہوئی تھی۔ اس کے برعکس دوسری بیوی ہنسی خوشی اپنے سب خویش و اقارب کو لیکر اور شب عروسی جیسا سنگھار کر کے نہایت استقلال

باب ۱۱ (۲۸۸)

تعلیم کے متعلق مصنف ہذا نے اپنے یہی خیالات جلسۂ[1] عام میں ظاہر کئے تھے اور اس کے ان خیالات کی تائید اسکے تازہ تجربہ[2] سے

بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ۔ کے ساتھ اس رسم ادا ہونے کے مقام پر گئی وہاں پہنچ کر اس نے اپنا سارا زیور اپنے خویش و اقارب کو دے دیا اور سب کو رخصتی سلام کیا۔ شوہر کی چتا پر خود اس کے بھائی نے اس کو اپنے ہاتھ سے بٹھا دیا اور جملہ حاضرین کی واہ واہ اور شاباش کے نعروں میں وہ اپنے شوہر کی لاش کے ساتھ ستی ہو گئی۔

اس بیان کی وہ حضرات تصدیق کر سکتے ہیں جنھوں نے ستی ہونے کی ساری رسم کو بچشم خود ملاحظہ کیا ہے اور یہ بیان آجکل کے ہندوؤں کے خیالات اور رسم و رواج کے عین مطابق ہے یہ واقعہ چنداں التفات کے قابل نہیں ہے کیونکہ اس سے نہ صرف نہایت عمیق مذہبی عقیدہ ظاہر ہوتا ہے جس پر کہ یہ وحشیانہ رسم مبنی ہے بلکہ یہ ایک مثال رسم و رواج کی زبردست اور لاینحل سختی کی ہے جو اس قدیم اور عجیب و غریب قوم میں جاری ہے تم

[1] بیان باجلاس دارالامرا مورخہ ۱۸۱۳ء (اسکیچ آف پولٹیکل انڈیا صفحہ ۴۶۸)

(Sketch of Political India)

[2] پادری مارشمین نے سیرام پور کی بیپٹسٹ مشنری سوسائٹی کی جانب سے مصنف ہذا سے یہ درخواست کی کہ آپ ہمارے کالج کی سرپرستی قبول فرمالیجئے اس کے جواب میں مصنف ہذا نے کیمپ مٹو سے ایک مراسلہ مورخہ ۷ رنومبر ۱۸۱۸ء پادری صاحب موصوف کے نام روانہ کیا۔ یہ مراسلہ ایسے وقت پر لکھا گیا تھا جس سے مصنف ہذا کو ان اہم مسائل کے ہر ایک پہلو پر غور کرنے کا کافی موقع ہاتھ آگیا تھا۔ مراسلہ کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

"کہ آپ کا نوازش نامہ مورخہ یکم ستمبر موصول ہو کر مجھے بڑی مسرت حاصل ہوئی سیرام پور میں آپ کی جیسی جماعت کی عمدہ رائے میرے متعلق ہونا میرے واسطے باعث فخر ہے اگر میں اس کے جواب میں کچھ تکلف سے کام لوں تو میں ان خیالات کا ہرگز مستحق نہ ہوں گا جو آپ نے میری بابت ظاہر فرمائے ہیں آپ کے کالج کا سرپرست ہونا میرے لئے باعث افتخار ہے اگر میرے حسب ذیل بیان کے بعد بھی آپ مجھے اس اعزاز کا مستحق تصور کریں تو میرے ناچیز چندہ کو قبول فرمائیے جو آپ کے کالج کی امداد کے لئے پیش

باب ۱۱ (۲۸۹)

ہوتی ہے جو اس مقام پر درج کر دئیے گئے ہیں کیونکہ ان خیالات سے اس کا

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ کرتا ہوں اگرچہ مذہب عیسوی کی صداقت میرے دل پر نقش کالحجر ہے اور مجھے پورا یقین ہے کہ اگر اخلاقی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہمارے مذہب نے دنیا کے دیگر مذاہب سے بہت زیادہ علم اور مسرت پھیلائی ہے لیکن ہندوستان میں جس طور پر ہماری عملداری قائم ہوئی ہے (اور میری ناچیز رائے کے مطابق) جس طرح اس کو قائم رکھنا چاہیئے اس کا لحاظ کر کے ہندوستان میں ہماری حکومت کی نوعیت ایسی ہے کہ ہندوستان میں مذہب عیسوی کی اشاعت میں انگریزی حکومت کو ہرگز بالواسطہ یا بلا واسطہ کسی قسم کی مداخلت نہیں کرنا چاہیئے۔ واجب الاحترام عیسائی مبلغ خود ہی کوشش کریں اور حکومت یا اس کے افسران کسی قسم کی اسے مدد نہ دیں اور میں اپنی اس رائے میں اس قدر اور اضافہ کرتا ہوں کہ میری رائے میں اس کے خلاف عمل کرنا ان لوگوں کے ساتھ بدعہدی ہوگی جن کو اپنی فوجی طاقت سے کہیں زیادہ ان حلفیہ وعدوں سے تسخیر کیا ہے جو ہم نے زبانی اور تحریری کئے ہیں کہ ہم ان کے مذہبی مسائل کا احترام کریں گے اور ان کے مذہب کو بدستور قائم رکھیں گے لیکن اس کی خلاف ورزی کرنے سے ہمارا دلی مقصد فوت ہو جائے گا اور بالآخر ہم ایسے خطرات میں مبتلا ہو جائیں گے جن سے ہم اس وقت تک بالکل ناآشنا ہیں۔ اپنی اس رائے کے متعلق بتفصیل دلائل میں کئی بار صاف صاف بیان کر چکا ہوں اس لئے ان کا اعادہ کر کے میں آپ کی سمع خراشی کرنا نہیں چاہتا ہوں اب میں اس مسئلہ کے دوسرے جزو یعنی اشاعت تعلیم کے متعلق عرض کرتا ہوں جس سے آپ کا زیادہ قریبی تعلق ہے ایشیا میں ہماری اس عجیب و غریب عملداری کی مستقبل کے بابت ہم صرف اس قدر قیاس کر سکتے ہیں کہ نہایت سرگرمی کے ساتھ اشاعت تعلیم کا کچھ عرصہ بعد یہ نتیجہ برآمد ہوگا کہ بہت سے انقلابات رونما ہوں گے لیکن ہمارے یہاں کے نہایت عقیل و فہیم اشخاص کے لئے بھی اس سوال کا جواب دینا نہایت مشکل ہے کہ ان انقلابات کا ہماری سلطنت پر کیا اثر پڑے گا میری رائے میں کسی قوم کو تعلیم دینا گویا اس کے ہاتھ میں طاقت پیدا کرنا ہے اور جب وہ روشن خیال بن جائیں گے تو ان میں آزادی اور حصول حکومت خود اختیاری کا فطری جذبہ پیدا ہو جائے گا جو انسانوں

دلی اعتقاد ظاہر ہوتا ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ اور قوموں کی روح میں قادر ذوالجلال نے ودیعت کیا ہے اور یہ جذبہ احساس فرائض و تحمل و بردباری کی تعلیم اور فیض پہنچانے والوں کے شکر گذار ہونے کے تمام سبقوں پر جو ہم اپنی ہندوستانی رعایا کو دے سکتے ہیں حاوی ہوگا۔ لیکن ان نتائج کے امکان کے باعث میں اپنی اس رائے پر قایم ہوں کہ انھیں معاشرتی زندگی کے ہر ایک شعبہ کی تعلیم دی جائے۔ ہمارا زمانہ ایسی پالسی سے بہت اعلیٰ و ارفع ہے اور ہم اس ملک کے رہنے والے ہیں جس نے حال ہی میں قدیمانہ غلامی کی زنجیروں کو توڑنے میں نہایت ناموری اور سرخروئی حاصل کی ہے ہم کسی ایسے نظام کی حمایت کے متعلق دلائل کا سننا کب برداشت کرسکتے ہیں جو انسانی دل و دماغ کو اُن علوم کی روشنی سے محروم رکھے جن سے انسان کی مسرت اور فلاح کو ترقی ہوتی ہے لیکن یہاں پر تو اس مسئلہ نے ایک نہایت مشکل صورت اختیار کی ہے یہ امر علوم کی نوعیت اور طریقۂ تعلیم پر منحصر ہے کہ وہ ہندوستان کے حق میں لعنت یا رحمت ثابت ہو وہ عرصۂ دراز تک کرۂ ارض کے اُس حصہ میں ہماری حکومت کا حامی یا اس کے تنزل کا باعث ثابت ہو۔ اگر ضرورت سے زیادہ جوش یا سرگرمی سے کام لیا گیا تو اسکا انجام ہماری تباہی ہے لیکن اگر ہم سلطنت کا استحکام چاہتے ہیں تو ہم کو مستقل مزاجی، فہم و فراست اور متانت سے کام لینا چاہئے لیکن حصول مقصد کے لئے یہ ضروری اوصاف شاذ و نادر ہی ایک جگہ مجتمع پائے جاتے ہیں۔

جناب من۔ میری دلی تمنا ہے کہ کاش مجھے اس امر کا یقین ہو جاتا کہ آپ کے جانشین بھی اس نازک کام کے واسطے ایسے ہی تجربہ کار ہونگے جیسے کہ آپ سیرام پور میں ہیں انھیں اس راہ میں دوڑنا نہ چاہئے بلکہ آہستہ آہستہ گام زن ہونا چاہئے اب میں بلا تکلف ایک بات اور کہے دیتا ہوں کہ میں اس بات کا اطمینان حاصل کرنا چاہتا ہوں کہ اس رائے کو آپ مان لیں گے کہ چند اشخاص کو مکمل تعلیم دینا اس سے کہیں بہتر ہے کہ بہت سے لوگوں کو معمولی سی تعلیم دیدی جائے اور اشاعت تعلیم کے واسطے ہم اپنی کوشش صرف اُن شہروں تک محدود رکھیں جہاں کے باشندے ہماری حکومت سے

باب ۱۱

اخبارات کی آزادی

(۲۹۲)

ہندوستان میں اخبارات کی آزادی کا مسئلہ نہایت اہم ہے جس پر انگلستان میں بھی بہت کچھ توجہ ہو رہی ہے اس لئے یہ مسئلہ بیحد غور طلب ہے نصف صدی سے کسی قدر زیادہ زمانہ گذرا ہے جبکہ کلکتہ میں پہلا اخبار شائع ہوا تھا۔ یہ زمانہ اڈیٹر کی شہرت اور منفعت کے حق میں نہایت موزوں تھا کیونکہ اس نے واقعات کی اشاعت کی اور جب اس نے اخبار کی اشاعت کا کام شروع کیا وہ زمانہ غلط بیانی افترا۔ بہتان۔ سرکاری اور پرائیویٹ اشخاص کی بے آبروئی وغیرہ کے لئے نہایت بدنام تھا۔ اس وقت شہنشاہ معظم کی عدالت العالیہ اور حکومت بنگال کے اختیارات کی جنگ بڑے زوروں پر تھی بالآخر حکومت بنگال نے مجبور ہو کر

بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ۔ مانوس ہوگئے ہیں اور ہمارے منشا کو سمجھتے ہیں اور وہ حضرات ایک کارآمد عمارت کا سنگ بنیاد نصب کر دینے پر مطمئن ہو جائیں گے اور ایک صدی کے کام کو صرف ایک ہی دن میں پایۂ تکمیل کو پہنچانے کی خواہش کر کے اپنے مقصد کو فوت نہ کریں اور نہ مفت کے خطرات اپنے سر مول لیں گے (کیونکہ اس کام میں جلد بازی کرنے میں ضرور خطرہ ہے)

اس مختصر عریضہ میں حتی الامکان میں نے اپنے خیالات کو وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ میرا یہ بیان کافی ہوگا اور مزید تفصیلات عرض کرنے کے لئے میرے پاس وقت بھی نہیں ہے اور یہ اعلان کر دینا میرے اور آپ کے دونوں کے حق میں مناسب ہے کہ اگرچہ مجوزہ تحریک کی تائید کرنا اور آپکی درسگاہ کی سرپرستی قبول کرنا میرے لئے باعث افتخار ہے لیکن اگر بتدریج ترقی دینے اور اس تحریک کو آہستہ آہستہ چلانے کی معتدل اسپرٹ اور اعلیٰ اصولوں سے روگردانی کی جائے گی تو میں حتی المقدور اس کی زبردست مخالفت کروں گا۔

مرقومۂ بالا مراسلہ شکر گذاری اور مدح سرائی کے ساتھ قبول کیا گیا اور مصنف ہذا اس کالج کا سرپرست بنا دیا گیا ہو

باب ۱۱

اپنی سلامتی اسی میں دیکھی کہ وہ شہنشاہ معظم کی عدالت العالیہ کے چیف جج سے اعانت کی خواستگار ہوئی ورنہ یا تو وہ تباہ ہو جاتی یا اس کو اس درجہ مجبور اور معذور محض بنا دیا جاتا کہ اس کو اپنا وجود قائم رکھنا دشوار ہو جاتا۔ اس حالت میں ہر ایک اعلیٰ افسر کے طرفدار اور مخالفین موجود تھے لیکن پبلک کے جوش و خروش کو ایک اخبار نے اور بھی بڑھا دیا کیونکہ اُس نے ایسے واقعات اور مضامین کی اشاعت کی جو ایک جماعت کے تخیلات اور جذبات کے مناسب اور موزوں تھے اُس کی علانیہ جھگڑ بازی اور فحش گوئی انگلستان کے ہر ایک اخبار سے کہیں زیادہ بڑھی چڑھی تھی اُس وقت سول حکومت اگرچہ اپنے نظام ترکیبی کے باعث کمزور تھی لیکن چونکہ اخبار کی شر انگیزی حکومت کی شہرت اور (۲۹۳) اختیارات کے خلاف جاری تھی اس لئے حکومت نے اس شرارت کو بند کرانے کے لئے یہ امکانی تدابیر اختیار کیں کہ باغیانہ مضامین کی اشاعت کی پاداش میں اس کو کئی بار سزا دی اور اُس کے بمقابل ایک اور اخبار جاری کر دیا لیکن اگرچہ ان تدابیر سے ایک دلاور مگر بے پروا شخص کو تباہ و برباد کر دیا گیا اور اس میں شک نہیں کہ جس عہدے کو مجبوراً اُس نے ترک کر دیا تھا اس عہدے پر کوئی دوسرا شخص اس کا جانشین ہو جاتا اگر مجلس مقننہ اپنے جدید قوانین کی رو سے سول حکومت کے نظام میں تبدیلی نہ کرتی اور اہانت و مخالفت سے اپنے کو بچانے کے لئے اُسے کامل اختیارات نہ دئیے ہوتے"۔

سٹر ہکیے کا بنگال گزٹ بند ہو نے کے بعد سے ۱۷۹۱ء سے حکومت کو کسی مطبوعات کی اشاعت میں مداخلت کرنے کی ضرورت نہیں لاحق ہوئی جبکہ لارڈ کارنوالس نے بنگال جرنل کے ایڈیٹر مسٹر ولیم ڈآن (William Duane) کو ایک فرانسیسی سرکاری افسر اور بنگال کے چند باشندوں کے خلاف ایک اہانت آمیز عبارت لکھنے کی پاداش میں گرفتار کر کے انگلستان بھیج دینے کا حکم نافذ کر دیا۔

ایڈیٹر نے عدالت العالیہ میں قانون موسومہ ہیبس کارپس (Habeas Corpus)

باب ۱۱

کے حوالے سے اجرائے سمن کی درخواست دی جو منظور ہو گئی ہے

لیکن فورٹ ولیم کے ٹاون ہیجر پر سمن تعمیل ہونے کے متعلق جن کے سپرد یہ قید ہی تھا عدالت العالیہ اور حکومت کے مابین نہایت طویل بحث و مباحثہ ہوا جس کا خاتمہ اس صورت سے ہوا کہ حکومت نے اپنے جس اختیار سے کام لیا تھا اس کو عدالت العالیہ نے تسلیم کر لیا اور ایڈیٹر کو حاضر عدالت ہونے پر (۲۹۴) پھر ٹاون ہیجر کی سپردگی میں دیدیا اور پھر فرانسیسی ایجنٹ مقیم کلکتہ نے سفارش کرکے ایڈیٹر کو موقع پر انگلستان جانے سے باز رکھا لیکن چونکہ اس کے بعد بھی اس نے نہایت بیہودہ اور اشتعال انگیز مضامین کا سلسلہ شائع کیا اس لئے اس کو ۱۷۹۴ء میں سزا دیدی گئی اور مجلس نظما نے اس کارروائی کو بیحد پسند کیا۔

۱۷۹۶ء میں کئی ایسے مضامین شائع ہوئے جو حکومت کی سخت برہمی کا موجب ہوئے مگر چونکہ اڈیٹر صاحبان نے اظہار تاسف کیا اور آیندہ کے واسطے زیادہ احتیاط سے کام کرنے کا وعدہ کیا اس لئے گورنمنٹ نے اُن کے خلاف کوئی سخت کارروائی نہیں کی ۱۷۹۸ء میں کلکتہ کے اخبار ٹیلیگراف میں منٹر (Mentor) کے نام سے ایک مضمون شائع ہوا جس سے ہندوستانی فوج میں بغاوت اور بے چینی پھیلنے کا احتمال تھا۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ اس کا لکھنے والا کپتان ولیمس (Captain Williamson) ملازم افواج بنگال ہے اس لئے وہ برخاست کر دیا گیا۔ مجلس نظما نے اس کی تنخواہ نصف کر دی لیکن ہندوستان واپس جانے کی بابت اُس کی درخواست نامنظور کر دی اسی سال چارلس ایم لین (Charles, M Lean) کے دستخط سے اخبار ٹیلیگراف میں ایک مضمون شائع ہوا جس میں غازی پور کے جج و مجسٹریٹ کے متعلق سخت نکتہ چینی کی گئی تھی حکومت نے ایڈیٹر اور مسٹر ایم لین کو طلب کرکے ہدایت کی کہ آپ دونوں صاحبان اس سرکاری افسر سے معافی مانگ لیجئے چنانچہ ایڈیٹر نے تو حکومت کے اس حکم کی تعمیل کر دی لیکن مسٹر ایم لین نے معافی مانگنے سے قطعی (۲۹ انکار کر دیا۔ اس لئے اس گستاخی اور بلا اجازت جہاز کی نوکری چھوڑ کر ہندوستان میں قیام کرنے کی پاداش میں اس کو یہ سزا دی گئی کہ وہ انگلستان کو بھیجدیا گیا

باب ۱۱

مجلس نظما نے اس کارروائی کو بے حد پسند کیا چونکہ آئندہ سال میں اخبار ٹیلیگراف نے چند سخت مضامین لکھ کر حکومت کو پھر ناراض کر دیا اور اسی قسم کے چند بیہودہ مضامین دیگر اخبارات میں بھی شائع ہوئے اس لئے گورنر جنرل باجلاس کونسل نے اخبارات کی اشاعت کے لئے حسب ذیل قواعد مقرر کر دئیے ؛

(۱) اخبار کے نیچے ہر ایک پرنٹر اپنا نام چھاپا کرے ؛

(۲) اخبار کا ہر ایک اڈیٹر و مالک اپنے نام اور سکونت سے حکومت کے معتمد کو اطلاع دے ؛

(۳) اتوار کو کوئی اخبار شائع نہ ہو ؛

(۴) تاوقتیکہ حکومت معتمد یا کوئی اور مقرر کیا ہوا افسر اخبار کا معائنہ نہ کرلے اس وقت تک کوئی اخبار شائع نہ کیا جائے ؛

(۵) مرقومہ بالا قواعد کی خلاف ورزی کرنے والے کو فوراً یورپ روانہ کر دیا جائے ؛

مجلس نظما نے ان قواعد کو منظور کر لیا اور پھر لارڈ ویلزلی نے جو مزید قیود اخبارات پر عائد کئے انھیں بھی مجلس نظما نے منظور کر لیا جن کی رو سے سرکاری احکام اور جہازوں کی آمد و روانگی کی خبر شائع کرنے کی ممانعت تھی تاوقتیکہ حکومت (۲۹۶) خود اپنے گزٹ میں ان کی اشاعت نہ کرے ؛

ان قیود کے عائد کرنے سے یہ غرض تھی کہ جب تک احکام سرکاری مسلمہ شکل اختیار نہ کر لیں اس وقت تک ان کی اشاعت نہ ہونی چاہئے اور تجارت و سلطنت کے فوائد کو دشمنوں سے محفوظ رکھنے کی غرض سے جہازوں کی آمد و رفت کی خبروں کی اشاعت ممنوع قرار دی گئی تھی اس زمانے میں ہندوستان کے سمندروں میں فرانسیسی بحری قزاقوں کا دور دورہ تھا اور یہ معلوم ہو گیا تھا کہ جہازوں کی نقل و حرکت کی خبریں اگرچہ اخبارات کے پڑھنے والوں کے شوق کے خیال سے شائع کی جاتی تھیں مگر وہ بحری قزاقوں کے جہازوں کے کمانڈروں کے پاس روانہ کر دی جاتی تھیں جن کے باعث وہ تجارتی

بابا

جہازوں پر حملہ کرتے تھے اور انگریزی مسلح جہازوں کی گرفت سے اپنے کو بچا لیتے تھے اڈیٹر صاحبان کے تمرد اور بے پروائی کے باعث مجبوراً گورنمنٹ نے پابندی عائد کر دی تھی اور اسی سے انگلستان اور ہندوستان کے اخبارات کے نقطۂ نظر کا بیّن فرق معلوم ہو جاتا ہے یا دی النظر میں جہازوں کی آمد و رفت کی خبروں کو ممنوع قرار دینا نہایت سخت اور ظالمانہ کارروائی معلوم ہوگی کیونکہ یہ معمولی سے واقعات ہیں جن سے اکثر اصحاب کو تعلق رہتا ہے لیکن اگر ہم غائر نظر سے دیکھیں تو معلوم ہو جائے گا کہ اگر حکومت ان خبروں کی اشاعت کی اجازت دیدیتی تو وہ اپنا فرض منصبی ادا کرنے سے قاصر رہتی اور اپنی رعایا (۲۹۷) کے ساتھ سخت ناانصافی کرتی کیونکہ اس سے تاجروں اور حکومت کی شہرت اور ہز مجسٹی کے امیر البحر کو سخت نقصانات پہنچتے ان خبروں کی اشاعت سے صرف یہ غرض ہو سکتی ہے کہ کلکتہ میں رہنے والے انگریز اُن کو شوق سے پڑھیں جن کی تعداد انگلستان کے ایک گاؤں کے باشندوں کے برابر بھی نہیں ہے دوسرے یہ کہ سرکاری ملازموں اور دیگر اصحاب کو وہ خبریں معلوم ہو جائیں جو اگر اخبارات میں شائع بھی نہ ہوں تو انھیں نجی ذرائع سے معلوم ہو سکتی ہیں ؎

یہ معاملہ مستثنیات کا ہے لیکن ہندوستان میں اخبارات کی آزادی کے مسئلہ کو اگر غائر نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہو گا اور ہم کو لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ جب وقت تک ہمیں ہندوستان میں خود مختارانہ حکومت قائم رکھنے کی ضرورت رہیگی اس وقت تک سلطنت اور رعایا کے حق میں اس قسم کے جرائم کی سزا دینے سے اُن کا انسداد کرنا بہتر ہے بالخصوص ایسی صورت میں کہ جرم کی سزا بہت سخت ہو۔ اس آخری صورت میں حکومت کے لئے بجز اس کے اور کوئی چارۂ کار نہیں ہے کہ جب حکومت کو حقیر سمجھا جائے اور اس کے مستند احکام کی نافرمانی کی جائے تو وہ سخت گیری سے کام لے یا اپنی رعایا کے روبرو یہ نظارہ پیش کرے کہ اسکے احکام ناواجب اور باطل ہیں ؎ سنسر (Censor) کا عہدہ قائم ہونیکے بعد نہایت معمولی قسم کی چند بے ضابطگیاں ہوئیں

باب ۱۱

اور وہ ارادتاً نہ تھیں بلکہ محض بے پروائی کے باعث وقوع میں آگئی تھیں ۱؎

(۲۹۸) لارڈ منٹو کی حکومت نے جو کارروائیاں ایسی مذہبی کتابوں کی اشاعت کے انسداد کیلئے کیں جو یہاں کے باشندوں کو ناگوار گذریں انکو ہم تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں ۲؎

(۲۹۹) اس شریف النفس وائسرائے کے دور حکومت میں پریس کی نہایت ہوشیاری

۱؎ پادری بوکانن Buchanan نے لارڈ منٹو کی اس کارروائی کو سابق گورنر جنرل صاحبان کے طرز عمل کے متضاد بتایا ہے لیکن لارڈ موصوف نے اپنے مراسلہ بنام رازدار کمیٹی مجلس نظما مورخہ ۷ ر نومبر سنہ [illegible]ء میں پادری کے اس حملے کی پورے طور پر تردید کر دی اور فورٹ ولیم کالج میں مضمون مباحثہ علمی کے متعلق لارڈ ویلزلی کی کارروائی کا اس مراسلہ میں حوالہ دیا اور غدر ویلور کا تذکرہ کر کے مجلس نظما کی رائے کا حوالہ دیا جو اس سانحہ کے متعلق اس وقت ظاہر کی گئی تھی مطبوعات کی اشاعت کی بابتہ لارڈ موصوف نے ارقام فرمایا تھا کہ "ہندوستان میں بہت عرصہ سے مطابع پر قیود عائد کر دی گئی ہیں اور یہ بات ہرگز تسلیم نہیں کی جاسکتی ہے کہ کسی سابق حکومت نے ایسی اشتعال انگیز کتابوں کی اجازت دینا امن عامہ یا ہمارے مواعید کے عین مطابق خیال کیا ہو جو کمپنی نے اپنی ہندوستانی رعایا کے ساتھ کئے ہیں کہ اس کو اپنے مذہب میں پوری آزادی حاصل رہے گی اور کبھی کسی مذہب کی توہین نہ کی جائے گی۔"

سیرام پور کے پادریوں کے ساتھ جو گفتگو ہوئی تھی اس کی بابتہ لارڈ منٹو نے فرمایا کہ "مطبوعات کی نگرانی کے متعلق جو قواعد اور طرز عمل گورنمنٹ کا ہے اس میں میری حکومت نے کوئی اختراع نہیں کیا ہے اور مذہبی کتابوں کے لئے کوئی نیا قانون نہیں بنایا گیا ہے بلکہ جو پابندیاں عام کتابوں کی اشاعت کے لئے ہیں وہی مذہبی کتابوں کی اشاعت کے واسطے ہیں اور وہ صرف اس صورت میں عائد ہونگی جب ان میں ہندوستان کے مذاہب کے متعلق ایسے اعتراض درج ہوں گے جو اہل ہند کو اشتعال اور غصہ دلانے والے ہوں اور رعایا میں جن کی اشاعت سے نقض امن کا اندیشہ ہو" ۔

۲؎ سنہ [illegible]ء میں حضور ملک معظم کے جہازات کے بیڑے کی تقسیم کے متعلق خبر شائع کرنے کی پاداش میں اڈیٹر ان اخبار کو سرزنش کی گئی کیونکہ سرکاری حکم کی خلاف ورزی کی گئی تھی

باب ۱۱

کے ساتھ سخت نگرانی کی گئی۔ سنہ ۱۸۱۱ء میں یہ حکم دیا گیا کہ ہر ایک کتاب، اشتہار اور مطبوعہ کاغذ پر پرنٹر کا نام ضرور درج کیا جائے اور پھر دو سال بعد یہ احکام نافذ کئے گئے کہ نہ صرف اخبارات۔ نوٹس اور اشتہارات بلکہ جملہ عارضی مطبوعات بھی معتمد خاص کے ملاحظہ کے واسطے بھیجی جائیں اور جن کتابوں کی اشاعت مقصود ہو ان سب کے عنوان اُسی افسر کے پاس روانہ کر دئے جائیں تاکہ اگر وہ ضرورت سمجھے تو اس کو تنقید کرالے یہ مزید پابندیاں ایک ایسے شریف النفس وائسرائے کے دور حکومت میں پریس پر لگائی گئیں جو اپنے عادات وخصائل کی رو سے ایسا شخص نہیں تھا کہ خواہ مخواہ اپنے اہل وطن پر ایسی پابندیاں عائد کردے جن سے وہ درگذر کر سکتا تھا۔ یہ احکام اُس کے پیشرو کی فرزانگی اور دور اندیشی کی تصدیق کے طور پر تھے اور ان کے نفاذ سے روز افزوں خرابی کے انسداد کی شدید ضرورت ظاہر ہوتی ہے ان احکام کے باعث اسے کسی کے خلاف سخت کارروائی نہ کرنا پڑی اور یہ بات بھی دیکھنے کے لائق ہے کہ محکمۂ احتساب قائم ہونے کے وقت اگرچہ کلکتہ میں پانچ اخبارات شائع ہوتے تھے جن میں ہر قسم کی یورپین خبریں اور عام و مقامی دلچسپی کے جملہ معاملات وحالات درج ہوتے تھے لیکن سنہ ۱۸۰۱ء سے سنہ ۱۸۲۰ء تک یعنی بیس[2] سال کے دوران میں کوئی ایک موقع بھی ایسا پیش نہیں آیا جس میں حکومت کسی شخص کو انگلستان واپس بھیجنے کی دھمکی تک دینے کے لئے مجبور ہوتی۔

(۳۰۰)

لارڈ ہسٹنگز کی حکومت کے اول تین سال میں اخبار ایشیاٹک مرر (Asiatic Mirror) کے ایڈیٹر کو اس کے نامعقول رویہ کی پاداش میں کئی بار تنبیہ کی گئی اپنے طرز عمل کی تائید میں اس ایڈیٹر نے محکمۂ احتساب کے مختلف افسران کے طریقۂ کار پر سخت نکتہ چینی کی اور یہ دلیل پیش کی کہ ایسی حالت میں اڈیٹروں کیلئے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ اور پھر یہ احکام نافذ کئے گئے کہ ان ہی شرائط کا لحاظ مدراس اور بمبئی میں بھی کیا جائے۔

[1] خطوط نوشتہ ڈاکٹر برائن (Dr. Bryen) ایڈیٹر اخبار مرر (Mirror) مورخہ فروری سنہ ۱۸۰۰ء۔

باب ۱۱

بڑی وقت ہے کہ وہ کونسا راستہ اختیار کریں اس نکتہ چینی کی کچھ پرواہ نہیں ہوئی لیکن اگلے سال محکمۂ احتساب توڑ دیا گیا اور اس کے بجائے اڈیٹران اخبار کے متعلق چند قواعد[1] نافذ ہوئے اس کارروائی سے حسد انگیز محکمہ کا خاتمہ ہو گیا۔ اور قابل اعتراض مضامین شائع کرنے کی ذمہ داری سرکاری افسر سے ایڈیٹر اخبار پر منتقل ہو گئی لیکن اس تبدیلی سے اخبارات کے متعلق کوئی شرط منسوخ تو نہ ہوئی بلکہ جو شرائط پہلے سے موجود تھیں ان پر اگر زیادہ سختی سے نہیں تو دیگر تدابیر کی طرح جو اس ضمن میں اختیار کی گئی تھیں سختی سے عمل ہونے لگا اس میں شک نہیں کہ ان شرائط کے متعلق عام خیال یہی ہوتا لیکن باشندگان مدراس کے ایک سپاسنامہ کے جواب میں لارڈ ہیسٹنگز نے جو تقریر فرمائی اس کے ایک فقرے سے ایک غلط فہمی پیدا ہو گئی سپاسنامے میں لارڈ موصوف کی ایک کارروائی کی مدح سرائی کی گئی تھی جس سے ہماری فیاض اور منصف مزاج حکومت کو تقویت پہنچنے کی توقع تھی کیونکہ تحقیقات اور بحث و تجسس کی آزادی اس کی سب سے بڑی

(۱۳۰۱)

[1] یہ قواعد حسب ذیل تھے کہ:۔

اڈیٹران اخبار کو اُن جملہ معاملات کی اشاعت کی ممانعت کی جاتی ہے جن کا تعلق حسب ذیل عنوانات سے ہو سکتا ہے:۔

(۱) مجلس نظما یا دیگر افسران انگلستان کے متعلق حکومت ہند کی کارروائیوں پر لعنت و ملامت کرنا۔ مقامی حکومت کی سیاسی کارروائیوں کی تفتیش و جستجو کرنا۔ لارڈ بشپ کلکتہ یا ججان عدالت العالیہ کے سرکاری طرز عمل کے خلاف اہانت آمیز الفاظ تحریر کرنا۔

(۲) ایسے مباحثات کرنا جن سے اہل ہند کے مذہبی معتقدات میں دست اندازی ہو اور جن سے ہندوستانیوں کے دل میں خوف و دہشت یا شتباہات پیدا ہونے کا امکان ہو۔

(۳) عنوانات بالا کے متعلق انگریزی یا دیگر اخبارات سے ایسے فقرے نقل کر کے شائع کرنا جن سے ہندوستان میں برطانیہ کی قوت یا شہرت کو صدمہ پہنچنے کا احتمال ہو۔

(۴) افراد کے متعلق ایسے اشتعال انگیز اور توہین آمیز کلمات تحریر کرنا جن سے سوسائٹی میں عداوت اور مخالفت ہونے کا اندیشہ پیدا ہو۔

باب ۱۱

معاون ہے" اور گورنر جنرل بہادر کا جواب کچھ ایسے الفاظ میں تھا جن کے بعض لوگوں نے غلط معنی لگائے اس تقریر کا یہ غلط مطلب سمجھا گیا کہ گورنر جنرل بہادر اخبارات کی آزادی کو بہت کچھ وسعت دینا چاہتے ہیں اور اخبارات پر جو پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں اگر وہ اس کے اس ارشاد سے منسوخ نہیں ہوئیں تو کم از کم ان کی خلاف ورزی کرنے والوں کو انگلستان واپس بھیجے جانے کی سزا نہ ملے گی جیسی کہ سابق گورنر جنرل صاحبان کے زمانے میں دیجاتی تھی؎

(۳۰۲)

مسٹر بکنگھم (Mr. Buckingham) ایڈیٹر کلکتہ جرنل نے اپنے اس خیال کو ظاہر کرنے اور اس پر عمل کرنے میں پیش قدمی کی اس اخبار نے ابتدا میں ایسی قابلیت اور جودت طبع دکھائی تھی کہ ہر حالت میں وہ نہایت کامیاب ثابت ہوتا اور جب اس نے اپنے قابلانہ مضامین کے علاوہ جو اسمیں شائع ہوتے رہتے تھے

(۳۰۳)

؎ اہل مدراس کے سپاسنامے کے جواب میں لارڈ ہسٹنگز نے ارشاد فرمایا تھا کہ "اخبارات سے میرا بعض شرائط کو منسوخ کر دینا نہایت پر شوکت الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ میں چونکہ فطرتاً اپنے ہم وطن صاحبان کا یہ قدرتی حق سمجھتا ہوں کہ ان کو اشاعت اخبارات کی آزادی حاصل ہے اس لئے بغیر کسی احتیاط کے میں اس کارروائی کو بآسانی اختیار کر سکتا تھا البتہ اشد ضرورت کے وقت اس معاملہ میں کسی قدر تنگ خیالی سے کام لے لیا جاتا اور ان نفرت انگیز جکڑ بندیوں کی کوئی خاص ضرورت نہ معلوم ہوتی تو میں ان کو قطعی منسوخ کر دیتا لیکن میں جانتا ہوں کہ میں نہایت محتاط حکمت عملی پر عملدرآمد کر رہا ہوں اگر ہم نیک نیتی کے ساتھ کام کر رہے ہیں تو مقتضائے دانشمندی ہے کہ اسکی ہماری ساری عملداری میں اشاعت کی جائے۔ اگر حکومت اعلیٰ کی نیت اور ارادے پاکیزہ ہیں تو اخبارات کی تنقید اس کے حق میں سودمند ہوگی اور اسکی دیانتداری اور راست بازی کو کچھ صدمہ نہ پہنچے گا اگر اخبارات اس پر نکتہ چینی کریں گے اس کے برعکس اس کی قوت میں بیحد اضافہ ہو جائے گا۔ جو حکومت کہ کسی بات کو پوشیدہ نہیں کرتی ہے اُسے وہ قوت حاصل ہوتی ہے جو دنیا میں کسی مقتدر اعلیٰ کو میسر ہو سکتی ہے ساری رعایا کو اس پر اعتماد ہوتا ہے اور اس کی پوری جد وجہد اس کے ساتھ

باب ۱۱

سرکاری کاموں اور اعلیٰ حکام کی ذات پر سخت حملوں کا اور اضافہ کر دیا تو اس کی اشاعت بہت زیادہ بڑھ گئی۔ اس طرح احکام اور حکومت کے ساتھ اڈیٹر کے جھگڑے نے اس کے اخبارات کے صفحات کو خاص وقعت و شہرت دے دی انگریزی اصول پر کاربند ہو کر وہ اخبارات کی آزادی کا زبردست مؤید اور حکومت کے غیر محدود اختیارات کا سخت ترین مخالف بن گیا ان وجوہ سے اُس کے بہت سے سرگرم معاون پیدا ہو گئے جو اپنے اہل وطن کے جذبات کے مطابق اس کے حامی ہو گئے تھے لیکن انھوں نے اپنے دل سے اس زبردست فرق کو بالکل محو کر دیا تھا جو انگلستان اور اس سرزمین میں ہے جہاں انھوں نے سکونت اختیار کر لی تھی۔ ان کی حمایت۔ مالی نفع اور وقتی شہرت حاصل ہونے سے وہ اپنے طرز عمل پر قائم رہا جس کا خاتمہ اس طرح پر ہو گیا کہ وہ انگلستان بھیج دیا گیا۔ اس نے اپنے ساتھ ہندوستان میں سخت برتاؤ ہونے کے خلاف مجلس نظماء اور شاہی کونسل میں مرافعہ پیش کیا لیکن ان دونوں نے اس سخت فیصلے کو جائز اور حق بجانب قرار دے کر برقرار رکھا۔ بنگال سے روانہ ہونے سے قبل لارڈ ہسٹنگز نے اخبارات کی بدلگامی روکنے کے لئے جو تدابیر اختیار کیں اور اپنے پسندیدہ انگریزی استحقاق میں ترمی کرنے کے اثرات سے مایوس ہو کر جو خیالات ظاہر کئے ان کو تفصیل سے بیان کرنے کے لئے ایک دفتر درکار ہوگا اگرچہ اس موقع پر اُس نے اپنے فرض منصبی کو نہایت اعتدال کے ساتھ انجام دیا لیکن ان حضرات کے حملے سے محفوظ نہ رہ سکا جنھوں نے چند روز پیشتر اس کو آزادی عطا کرنے والا بیان کر کے اس کی ثناخوانی کی تھی وہی اب اسے آزادی کش کہنے لگے اس کے جانشین مسٹر ایڈم و لارڈ ایمہرسٹ کی کارروائیوں پر نہایت سخت حملے کئے گئے کیونکہ کلکتہ جرنل

(۳۰۴)

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ کاموں میں شامل ہوتی ہے۔ خاتم فرانس سے سخت مقابلہ میں ہمارے محبوب وطن کو جو فتح مندی حاصل ہوئی ہے وہ خود زبان حال سے اس اسپرٹ کی قدر و قیمت کو بتا رہی ہے اور یہ اسپرٹ صرف ان لوگوں میں پائی جاتی ہے جو اپنے حقیقی خیالات اور جذبات ظاہر کرنے کے عادی ہیں۔

باب ۱۱ کے ایڈیٹران کے مسلسل جرائم کی بابت انھیں بھی سخت کارروائیاں اختیار کرنی پڑی تھیں لارڈ ایمہرسٹ نے عدالت العالیہ کی منظوری سے چند قوانین نافذ کئے جن کی رو سے ہر ایک اخبار رسالہ اور کتاب کے چھاپنے سے پیشتر اس کے پرنٹر کو ایک اجازت نامہ حاصل کرنا پڑتا تھا اور مطبع کے متعلق جو قواعد مقرر تھے ان میں سے اگر کسی ایک قاعدہ کی بھی خلاف ورزی کی جاتی تھی تو وہ اجازت نامہ منسوخ کر دیا جاتا تھا ان قوانین کے نفاذ پر ایک جماعت نے لارڈ موصوف کے خلاف اتہامات اور الزامات کی بوچھاڑ کرنی شروع کر دی۔ یہ قانون سب لوگوں کے واسطے یکساں تھا اور اس وجہ سے یہ قانون محکمہ احتساب سے بہتر متصور ہوتا تھا جس کے بموجب حکومت کو صرف یورپینوں کو جلا وطن کر دینے کا حق حاصل ہوتا تھا اور اس لئے اینگلو انڈین اور ہندوستانی تمام قانون کی معمولی سزا کے علاوہ اس خاص سزا کے مستحق نہ ہوتے تھے اور اپنی مرضی کے مطابق جو چاہتے تھے چھاپ کر شائع کر ڈالتے تھے مدراس اور بمبئی کے قانون مطابع کی تاریخ بھی ایک مختصر پیمانے پر کلکتہ کے قانون کی مانند ہے۔

(۳۰۵) مدراس پریسیڈنسی میں صرف ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ تیس سال ہوئے کہ ایک ہتک آمیز مضمون لکھنے کی پاداش میں ایک[1] اڈیٹر کو انگلستان واپس جانے کا حکم دیا گیا۔ اس صوبے میں چونکہ محکمہ احتساب بدستور قائم ہے غالباً اسی وجہ سے پھر اس قسم کی کوئی اور سخت کارروائی کرنے کی ضرورت لاحق نہیں ہوئی یہ بیان کر دینا بھی ضروری ہے کہ جس زمانہ میں فاضل اور محترم لارڈ ولیم بنٹنگ برسر حکومت تھا اس وقت سر ہنری گوایلم (Sir Henry Gwillim) جج نے اعلیٰ جیوری کے خلاف سابق اجلاس میں جو اعتراض کیا تھا اس کی ایک نقل حکومت کے پاس اس درخواست کے ساتھ روانہ کی کہ اسے شائع کر دیا جائے لیکن یہ درخواست منظور نہیں ہوئی کیونکہ اس اعتراض میں اس ملک کی سول حکومت پر ایک حملہ درج تھا۔ گورنر صاحب نے اس قسم کی جملہ مطبوعات کے متعلق اس

[1] جس جہاز پر کہ وہ سوار کیا گیا تھا اس پر سے وہ نکل کر بھاگ گیا۔

باب ۱۱

موقع پر اپنے حسب ذیل خیالات ظاہر کئے "کہ میری رائے میں امن عامہ کے لئے اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ ہندوستان میں اخبارات کی سخت نگرانی کی جائے اس سے غرض نہیں کہ خطرناک مضامین کس شخص کے قلم سے نکلے ہیں لکھنے والا جسقدر بڑا شخص ہوگا اتنی ہی زیادہ مضرت اس کی تحریر سے پہنچے گی"۔

گورنر کی یہ رائے نہایت منصفانہ تھی چونکہ وہ انگریزی اخبارات کی آزادی کے حقیقی اصولوں سے پورے طور پر واقف تھا۔ اور اسی کے ساتھ وہ ہماری ہندوستانی سلطنت کی ساخت سے بخوبی آگاہ تھا اور اسے یہ بات ہرگز گوارہ نہ تھی کہ واہ واہ حاصل کرنے یا اپنی ذمہ داری ترک کرنے کے باعث وہ اپنے دور حکومت میں حکومت کے کسی شعبہ کو مضرت پہنچنے دے۔

(۳۰۶)

۱۷۹۱ء میں صوبہ بمبئی کے پریس ایک سرکاری افسر کی نگرانی میں دیدئے گئے اور یہ نگرانی اس وقت تک بدستور جاری رہی جب تک کہ کلکتہ میں محکمہ احتساب قائم رہا اور کلکتہ میں اس محکمہ کے ٹوٹنے کے بعد بمبئی میں بھی یہ محکمہ توڑ دیا گیا۔ اگرچہ پریس کے متعلق بہت سے مباحثات ہوئے لیکن حکومت کو کوئی سخت کارروائی نہ کرنا پڑی بالآخر صاحب گورنر بہادر نے با جلاس کونسل بمبئی گزٹ کے ایڈیٹر مسٹر فیر (Mr. Fair) کو انگلستان واپس جانے کا حکم دیا چونکہ ایک جج عدالت العالیہ نے یہ شکایت پیش کی کہ میرے اجلاس کی قانونی کارروائی کے متعلق مسٹر فیر نے غلط واقعات شائع کئے ہیں۔

چونکہ یہ شکایت ایک جج عدالت العالیہ نے سول حکومت سے کی تھی اور اس سے اعانت کی درخواست کی تھی اس لئے تاوقتیکہ جج صاحب کی شکایت کی تردید نہ کیجائے وہ شکایت نہایت وزنی اور ضروری تھی اور اسی وجہ سے شکایت پر سخت کارروائی عمل میں لائی گئی اور اسکی قابل تردید وجہ یہ ہے کہ ہماری جیسی حکومت کے احکام کی اگر لوگ مخالفت کریں اور اسمیں وہ کامیاب ہو جائیں تو ہماری حکومت کی قوت کا وہ انتزائل ہو جائے گا جو مختلف اور اہم فرائض کو انجام دینے کے لئے ضرور قائم رکھنا چاہیئے ہندوستان میں یوم قیام سے اس وقت تک کی تاریخ مطابع صرف اسی قدر ہے اور کلکتہ کے جدید واقعات سے انگلستان میں جو مباحثات پیدا ہوئے

(۳۰۷) اور جو مطبوعات شائع ہوئیں ان کے بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ خاکسار مصنف نے اس مسئلہ کے متعلق اپنے خیالات تفصیل کے ساتھ انڈیا ہاؤس کی ایک بحث میں ظاہر کر دئیے تھے جو اسی کتاب کے ضمیمہ ۲۔۶ میں آپ ملاحظہ کرینگے لیکن اس موقع پر میں چند معمولی امور بتائے دیتا ہوں اور میں امید کرتا ہوں کہ نہایت سکون اور غور کے ساتھ ان کو پڑھا جائے گا چونکہ ہماری سلطنت ہند کے متعلق یہ ایک نہایت ہی اہم مسئلہ ہے اور اس وجہ سے یہ اس کا مستحق ہے کہ آپ سکون اور غور کے ساتھ اس کو ملاحظہ کریں انگریزوں کو ایسے اصولوں پر راضی کرنا کچھ آسان کام نہیں ہے جو بظاہر اس آزادی کے منافی ہوں جس کے وہ اپنے بچپن سے خوگر ہیں لیکن ان اصولوں سے قدرے گریز کرنے کی معقولیت کی تائید کرنے سے غالباً وہ انکار نہیں کریں گے اگر انھیں یہ ثابت کر کے دکھا دیا جائے کہ ان کے ملک کی مرفہ الحالی اور نام وری قائم رکھنے اور دیگر اقوام کی سود و بہبود کے واسطے ان کی شدید ضرورت ہے جو اگرچہ ہمارے زیر حکومت ہیں اور انشاء اللہ وہ عرصہ دراز تک ہمارے زیر نگیں رہیں گے لیکن اُن کی سوسائٹی کی حالت ہم سے بالکل جداگانہ ہے ؎

اس مسئلہ کے متعلق ہم کسی صحیح نتیجہ پر صرف اس صورت میں پہنچ سکتے ہیں کہ ہم آزادی اخبارات کی عام نوعیت کو پورے طور پر ملاحظہ کریں اور اس آزادی سے ہندوستان میں ہماری رعایا کے مختلف فرقوں پر جو اثرات پڑیں گے ان پر ہم غور کریں۔ ساری مہذب دنیا میں آزادی اخبارات ملک کی بھلائی یا بُرائی کے لئے ایک زبردست آلے کا کام دیتی ہے اگر وہاں کے باشندوں کا علم ان کے ادارں اور وہاں کی حکومت کی تشکیل اس قسم کی ہے کہ اخبارات (۳۰۸) کو آزادی دی جائے تو اس صورت میں اخبارات کی آزادی ملک کے حق میں مفید ہوگی اور اگر معاملہ برعکس ہے تو اخبارات کی آزادی اس ملک کے حق میں سخت مضرت ناک ہوگی ؎

سلطنت کی کارروائیوں اور اس کے عمال کے طرز عمل پر اخبارات کو آزادی کے ساتھ رائے زنی اور نکتہ چینی کی اجازت دینا اس صورت میں

مناسب ہے جبکہ رعایا آزاد خیال ہو جس کے روبرو اخبارات اپنے خیالات اور اپنی تنبیہات پیش کرتے ہوں تاکہ اخبارات کی رائے کو وہ سمجھیں اور ان کے ہم خیال بن جائیں تاکہ ان کی رائے کے اثرات سے بدنظمی کا انسداد ہو جائے اور پبلک میں برہمی پیدا کرنے یا اس کو ناگوار ہونے کا خوف اخبارات کو مجبور کرے گا کہ وہ ان اصحاب کی ہر ایک کارروائی پر نہایت اعتدال اور انصاف کے ساتھ نکتہ چینی کریں جن کے ہاتھ میں سلطنت کے معاملات کے نظم و نسق کی زمام دے دی گئی ہے لیکن آزاد خیال پبلک کی اس حالت کے کسی جزو کا بھی ہماری سلطنت ہند پر اطلاق نہیں ہوتا ہے ہندوستان کی انگریز رعایا اتنی ہی معزز ہے جتنی کہ کوئی اور جماعت دنیا میں ہو سکتی ہے لیکن انگریزی اصطلاح کے مطابق اُسے پبلک نہیں کہہ سکتے ہیں ان میں سے زیادہ تر سول اور فوجی محکموں کے ملازم ہیں جو زیادہ تر مقامی حکومت کے ماتحت ہیں اور ان کی ملازمت کا اسی کی خوشنودی پر انحصار ہے باقی ماندہ سوداگر۔ تاجر۔ عیسائی مبلغین۔ دکاندار اور کاریگر ہیں جو حکومت کے ملازم نہیں ہیں انھیں برطانوی قانونی عدالتوں کی نگرانی میں جملہ انگریزی حقوق حاصل ہیں البتہ انھیں وہ حقوق نہیں دئے گئے ہیں جن کا اُن کے قبضے میں ہونا سلطنت ہند کے حق میں خطرناک ہو سکتا ہے اور جو حقوق کہ انگریزوں کو نہیں دئے گئے ہیں اُن کی ضرورت بھی شاذ و نادر ہی محسوس ہوتی ہے کیونکہ ہمارے آزاد دستور کی نوعیت کچھ اس قسم کی ہے کہ خواہ انگریز کسی ملک اور کسی حیثیت میں کیوں نہ ہوں وہ اُن کی نگرانی اور حفاظت کرتا رہتا ہے اس کے سود مند اثر سے ایسے خود مختارانہ اختیار کی اصلاح ہو جاتی ہے جو غیر ملکوں میں حکومت کرنے کے واسطے انگریزی سلطنت کو دئے جاتے ہیں اور ہر ایک انگریز اس کی حمایت کرتا ہے اور انگریزوں کی جو مقتدر جماعت ہندوستان میں قائم ہو گئی ہے اُس کے دل میں اس کا خیال پیدا ہو گیا ہے جو آئندہ زور پکڑتا رہے گا اور اس سے ہماری توقعات کے مطابق حکومت کی کارروائیوں کی نہایت معقول روک تھام ہوتی رہیگی جیسے واقعات کے لحاظ سے نہایت زبردست اور بعض امور میں مطلق العنان (۳۰۹)

باب۱۱

ہونے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہندوستان میں ہماری بادشاہی کے مناسب حال انفرادی آزادی پائی جاتی ہے لیکن اگر کوئی شخص ہندوستان کی غیر قومی حکومت کو جو غیر معمولی واقعات نے ہم کو عطا کی ہے اگر انگلستان کی قومی سلطنت کے مانند اور مشابہ بنانے کا خواہاں ہو اور اسی خیال کو مدنظر رکھ کر وہ ہندوستان کی حکومت کی کارروائیوں پر نکتہ چینی کرے اور حکام پر اعتراضات کی بوچھاڑ کرے۔ شکایات اور تکالیف کی تشہیر کرے داخلی و خارجی حکمت عملی کے مسائل پر رد و قدح کرے اہل ہند کے رسم و رواج اور مذہب کا مضحکہ اُڑائے تو اس کی ان حرکتوں کا لازمی نتیجہ نافرمانی۔ لے چینی اور بد دلی برآمد ہوگا اور تا وقتیکہ زبردست سیاسی قیود اور پابندیاں عائد نہ کی جائیں حکام کی سخت سے سخت تنبیہات اور وقتاً فوقتاً قانونی چارہ جوئی لوگوں کو ایسی حرکتوں سے ہرگز باز نہیں رکھ سکتیں جن کی بدولت ان کو مالی نفع و شہرت حاصل ہوتی ہے اور یہ شہرت اور جلب منفعت گویا معاوضہ ہے ان کے زبردست حملوں کی داد کا اور تلافی ہے اس نقصان کی جو جج صاحبان سرکاری قانون یا جوری کے زور سے ان کو پہنچاتے ہیں۔ مزید براں ممبران جیوری ان حضرات کو مخالفانہ نظر سے نہیں دیکھ سکتے ہیں جو برسر اقتدار حکام یا ان سے معزز افراد پر حرف گیری کرتے ہیں۔ اخبارات کی آزادی سے یورپین حکام کو جن نقصانات کے پہنچنے کا احتمال ہے اُن سے کہیں زیادہ باشندگان ہند کو نقصانات پہنچنے کا اندیشہ ہے اس لئے اس مسئلہ پر اپنی قوم کی فلاح سے بہت زیادہ اہل ہند کے بہبود کو مدنظر رکھنے کی ضرورت ہے

۳۱۰

لے آج کل اکثر والیان ریاست کے دربار سے اخبارات شائع ہوتے ہیں جو ایک طرح کے سرکاری گزٹ ہیں اور ان میں جھوٹے سچے واقعات بلا تنقید اور رائے زنی کے درج ہوتے ہیں ان اخبارات کے ایڈیٹر ملازمان ریاست ہوتے ہیں اور اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان اخبارات کو انگریزی اخبارات سے کسی قسم کی مشابہت اور مناسبت حاصل نہیں ہے ؟

باب ۱۱

انگلستان کے واسطے یہ بات قطعی ناممکن ہے کہ وہ اہل ہند کو علم و فضل کی برکات سے محروم رکھے لیکن جس طور پر انھیں علمی برکات سے مستفیض کیا جائے گا اسی طور و طریقہ پر اہل ہند کی خوش حالی اور انگلستان کی عظمت کا دارومدار ہوگا۔ اس لئے نہایت حزم و احتیاط کے ساتھ اشاعت تعلیم کے متعلق ہمیں بہترین رائے قائم کرنی چاہیئے کوئی ایسا شخص اخبارات کو آزادی عطا کرنے کی سفارش کریگا جس نے اہل ہند کی گذشتہ تاریخ کا بغور مطالعہ کیا ہے اور وہ ان کی موجودہ حالت (۳۱۱) اور ان کی خصلت و سیرت و حالت سے بخوبی واقف ہے۔ جب ہم اپنی رعایا کو بتدریج ترقی دیکر اخبارات کی آزادی سے بہرہ مند ہونے کے قابل بنادیں گے اس وقت یہ استحقاق ان کو دیا جائے گا اور ہماری اس پالسی کی کوئی نظیر اُن کی گذشتہ تاریخ میں موجود نہ ہوگی اور ہمارا یہ عطیہ اس وقت اور بھی زیادہ شریفانہ قرار پائیگا جب کہ ان میں اسی کی بدولت یہ عقیدہ پیدا ہوجائے گا اور برقرار رہیگا کہ قومی خیالات اور آزادی کی تمنا غیر ملکی حکومت کی غلامی کے ساتھ خواہ وہ کیسے ہی منصفانہ اصول اور فراخ دلی پر مبنی ہو نہیں چل سکتی ہے۔ اخبارات کی آزادی کو وہ معدودے چند یوربین صاحبان ضرور پسند کرتے ہیں جو ہندوستان کے بڑے شہروں میں رہتے ہیں اور ان ہی کی تائید اور اعانت سے اخبارات کو مقامی حکومت کی کارروائیوں اور اہل ہند کے مذہب اور رسم و رواج پر حملہ کرنے کی جسارت اور تقویت حاصل ہوئی ہے اور آئندہ بھی ہوگی اور صرف قانونی کارروائی سے اس اثر کا ازالہ ہرگز نہیں ہوسکتا ہے کیونکہ ایڈیٹر صاحبان کو حکومت اور اُس کے افسران کے مقابلہ میں جو فتح مندی حاصل ہوئی ہے اُس سے ایک قلیل مدت ہی میں انگلستان اور ہندوستان دونوں مقامات پر انکیں بہت کچھ تقویت حاصل ہو جائے گی کیونکہ ہندوستان میں رہنے والے انگریزوں کی بھی بیشتر تعداد ان تعلقات سے بالکل لاعلم ہے جن کی بدولت ہم ہندوستان پر حکومت کر رہے ہیں جو حضرات کہ انگریزی قانون سے آگاہ ہیں وہ اپنی عادت اور تعلیم کے باعث عموماً آزادی کے حامی ہیں ہندوستان میں رہنے والے بہت سے یوربین صاحبان اپنی (۳۱۲)

باب۱۱

موجودہ حالت سے بیزار اور آیندہ کی فلاح کی توقعات سے مایوس ہیں۔ بڑے
شہروں میں رہنے والے بعض انگریز اپنے انگریزی خیالات اور جذبات پر بدستور
قائم ہیں اور وہ اپنے شہر سے باہر کے ہندوستانیوں کے خیالات اور ملک
کی حالت سے بالکل ناآشنا ہیں۔ یہ حضرات بسا اوقات (اپنے پندار میں
اس کو جائز سمجھکر) ان تمام امور سے تنفر ظاہر کرلتے ہیں جو اُن کی رائے میں
مشرقی خودمختاری کا نمونہ معلوم ہوتے ہیں۔ بہت سے اصحاب ایسے ہیں
(اور ان کی تعداد روزافزوں ترقی پر ہے) جو تعلیم اور مذہب کی اشاعت
کے واسطے نہایت سرگرمی کے ساتھ جد و جہد کررہے ہیں وہ نہایت
جوش کے ساتھ ہر ایک ایسی امداد کا خیر مقدم کرتے ہیں جس سے ان کے مقاصد
تعجیل کے ساتھ حاصل ہوسکیں گے اور یہ کوئی استعجاب کا مقام نہیں اگر یہ
حضرات ہندوستان میں اخبارات کی آزادی کو اس کے لئے ضروری تصور
کریں اس لئے لاعلمی۔ بددلی تعصب اور جوش و خروش کی بدولت ہندوستان
میں اخبارات کو آزادی دینے کے حامیوں کی تعداد ترقی کررہی ہے اور
ان باتوں کا اثر انگلستان کے ان اصحاب پر بھی پڑ رہا ہے جو ہندوستان کی
حالت اور یہاں کی تاریخ سے قطعی لاعلم یا برائے نام واقفیت رکھتے ہیں لیکن
واقف کار حضرات کو باور کرایا جاسکتا ہے کہ ہندوستان کے واسطے معجون
مرکب کی ضرورت ہے جس کے چند اجزا اگرچہ انگلستان کے واسطے ناموزوں
ہونگے اور نہ صرف انگلستان کا نفع بلکہ انسانیت اور اشاعت علوم کا فائدہ
اسی میں ہے کہ ہم نہایت استقلال کے ساتھ اس رائے پر قائم رہیں اور
اختراع اور نامناسب سرگرمی اور اس کے ساتھ اسی قسم کی دوسری
باتوں کو روکتے رہیں۔

(۳۱) کہا جاتا ہے کہ اخبارات کو آزادی عطا کرنے سے ہماری مخلوط النسل یا انگلو انڈین
رعایا کی حالت درست ہوجائے گی۔ اور اس میں علوم و فنون رائج ہوجائیں گے
ہم بیان کرچکے ہیں کہ اس جماعت کی طرف حال ہی میں کس قدر توجہ کی گئی ہے
اس میں اتنا اضافہ کرنا ضروری ہے کہ اس جماعت کی اصلاح اور ترقی کے لئے

باب ۱۳

جو تدابیر اختیار کی گئی ہیں ان میں اخبارات کی آزادی سے کامیابی حاصل ہونے کے بجائے سخت ناکامیاں پیش آئیں گی چونکہ وہ جماعت ابھی صرف مبتدی ہے اس لئے اخبارات کی آزادی اس کے حق میں نہایت مہلک عطیہ ثابت ہوگی۔ کیونکہ یہ آزادی اُسے نیکی اور اعتدال کی بجائے نافرمانی۔ نااتفاقی اور گمراہ کن حرص و ہوس کی تعلیم دیگی حالانکہ اس جماعت کا سلطنت میں وقار اور اعزاز حاصل کرنا صرف اس کی مستعدی۔ جفاکشی اور اعلیٰ قابلیت پر منحصر ہے۔ ہندوستان میں اخبارات کو سردست جس قدر حقوق دئے گئے ہیں ان سے مستفید ہوکر یہ جماعت ضروری معلومات حاصل کرسکتی ہے لیکن اگر مقررہ حدود سے تجاوز کرنے کی اجازت دیدی جائے تو یہ اخبارات اس جماعت کے حق میں نہایت مضرت رساں ثابت ہوں گے کیونکہ اخبارات کی آزادی سے اس جماعت کو تو کوئی نفع پہنچ نہیں سکتا اور بفرض محال اگر وہ کسی قسم کی منفعت یا مضرت اس جماعت کو پہنچانا بھی چاہیں تو اس کا اثر معدودے چند یورپین[1] صاحبان پر پڑے گا اور اس منفعت اور مضرت کی کچھ حقیقت نہیں اگر ہم اس واقعہ پر غور کریں کہ آزادی کا بہت زیادہ اثر ہماری ۸ کڑور رعایا پر ضرور پڑجائیگا۔

(۳۱۴) اس جماعت کی حالت پر بحث کرلنے سے پیشتر ہمیں یہ بات تسلیم کرلینی چاہیئے کہ ہندوستان میں انگریزی حکومت جیسی اور کوئی سلطنت نہیں ہوئی ہے جس کے خیالات انگریزوں جیسے منصفانہ اور فیاضانہ ہوں اور جو اپنے شاہی فرائض کو ایسی بردباری اور اعتدال سے انجام دینے کے خواہاں ہوں چونکہ اب سلطنت برطانیہ کو عدیم النظیر قوت حاصل ہوگئی ہے اس لئے اب وہ اپنی وسیع سلطنت کی رعایا کی تدریجی اور مستقل و مستحکم ترقیات کی تدابیر سوچتی ہے لیکن جو برکات کہ ہم اپنی رعایا کو سلامتی کے ساتھ عطا کرنے کے خواہاں ہیں اگر ان میں احمقانہ طور پر عجلت کی گئی تو ان سب اعلیٰ توقعات

---

[1] سول اور فوجی ملازموں کے علاوہ ہندوستان میں اندازاً ۳ ہزار یورپین ہیں۔

پر پانی پھر جائے گا۔ اس طور سے ہم نہ صرف اپنی تباہی کے موجب بنیں گے بلکہ ہندوستان میں اس سے کہیں زیادہ بدامنی اور مصیبت پھیل جائے گی جو ہمارے آنے کے وقت تھی اس افسوسناک حالت کو اور ترقی حاصل ہوگی اگر آزاد ممالک جیسے قوانین کی پابندی کے ساتھ اخبارات کو آزادی عطا کر دی جائے گی کیونکہ ہندوستان میں آزادی اور حریت کے معنی سمجھنے سے پیشتر رعایا کے خیالات بدلنے کی ضرورت ہے اور ان برکات سے مستفید ہونے سے پیشتر غیر ملکی حکومت سے اُس کو گلو خلاصی اور آزادی حاصل کرنی لازمی ہے اور ہماری اس رائے کو سمجھنے کے واسطے اشد ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اہل ہند کے کیرکٹر کا بغور مطالعہ کریں ہندوستان میں ہماری رعایا کی دو بڑی جماعتیں مسلمان اور ہندو ہیں۔ مسلمان اگرچہ تعداد میں کم ہیں لیکن ہندوستان میں ہماری سلطنت قائم ہونے سے انھیں کو بہت زیادہ نقصانات پہنچے ہیں لیکن مسلمانوں کے ہاتھ میں ہماری سلطنت کا پانسہ الٹ دینے کے ایسے ذرائع موجود نہیں ہیں جسقدر (۳۱۵) کہ ہندوؤں کے پاس ہیں اگرچہ مسلمانوں میں اب وہ مذہبی جوش موجود نہیں جو کسی زمانے میں تھا اور جو اُن میں اتحاد اور قوت پیدا کرنے کا موجب ہوتا تھا پھر بھی کاہلی اور بد خصلتی کے باوجود ان میں ابھی ہمت و شجاعت موجود ہے اور اسی وجہ سے وہ نہایت خطرناک ہیں۔ اُن کی حالت ہر وقت تبدیل ہو سکتی ہے اور چونکہ وہ عیش پرستی کے بہت مشتاق ہیں اس لئے اس کے شوق میں وہ ہر ایک خطرناک حرکت کرنے پر آمادہ اور تیار ہو سکتے ہیں یہ قوم عیار اور غیر مطمئن لوگوں کا بآسانی آلۂ کار بن سکتی ہے ہندوؤں میں اگرچہ ہر قسم کے انسان داخل ہیں۔ کامل ہوشمند سے لے کر انتہائی کودن تک۔ ان میں نہایت دلاور لوگ بھی ہیں اور بیحد ڈرپوک بھی۔ اگرچہ قوم۔ ذات اور پیشے کے لحاظ سے وہ ایک دوسرے سے علیحدہ ہیں لیکن اسی کے ساتھ چند عام جذبات ایسے بھی ہیں جن سے کہ وہ متحد ہو سکتے ہیں اور تعلیم یافتہ ہندو اچھی طرح جانتے ہیں کہ موقع اور ضرورت کے وقت مختلف ہندوؤں کو کسطرح متحد کیا جا سکتا ہے برہمن اور ملازمت پیشہ ہندو صدیوں تک برائے نام

باب ال

(۳/۶)

بلا زعم اور فی الحقیقت اپنے ملک کے جاہل و باطل پرست گرہا در اور مفسد فرقوں کے آتا بن کر رہے ہیں اپنی اس خطرناک قوت سے بار ہا کام لینے کے باعث اس کے استعمال میں وہ خوب ماہر ہیں اور اگر ہم اس حقیقت پر غور کریں کہ ہندوستان میں ہماری حکومت قائم ہونے سے انھیں کیا نقصان پہنچا تو پھر یہ توقع کرنا محض حماقت ہے کہ وہ ہماری عملداری پلٹ دینے کی کوشش نہیں کریں گے "

چونکہ ہم ہمیشہ مختلف تدابیر کرتے رہتے ہیں اسلئے ان تدابیر کے اختیار کرنے میں ہمکو ہمیشہ یہ احتیاط مد نظر رکھنی چاہیے کہ ہم کوئی ایسی کارروائی نہ ہونے دیں جو ہمارے مخالفین کی کامیابی میں معاون ثابت ہو اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب تک کہ اہل ہند کے خیالات تبدیل نہ ہوں۔ اُن کے تعصبات دور نہ ہوں اور ان میں بہ درج تعلیم کی اشاعت نہ ہو جائے اُس وقت تک برہمنوں اور دیگر تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کے ہاتھ میں آزاد اخبار کا سا کوئی ہتھیار نہ دینا چاہئے جسے وہ ہمارے خلاف استعمال کرنا جانتے ہوں اولاً وہ ہماری دیسی فوج کو خراب کرنے کی کوشش کریں گے کیونکہ وہ اپنی حالت سے خود واقف ہیں اور اپنی تنخواہ کے ادنےٰ درجے سے بھی نابلد نہیں ہیں اس لئے ان بہادر اور اطاعت شعار لوگوں کی وفاداری پر جو نامعقول حملے ہوں ان سے ان کی حفاظت کرنا ہمارا فرض ہے اور ہمارا نفع بھی اسی میں ہے اگر خدانخواستہ ہماری فوج کے کسی حصے سے جھگڑا ہوا تو گویا وہ زنجیریں ٹوٹ جائیں گی جو ہماری سلطنت کے وجود کے لئے ضروری ہیں اگر باغی ہندوستانی فوج کا مقابلہ ہم نے انگریزی فوج سے کرایا تو صرف ایک مختصر زمانے کے واسطے ہمیں کامیابی حاصل ہو جائے گی لیکن اس وقت سے ہم صرف اپنی فوجی طاقت پر بھروسہ کرنے لگیں گے اور اس کے بعد وہ زنجیر ٹوٹ جائیگی جس کی بدولت سلطنت ہند ہمارے قبضے میں ہے اور پھر ہم سخت نئے مشکلات اور خطرات میں مبتلا ہو جائیں گے جس کا افسوسناک انجام ہماری سلطنت کا خاتمہ ہوگا۔ ہماری رعایا اور ہماری دیسی فوج ہم سے چھینی

باب ۱۱

پھیلانے کے واسطے ہمارے ہوشیار دشمنوں نے جو تدابیر اختیار کی ہیں ان میں انھیں قدرے کامیابی حاصل ہوگئی ہے اسی سے ثابت ہے کہ اگر اخبار کو آزادی دیدی جائے تو پھر دیسی زبانوں میں رسائل اور اشتہارات وغیرہ مشتہر ہوں گے جن سے زبردست خطرات رونما ہونے کا قوی احتمال ہے۔ جو اندیشے ہم نے ظاہر کئے ہیں ان کے متعلق مثالیں اور واقعات (۳۱۷) بیان کرنے کی چنداں حاجت نہیں ہے یہاں پر صرف اس قدر عرض کردینا کافی ہے کہ اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں اور ان سب کی غرض یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں ہماری قوت کے خلاف مخاصمانہ جذبات پیدا کئے جائیں۔ ؎

ان واقعات کی موجودگی میں احتیاط اسی کی مقتضی ہے کہ اخبارات کی نہایت سختی کے ساتھ نگرانی کی جائے اگر لوگوں کو حکومت اور افسروں کی توہین و تذلیل کرنے والیان ملک اور رؤسا کی وقعت ان کی رعایا کی نظر میں کم کرنے اہل ہند کے رسم و رواج پر حملے کرکے انھیں پریشان اور خوف زدہ کرنے۔ بغاوت و غداری کے اصول کی حمایت اور تشہیر کرنے سے باز نہ رکھا گیا تو ہماری قوت کا بتدریج زوال اور بالآخر خاتمہ ہو جائے گا اور اس کام کو (۳۱۸) اخبارات قانون انگلستان کی مطلق خلاف ورزی نہ کرکے اور اس شرارت کے حامیوں کی بدنیتی کے بدون بآسانی انجام دے سکتے ہیں۔ ان کی محدود واقفیت اور ناتکمل معلومات اور اُن کی سرگرمی مل جل کر انھیں ان خطرات

؎ نہایت معتبر دستاویزات سے ثابت کیا جاسکتا ہے کہ انگریزی حکومت کا قلع قمع کرنے کے واسطے گذشتہ ۳۵ سال میں بہت سے اشتعال انگیز کاغذات بشکل اعلانات خطوط اور پیشین گوئی شائع کئے گئے ہیں اور ان سب میں ہماری دیسی فوج کو مخاطب کرکے اُن کے جذبات کو برانگیختہ کئے گئے ہیں بعض اوقات ان تحریروں کا نہایت زبردست اثر پڑا ہے لیکن افشاء راز کے اندیشہ اور ان تحریرات کی مزید کاپیاں تیار کرنے کی وقت نے انکی اشاعت کو ملک کے خاص حصوں تک محدود کردیا تھا اور اس وجہ سے ہمارے دشمن جو نقصان پہنچانا چاہتے تھے وہ نہیں پہنچ سکا۔

باب ۱۱

کے دیکھنے کے لئے اندھا کر دیں گے جو وہ خود پیدا کر رہے ہیں اور ان سے زیادہ گہرے لوگ اپنے دوسرے مقصد کی تائید میں جو بہت سوں کے نزدیک قابل وقعت ہوگا ان اصحاب کا نام لیں گے اور انھیں آزادی۔ مفید معلومات اور سچے مذہب کی اشاعت کا حامی بتائیں گے"

جو کچھ بیان کیا گیا ہے اُس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انگلستان کی طرح ہندوستان میں اخبارات کو آزادی دینا اس حکومت کے ہرگز موزوں نہیں ہے جو ہم نے ہندوستان میں قائم کی ہے ہندوستان میں ہماری حکومت کا خاتمہ رعایا کے حق میں سودمند ہونے سے بہت پیشتر ہی اخبارات کی آزادی نہایت تعجیل کے ساتھ ہماری قوت کو ختم کرنے کا موجب ہوگی اور اس آزادی کی بدولت اینگلو انڈین اور یورپین اصحاب کی ترقیات کی جملہ تدابیر کامیاب ہونے کے بجائے مسدود ہو کر رہ جائیں گی اور ان کا شوق ان کے قومی تعصبات اور ذاتی خیالات پورے ہونے کے بجائے اخبارات کی آزادی انھیں فرقوں اور جماعتوں میں تقسیم کر دیگی جو ہر لحاظ سے ہماری رعایا کے اس اہم مگر مختصر جماعت کے امن اور چین اور مفاد کے حق میں سخت مضرت رساں ثابت ہوگی اس حقیقت سے انکار نہیں کہ اخبارات کی آزادی غیظ کی اسپرٹ پیدا کرتی اور بعض پوشیدہ قوتوں کو متحرک کر دیتی ہے اور ہم اس حقیقت کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ سرکاری ملازمان اور ان کی کارروائیوں پر تبصرہ و تنقید کرنے سے عمدہ نتائج برآمد ہوتے ہیں اور بعض حرکات کی بہت کچھ روک تھام ہو جاتی ہے لیکن ہندوستان میں انگریزی جیسی حکومت میں یہ فوائد برائے نام اور غیر یقینی ہیں البتہ آزاد اور بے لگام اخبارات عام اور بے شمار خرابیاں پیدا ہونے کا دروازہ کھول دیں گے۔ ہندوستان کے اخبارات پر بحالت موجودہ کوئی ایسی پابندی عائد نہیں ہے جس سے کہ وہ اپنی مرضی کے موافق کسی بڑے پیمانہ پر کوئی نیک کام انجام نہ دے سکیں البتہ انھیں حکومت پر ایسے حملے کرنے کی اجازت نہیں دی گئی ہے جن سے کہ حکومت کا وقار جاتا رہے کیونکہ حکومت کو اپنے فرائض انجام دینے کے واسطے اس وقار کے قائم رکھنے کی اشد ضرورت ہے اخبارات کو ایسے مضامین شائع کرنے کی بھی ممانعت

(۳۱۹)

بابII ہے جن سے سوسائٹی درہم برہم ہو جائے اور لوگوں کے خیالات اور جذبات میں اسقدر انتشار اور اشتعال پیدا ہو جائے جس کا انجام بےچینی - بے وفائی اور بالآخر غداری اور بغاوت ہو ان قیود کے علاوہ اخبار ہر قسم کی کامل آزادی اور ترغیب حاصل ہے جس کی ایک اشاعت کا حامی خواہش کر سکتا ہے (اور ایک منصف مزاج حکومت کے لئے اشاعت ضروری بھی ہے) علوم وفنون اور مہذب زندگی کے متعلق ہر قسم کی ترقیات پیش کرنے کی ہرگز ممانعت نہیں ہے لیکن اس بات کے دیکھنے کی بھی اشد ضرورت ہے کہ ہماری قابلیت اسی میں ہے کہ ہم اخبارات کو صرف اس قدر آزادی عطا کریں جس سے کہ ہماری سچائی پر متعلق ترقیات و اصلاحات کے حق میں وہ کارآمد اور سود مند وسیلہ ثابت ہوں اور اس کا انحصار ہماری اس سختی اور ہوشیاری پر ہے جس سے کہ ہم اس بات کی نگرانی کرتے رہیں کہ اخبارات ان مقید حدود سے باہر قدم نہ رکھنے پائیں جو (۳۲۰) ایڈیٹروں کے واسطے ہم نے معین کر دی ہیں یہ دلیل بھی پیش کی جاتی ہے کہ آزاد اخبارات کے وسیلے سے شکایتیں سنائی دیں گی جس سے کمزور اور مظلوموں کی حفاظت ہوگی اور مظالم وزیادتیوں کی فریاد حکومت اور اس کے اعلیٰ افسران کے کانوں تک پہنچ سکے گی اور اس طور سے اختیارات کے بےجا استعمال کی ایک حد تک روک تھام ہو جائے گی لیکن فوائد صرف اس صورت میں حاصل ہو سکتے ہیں جب کہ اخبار نویسوں کو اہل ہند کے عادات وخصائل ان کے گہرے تعلقات

لے کسی شخص کو اپنے ذاتی خیالات یا فیصلہ سے یہ حق حاصل نہیں کہ وہ حکومت کے مقررہ قوانین کی خلاف ورزی کرے - ہر ایک معاملے میں جب کوئی قاعدہ منسوخ ہو جاتا ہے پھر کسی خاص معاملے میں اس کا استعمال ناجائز اور غیر منصفانہ ہو جاتا ہے - مالی منفعت یا شہرت کے لالچ سے اگر کوئی شخص مقررہ قوانین کی خلاف ورزی کریگا تو پھر اور لوگ بھی اس کا اتباع کرنے لگیں گے اور اسکی روک تھام روز بروز زیادہ دشوار ہوگی اور اگر اس معاملے میں احتقانہ چشم پوشی یا نرمی سے کام لیا جائیگا تو پھر مفید مطبوعات کی اشاعت کا جو حق اخبارات کو دیا گیا ہے وہ بھی اُن کے ہاتھ سے جاتا رہے گا ط

باب

اور اُن کی زبانوں کے متعلق کافی واقفیت اور معلومات حاصل ہو۔ اور اُن کے خیالات اُس سوسائٹی کے عین مطابق ہوں جس کی یہ اخبار حمایت کریں ورنہ ان کی حمایت وتائید اغلاط سے پُر اور ان کی رائے سطحی اور بے نتیجہ ہوگی۔ اخبار کے کسی انگریز ایڈیٹر کے پاس ایسے وسائل موجود نہیں ہیں جن سے کہ وہ ہماری ہندوستانی رعایا کا بے لاگ اور مفید ترجمان بن سکے اب رہے ہندوستانی ایڈیٹر۔ ان سے تو ہم یہ توقع کرہی نہیں سکتے کہ حکومت کے عطا کردہ استحقاق کو وہ اس کی مقید حدود کے اندر استعمال کریں گے جیسے حکومت گوارہ کرسکتی ہے کیونکہ قومی آزادی اور حریت کے اصول جن کی اشاعت اپنے ہموطنوں میں کرنا اگر وہ اس کے اہل ہوئے ان کا خاص فرض ہوگا ہماری قوت کے منافی ہیں چونکہ ہم رعایا کے کثیر حصے سے بالکل الگ تھلگ ہیں اس لئے ہم ان کے خیالات اور محسوسات کی تبدیلی کا بخوبی مطالعہ نہیں کرسکتے ہیں لیکن جو حضرات کہ ان کے کیرکٹر اور اُن کی سوسائٹی کی ساخت سے واقف ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ گفتار اور کردار کی آزادی ایسے لوگوں کے حق میں بتدریج ہی سودمند ہوسکتی ہے مدت مدیہ گزر جانے کے بعد اس ملک کی فطرت میں آزادی داخل ہوسکے گی چونکہ یہ ملک آزادی کے نام سے قطعی ناآشنا ہے اور جب تک کہ وہاں کے باشندے اس کو قبول کرنے کے واسطے تیار نہ ہوجائیں اُس وقت تک یہ آزادی اُن کے حق میں ہرگز سودمند نہیں ہوسکتی ہے البتہ اعلیٰ درجہ کے اسکول اور کالج قائم کرکے اور اُن میں عمدہ قسم کی اور مفید تعلیم دینے کے بعد ہم یہ توقع کرسکتے ہیں کہ ہم اپنے حریت پسند اور منصفانہ خیالات رعایا کے دل ودماغ میں پیدا کرسکیں گے۔ ان معقول ذرائع سے کام لے کر ہم اپنی امن پسند رعایا میں تعلیم کی اشاعت کرسکتے ہیں جو ایک زمانۂ دراز گذر لینے پر اُن کے حق میں مفید ثابت ہوگی۔ اور جیسے جیسے اُن کے خیالات وسیع ہوتے جائیں ہم اُن کی ترقیات کے واسطے اپنی کوششوں میں اضافہ کریں۔ اس راہ کے اختیار کرنے میں البتہ سلامتی اور بہتری ہے لیکن اگر اخبارات اور رسائل کی روک تھام نہ کی گئی تو بلا خلاف ورزی قانون اُن میں ایسے مضامین شائع ہوں گے جو ہماری تشویش کے

اور جنگجو رعایا کی سمجھ سے باہر ہوں گے اور اُن پر ایسے مضامین کی اشاعت کا بہت بڑا اثر پڑیگا کیونکہ اپنے مذہب اور رسم و رواج کی تحقیر سے اُنھیں اشتعال پیدا ہوگا اور اُن کے افسران کی توہین اور تذلیل کرکے ان میں بے جا توقعات پیدا کی جائیں گی اور اُنھیں بغاوت کرنے پر آمادہ کیا جائیگا۔ اور جن لوگوں کو ہم نے اپنی حفاظت کے واسطے مسلح کیا ہے ایسے اخبارات سب سے اول ان ہی کے قوانین اطاعت شعاری اور فرض شناسی کو توڑ ڈالیں گے اور ان اخبارات کے ذریعہ سے عیار اور بددل حضرات گمراہ کن اور غلط اسباق کی تعلیم دیں گے ان کی حالت اور واقفیت ابھی صرف اُس ادنی درجہ میں ہے جس کے باعث (جیسا کہ تجربہ سے ظاہر ہوچکا ہے) اُن کا بھولا اور پُرشوق دل نہایت آسانی کے ساتھ گمراہ کیا جاسکتا ہے بے لگام پریس کی امداد سے ہمارے دشمن ہماری اس بہادر اور وفادار جماعت کو یہ باور کراسکتی ہے کہ ہمارے زوال اور بربادی سے اُنھیں ترقیات اور آزادی حاصل ہوجائے گی ؎

(۳۲۲)

ہم قلیل الحیات مطبوعات۔ ناتجربہ کار اخبار نویسوں کی بے ترتیب کوششوں اور احمقانہ جوش سے اہل ہند کی ترقی و اصلاح کی توقع نہیں کرسکتے ہیں ان حرکات سے لوگوں کی نگاہ خیرہ ہوسکتی ہے اور وہ ان امور سے دلچسپی لیکر اپنی انجمنیں مجلسیں بناسکتے ہیں جو اپنی خیالی سربلندی سے مغرور ہوکر اپنی جماعت سے اپنے کو علیحدہ کرکے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنالیں گے یہ جماعت کوئی مفید اور کارآمد امور تو انجام دے نہیں سکتی البتہ وہ بہت کچھ خرابیاں پیدا کرسکتی ہے

(۳۲۳) ہم جس تبدیلی کے خواہاں ہیں وہ عام اور سود مند ہونی چاہیئے اور سوسائٹی کو خود یہ تبدیلی اپنے اندر پیدا کرنی چاہیئے اور ہماری آن تھک اور مسلسل کوششوں کا یہ مقصد نہ ہو بلکہ اس کا انجام یہ تبدیلی ہو ؎

اس عجیب و غریب اور عظیم الشان سلطنت کی فلاح و بہبود کے واسطے ہم نے جو تدابیر اختیار کی ہیں ان میں کامیابی حاصل ہونے کے لئے حسب ذیل امور پر ہمیں کاربند ہونا چاہیئے کہ یہاں کے باشندوں پر حکومت اور انصاف کرنے کے واسطے ہم نہایت احتیاط کے ساتھ حکام کا انتخاب کریں سرکاری

باب ۱۱

ملازمین میں ذوق و شوق اور سرگرمی پیدا کریں۔ لوگوں کو تجارت کی طرف رغبت دلائیں۔ مہذب و شائستہ زندگی کے واسطے مناسب اور کار آمد فنون رائج کریں اور جن لوگوں پر ہمیں حکومت کرنی ہے اُن کے طور و طریق اور ان ہی کی سمجھ اور خیالات کے موافق ہم خود اختیار کریں رفاہ عام کے کاموں میں روپیہ صرف کریں۔ رعایا پر مناسب اور معتدل مالگذاری لگائیں۔ رعایا کے مذہب نیز اوہام پرستی کے رسم و رواج کا احترام کریں معقول اور مستحکم اصولوں پر رعایا کیلئے درسگاہیں قائم کریں اُن ہندوستانی سرکاری ملازمان کی حوصلہ افزائی اور قدردانی کریں جن کی فہم و فراست اور راست بازی یا اپنے اہل وطن پر اُن کا اثر اور اُن کی وجاہت اس امر کی مقتضی ہے کہ اُن کی قدر افزائی کر کے انھیں سربلند کرنا قرین مصلحت اور دانشمندانہ فعل ہو سکتا ہے علاوہ ازیں سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہندوستان کی سی وسیع سلطنت پر حکومت کرنے میں اہل انگلستان کی خواہشوں اور خیالات کا لحاظ کرنے کے بجائے زیادہ (۳۲۴) اہل ہند کے مفاد اور اُن کے کیرکٹر اور اُن کی حالت کو زیادہ تر ملحوظ رکھا جائے لیکن ان تجاویز کی عملی تدابیر کو مقامی حکومت کے ذمے چھوڑ دینا چاہئے اگرچہ اس کے ممبران اپنے ملک میں ناموری اور شہرت حاصل کرنے کے بہت زیادہ خواہش مند ہیں تاہم وہ ہندوستان کی اصلاح و ترقی کی رفتار کو بڑھانے نہ کہ اُس میں روک ٹوک پیدا کرنے کے سب سے زیادہ مستعد اور آرزو مند پائے جاتے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ زمانہ ہندوستانیوں کے کیرکٹر میں تبدیلی پیدا کر دے لیکن ہم اس ملک میں اپنی حکومت کی نوعیت ہرگز نہیں بدل سکتے چونکہ یہ حکومت غیر ملکیوں کی ہے اس لئے صرف موجودہ

ا سب سے زیادہ ضروری اور قابل توجہ سرکاری ملازمان کا برتاؤ ادنیٰ و اعلیٰ کے ساتھ ہونا چاہئے۔ خاکسار مصنف کی اس مسئلہ پر مفصل رائے اُن ہدایات میں درج ہے جو اس نے ۱۸۲۱ء میں ہندوستان سے روانہ ہونے سے پیشتر اپنے نائبوں کو دی تھیں یہ ہدایتیں ضمیمہ ۵ میں درج ہیں۔

باب ۱۱

مشکل ہی میں یہ قائم رہ سکتی ہے اور اس امر کی ضرورت ہے کہ یہ نہایت باقاعدہ اور مطلق العنان رہے اور ہمیشہ انگلستان کی سخت ذمہ داری کے تحت کارروائی کیا کرے لیکن ساتھ ہی ساتھ اُسے ہمیشہ ایسے وسیع اختیارات حاصل ہیں کہ وہ اپنی رعایا کی مخالفت، سرکشی اور نامعقول جوش اور اپنے دشمنوں کی سازشوں اور حملوں کے ہر خطرہ کو پوری طاقت کے ساتھ دبا سکے اور رفع کر سکے ؎

ضمیمہ (۱)

(۱)

خلاصہ کارروائی مجلس شوریٰ برائے ترتیب و تدوین عہد نامہ سرنگاپٹم ۱۷۹۲ء مابین آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی۔ نظام (یا صوبیدار دکن) و پیشوا فریق اول و ٹیپو سلطان فریق دوم۔

سر جان کینی وے ۔ نمائندۂ ایسٹ انڈیا کمپنی
میر عالم —— ۔ نمایندۂ نظام دکن
غلام علی و علی رضا (سابق سفرا متعینۂ قسطنطنیہ) نمایندۂ ٹیپو سلطان گوبند راؤ
و پنڈت بھیکاجی ۔ نمایندۂ پیشوا ۔

مرقومۂ بالا نمایندے ایک خیمے میں مجتمع ہوئے جو عیدگاہ[1] کے قریب نصب کیا گیا تھا۔

۱۳ر فروری ۔ پہلے دن صرف رسمی کارروائی ہوئی اور آیندہ اجلاس کے واسطے مناسب انتظامات تجویز ہوئے۔

۱۴ر فروری ۔ اتحادیوں کے نمائندوں نے ٹیپو سلطان کی نصف مملکت اور ۶ کرور روپیہ تاوان جنگ طلب کیا۔

(۲) ۱۸ر فروری ۔ اسی مقام پر جلسہ ہوا۔ حاضرین بھی وہی تھے جو سابق موقع پر شریک ہوئے تھے

۱۸ر ۔ ٹیپو کے نمایندوں میں سے علی رضا نے اپنے آقا کا چوتھائی ملک اور

---

[1] عیدگاہ ایک کھلی ہوئی مسجد ہوتی ہے جس میں مسلمان عیدین یعنی عید الفطر اور عید الضحیٰ کی نماز ادا کرتے ہیں۔

۳ کروڑ روپیہ نقد ادا کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ لیکن سرجان کینی وے
نے کہا کہ اگر ٹیپو کا یہ مختتم جواب ہے تو جلسہ برخواست اور جنگ پھر جاری
کر دی جائے کیونکہ ہم اپنے مطالبات سے نہیں ہٹ سکتے ہیں اور یہ کہ
ٹیپو کے نمائندے آج ہی رات کو یہاں سے سرنگاپٹم چلے جائیں اس کے
اسباب بیان کرنے کی مجھے اجازت نہیں دی گئی ہے۔ اس کے ساتھ
ہی اس نے کہا کہ ان حضرات سے گفتگو کرنے اور ان کے خوش اخلاقی
کا مجھ پر بہت گہرا اثر پڑا ہے اور یہ بات کہنے میں مجھے سخت تکلیف
اور صدمہ ہوتا ہے لیکن میں اپنے فرائض اور حکام بالا کے احکام کی تعمیل
کرنے پر مجبور ہوں۔

اس دھمکی کا ٹیپو کے نمائندوں پر نہایت زبردست اثر پڑا اور انہوں
نے عرض کیا کہ ہمارا آقا اس قدر گرانقدر رقم نہیں دے سکتا ہے اور آپ کے
یہ شرائط نہایت سخت ہیں۔

سرجان کینی وے نے اس کے جواب میں کہا کہ چونکہ اتحادی اب
برسراقتدار ہیں اس لئے ٹیپو کی زیادتیوں نے ان کو اس امر کا مستحق بنا دیا
ہے کہ وہ ٹیپو کے ان مقبوضات کو لے لیں جن کی آمدنی سے مصارف
جنگ نہیں ادا ہو سکتے ہیں۔

ٹیپو کے نمائندوں نے قرآن کی قسم کھا کر بیان کیا کہ ہمارا آقا ہرگز
ڈھائی کروڑ روپیہ سے زیادہ ادا نہیں کر سکتا ہے اور ہم اس بات کو
خزانہ کے حسابات کے کاغذات دکھا کر ثابت کر سکتے ہیں قلعہ بندیوں
سرکاری عمارات پر اور جنگ میں ہمارے آقا کا بہت زیادہ روپیہ صرف
ہو گیا ہے ان وجوہ سے ہم پھر عرض کرتے ہیں کہ ہماری پہلی درخواست
منظور فرمائی جائے۔

(۴۳) اس کے جواب میں سرجان کینی وے نے کہا کہ میں اپنے سابق
مطالبہ کو پھر دہراتا ہوں جو نہایت معتدل اصولوں پر مبنی ہے ہم تو اپنی
سلطنت کے نمائندے ہیں اور ہمارے افسران بالادست نے صاف

اور صریح الفاظ میں اپنے شرائط بتا دیئے ہیں جن کی تفصیل کرانا ہمارا فرض ہے
ٹیپو سلطان کے وکیلوں نے آپس میں مشورہ کیا اور تھوڑی دیر بعد غلام علی
نے کہا کہ میں نصف ملک اور ۵۰ لاکھ روپیہ اور یعنی کل ۳ کروڑ روپیہ دینے
کی ذمہ داری کرتا ہوں اور یہ رقم بھی صرف اس صورت سے ادا ہو سکتی
ہے جبکہ ہمارے سلطان کے ۱۰۰ سردار اس کی مالی اعانت کریں سرجان
کینی وے نے اپنا وہی مطالبہ پھر پیش کیا اور ٹیپو کے وکلاء سے باصرار
کہا کہ آپ حضرات سرنگاپٹم واپس جایئے۔

انھوں نے قیام کی اجازت طلب کی اور یہ التجا کی کہ ہماری درخواست
لارڈ کارنوالس کی خدمت میں روانہ کردی جائے بالآخر سرجان کینی وے
راضی ہو گیا اور اس نے کہا کہ مجھے امید نہیں کہ آپ کی درخواست
منظور ہو جائے گی اور آپ کو کل صبح کے بعد بھی یہاں ٹھہرنے کی اجازت
مل جائے گی۔ آپ کی روانگی کے متعلق سخت احکام نافذ کرنے میں
مجھے تکلیف محسوس ہوگی اس لئے میں آپ سے درخواست کرتا ہوں
کہ اگر کل صبح آپ میرا خیمہ یہاں پر استادہ نہ دیکھیں تو آپ اپنا خیمہ بھی
ضرور اکھڑوا دیں۔

علی رضا نے اس دوران میں یہ خیال کرکے کہ ہمارا آقا لارڈ کارنوالس
کے روبرو نہایت ظالم اور جابر ظاہر کیا گیا ہے اس لئے اس نے اپنے
آقا کی حمایت میں تقریر شروع کردی۔

اس نے محاصرہ منگلور کو ٹیپو کے فیاضانہ برتاؤ کی مثال کے
طور پر پیش کیا اس کے جواب میں سرکینی وے نے فرمایا کہ اسکی حقیقت
صرف اس قدر ہے کہ محصورین نے جن شرائط پر اطاعت قبول کی
ان کی خلاف ورزی نہیں کی گئی۔

اس کے بعد علی رضا نے دوسری مثال یہ پیش کی کہ جنرل میتھیوز
(General Methews) کی ماتحتی میں جو فوج قلعہ بدنور میں محصور ہو گئی تھی اس کے
ساتھ ہمارے آقائے نامدار نے نہایت اچھا سلوک کیا تھا اسکے جواب میں سرجان کینی وے نے

فرمایا کہ اپنے قول و قرار کو ٹیپو سلطان نے نہایت شرمناک طریقہ سے توڑ دیا تھا اس کے جواب میں علی رضا نے کہا کہ اول جنرل منڈیوز ہی نے عہد و پیمان کے شرائط کی خلاف ورزی کی اس کے متعلق تحقیقات سے معلوم ہوا کہ وہ قلعہ[1] کا خزانہ نکال کر لے جاتا تھا۔ ہمارے آقا پر یہ (۴) اتہام لگانا سخت ناانصافی ہے کہ انہوں نے اسیران جنگ کے ساتھ بدسلوکی اور ظلم کیا۔ اس کی حقیقت صرف اسقدر ہے کہ ہمارے یہاں کے سرکاری ملازمان نے دغا بازی کر کے وہ روپیہ خود خرچ کر لیا جو اسیران جنگ کے مصارف کے لئے دیا گیا تھا کہ خاص خاص واقعات کے متعلق یہ عذر ایک حد تک تسلیم کیا جا سکتا ہے لیکن عام طور پر اسیران جنگ کے ساتھ انسانوں کا نہیں بلکہ وحشیوں کا برتاؤ کیا گیا ہے۔ آپ کے اسیران سرنگا پٹم کی رہائی والے معروضے کو لارڈ کارنوالس نے کریمانہ نظر سے دیکھا ہے اگرچہ آپ کی یہ درخواست سردست منظور نہیں ہوئی لیکن لارڈ کارنوالس آپ سے توقع کرتے ہیں کہ آپ ہمارے اسیران جنگ کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کریں گے جیسا کہ ہم آپ کے اسیران جنگ کے ساتھ کرتے ہیں۔

قریب ۹ بجے کے جلسہ برخاست ہو گیا۔

۱۹ فروری۔ سرجان کینی وے نے بوقت ۵ بجے صبح حسب الحکم لارڈ کارنوالس حضور نظام دکن کے وکیل سے ملاقات کی اور ٹیپو کے معروضہ کا جواب دینے کی بابت اس کی رائے دریافت کی۔ وکیل نے جواب دیا کہ لارڈ کارنوالس کی جو کچھ رائے ہو میں اس کی تائید کرنے پر تیار ہوں۔ آپ کے نزدیک لارڈ موصوف کا اس کے متعلق کیا ارادہ ہے سرجان کینی وے نے اس کے جواب میں بیان کیا کہ ۳ کروڑ روپیہ تو فوراً نقد وصول ہو جانا چاہئے اور چونکہ ٹیپو کے وکلا ضمیمہ بیان کرتے ہیں کہ

---

[1] ابھی پالکی کے بانس ہی بانس سے زربفت اور جواہرات بھر لئے تھے۔

اس سے زیادہ وہ نہیں دے سکتا ہے اور وہ خزانہ کے حسابات دکھانے پر آمادہ ہیں اس لیئے مجھے بھی اس میں شک ہے کہ اس سے کچھ اور وصول ہو سکتا ہے اب تصفیہ طلب صرف یہ بات رہ جاتی ہے کہ کیا ہم ٹیپو کے معروضہ کو منظور کر لیں یا اور ایک کرور کے مطالبہ پر قائم رہنے کے لئے جنگ کو اور طول دیں حضور نظام کے وکیل نے اپنا یہ خیال ظاہر کیا کہ جو رقم پیش کی جاتی ہے وہ بھی ایک کثیر رقم ہے لیکن ٹیپو کی درخواست منظور کرنے سے پیشتر ہم اُس کی مالگذاری کے حسابات طلب کریں اور اُس سے یہ اندازہ کیا جائے کہ اس کی مقبوضہ ممالک کی کسقدر آمدنی ہے (۵)

اس کے جواب میں سر جان کینی وے نے کہا کہ حسابات کے کاغذات طلب کرنے سے صلح کی گفت و شنید معرض التوا میں پڑ جائیگی اور تاوقتیکہ اُس کے پرگنے ہمارے قبضے میں نہ ہو جائیں ہم اُس کی ٹھیک تشفی اور شرائط معاہدہ کی پابندی ہونے کا اعتبار نہیں کر سکتے ہیں اسکی تعمیل ہونے کے بعد کاغذات طلب کئے جا سکتے ہیں حضور نظام کے وکیل نے لارڈ موصوف کی اس رائے کو بطیب خاطر پسند اور منظور کر لیا اس کے بعد سر جان کینی وے وہاں سے رخصت ہوا اور میر عالم کو اپنے ہمراہ لیکر ہری پنت کے خیمے میں گیا ۔

مرہٹہ سردار سے بھی اُسی طرح گفتگو شروع ہوئی جس طرح حضور نظام کے وکیل کے ساتھ کی گئی تھی ۔ اُس نے یہ معلوم کر کے کہ سر جان حضور نظام کے وکیل کے پاس ہو کر آرہے ہیں اُن سے دریافت کیا کہ وکیل موصوف کی کیا رائے ہے ۔ میر عالم نے اس کے جواب میں فرمایا کہ میری وہی رائے ہے جو آپ کی ہوگی ۔

ہری پنت نے فرمایا کہ میں نہایت خوش ہونگا اگر ٹیپو کا بالکل استیصال کر دیا جائے اور پھر ہم اُس کے ملک کی تسخیر اور مال غنیمت سے متمتع ہوں لارڈ کارنوالس کے قول کے مطابق ہر ذی مرتبہ شخص کے لئے ایسی صورت میں دو راستے ہو سکتے ہیں اول یہ کہ اپنے مقدر کی یاوری

جبکہ ٹیپو ہمارے رحم پر ہے ہم اس کی عرض و معروض پر مطلق توجہ نہ کریں اور اُسے بالکل تباہ و برباد کر ڈالیں دوسرے یہ کہ جب وہ عاجزی اور انکسار کا اظہار کرتا ہے اور رحم سے ترحم کا خواستگار ہے تو ہم اُسے پھر برسر اقتدار کر دیں مگر اسی کے ساتھ ہم اپنی ترقی اور سلامتی کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ سر جان کینی وے نے فرمایا کہ لارڈ کارنوالس ترحم فرمانے کو پسند کرتے ہیں اور انکی یہ بھی رائے ہے کہ چونکہ ٹیپو کے لئے تین کروڑ سے زیادہ روپیہ ادا کرنا نہایت دشوار ہے اس لئے مزید رقم کا مطالبہ کر کے جنگ کو اور طول نہیں دینا چاہئے۔

مرہٹہ سردار نے اس رائے کو پسند کیا اور اس کی تائید میں یہ مثل پیش کی کہ موقع سے فی الفور فائدہ اٹھانا چاہئے یا یہ کہ گرم لوہے پر ہتھوڑا مارنا چاہئے۔

میر عالم اپنی اس رائے پر قائم رہا کہ جب تک مجوزہ علاقوں کی آمدنی کا اندازہ کرنے کے واسطے ضروری کاغذات و حسابات دستیاب نہ ہو جائیں اس وقت تک کوئی مختتم جواب نہ دینا چاہئے۔　(۴)

ہری پنت نے اس تاخیر پر اعتراض کیا اور کہا کہ میں اس بات کا ذمہ لینے کے لئے تیار ہوں کہ ٹیپو کے ممالک محروسہ سے تین کرور روپیہ وصول ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد ہری پنت نے سر جان کینی وے سے کہا کہ آپ ہماری یہ تجویز لارڈ کارنوالس کے روبرو پیش کر دیجئے کہ وہ مصارف دربار کے نام سے ایک رقم خاص کا اور مطالبہ ٹیپو سے کریں تاکہ بطور صلۂ خدمات ان افسران کو یہ رقم دی جاسکے جو تین سلطنتوں کی جانب سے جنگی خدمات پر مامور تھے ورنہ نظام کے وزرا اور دیگر سول افسران کو اس جنگ سے ایک حبہ تک نہ ملیگا ایسے موقعوں پر یہ مطالبہ ہوا کیا جاتا ہے اور اس مطالبہ سے صلح کی بات چیت میں کچھ رکاوٹ نہیں ہو سکتی ہے میری رائے میں ۶۰ لاکھ کا مطالبہ کیا جائے اور کم از کم ۳۰ لاکھ روپیہ قبول کر لیا جائے۔

سر جان کینی وے ہری پنت کے خیمے سے رخصت ہو کر لارڈ کارنوالس کی خدمت میں حاضر ہوا اور پھر اُس نے صلح کانفرنس کے اجلاس میں ٹیپو کے نمائندوں سے گفتگو کرنے کے لئے تیاری کی۔

بوقت ساڑھے آٹھ بجے شب اسی مقام پر جلسہ شروع ہوا۔

سر جان کینی وے نے یہ کہکر جلسے کا افتتاح کیا کہ لارڈ کارنوالس نے آپکے معروضہ پر غور کیا اور اتحادیوں کے نمائندوں سے مشورہ کرنیکے بعد آپ کی اس شہادت پر بھی غائر نظر ڈالی ہے کہ ٹیپو سلطان کے لئے تین کروڑ سے زیادہ رقم ادا کرنا ناممکنات سے ہے اور یہ کہ ماہرین فن سے ٹیپو کے خزانہ اور حسابات کی جانچ کرالی جائے۔ لارڈ ممدوح آپ کی عرضداشت کو منظور فرماتے ہیں لیکن اُن کی خواہش ہے کہ صلحنامہ میں یہ شرط اور بڑھا دیجائے کہ ۳ کروڑ روپیہ کے علاوہ ۶۰ لاکھ روپیہ بطور مصارف دربار اور دیا جائے گا۔

غلام علی خاں نے لارڈ کارنوالس کی اس نوازش کا شکریہ ادا کیا کہ حضور ممدوح نے ہمارے آقا کے معاملات میں بہت کچھ توجہ اور عنایت فرمائی ہے اور سر جان کینی وے سے میں درخواست کرتا ہوں کہ براہ کرم وہ مصارف دربار کے لئے کم سے کم رقم کا تعین فرما دیں جس کے لئے وہ اصرار کر سکتے ہیں تاکہ اس شرط کی بحث میں صلحنامہ مرتب ہونے میں مزید تاخیر واقع نہ ہو۔

(۷) سر جان کینی وے نے جواب دیا کہ کم از کم ۳۰ لاکھ روپیہ ہو سکتا ہے اس کے بعد سر جان نے صلحنامہ کے شرائط مرتب کئے اور ایک ایک شرط پر علیحدہ علیحدہ بحث کی۔ شرائط صلح حسب ذیل تھے:۔

(۱) معمولی دیباچہ جس میں نمائندوں کے نام اور اُن کے اختیارات درج تھے اور یہ بھی تحریر کیا گیا کہ فلاں فلاں شخص کو فلاں فلاں سلطنت نے اپنا نمایندہ مقرر کیا ہے۔

متحدین کو ٹیپو کی سلطنت کا نصف علاقہ دیا جائے اور ان میں سے ہر ایک اپنی سلطنت سے ملحق علاقہ خود پسند کرے گا میر علی رضا نے

(۸) خود پسند کر لینے کے الفاظ پر اعتراض کیا اور کہا کہ اس طرح متخاصمین کو ٹیپو کے آبائی علاقوں کے لینے کا بھی حق حاصل ہو جائے گا مثلاً کالیکٹ۔
اس نے ۱۷ تاریخ کے اجلاس میں بھی اس پر اعتراض کیا تھا۔

(۲) اتحادیوں کو ۳ کروڑ روپیہ نقد ادا کیا جائے گا۔
کیفیت۔ علی رضا نے دریافت کیا کہ کیا نقرئی و طلائی سکے، جواہرات و زیورات اور اسباب اس رقم کے معاوضہ میں لیا جا سکتا ہے۔
سر جان کینی وے نے کہا کہ نقدی کی شرط ہے اور اس میں صرف روپیہ اشرفیاں اور ٹیپو کے طلائی سکے قبول کئے جا سکتے ہیں۔

(۳) ۳۰ لاکھ روپیہ بطور دربار یا سول مصارف کے دینے ہوں گے۔

(۴) جملہ اسیران جنگ خواہ حیدر علی کے یا اس کے بعد کے ہوں فوراً واپس دیئے جائیں گے۔

(۵) مرقومۂ بالا ۴ شرائط کی تعمیل ہونے تک کے واسطے ٹیپو کے دو بڑے صاحبزادے بطور یرغمال کے ہمارے سپرد کئے جائیں گے اس کے بعد جنگ بند ہو گی۔
کیفیت۔ سر جان کینی وے نے لارڈ کارنوالس کی جانب سے ٹیپو کے وکلا کو اس امر کا یقین دلایا کہ شہزادوں کا نہایت ادب و احترام ملحوظ رکھا جائیگا۔
غلام علی نے اس کے جواب میں کہا کہ ہمارے سلطان کو شرم و ندامت کے خیال سے اس شرط پر اعتراض ہو گا اور وہ اور اشخاص کے نام پیش کریں گے لیکن ہم ان سے اس کے متعلق کل گفتگو کریں گے۔

(۵) مرقومۂ بالا صلحنامہ پر ٹیپو سلطان کے دستخط اور مہر ثبت ہونے کے بعد اس صلحنامے کی نقل پر نواب گورنر جنرل۔ وزیر نظام اور مرہٹی پنت اپنے دستخط اور مہریں ثبت کر دیں گے۔
جلسہ برخاست ہونے سے پیشتر جو ا بجے دوپہر تک منعقد رہا تھا سر جان کینی وے نے علی رضا کو مخاطب کر کے کہا کہ آپ اپنے آقا کے

معاملات کی نازک حالت پر غور کیجئے میرے نزدیک تکمیل معاہدہ میں عجلت کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ غلام علی نے جواب دیا کہ میں مع اپنے ساتھی کے ابھی قلعہ معلٰی کو جاتا ہوں اور حتی المقدور بہت جلد واپس آؤں گا

۲۱ فروری۔ میر عالم نے سر جان کے پاس یہ پیام بھیجا کہ میرے ہمراہ مرہٹوں کے وکلا گوبند راؤ کشن اور گوبند راؤ بسنت بھی ہیں اور ہم سب آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ چونکہ سر جان اس وقت کھانا کھا رہے تھے اس لئے انھوں نے کہلا بھیجا کہ میں خود میر عالم کے خیمے پر حاضر ہوں گا چنانچہ بوقت ۵ بجے شام وہ میر عالم کے خیمے پر جا پہنچے۔ مرہٹوں کے وکلا نے کہا کہ چونکہ صرف ایک ہی معاہدہ مرتب ہوا ہے جس میں ہم سب کے حقوق درج ہیں اس لئے اس معاہدے میں گذشتہ معاہدوں کی تصدیق اور توثیق درج ہونی چاہئے اور اس میں یہ شرط اور بڑھا دی جائے کہ آیندہ ٹیپو سلطان کسی ہندو کو مختون نہ کریں۔

سر جان کینوے نے دریافت کیا کہ کیا آپ حضرات کو گذشتہ معاہدوں کے شرائط معلوم ہیں اس کا جواب نفی میں دیا گیا مگر اس کے متعلق تحقیقات کرنے کا وعدہ کیا گیا۔

سر جان کینوے نے کہا کہ کیا ختنے کے متعلق معاہدے میں شرط درج کر دینے سے کچھ فائدہ پہنچے گا اگر یہ شرط نتیجہ خیز ہے تو معاہدے میں درج کر دی جائے گی کیونکہ یورپین صاحبان کو بھی اس سے نقصانات پہنچے ہیں۔

ٹیپو سلطان کے وکلا قلعہ معلی سے ۵ بجے شام کو واپس آ گئے اجلاس اسی مقام پر اور انھیں حضرات کی موجودگی میں پھر شروع ہوا۔ (۹)

مختصر سی بات چیت کے بعد ٹیپو کے وکلا نے اپنے ہاتھ میں صلح نامہ لیکر مجوزہ شرائط کے متعلق بحث شروع کی اور بیان کیا کہ ہمارے آقا کی عین تمنا ہے کہ میرے جانشین اور لارڈ کارنوالس اس معاہدہ کے شرائط کی پابندی کریں۔

سرجان کینی وے نے جواباً کہا کہ لڑائی بند ہونے پر جب اس معاہدے کی تکمیل ہو جائے گی اس وقت انشاء اللہ آپ کی مرضی کے مطابق یہ معاہدہ فریقین کے حق میں مفید ثابت ہوگا۔ شرط ۱ کے متعلق ہمارے آقا کہ وہ اپنی موروثی ریاست سرنگاپٹم کے کسی علاقے کو منتقل کرنا پسند نہیں کرتے ہیں جس میں کالی کٹ۔ بنگلور۔ سیونردرگ۔ اوسور۔ رائے درگ بدنور اور گوٹی داخل ہیں۔

شرط ۲ کے متعلق ہمارے سلطان ڈیڑھ کروڑ روپیہ فی الفور ادا کرنے کے تیار ہیں اس میں سے ۵۰ لاکھ روپیہ نقد اور باقی ایک کروڑ کے جواہر۔ اسباب۔ گھوڑے۔ ہاتھی وغیرہ دئے جائیں گے باقی ماندہ ڈیڑھ کروڑ روپیہ ایک سال کے اندر باقساط ادا کر دیا جائے گا۔

شرط ۳ پر ہمارے سلطان کو یہ اعتراض ہے کہ معاہدے میں اسکی تصریح کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس کی خلاف ورزی کا دستور ہی نہیں یہ بات ہماری رائے پر چھوڑ دی جائے اور ہمیں اس میں کمی و بیشی کرنیکا حق حاصل رہے گا۔

شرط ۴ کے متعلق ہمارے آقا کی خواہش ہے کہ فریقین یکساں طور پر اس سے مستفیض ہوں۔

شرط ۵ کے متعلق وکلاء نے بیان کیا کہ ہمارے آقائے نامدار اپنے ایک صاحبزادے کو بطور یرغمال کے آپ کے سپرد کرنے پر آمادہ ہیں خاندانی وجوہ کی بنا پر وہ ایک سے زیادہ بیٹا دینے سے قاصر ہیں ہم کو امید ہے کہ لارڈ کارنوالس بہادر اپنے مطالبے میں اسقدر ترمیم کرنے پر راضی ہو جائیں گے۔

وکلاء کی تقریر ختم ہونے پر سرجان نے جواباً کہا کہ یہ سنکر ہمیں بیحد مسرت حاصل ہوئی کہ ٹیپو سلطان اپنے ایک صاحبزادے کو ہمارے حوالے کرنے پر تیار ہیں اور اس سے ان کی نیک نیتی ظاہر ہوتی ہے ہم آپ کے معروضے کو لارڈ کارنوالس کی خدمت میں پیش کرینگے مگر ہم

(۱۰) آپ کو اس کی منظوری کا متوقع نہیں کرتے ہیں لیکن ہمارے مطالبے میں اس قدر ترمیم ہونے کے بارے میں لارڈ کارنوالس کی پدرانہ شفقت ٹیپو سلطان کے حق میں سفارش کرے گی۔

تاوان جنگ کے ایک جزو کا جواہر وغیرہ کی شکل میں ادا کئے جانے کے متعلق کہا کہ ان اشیاء کو فروخت کرنے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں تاہم میں اس وقت تک کوئی خاص جواب نہیں دے سکتا ہوں جب تک کہ میں لارڈ کارنوالس ۔ میر عالم ۔ بھیکاجی پنڈت عظیم الامرا اور ہری پنت سے ان کے متعلق مشورہ نہ کرلوں ۔ البتہ اسیران جنگ کی رہائی کے متعلق میں اس کا ذمہ لیتا ہوں کہ فریقین اس سے یکساں طور پر مستفیض ہونگے ۔ ۸ بجے شب کو جلسہ برخاست ہوا اور قرار پایا کہ کل صبح کو پھر جلسہ منعقد کیا جائے ۔

۲۲ فروری ۔ آج بوقت گیارہ بجے دن جلسۂ صلح منعقد ہوا حسب معمول وہی نمائندے جلسہ میں شریک ہوئے

سرجان نے ٹیپو سلطان کے وکیل کو مخاطب کرکے کہا کہ لارڈ کارنوالس نے آپ کے اس حلفیہ بیان کو صحیح تسلیم کرکے کہ ٹیپو سلطان کی مالی حالت کمزور ہے اپنے ۶ کروڑ کے مطالبے میں بے حد کمی کردی اور ٹیپو سلطان کو مناسب تھا کہ اتحادیوں کی اس نیک نیتی اور مہربانی کی قدر کرتے لیکن میں نہایت افسوس کے ساتھ کہتا ہوں کہ سلطان نے اسکی قدردانی نہیں کی جیسا کہ ان کے اعتراضات اور عذرات سے ظاہر ہوتا ہے جو کل شام کو پیش کئے گئے تھے اور یہ کہ لارڈ کارنوالس سخت مجبور ہو کر جنگ میں شریک ہوئے ہیں اور چونکہ وہ کالی کٹ کے راجہ یا زمورن سے معاہدہ کرچکے ہیں اس لئے اب یہ بات قطعی نا ممکن ہے کہ راجہ موصوف کو پھر سلطان کا زیردست بنادیا جائے اور چونکہ ہم بنگلور ۔ سیوندرگ (Sevendroog) اور اوسور (Oossor) وغیرہ کو بڑی جدوجہد کے بعد فتح کیا ہے اور یہ مقامات بیش قیمت مقبوضات ہیں

اس لئے فی الحال یہ مقامات ہمارے ہی قبضے میں رہیں گے لیکن لارڈ کارنوالس کو امید ہے کہ ایک وقت ایسا آئیگا جب ہماری آپس کی سلطنتوں کے مابین پورے طور پہ دوستانہ تعلقات قائم ہو جائیں گے اور لارڈ کارنوالس کا پیشتر سے یہی ارادہ ہے کہ ہم یہ مقامات ٹیپو کو واپس کر دیں اور اُن پر ثابت کر دکھائیں کہ حاشا وکلا ہم ان کے خاندان اور اُن کی سلطنت کو تباہ کرنا نہیں چاہتے بلکہ دونوں کو قائم و برقرار رکھنے کے ہم تہ دل سے خواستگار ہیں۔ (۱۱) اس کے جواب میں غلام علی نے محولہ بالا فیاضی اور نوازش پر کسی قدر طویل تبصرہ کرنے کے بعد کہا کہ "ابن الوقت اور تنگ دل دوست سے دانا اور سمجھدار دشمن بہتر ہوتا ہے" سر جان نے شرط ۲ کے متعلق ٹیپو کے وکلاء کو اطلاع دی کہ زر نقد کے بدلے میں اسباب وغیرہ لینے کی ہماری سرکار عادی نہیں ہے اور اگر بازار میں جواہر بمقدار کثیر بیچے جائیں گے تو ان کی قیمت گر جائے گی۔ اس کا یہ جواب دیا گیا کہ اس میں تو ٹیپو ہی کا نقصان ہے سر جان نے اسکی بابت کہا کہ کیمپ میں ساہوکار موجود ہیں ان کی معرفت یہ اشیاء فروخت کی جا سکتی ہیں لیکن لارڈ کارنوالس کو اس سے کچھ سروکار نہ ہوگا لیکن یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ لارڈ موصوف ہر قسم کے سمجھوتے کے لئے تیار ہیں وہ سونا اور چاندی قبول کرنے پر راضی ہیں

شرط ۳ کے متعلق سر جان کینی وے نے انہیں اطلاع دی کہ لارڈ کارنوالس اور اُن کے اتحادیوں کی متفقہ رائے یہی ہے کہ مصارف دربار کی مد میں ۳۰ لاکھ روپیہ ضرور لیا جائے گا اور یہ کہ کل ۳ کروڑ ۳۰ لاکھ کے مطالبہ میں سے ایک کروڑ ۶۵ لاکھ روپیہ نقد یا بہ شکل زر فی الفور دینا ہوگا اور باقی نصف مطالبہ ۱۲ ماہ کے اندر باقساط لیا جائے گا۔

سرجان نے معاہدہ پر عملدرامد ہوتے کے اطمینان کے واسطے ٹیپو سلطان کے لڑکوں کو بطور یرغمال لینے کے متعلق بیان کیا کہ لارڈ کارنوالس کو پرائیوٹ طور پر اس شرط کے لگانے کا سخت صدمہ ہے لیکن اپنے سرکاری فرض سے مجبور ہو کر انھوں نے اس کا مطالبہ کیا ہے لارڈ ممدوح کے بھی ایک بیٹا ہے اور وہ وعدہ کرتے ہیں کہ سلطان کے لڑکوں کے ساتھ میں اپنے بیٹے جیسا برتاؤ کرونگا اور سلطان کے معروضہ کے متعلق لارڈ موصوف فرماتے ہیں کہ سلطان کے تین بڑے بیٹوں میں سے دو لڑکے لئے جاسکتے ہیں

(۱۴۳) سلطان کے وکلاء نے اپنے آقا کی جانب سے لڑکوں کے معاملے کی بابت لارڈ کارنوالس کا شکریہ ادا کیا اور عرض کیا کہ اس کے تین لڑکوں میں سے سب سے بڑا لڑکا حیدر صاحب سلطان کی مرضی کے موافق نہیں ہے اس لئے وہ اپنے سے جدا کرنا پسند نہیں کرتے ہیں دوسرا بیٹا بچپن سے دائم المرض ہے اس لئے وہ زنانہ سے علحدہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ تیسرا بیٹا معزالدین جس کی عمر ۵ سال کی ہے وہ سلطان کا نہایت محبوب فرزند ہے اور سلطان اسی کو اپنا ولی عہد نامزد کرنا چاہتے ہیں۔ سلطان اس بیٹے کو بطور یرغمال دینے پر تیار ہیں ہمارے سلطان نے اپنی نیک نیتی ظاہر کرنے کے لئے اس بیٹے کو آپ کے حوالے کرنے کا تہیہ کیا ہے دوسری غرض یہ بھی ہے کہ اتحادیوں کے اعلیٰ افسران میرے جانشین سے واقف ہو جائیں اور یہ کہ چونکہ سلطان کے تینوں صاحبزادے ابھی خوردسال ہیں اس لئے ہم دریافت کرتے ہیں کہ کیا سلطان کے ۲ یا ۳ سردار ان کے صاحبزادوں کے بجائے بطور یرغمال کے قبول کئے جاسکتے ہیں۔ سرجان کینی وے نے اس کا نفی میں جواب دیا۔

وکلاء نے اپنی تجویز کے منظور ہونے پر بہت زور دیا اندازہ سے معلوم ہوتا تھا کہ دیگر شرائط کے مقابلے میں وہ سلطان کو اس شرط پر راضی کرنا زیادہ دشوار خیال کرتے تھے۔

اجلاس برخاست ہونے سے پیشتر سرجان نے مرقومۂ بالا شرائط کا مسودہ مرتب کر کے سلطان کے وکلاء کے حوالے کیا اور کہا کہ لارڈ کارنوالس ان شرائط میں ایک حرف کی بھی ترمیم نہیں کریں گے اور مجھے امید ہے کہ ٹیپو سلطان ان شرائط کو تسلیم کر کے معاہدے پر دستخط کر دیں گے اور یرغمال کی آمد پر فوراً جنگ ختم کر دی جائے گی اور پھر معاہدہ کی تکمیل ہو گی لیکن اگر ٹیپو نے کوئی اعتراض یا عذر پیش کیا تو آپ کا واپس آنا محض بے سود ہے اس صورت میں آپ کو چاہیئے کہ اپنے خیمے اکھڑوانے کا حکم بھیجدیں۔ اس کے جواب میں سلطان کے وکلاء نے عرض کیا کہ غالباً اس کی نوبت نہ آئے گی اور ہم کل واپس آجائیں گے۔

(۱۴) ۲۳ فروری۔ ٹیپو کے وکلاء نے سب کو مبارکباد دینے کے بعد بیان کیا کہ صلحنامے کا جو ابتدائی مسودہ پیش کیا گیا تھا اُس پر ہمارے سلطان نے دستخط کر دیئے ہیں اور مطالبے کے وقت انکے صاحبزادے آپ کے حوالے کر دیئے جائیں گے۔ سرجان کینی وے نے کہا کہ جس کاغذ پر ٹیپو نے دستخط کئے ہیں وہ پڑھکر سنایا جائے تاکہ اصل مسودے سے اس کا مقابلہ کر لیا جائے۔

چنانچہ مقابلہ کرنے سے معلوم ہوا کہ شرط ۱ میں ترمیم کر دی گئی ہے اور اس میں سے "ملک مفوضہ کا انتخاب" حذف کر دیا گیا ہے۔

سرجان نے اس ترمیم کی نامعقولیت پر اعتراض کیا اور بہت کچھ ردّ و قدح کرنے اور پھر لارڈ کارنوالس سے ملاقات کرنے کے بعد وہ اجلاس میں واپس آیا اور سلطان کے وکلاء کو اطلاع دی کہ تاوقتیکہ محذوفہ فقرہ شرط ۱ میں فوراً داخل نہ کیا جائیگا لارڈ موصوف معاہدہ نہیں کریں گے اور لارڈ موصوف یا اتحادیوں کی ہرگز یہ خواہش نہیں ہے کہ وہ ٹیپو کی سلطنت کے غیر متعلق یا تکلیف دہ علاقوں پر قبضہ کر لیں لیکن اگر علاقے کے انتخاب کا استحقاق اتحادیوں کو حاصل رہا تو اس سے آیندہ کی ساری مقدمہ بازی بند ہو جائے گی۔

وکلاء نے عرض کیا کہ میر عالم کے اس ارشاد پر کہ ٹیپو سے شہر سیرا لے لیا جائے گا، ہمارے سلطان نے وہ الفاظ حذف کر دیئے ہیں۔ اس کے جواب میں میر عالم نے فرمایا کہ اس فقرہ سے میری غرض صرف یہ معلوم کرنے کے واسطے تھی کہ آیا حیدر کے آبائی مقبوضات میں سیرا بھی داخل ہے۔

ٹیپو کے وکلاء نے عرض کیا کہ میر عالم کی اس توضیح سے ہمارا اطمینان ہو گیا اور ہم محذوف شدہ الفاظ شرط ۲ میں خود داخل کر دیں گے سلطان کو اس کے متعلق اطلاع دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

سر جان نے کہا کہ اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ سلطان اس شرط کے اندراج کی ضرورت سے آگاہ ہو جائیں اور پھر وکلاء سے دریافت کیا کہ سلطان کے آبائی مقبوضات میں کون کون مقامات داخل ہیں۔ اس کے جواب میں وکلاء نے عرض کیا کہ آبائی مقبوضات سرنگاپٹم۔ سیرا اور گوٹی ہیں ان کے علاوہ کوئمبٹور بھی ہے۔ سر جان نے فرمایا کہ آپ کے معروضہ کو منظور کرنا قطعی ناممکنات سے ہے کیونکہ کوئمبٹور وہ مقام ہے جس کے لینے کا اتحادی غالباً سب سے اول مطالبہ کریں گے۔ میر عالم نے کہا کہ سر جان کی احتیاط اور دوراندیشی کو ملاحظہ کیجئے اور وکلاء نے اس کو تسلیم کر لیا کہ فی الحقیقت سر جان نے کمال احتیاط سے کام لیا ہے۔ وکلاء معاہدہ پر دستخط کرا کے بوقت ۱۲ بجے واپس آ گئے اور انھوں نے عرض کیا کہ چونکہ معاہدہ کی تکمیل ہو گئی ہے اس لئے جنگ فوراً بند کر دینی چاہئے۔ اور یہ کہ شہزادے کل آپ کے حوالے کر دیئے جائیں گے۔ (۱۴)

۲۴ فروری۔ سر جان کینیوے نے معاہدہ کی نقل جس پر عظیم الامرا وزیر نظام اور لارڈ کارنوالس کے دستخط تھے سہ پہر کے وقت غلام علی کے پاس روانہ کر دی اور اپنے اس استعجاب سے بھی اسے مطلع کر دیا کہ دن کا بڑا حصہ گذر چکا لیکن شہزادوں کے خیمے ابھی تک یہاں نہیں آئے ہیں۔

۲۵ فروری - سرجان - میر عالم اور دیگر نمائندوں نے اپنے خیمے عیدگاہ کو منتقل کر دیئے جہاں پر کہ شہزادوں کے خیمے نصب ہونے والے تھے سلطان کے وکلاء ایک بجے دن کو واپس آگئے - سرجان نے کہا کہ لارڈ کارنوالس نے شہزادوں کے جلد آجانے کے وعدہ پر اعتماد کر کے صلحنامے کی مندرجہ شرائط کے معینہ وقت سے پیشتر ہی جنگ بند کر دی ہے اور اگر آج شام تک شہزادے نہ آئیں گے تو جنگ ازسرنو شروع کر دی جائے گی -

اس کے جواب میں وکلاء نے عرض کیا کہ خرد سال شہزادوں کی علیحدگی کا گھر والوں کو سخت صدمہ ہے اور اگر اصرار کیا گیا تو وہ آج شام تک آجائیں گے چونکہ گھر والوں کے نزدیک آج کا دن نامسعود ہے اس لئے اگر آپ نے آج کی حاضری معاف کر دی تو کل سہ پہر تک وہ ضرور آجائیں گے اور سلطان کو آپ کی نوازش سے امید ہے کہ اتحادی اُن شہزادوں کے استقبال کے لئے نہایت معقول اشخاص مقرر کریں گے جو اُن کے رتبہ اور خاندانی وجاہت کے موافق مناسب اعزاز اور احترام کے ساتھ لارڈ کارنوالس کے حضور میں پہونچا دیں گے - (۱۵)

سرجان نے کہا کہ لارڈ کارنوالس کی یہ خواہش ہرگز نہیں ہے کہ رات میں اُن کے خیمے پر آنے کے لئے شہزادوں کو تکلیف دی جائے لیکن اب جو وقت معین کیا گیا ہے اگر اس میں مزید تاخیر ہوئی تو اسکے نتائج بہت خراب ہوں گے اور میں آج رات ہی کو آپ کا یہ مسودہ لارڈ موصوف کی خدمت میں پیش کر دوں گا کہ شہزادوں کو لانے کے واسطے معقول اشخاص تعینات کئے جائیں - سرجان نے ہری پنت وغیرہ کا دستخطی معاہدہ بھی ان وکلاء کے حوالے کر دیا -

۲۶ فروری ۔ بعد مشورہ کے یہ رائے قرار پائی کہ شہزادے آج تو صرف لارڈ کارنوالس کی خدمت میں حاضری دیں اور پھر کل وہ سکندر جاہ اور ہری پنت سے ملاقات کریں ۔

سر جان کنیڈی وے[1] اپنے ساتھ نواب گورنر جنرل کے نمائندے مسٹر چیری کو لیکر ایک خیمے میں تشریف لے گئے جو ٹیپو کے آدمیوں نے سنتقر سے دو میل کے فاصلے پر سرنگا پٹم کے پھاٹک کے نزدیک نصب کیا تھا ۔ بوقت ۲ بجے دن یہ دونوں حضرات خیمہ میں ایک دروازہ سے اور شہزادے دوسرے دروازہ سے داخل ہوئے ۔ رسمی آداب و تسلیمات کے بعد ۱۹ توپ کی سلامی ہوئی اور یہ جماعت لارڈ کارنوالس کے خیمے کو روانہ ہوئی اور بطور اظہار اطاعت کے تلواریں نذر کیں ۔ اس کے بعد شہزادے اور وکلاء اپنے خیمے واپس آئے ۔ شام کو سر جان نے پھر ملاقات کی اور وکلاء پر صلحنامے کے دیگر شرائط پر عملدرآمد ہونے کی ضرورت پر زور دیا وہ یہ تھے کہ اول اسیران جنگ فوراً رہا کردیئے جائیں دوسرے یہ کہ حسابات پیش ہوں جن میں مالگذاری اور حقیقی آمدنی درج ہو اور حتی الامکان موعودہ رقم بہت جلد بھیجدی جائے ۔ (۱۶)

وکلاء نے وعدہ کیا کہ ان شرائط کی فی الفور تعمیل کیجائے گی اور لارڈ کارنوالس سے عرض کیا کہ اسی طرح اتحادیوں کو بھی اپنے

---

[1] مسٹر چیری حضور نواب گورنر جنرل و کمانڈر انچیف بہادر کے فارسٹر دان سکرٹری تھے ۔ ۱۷۹۴ء میں لارڈ کارنوالس کے یورپ واپس جانے پر مسٹر موصوف لکھنؤ میں رزیڈنٹ مقرر ہوئے اور بعد ازاں بنارس میں گورنر جنرل بہادر کے ایجنٹ مقرر کئے گئے ۔ جب گورنمنٹ نے وزیر علی سابق نواب اودھ کو کلکتہ بھیجنے کے احکام نافذ کئے تو نواب کے ہواخواہوں نے نہایت بیدردی کے ساتھ مسٹر چیری کو مار ڈالا ۔ مسٹر موصوف کمپنی کے نہایت پسندیدہ ۔ قابل قدر اور سرگرم ملازم تھے ۔

وعدوں کے ایفا کے لئے جلد کارروائی کرنی چاہئے اور پرسرام بھاؤ کی سخت مذمت کی کہ اس شخص نے دربار کے موعودہ شرائط کی خلاف ورزی کی ہے اور عرض کیا کہ اسد علی خاں کے نام گورم کنڈہ کے نزدیک لڑائی بند کرنے کے احکام نافذ کئے جائیں اور وعدہ کیا کہ کوئمبٹور اور ساحل ملابار میں لڑائی بند کرانے کے لئے جو قاصد روانہ کئے جائیں گے انھیں ہمارے سلطان پروانۂ راہداری مرحمت فرمائیں گے۔

۲۷ ۔ فروری ۔ لارڈ کارنوالس نے شہزادوں سے ملاقات بازدید کی اور علی رضا قلعہ کو چلا گیا یہاں پر اس کے نام سرجان نے ایک مراسلہ روانہ کر کے اسیران جنگ ۔ وصولی زر نقد اور حسابات کے متعلق جملہ شرائط کی تعمیل کی یاددہانی کی ۔

۲۸ ۔ فروری ۔ میر عالم شہزادوں کے خیمے میں موجود تھے کہ سرجان کا خط موصول ہوا جس میں یہ درج تھا کہ سلطان کے وکلاء سے یہ طے کر لیجئے کہ سلطان کے افسران مال مع حسابات کے یہاں بھیجدئے جائیں میر عالم[1] نے اس کا زبانی جواب دیدیا اور سرجان کے پاس آنے کے بجائے وہ شہزادوں کو سکندر جاہ کے پاس لے گیا ۔ سرجان کو میر عالم کی اس حرکت پر سخت حیرت ہوئی اور میر عالم کے نام اس نے پھر ایک مراسلہ تحریر کیا جس میں باقی کارروائی کرنے پر زور دیا تھا ۔ میر عالم نے اس کا جواب سرجان کو یہ تحریر کیا کہ سلطان کے وکلاء نے مجھے اطمینان دلادیا ہے کہ افسران مال حسابات لیکر کل ضرور حاضر ہوں گے اور یہ کہ

---

[1] ۱۷۹۹ء میں سرنگاپٹم پر قبضہ ہونے کے بعد شاہی محل سے کاغذات برآمد ہوئے جن سے ثابت ہوا کہ اس دوران میں میر عالم کی مسلسل خط و کتابت راز میں ٹیپو سلطان سے ہوتی رہی ۔

روپیہ بہت جلد بھیجدیا جائے گا۔

سرجان کو واپسی پر وکلار کا ایک خط ملا چنانچہ وہ ان کے خیمے پر ۴ بجے شام کو گیا۔

معمولی گفتگو کے بعد وکلار نے بیان کیا کہ ہمارے سلطان حضور (۱۷) نواب گورنر جنرل بہادر سے دوستانہ تعلقات پیدا کرنے کے نہایت آرزومند ہیں اور صلح کی گفت وشنید میں آپ کے شریفانہ اور مخلصانہ طرز عمل کے ہم لوگ نہایت مداح وثنا خواں ہیں لیکن حسابات کے معاملے میں اتحادیوں کی فضول نکتہ چینی سے ہمیں بڑی پریشانیوں اور مشکلات کا سامنا ہوگا اور اس بے جا حرف گیری سے محفوظ رہنے کے لئے ہم لارڈ کارنوالس کی دست گیری کے متمنی ہیں۔ سرجان نے کہا کہ میں آپ کو اطمینان دلاتا ہوں کہ لارڈ کارنوالس آپ کی پورے طور پر دست گیری کریں گے بشرطیکہ آپ بھی نہایت نیک نیتی اور صفائی کے ساتھ اپنے حسابات پیش کریں۔

علی رضا نے نہایت متانت وسنجیدگی کے ساتھ سرجان کو اطمینان دلایا کہ کسی قسم کا دھوکہ اور فریب نہ کیا جائیگا اور اپنے آقا کی طرف سے خندقوں کے خالی کرانے پر زور دیکر قلعے کو واپس چلا گیا۔

۲۹ر فروری۔ وکلار کی درخواست پر سرجان نے شہزادوں اور علی رضا سے ملاقات کی جس نے بیان کیا کہ خزانہ لادا جارہا ہے اور یہ افسران مال خزانے کے ساتھ آجائیں گے۔ خندقوں سے فوجوں کے ہٹنے کے بعد ان کے ساتھ ہی اسیران جنگ روانہ کردئے جائینگے۔

اس کے جواب میں سرجان نے بیان کیا کہ میں آپ کی درخواست کے متعلق لارڈ کارنوالس کا منشا معلوم کرونگا لیکن خزانے کی روانگی کو اس شرط پر منحصر کرنا کچھ ناموزوں سا معلوم ہوتا ہے۔

وکلار اس فقرے کا مطلب تاڑ گئے۔ اس کے بعد انھوں نے سرجان کی خدمت میں سلطان کا ایک مراسلہ اور دو کاغذات پیش کئے

ازانجملہ ایک کاغذ میں ٹیپو سلطان کے قدیم مقبوضات کے حالات اور دوسرے میں سرحدی مقامات کے حالات درج تھے اس کے ذرا ہی دیر بعد وکلاء شہزادوں کو لیکر ہری پنت سے ملاقات کرنے گئے اور وہاں سے ۴ بجے شام کو واپس آگئے اور پھر سرجان نے انخلائے خندق کی بابتہ اُن کے نام ایک مراسلہ روانہ کیا جس میں یہ تحریر تھا کہ چونکہ اب دونوں سلطنتوں کے مابین دوستانہ تعلقات قائم ہوگئے ہیں اس لئے سردست کچھ عرصہ تک ہمارا قبضہ خندقوں پر برقرار رکھنے میں کچھ ہرج نہیں۔ اور مجھے اس کے باور کرنے میں مطلق شبہ نہیں ہے کہ اسیران جنگ روپیہ اور حسابات بہت جلد آجائیں گے۔ جو کاغذات کہ آپ نے پیش کئے ہیں وہ محض بیکار ہیں کیونکہ اُن میں آمدنی کی تعداد درج نہیں ہے۔ اور لارڈ کارنوالس کو یہ دیکھکر سخت حیرت ہوئی کہ آمدنی میں سے کچھ رقم ٹیپو کو دیا جانا بھی ان کاغذات میں درج ہے جس کا دیا جانا ہرگز منظور نہیں کیا جاسکتا ہے اور میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ حسابات بلاپس و پیش و بلاتاخیر جلد روانہ کردئے جائیں۔ (۱۸)

اس خط کی ایک نقل مع کاغذات محولۂ بالا حضور نظام دکن اور مرہٹوں کے نمایندوں کی خدمت میں روانہ کردی گئی۔

یکم مارچ۔ سرجان کینی وے کو سلطان کے وکلاء کا ایک مراسلہ ملا جس میں اُسے مطلع کیا گیا تھا کہ گذشتہ شب اور آج صبح میں قلعہ سے ایک کرور ساڑھے نو لاکھ روپیہ آگیا ہے اس کے جواب میں سرجان نے تحریر کیا کہ اس خبر سے لارڈ کارنوالس خوش ہو جائیں گے اور آپ محاسبوں کے ساتھ میرے خیمے پر تشریف لے آیئے۔

اس موقع پر سلطان کے وکلاء گوبندراؤ کشن نمایندہ پیشوا اور بھیکاجی پنڈت سرجان کینی وے کے خیمے میں جمع ہوئے۔

سرجان نے عام مسائل پر گفتگو کرنے کے بعد غلام علی سے ٹیپو سلطان کی سلطنت کی کل اور حقیقی آمدنی کا حساب دریافت کیا۔

غلام علی نے کل دئے ہوئے کاغذات اور دہلی کے شاہی دفتر کے کاغذات سے مرتب کئے ہوئے اپنے آقا کی آمدنی کے کاغذات واپس طلب کئے اور اس طرح سر جان کے سوال کا جواب ٹال دیا۔

سر جان نے فرمایا کہ تاوقتیکہ آپ کے کاغذات تیار نہ ہو جائیں میں اپنا کوئی کاغذ نہیں دے سکتا ہوں۔ اس کے جواب میں علی رضا نے عرض کیا کہ خود غرض لوگوں نے سازش کر کے معاملہ گڑبڑ کر دیا ہے اس وجہ سے کاغذات تیار نہیں ہوئے اس لئے میں اسی وقت قلعہ معلیٰ کو جاتا ہوں اور جملہ ضروری کاغذات فراہم کر کے کل صبح کو واپس آ جاؤنگا اور اپنی روانگی سے قبل اس نے سر جان سے بہت التجا کی کہ لال باغ میں اور گنجم کے قریب و جوار میں اب مزید فوجی کارروائی نہ کی جائے۔ (۱۹)

اور جنرل ایبر کرومبی (General Aberrombic) کی فوج کو موضع پایلی میں لوٹ کھسوٹ کرنے کی ممانعت کر دی جائے۔

۲ر مارچ۔ چونکہ علی رضا قبل از دوپہر حسب وعدہ نہیں آیا اس لئے سر جان نے اسے یاد دہانی کی۔ علی رضا بوقت ۴ بجے شام کے آ گیا اور اس نے تاخیر کی معافی مانگنے کے بعد اطلاع دی کہ میں ٹیپو کے وزیر فینانس سبھا راؤ کو مع ضروری کاغذات کے اپنے ہمراہ لے آیا ہوں۔

سر جان نے تحریر کیا کہ آپ فوراً چلے آئے اس کے جواب میں وکلاء نے عرض کیا کہ کاغذات کو بیشتر سے مرتب کرنا پڑے گا اس لئے ہم وعدہ کرتے ہیں کہ کل تک ہمارے کاغذات مرتب ہو جائیں گے اور ہم کاغذات لیکر کل آئیں گے۔ اور سہ پہر کے وقت اتحادیوں کے اسیران جنگ کی ایک جماعت رہا کر دی گئی۔

۳ر مارچ۔ سر جان شہزادوں سے ملاقات کے لئے جاتے وقت اثنائے راہ میں لارڈ کارنوالس کی خدمت میں حاضر ہوا اور وکلاء کو مطلع کیا کہ آپ نے جس امر کی بابت کل شکایت کی تھی اس پر غور کرنے کے بعد لارڈ موصوف نے جنرل ایبر کرومبی کو کیمباڑی منتقل ہونے کا حکم دیدیا۔

اور اُس جزیرہ کے حاکم کرنل اسٹوارٹ کو حکم دے دیا گیا ہے کہ وہ لال باغ
کے درخت کاٹنے اور گنجام کے مکانات مسمار کرنے سے دست کشی
اختیار کرے اس کے جواب میں علی رضا نے بیان کیا کہ ہمارے سلطان
نے اپنے رسالے کو حکم دیا ہے کہ جنرل ایبرکرومبی کی رسد نہ روکی جائے

فریقین کے جملہ نمائندے دس بجے سرجان کینی وے کے خیمے
میں جمع ہوئے۔ ٹیپو کے نمائندوں نے اپنے آقا کی رعایا اور اسیرانِ جنگ
کی ایک فہرست پیش کی جو اتحادیوں کے قبضے میں تھے۔ سلطان کے
وکلاء اور مرہٹوں کے نمائندوں کے درمیان درّور کی قلعہ بند فوج کے
متعلق طے شدہ شرائط کی خلاف ورزی کرنے کی بابتہ نہایت سخت
کلامی ہوئی سرجان نے حسابات اور کاغذات طلب کئے اور معائنہ
کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ کاغذات بھی پہلے نامکمل کاغذات سے صرف
قدرے بہتر ہیں۔ حسابات کے اندراج کے بعد حسابات کی درستی (۲۰)
ثابت کرنے کے واسطے شمبھا راؤ نے عرض کیا کہ میں اپنی عزت کی قسم
کھا کر کہتا ہوں کہ اگر کسی قریبی موضع یا ضلع کی آمدنی کی جانچ کی جائے
تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ہمارے حسابات بالکل ٹھیک ہیں

سرجان نے دریافت کیا کہ یہ حسابات کس سال کی بابتہ ہیں؟

شمبھا راؤ نے عرض کیا کہ یہ حسابات جنگ سے پیشتر کے ہیں
اور مختلف سال کے مرتب کئے گئے ہیں اور ضلع کورگ کی طرح بعض
اضلاع کی آمدنی ، سال پیشتر کی ہے کیونکہ ان اضلاع سے اس کے
بعد کسی قسم کی آمدنی وصول نہیں ہوئی ہے۔ سرجان نے کہا کہ آمدنی
کے حسابات اس نامعقول اور بے قاعدہ مرتب کرنے سے اب
یہ بات قطعی ناممکن ہے کہ ایک سال کی آمدنی کا مقابلہ دوسرے
سال کی آمدنی سے کیا جائے۔ بارش کی کمی و بیشی سے ہر ایک سال
کی مالگذاری میں اختلاف واقع ہوگا اس لئے آپ نے جس ترکیب
سے حسابات پیش کئے ہیں اُس سے اوسط آمدنی کا اندازہ کرنا ناممکن ہے

وکلار نے عرض کیا کہ اس کی درستی ہو سکتی ہے لیکن اس سے آخر کی میزان میں نہایت خفیف فرق واقع ہوگا جو ۲ کرور ۱۰ لاکھ کے قریب ہے (یعنی ۲۰۴۰۰۰۰ پونڈ)۔

چنانچہ قرار پایا کہ جو حسابات اس وقت درج کئے گئے ہیں اُن کا اصل کاغذات سے مقابلہ کرنے میں دن کا باقی وقت صرف ہو جائے گا اس لئے مناسب ہے کہ سب صاحبان کل پھر تشریف لائیں اور سلسلہ وار بحث کریں اور پھر اپنی اپنی حکومت کو اس کی اطلاع دیں۔ سر جان نے گوبندراؤ کو ہری پنت کی یہ بات یاد دلائی کہ ٹیپو کی مملکت سے ۳ کرور کی آمدنی ضرور حاصل ہوگی۔

۴ مارچ۔ سر جان نے کل کے بحث و مباحثہ کے متعلق سلطان کے وکلار کے نام ایک مراسلہ روانہ کیا۔ میر عالم اپنے یہاں کے وزیروں (۲۱) سے مشورہ کر کے واپس آگیا اور ہری پنت نے میر عالم کی یہ رائے ظاہر کی کہ ٹیپو کے محاصل کے جو حسابات پیش کئے گئے ہیں وہ غلط ہیں اور میں اپنے اس دعوے کو سلطان کے دفتر کے ایک کاغذ سے ثابت کر سکتا ہوں جو تعلقہ ولانور (Velanoor) ضلع گوٹی کے محاصل کی بابت ہے اور جس کے متعلق سر جان نے انھیں اطمینان دلایا ہے کہ متحدین اس علاقے کے خواستگار نہیں ہیں اس کاغذ میں ولانور کی آمدنی ۲۶۸۶۴ پگوڈا درج تھی اور ٹیپو نے ۸۰۰۰ پگوڈا کا تخمینہ درج کیا تھا

وزیر مذکور نے اس لئے یہ مشورہ دیا کہ صوبہ راؤ یا وکلا سے اس بات کی ضمانت لے لی جائے کہ اگر ان کے پیش کردہ حسابات غلط ثابت ہوئے تو وہ سخت سے سخت سزا کے مستحق ہوں گے۔

ہری پنت نے کہا کہ پرسرام بھاؤ سے مشورہ کرنے سے پیشتر میں اپنی رائے ظاہر نہیں کر سکتا ہوں۔ ٹیپو نے علاقہ بدنور کی آمدنی ۷ لاکھ بتائی ہے لیکن پیشوا اسکے حصہ ۱۲ لاکھ کے معاوضے میں اس علاقہ کو لینے کے واسطے میں تیار ہوں۔

سرجان نے میر عالم کو اپنا خط دکھایا جو آج صبح سلطان کے وکلاء کے نام روانہ کیا گیا ہے اور میر عالم نے اس کی تائید کی۔

میر عالم اور گوبند راؤ بسونت حسابات محاصل ٹیپو لیکر سرجان کی خدمت میں پہونچے اور بیان کیا کہ یہ حسابات ٹیپو کے ایک ربع افسر مال سے ہمیں ملے ہیں جو آج کل مرہٹہ کیمپ میں قید ہے۔ اس کاغذ سے ٹیپو کا پیش کیا ہوا موجودہ حساب آمدنی اور اس افسر کی تخمینی آمدنی اور دونوں کا فرق معلوم ہو گیا۔ گوبند راؤ نے عرض کیا کہ ہری پنت تعلقہ بدنور کو حسب ذیل تینوں صورتوں میں لینے پر تیار ہے۔

اول۔ ٹیپو کی بیان کی ہوئی آمدنی سے دو چند آمدنی کے معاوضے میں۔

دوسرے۔ اسی آمدنی کے معاوضے میں اس حساب سے کہ ایک پگوڈا کی قیمت تین روپیہ کے بجائے چار روپیہ تسلیم کی جائے۔

تیسرے۔ اس صورت سے کہ اسی آمدنی کے معاوضے میں اس رعایت کے ساتھ کہ ٹیپو کے نقشہ میں جو تعلقے درج ہیں از انجملہ ۳-۴ تعلقے چھوڑ دئے جائیں۔

سرجان نے کل کے عریضہ کے جواب میں وکلاء کو تحریر کیا اور انھیں زبانی بھی یاد دلایا کہ حسابات پیش کرنے کا وقت آج ختم ہو جائیگا

(۲۲) اس کے جواب میں وکلاء نے مطلع کیا کہ علی رضا قلعۂ معلّی کو جا رہے ہیں اور وہ آج رات کو یا کل واپس آجائیں گے اسوقت ہم سلطان کا جواب ارسال کردونگا۔ شام کے وقت سرجان نے میر عالم کے ہمراہ سلطان کے نمائندوں اور شہزادوں سے ملاقات کی۔ غلام علی نے بیان کیا کہ سلطان نے آپکا کل کا مراسلہ ملاحظہ فرماکر سبھا راؤ اور دیگر محاسبوں کو طلب کیا اور اپنی ناراضی ظاہر کی وہ تسلیم کرتے ہیں کہ ہمارے محاسبوں نے جو حسابات پیش کئے ہیں وہ ناقابل اطمینان ہیں اور لارڈ کارنوالس کا مطالبہ درست ہے۔ سرجان نے کہا کہ میں نے کل ہی انھیں متنبہ کر دیا تھا کہ حسابات کی غلطی پر سزا دیجائے گی اور یہ کہ اتحادیوں نے اپنے جملہ

حقوق لارڈ کارنوالس کے سپرد کر دئے ہیں اور اس عالم میں کوئی امر انہیں چشم پوشی کرنے پر آمادہ نہیں کر سکتا ہے غلام علی نے کہا کہ حساب کا فرق بھول چوک ہے اور اسکی تصحیح بہت جلد ہو سکتی ہے۔

۲۔ مارچ۔ علی رضا خاں قلعۂ مغلی سے واپس آگیا اور سر جان نے اس سے اپنے مراسلہ مورخہ ۲۴ مارچ کا تحریری جواب طلب کیا علی رضا نے اس کا یہ جواب دیا کہ انشاء اللہ میں کل بہ نفس نفیس حاضر ہونگا اسپر سر جان نے اصرار کیا کہ آپ مع اپنے رفیق کے آج شام ہی کو میرے خیمہ پر تشریف لے آئیے۔ چنانچہ وکلاء اس بات پر بمشکل راضی ہوئے اور بوقت ۷ بجے شب سر جان کے خیمے پر آکر انھوں نے اتحادیوں کے نمائندوں سے ملاقات کی۔

اولاً اسیران جنگ کی رہائی کی بابت گفتگو شروع ہوئی۔ علی رضا نے اپنے اس مطالبے پر نہایت جوش کے ساتھ زور دیا کہ ہر داس دیوان دار وار نے اطاعت کا قول و قرار کیا تھا اُسے معافی دیدی گئی تھی لیکن بدر الزماں خاں قلعہ دار کے ساتھ اُس نے وعدہ خلافی کی یہ افسر ہمارے سلطان کے حوالہ کر دیا جائے کیونکہ اس کے ذمہ ہمارے سلطان کا کئی لاکھ روپیہ باقی ہے۔ مرہٹوں کے نمائندوں نے اس کے جواب میں نہایت جوش کے ساتھ بیان کیا کہ چونکہ یہ افسر ہماری پناہ میں آگیا ہے اس لئے ہم اُسے سلطان کے حوالے نہیں کر سکتے ہیں۔

سر جان نے اس سخت کلامی کو یہ کہکر روک دیا کہ میرے ۲۴ مارچ والے مراسلے میں محاصل کے جس حساب کا مطالبہ کیا گیا تھا وہ پیش ہونا چاہئے۔ (۲۳)
اس کا جواب دیا گیا کہ سُبھا راؤ وزیر فینانس سے اس کے متعلق دریافت کیا جائے۔ اُس نے بیان کیا کہ بدقسمتی سے کوئمبتور اور کالی کٹ کے صوبوں کے کاغذات اور حسابات اس جنگ میں ضائع ہو گئے جس میں آخر الذکر دو صوبے انگریزوں نے فتح کئے تھے۔ اسی طرح دار وار۔ گجین درگڈہ اور بنگلور کے حسابات ان کے فتح ہونے پر ضائع ہو گئے لیکن دیگر علاقوں کے

حسابات حتی الوسع تیار ہو جائیں گے اور وہ ۳-۴ دن میں مکمل ہو جائیں گے
علی رضا نے بیان کیا کہ ۲۶ر فروری کو بے شمار کاغذات ضائع ہو گئے جبکہ خود اسی کی فوج نے ٹیپو کے کیمپ میں لوٹ مار کی۔
علاوہ بریں ٹیپو کے تخت نشین ہونے کے بعد سے حسابات نہایت لاپروائی سے ساتھ رکھے جاتے ہیں اس کا یہ جواب دیا گیا کہ لارڈ کارنوالس اور اتحادیوں کے نمائندوں سے اس کے متعلق مشورہ کرنے کے بعد جواب دیا جائیگا۔
لارڈ کارنوالس کا ایک ادنئے ملازم حسین علی دیگر قیدیوں کی رہائی کے بعد روک لیا گیا تھا لیکن باضابطہ استدعا کرنے پر آج وہ بھی رہا کر دیا گیا۔
۷ر مارچ۔ میر عالم اور گوبند راؤ لسونت سر جان کینی وے کے خیمہ میں گئے اور سر جان نے ان کے روبرو اپنی یہ رائے پیش کی کہ چونکہ ٹیپو سلطان نے حسابات دینے سے پہلو تہی کی ہے اس لئے اس امر کی فوراً ضرورت ہے کہ ہم میں سے ہر ایک حکومت ایک نقشہ تیار کر کے پیش کرے کہ وہ فلاں فلاں علاقہ پانے کی مستحق ہے اور سب کا مجموعہ معاہدہ میں درج کر دیا جائے کمپنی اپنے حصہ میں ۲۹۵۲۸۸۰۷۳ روپیہ کا علاقہ لے گی۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ ہم آپ کی اس تجویز کو ہری پنت اور عظیم الامرا کے روبرو پیش کر دیں گے۔
دوسرے روز بوقت صبح سر جان نے سلطان کے وکلاء کے نام دو مراسلے روانہ کئے ایک میں یہ تحریر تھا کہ کل سے مزدور قلعہ میں پھر کام کر رہے ہیں دوسرے میں یہ درج تھا کہ باقی اسیران جنگ اب بھی رہا نہیں ہوئے ہیں۔
ٹیپو سلطان نے اپنے پدر بزرگوار حیدر کی قبر پر فاتحہ خوانی کے واسطے جانے کی اجازت طلب کی جو فوراً منظور کر لی گئی (۲۴)
سر جان کینی وے نے حسب الارشاد لارڈ کارنوالس ٹیپو کے

نمائندوں سے ملاقات کی اور اُن کے آقا کے غلط حسابات پیش کرنیکی بابتہ نہایت سخت الفاظ میں لارڈ کارنوالس کا استعجاب ظاہر کیا اور بیان کیا کہ سرنگا پٹم ٹیپو کا خاندان۔ اُسکا خزانہ اور سلطنت لارڈ موصوف کی گرفت میں ہیں اور محض خلوص اور نیک نہادی کے باعث وہ اتحادیوں کی مرضی کے خلاف مصالحت کرنے پر آمادہ ہو گئے ہیں اور اس کے معاوضے میں انھیں دھوکہ دینے کے واسطے ہر طرح کی کوششیں کی گئی ہیں انگریزوں نے کالی کٹ کو اپنے قبضے میں رکھنے کی ضرورت سے صاف الفاظ میں اطلاع دیدی تھی اور ٹیپو نے اسکی اصل قیمت سے ۶ لاکھ زیادہ بتائے۔ وکلا نے عام الفاظ میں اس کا جواب عرض کیا کہ گورنر جنرل کے ساتھ ہمارے آقا دوستی قایم رکھنا چاہتے ہیں اور وہ خود تقسیم مملکت کی تجویز پیش کرنے کو تیار ہیں۔ جس میں کمپنی کے مفاد کے خلاف کوئی بات نہوگی۔ لیکن ہمارے سلطان کو اتحادیوں سے دلی نفرت ہے جیسی کہ انھیں سلطان کے ساتھ ہے اور اس وجہ سے وہ اپنا ملک اتحادیوں کے حوالہ کرنا بااکراہ گوارا کریں گے اور اگر انگریز اتحادیوں کے معاون نہ ہوتے تو ہمارے سلطان اپنی موجودہ شکستہ حالت میں بھی اتحادیوں کو اپنے ملک سے نکال باہر کرتے۔ اس کے جواب میں سرجان کینی وے نے کہا کہ ہماری حکومت مختلف معاہدوں سے اتحادیوں کی ساتھی ہے اور کوئی خود غرضی ان معاہدوں کو نہیں توڑسکتی ہے اور مجھے اب بھی توقع ہے کہ آپ کے آقا ان معاہدوں کی پابندی کرکے فائدہ اٹھائیں گے۔ سلطان کے وکلا سے رخصت ہونیکے بعد سرجان نے اتحادیوں کے نمائندوں کو طلب کیا جنھوں نے تقسیم مملکت میں اپنے اپنے حصہ کی فہرست پیش کی۔ سرجان نے اس فہرست میں سے بسوا پٹم۔ چیتل درگ۔ رائے درگ اور ہار پونلی کو خارج کردیا باقی ماندہ ملک ۸۶،۱۳،۸۸ پونڈ کا رہ گیا اور کمپنی کا حصہ ملاکر اس کی قیمت ۸۹،۸۲ ،۱۲۹ پونڈ تھی۔

(۲۵)

سرجان کینی وے نے ابتدائی صلح نامے کے مطابق ایک مکمل عہد نامہ مرتب کیا جس میں مطلوبہ ممالک درج تھے اور سرکاری نوٹ کے ساتھ یہ عہد نامہ ٹیپو کے وکلاء کے حوالے کر دیا گیا۔ اس نوٹ میں جن کاغذات کا حوالہ دیا گیا تھا ان کی تصدیق ایک عامل اور ایک سررشتہ دار نے کردی تھی اور ہرداس سابق دیوان داروار (Darwar) کا ایک بیان بھی اس نوٹ میں درج تھا۔

سرجان کینی وے نے لفٹنٹ میکلوڈ افسر محکمہ خبر رسانی سے درخواست کی کہ جو کچھ معلومات آپ فراہم کر سکیں اس سے ٹیپو کے مرسلہ حسابات کا مقابلہ اور موازنہ کریں۔

سرجان کے نام بوقت ۹ بجے صبح ٹیپو کے وکلاء کا ایک مراسلہ آیا جس میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی گئی تھی۔

سرجان کی استدعا پر سلطان کے وکلاء اور نظام کے نمائندے تشریف لائے لیکن مرہٹوں کے نمائندے اس موقع کو ٹال گئے سلطان کے وکلاء نے دیروزہ نوٹ کے لہجے اور صلحنامے کی سخت شرائط پر اپنا استعجاب ظاہر کیا اور عرض کیا کہ ہم یہ صلحنامہ اپنے آقا کی حضور میں پیش کریں گے لیکن ہماری درخواست ہے کہ اسی دوران میں یہ چند حسابات دیکھ لئے جائیں جو سبھاراؤ اپنے ساتھ لایا ہے۔

اسکے جواب میں سرجان نے کہا کہ حسابات کی جانچ کا وقت گزر چکا لارڈ کارنوالس نے نہایت صبر اور تحمل کے ساتھ ٹیپو کے مالی حسابات وغیرہ پیش ہونے کے واسطے تیس دن تک انتظار کیا تاکہ وہ اس کی مناسب تقسیم کر سکیں اور چونکہ آپ نے حسابات پیش کرنے میں ٹال مٹول کی اور وقت نہایت بیش قیمت تھا اس لئے لارڈ موصوف نے خود اس معلومات کی بناء پر تقسیم کر دی ہے جو انھیں فراہم ہو سکے اس لئے وہ اب کوئی حساب دیکھنا پسند نہیں کرتے ہیں اور نہ کوئی ترمیم اس معاہدے میں کریں گے جس میں ملک کی تقسیم کے شرائط

درج ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ لارڈ موصوف کی خود غرضی یا حرص و آز کو
اس میں کچھ دخل نہیں ہے اور آپ کے آقا کے لڑکوں کو بطور یرغمال
کے لینے کے واقعے نے اُن کے مطلوبہ شرائط کو اور نرم کر دیا ہے۔ (۲۶)
سلطان کے وکلا ر نے سر جان سے دریافت کیا کہ گورنر جنرل بہادر
نے اس معاہدہ میں ہمارے آقا کی عزت اور حقوق کا بھی لحاظ رکھا
ہے! سر جان نے فرمایا کہ آپ اسکا جواب اپنے انصاف مصلحت وقت
اور معقولیت سے طلب کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد ببھا راؤ نے مجوزہ
علاقوں کی فہرست پڑھکر سنائی جو اُس نے سب سے اول کورگ کا
نام لیا جسے اس نے سرنگا پٹم کا دروازہ بتایا کیونکہ وہاں سے سرنگا پٹم
صرف دس بارہ ۱۰-۱۲ کوس کے فاصلے پر ہے۔ سر جان نے جواب
دیا کہ فاصلہ اس سے زیادہ ہے اور چونکہ ہم کورگ کے راجہ سے
پیشتر ہی معاہدہ کر چکے ہیں اس لئے ہم اُسے ہرگز نہیں چھوڑ سکتے ہیں
اس کے بعد ببھا راؤ نے دیانی کوٹہ کا نام لیا اور کہا کہ وہ بنگلور کے
قریب ہے اور آپ کی سرحد سے فاصلے پر ہے۔

اُسے جواب دیا گیا کہ جب اس معاہدے پر عمل درآمد ہوگا
اُس وقت یہ مقام سرحد کے قریب واقع ہوگا۔ اسی طرح سالم
(Salim) اور سنکا گیری کے متعلق عذرات کے جواب دئے
گئے۔ اور اسی سلسلے میں اس نے کہا کہ دریائے نوئل (The Noil)
جو آپ نے اپنی جنوبی سرحد قرار دی ہے اس کا کوئی وجود نہیں بلکہ اُس
مقام پر ایک ندی ہے۔

سر جان نے جواب دیا کہ نقشہ میں وہ موجود ہے اگر نام غلط
ہے تو صاف نقل میں اس کی تصحیح کر دی جائے گی۔ پھر ببھا راؤ
نے بلاری اور گوٹی کا حوالہ دیا اور کہا کہ اتحادیوں نے جلد زبردست
قلعے اپنی تسخیر میں لے لئے ہیں۔ سر جان نے اسکا یہ جواب دیا کہ معاہدہ
کی رو سے اوسکور اور بنگلور کے قلعے آپ کے آقا کے لئے چھوڑ دئے

گئے ہیں جو کلکتہ اور مدراس کے قلعہ جات کی مانند نہایت مستحکم ہیں ہم نے
محض اپنی مدافعت کے واسطے قلعہ جات لئے ہیں تاکہ ہماری سرحد
مستحکم رہے اور وہ مصیبتیں دوبارہ نازل نہ ہونے پائیں جو حیدر اور
ٹیپو کے اچانک حملوں سے کرناٹک پر نازل ہوئی تھیں۔ آخر میں سرجان
نے ارشاد کیا کہ مزید بحث فضول ہے آپ قلعہ معلی تشریف لے جایئے
اور یہ معاہدہ ٹیپو کے حضور میں پیش کیجئے اور ان کا جواب لیکر بہت جلد (۲۷)
واپس آجایئے اور اب میں آپ کو مسٹر چیبری کے سپرد کرتا ہوں تاکہ
زر موصولہ کو سکوں کی صورت میں تبدیل کر لیا جائے اور جب یہ معاملہ
ختم ہو جائے تب آپ میرے پاس واپس آجائیں۔ سرجان کی دیاسی
پر علی رضا نے پھر پہلی بحث شروع کر دی اور بھار اؤ نے دریافت
کیا کہ آپ کا یہ اعتراض کس دلیل پر مبنی ہے کہ "ٹیپو کے آبائی مقبوضات
کی قیمت کم لگائی گئی ہے" سرجان نے اس کا یہ جواب دیا کہ علاوہ
دیگر وجوہ کے اس کے ثبوت میں ہمارے پاس تعلقہ دنیور کے عامل
کا دستخطی اور مہری حساب موجود ہے جس سے ظاہر ہے کہ اس تعلقے
کی مندرجہ آمدنی سے حقیقی آمدنی سہ چند ہے۔ اس جواب سے وکلاء
اولاً قدرے پریشان ہوئے لیکن ذری دیر بعد انھوں نے اس بیان کی
حقیقت کی بحث چھیڑی اور کہا کہ یا تو وہ حساب جعلی ہوگا یا اس میں
سنین ماضیہ کی بقایا ملا کر یہ تعداد ہو گئی ہوگی۔ سرجان نے فرمایا کہ کاغذ
بالکل درست ہے اور ضرورت کے وقت ہم اسے پیش کر دیں گے
میں نہایت سنجیدگی کے ساتھ آپ کو مشورہ دیتا ہوں کہ آپ سب جان
قلعہ معلی واپس چلے جائیں صوبہ راؤ نے دریافت کیا کہ ہم وہاں
جا کر کیا کریں؟ اس کے جواب میں سرجان نے کہا کہ آپ قلعہ معلی
میں جا کر دریافت کیجئے کہ یہاں پر آپ کو کیا کرنا چاہئے۔ اس پر بھار اؤ
نے عرض کیا کہ چونکہ کسی بات کا تصفیہ نہیں ہوا ہے اس لئے ہمارے
آقا اپنا سارا غصہ مجھ ہی پر اتاریں گے پھر وہ سرجان سے رخصت ہو کر

واپس گئے اور کل صبح یا زیادہ سے زیادہ کل شام تک واپس آجانے کا وعدہ کیا ۔ اسی اجلاس کے اثناء میں سرجان کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ لارڈ کارنوالس کو ایک معتبر ذریعے سے اطلاع ملی تھی کہ آیکے سلطان خندقوں کے محاذ میں عمارتوں کی مرمت کرا رہے ہیں اسلئے لارڈ موصوف نے بھی اپنے انجینیروں کو خندقوں کے سامنے دمدمے اور دھس تیار کرنے کا حکم دیدیا ہے ۔ علی رضا نے اسپر اظہار افسوس کرنے کے بعد عرض کیا کہ مرمت بند کر دیجائے گی ۔ سرجان کینی وے نے یہ خواہش بھی ظاہر کی کہ اگر کوئی انگریزی دستہ فوج والے جا رہے کی تلاش میں چٹنی کا (مفتش دستہ) دریا پار بھیجا جائے تو ایسی مدد کرنی چاہیئے کہ کسی طرح کا نقص امن نہ ہو سرجان نے سلطان کے وکلاء کو ان کی اس شکایت کے جواب میں کہ میجر کوپیچ درہ گزل ہٹی سے گذر کر اُدھر چڑھ آئے ہیں ۔ ایک تحریر بوقت سہ پہر روانہ کی ۔ (۲۸)

اا۔ مارچ ۔ چونکہ اتحادیوں کے حصے یکساں نہ تھے اور حضور نظام دکن کے وزیر نے اپنے حصے میں سوکا (Moakah) نہیں درج کیا تھا اسلئے جدید تقسیم کی ضرورت لاحق ہوئی جس کی رو سے ایسٹ انڈیا کمپنی کو سابق علاقوں کے علاوہ ضلع ڈوبین کا نک گیری لارپینا دادر انگلول اضلاع کی پشت پر ڈورل کا ایک حصہ اور مل گیا ۔

سرجان کی تنبیہ اور وکلاء کے وعدوں کے بعد بھی آج قلعہ کی مرمت بدستور جاری رہی ۔

۱۲۔ مارچ ۔ چونکہ حسب وعدہ رات وکلاء واپس نہیں آئے اور قلعہ کی شکست وریخت بدستور جاری تھی اس لئے لارڈ کارنوالس نے سرجان کو بوقت ۱۱ بجے دن ہدایت کی کہ وکلاء کو اطلاع دو کہ جنگ بند ہو جانے کی بعد خلاف معاہدہ قلعہ کی درستی جاری ہے اس لئے حکم دیا جاتا ہے کہ اگر قلعہ کی مرمت فوراً بند نہ ہو تو خندقوں میں جنگ شروع کر دیجائے ۔ قاصد بوقت ۳ بجے شام واپس آگئے کہ ہم وکلاء سے ملے انھوں نے آپ کا مراسلہ دیکھکر فوراً سلطان کی خدمت میں

ارسال کردیا۔ سرجان نے وکلاء سے جلد حاضر ہونے کی خواہش ظاہر
کی وہ ۴ بجے تک نہ آئے بلکہ اتحادیوں کے نمائندوں کو اپنے ہمراہ
لیکر ۶ بجے شام کو پہنچے۔ اجلاس شروع ہوئے پر وکلاء نے عرض
کیا کہ ہمارے سلطان نے آپ کی شرائط قبول کرلی ہیں اور اب
صرف اسقدر کسر باقی رہ گئی ہے کہ گورنر جنرل بہادر اور اتحادی بعض
شرائط میں کسی قدر ترمیم کردیں۔ انھوں نے بیان کیا کہ ہمارے سلطان
مطلوبہ علاقے کا نصف حصہ اپنے حساب کی رو سے اور باقی نصف
اتحادیوں کے حساب کے مطابق دینے پر تیار ہیں اور آپ کی سرحدوں
کے واسطے جن اضلاع کی ضرورت ہے انکا بھی کچھ حصہ دیا جائے گا۔
لیکن باقی اضلاع کے متعلق انہیں اعتراض ہے مثلاً کورگ کے (۲۹)
دینے کی بابتہ جو سرنگاپٹم کے قریب ہونے کے باعث سرنگاپٹم کا
دروازہ متصور ہو سکتا ہے۔ سلطان فرماتے ہیں کہ آپ اپنے مرتبہ
معاہدہ کی رو سے کورگ پانے کے مستحق نہیں ہیں چونکہ وہ آپ کی
سرحد سے فاصلے پر واقع ہے۔ اس کے جواب میں سرجان نے
فرمایا کہ لفظ "متصل" پر سلطان کو زیادہ بحث کرنے کی حاجت نہیں کیونکہ
اس کے معنی زیادہ دور نہ ہونے کے ہیں اور اس لفظ کے اندراج سے
اتحادی ٹیپو کی مملکت کے مرکزی اضلاع لینے سے محروم ہو جائیں گے
آپ کورگ کو سرنگاپٹم کا دروازہ بتاتے ہیں جو وہاں سے ۴۰ کوس
یعنی ۸۰ میل کے فاصلے پر ہے اور ہمارے علاقہ ٹلی چری سے ۱۵
کوس یا ۳۰ میل پر واقع ہے وہ کالی کٹ کے متصل ہے جس کے
دینے پر آپ رضامند ہیں اور یہ کہ ہم کورگ کے راجہ سے پیشتر ہی
معاہدے کرچکے ہیں جن کی خلاف ورزی ہم نہیں کرسکتے ہیں ورنہ
پھر ٹیپو کو ہمارے معاہدے پر کیا اعتبار اور بھروسہ ہوگا جو ہم ان سے
کر رہے ہیں۔ وکلاء نے اپنے بیان کئے ہوئے لفظ متصل کے معنی پر
زور دیا لیکن سرجان نے اُسے قبول نہیں کیا۔ بہت کچھ رد و قدح کے بعد

وکلاء کی درخواست پر یہ معاملہ لارڈ کارنوالس کے روبرو پیش کیا گیا۔ سرجان نے لارڈ موصوف کے پاس سے واپس آکر بیان کیا کہ چونکہ آپ نے لارڈ موصوف کو مجبور کر دیا کہ وہ اپنے اختیارات کو کام میں لاکر معاہدہ مرتب کریں اور معاملہ کے پختہ ہونے کے بعد اب وہ کسی قسم کی ترمیم کرنے اور مندرجہ علاقوں میں کمی بیشی کرنے پر ہرگز آمادہ نہیں ہیں وکلاء کو فوراً قلعہ علی کو واپس جانا چاہیئے اور ٹیپو کا آخری جواب لانا چاہیئے وکلاء نے عرض کیا کہ ہمارے آقا کے روبرو پھر اس معاملے کے پیش ہونے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اگر لارڈ کارنوالس ہماری درخواست نہیں قبول کرتے ہیں تو ہم بھی ان شرائط کو نامنظور کرتے ہیں اور مستقبل کو تقدیر کے سپرد کرتے ہیں۔ سرجان نے کہا کہ اگر آپ جانا چاہتے ہیں تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں لیکن انھوں نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ جو کچھ اس وقت وقوع میں آیا ہے اس کی اطلاع ہماری روانگی سے قبل لارڈ کارنوالس کو کر دی جائے۔

(۳۰) لارڈ کارنوالس کے احکام موصول ہونے پر سرجان نے سلطان کے وکلاء کو اطلاع دی کہ ٹیپو کے مرسلہ حسابات کا کچھ اعتبار اور بھروسہ نہیں کیا جا سکتا ہے جن کی بابتہ کہا گیا تھا کہ وہ لوٹ مار میں ضائع ہو گئے اور اب پھر وہ پیش کئے جاتے ہیں اور سخت معاملات کو زیادہ بڑھنے سے روکنے کی محض اس خیال سے کہ معاملات حد سے تجاوز نہ کرنے پائیں لارڈ موصوف چار لاکھ پچاس ہزار پگوڈا معاف کر کے ۴۳۱۹۶۴۹ روپیہ پگوڈا کی آمدنی کے علاقے کا مطالبہ کرتے ہیں لیکن جن مقامات کے دینے میں عذر ہے وہ اور بالخصوص گورگ ضرور دینا پڑے گا وکلاء نے اس کا جواب ایک مراسلے میں دیا جس میں یہ استدعا کی گئی تھی کہ جو علاقے درکار ہیں وہ بوضاحت بیان کر دیئے جائیں اس مراسلے کے بعد وکلاء خود ہی چلے آئے اور سرجان نے اتحادیوں کے نمائندوں کو بلا کر مطلوبہ فہرست سلطان کے وکلاء کے حوالے کی۔

علی رضا نے نہایت جوش کے ساتھ یہ کہنا شروع کیا کہ ابتدائی معاہدہ کی رو سے آپ کو کورگ کے مطالبے کا استحقاق حاصل نہیں ہے سرجان نے گذشتہ دلائل بیان کر کے فرمایا کہ چونکہ اب کوئی نئی بات نہیں پیش کی جاتی ہے اس لئے اس معاملے کی بابتہ مجھے بھی کسی جدید دلیل کے پیش کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ علی رضا نے اب نہایت نرم الفاظ میں اپنی اس امید کو ظاہر کیا کہ چونکہ گورنر جنرل بہادر نے از راہ نوازش بنگلور اور سیوندرگ کے مطالبے سے دست برداری دیدی ہے اس لئے ہم امید کرتے ہیں کہ وہ اسی طرح کورگ کے مطالبہ پر بھی اصرار نہ کریں گے۔ علی رضا نے نہایت پر جوش الفاظ میں دریافت کیا کہ صلح کی گفت وشنید ناتمام رہنے کی صورت میں آپ ہمارے شہزادوں کے ساتھ کیا برتاؤ کریں گے۔ سرجان نے جواب دیا کہ معاہدہ کی خلاف ورزی کرنے کی پاداش میں شہزادے بطور یرغمال کے ہمارے قبضے میں رہیں گے۔

وکلاء نے دریافت کیا کہ شرائط صلح کی کس نے اور کس طرح خلاف ورزی کی ہے۔ سرجان نے بتایا کہ ٹیپو سلطان نے صلحنامے کو تین طرح توڑ ڈالا۔

اولاً علاقہ جات مطلوبہ کے انتخاب کی پابندی کرنے سے انکار کیا

(۳۱) دوسرے زر مطلوبہ کے متعلق عذر اور بہانے پیش کئے۔

تیسرے وہ باوجود ہمارے تنبیہات اور اپنے وعدہ وعید کے ہماری خندقوں کے محاذی قلعہ جات وغیرہ کی مرمت اور درستی ابھی تک کرا رہے ہیں وکلاء نے عرض کیا کہ ہمیں تو یہ یاد ہے کہ آپ نے فرمایا تھا کہ شہزادے نہیں روکے جائیں گے اور چونکہ حیدر کے مامور کردہ ایک معزز شخص کو انگریزوں نے رہا کر دیا تھا اس لئے ہمیں تو آپ سے اس کی توقع نہ تھی کہ آپ شہزادوں کو روک لیں گے۔ سرجان نے اس کے جواب میں کہا کہ اگر آپ کے سلطان ابتدائی صلحنامے کی خلاف ورزی نہ کرتے تو

کسی اور وجہ کی بنا پر لارڈ کارنوالس شہزادوں کو ہرگز نہ روکتے۔ ہم نے تو صلحنامے پر عملدرآمد ہونے کا تعین کر کے اپنی خندقوں وغیرہ کی درستی کو ترک کر دیا تھا حالانکہ اُن کی درستی پر سرنگا پٹم کا دس دن کے اندر فتح کرلینا بالکل ممکنات سے تھا بفرض محال اگر شہزادے واپس کر دئے جائیں تو اس تضییع اوقات کے نقصان کی تلافی کس طرح ہوگی۔ آپ نے جس معاملے کا حوالہ دیا ہے اس کا یہاں اطلاق نہیں ہوتا البتہ آپ کی حالت بھی اسی طرح کی ہے اس لئے جسوقت آپ پسند کریں آپ واپس جاسکتے ہیں۔ سر جان نے انھیں مطلع کیا کہ شہزادے آج اس جگہ سے دوسرے مقام کو منتقل کر دئیے جائیں گے اور جو محافظ شہزادے کے ہمراہ ہیں اُنھیں اب واپس جانا چاہیئے۔ وکلاء نے عرض کیا کہ شہزادوں کے ساتھ جانے کی ہمیں اجازت دیجائے۔ لیکن یہ بات نامنظور ہوئی۔

سر جان کو سوتے سے بیدار کر کے علی رضا کا ایک پیام دیا گیا اور فوراً وہ خود بھی آ پہنچا۔ سر جان نے معذرت کی کہ میں نے ابھی کپڑے نہیں بدلے ہیں علی رضا نے کہلا بھیجا کہ اسکی چنداں حاجت نہیں میں آپ کی خوابگاہ ہی میں حاضر ہوتا ہوں۔ وہاں پہنچکر اُس نے نہایت منت سماجت کے ساتھ کہا کہ آپ اپنے اثر سے کام لیکر شہزادوں کے محافظ کپتان ویلسن کی روانگی ایک روز کے لئے ملتوی کرا دیجئے اور میں آج شام تک علاقۂ مطلوبہ کی بابتہ سلطان کا جواب لیکر حاضر ہوں گا ورنہ اگر شہزادے آج ہی بھیجدیئے گئے تو میرا اور میرے رفقا کا سر قلم کر دیا جائیگا۔

سر جان نے جواب دیا کہ کپتان ویلسن حکام بالادست کے احکام کی تعمیل کر رہے ہیں اور وہ میرے ماتحت نہیں ہیں مگر میں لارڈ کارنوالس کو لکھونگا کہ اس رعایت کی اشد ضرورت ہے۔ اس مراسلے کی روانگی سے پیشتر ہی شہزادے اس مقام سے منتقل کر دئے گئے تھے لیکن وکیل کی استدعا پر سر جان نے درخواست کی کہ وکیل کی قلعہ سے واپسی تک شہزادوں کا کوچ ملتوی رکھا جائے۔ اس پر لارڈ کارنوالس نے

(۳۲)

حکم دیا کہ شہزادے مستقر سے ایک میل کے فاصلے پر رکھے جائیں۔

علی رضا شام کے وقت واپس آیا اور اُس نے مع اپنے رفقاء کے سرجان کینیوے سے ملاقات کی۔ سلطان سے اپنی ملاقات کا تذکرہ کرنے کے بعد اطلاع دی کہ بجز کورگ کے جملہ مطلوبہ علاقے دینا قبول ہے جو سلطان کے دارالسلطنت کے نزدیک واقع ہیں اور ہم امید کرتے ہیں کہ نواب گورنر جنرل بہادر اسپر نظرِ ثانی فرمائینگے علاوہ بریں چند دیگر مقامات دینے میں یہ عذر پیش کیا کہ ان کے دینے سے علاقے خلط ملط ہو جائیں گے اور جو سرحد کہ لارڈ موصوف قائم کرنا چاہتے ہیں وہ قائم نہ ہو سکے گی۔ سرجان نے شوانس راؤ سے کہا کہ ایسے مقامات نام لیکر بتائے اس نے بطور مثال کے عرض کیا کہ آتور اور ریپہ مالی ٹیپو کے قبضہ میں چھوڑ دئے گئے ہیں اور وہ کمپنی کی پرانی سرحد پر لالی اور ننکول کے درمیان واقع ہیں۔ سرجان نے بیان کیا کہ لالی اور ننکول وغیرہ کے مقابل یہ فرو گذاشت درج ہے اور یہ کہ دریائے کاویری کے غربی اور شمالی کل علاقے کمپنی کو ملنا چاہئیں۔ سرجان نے ان سے دریافت کیا کہ آیا ان کے علاوہ اس قسم کے کچھ اور اضلاع بھی ہیں؟

وکلاء نے عرض کیا کہ اس کا جواب ہم نقشہ اور کاغذات دیکھکر دے سکتے ہیں جو قلعۂ معلی میں ہیں اور سرجان نے فرمایا کہ اچھا کل اسکا جواب پیش کیجئے گا۔

غلام علی نے کہا کہ اب تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کچھ دینے کی بجائے ہم سے اور طلب کر رہے ہیں۔ سرجان نے فرمایا کہ ایسا ہرگز نہ ہوگا بلکہ اپنی سرحد مضبوط کرنے کے واسطے ہم جو اضلاع لیں گے اسکے مساوی ہم دوسرا علاقہ دیدیں گے۔ اس پر وکلاء نے پھر کورگ کا تذکرہ چھیڑا۔ سرجان نے فرمایا کہ کورگ کی بحث محض فضول ہے کیونکہ جو مقامات فہرست مورخہ ۳۰ مارچ میں درج ہیں وہ ہرگز نہیں دئے جا سکتے

ہیں اور پھر نہایت صریح الفاظ میں دریافت کیا کہ کیا ٹیپو سلطان کورگ دینے پر راضی
ہیں یا نہیں؟

وکلاء نے جواب دیا کہ صلح نامہ نہ ہونے کے اندیشہ سے تو وہ کورگ
دینے پر آمادہ ہو جائیں گے لیکن انھیں لارڈ کارنوالس سے یہ توقع ہے کہ کورگ
لینے پر زیادہ اصرار نہیں کیا جائیگا۔

سرجان اس معاملے کی بابت لارڈ کارنوالس کی راے معلوم کرنے کے
واسطے پھر راضی ہو گئے۔ اس کے بعد علی رضا نے ایک کاغذ پیش کیا جس میں
صلحنامے کی بعض شرائط درج تھیں اور ان کے متعلق اس نے عرض کیا کہ
ان کی تصحیح کر لی جائے۔ ۹ مارچ کو شرائط صلح وکلاء کے نام روانہ کرنے کے
بعد ان ترمیمات کے بڑے حصہ کا اضافہ صلحنامہ میں کر دیا گیا تھا۔

۱۵ مارچ۔ سرجان کینی وے نے وکلاء کے نام ایک مراسلہ روانہ کیا
کہ شوانس راؤ کو نقشے اور ضروری کاغذات لانے اضلاع مفوضہ کی درستی اور
سرحدوں کا تعین کرنے کے واسطے قلعۂ معلی کو روانہ کر دیا جائے۔ کیونکہ آج
شام تک اگر معاہدہ مکمل ہوا تو لارڈ کارنوالس شہزادوں کو کل تک یہاں سے
روانہ کرنے میں مزید تاخیر نہ فرمائیں گے۔

سرجان نے بوقت ۸ بجے صبح اتحادیوں کے نمائندوں کو بلایا اور
ان کے آنے پر تقسیم مملکت میں ان کے حصوں کی تصحیح کی گئی۔ اس اثناء میں
سرجان نے دوپہر تک معاہدے کی تکمیل کی اور سلطان کے وکلاء کو طلب
کر لیا اگرچہ شوانس راؤ سرنگاپٹم سے ابھی واپس نہیں ہوا تھا۔ وہ دو بجے ان کو
آ گئے اور انھوں نے کورگ کے متعلق لارڈ کارنوالس کا ارادہ دریافت کیا سرجان
نے جواب دیا کہ لارڈ کارنوالس ٹیپو کے ساتھ ہر طرح کی مراعات کرنا چاہتے ہیں
لیکن کسی عنوان سے بھی وہ کورگ کے راجہ کو چھوڑنے پر راضی نہیں ہو سکتے ہیں
لارڈ موصوف کا خیال ہے کہ معاہدوں کی پابندی اور انکا احترام مذہبی احکام
کی تعمیل کے مانند لازمی اور ضروری اور ہر ایک دیگر خیال سے اعلیٰ اور افضل ہے (۳۴)
اس لئے اس مسئلہ کے متعلق آئندہ وہ ایک لفظ کا سننا بھی پسند نہ کریں گے

اس کے بعد سرجان نے صلحنامہ اُن کے حوالہ کیا اس کے ساتھ علاقہ جات مطلوبہ کی فہرست نہ تھی جس کے دینے کا انحصار شوانس راؤ کی آمد پر رکھا گیا صلحنامے کی صرف اُن شرائط پر اعتراض ہوا جن کی رو سے سلطان کو گذشتہ تھایا مالگزاری کے مطالبے کا دعوٰے ہو اور لفظ رعیت خارج کر دیا گیا جسکے یہ معنی تھے کہ جب ایک ضلع کے افسر و زمیندار دوسرے ضلع میں چلے جائیں تو ان کی حفاظت کی ذمہ داری نہ لی جائے گی۔

سرجان نے اس کے جواب میں کہا کہ یہ شرط باشندگان کے متعلق ہے اور اس شرط سے مخلف حکومت کے جملہ ناگوار جھگڑوں کا ہمیشہ کے واسطے خاتمہ ہو جائے گا اس لئے اس شرط میں ترمیم نہ ہونی چاہئے اور یہی دلیل لفظ رعیت کے اندراج کے واسطے کافی ہے کیونکہ افسران اور زمینداران کے الفاظ درج کر دینا کافی ہے اب پانچ بج چکے تھے اور شوانس راؤ نہیں لوٹا تھا اس لئے سرجان نے اپنے کاغذات کی بنا پر علاقہ جات مطلوبہ کی فہرست مرتب کرنی شروع کر دی اس دوران میں شوانس راؤ آپہونچا اور اُس نے اطلاع دی کہ دریائے کاویری کے مغرب میں اگر اضلاع اور شدمین گلم اور ولی نور ٹیپو کے قبضے میں چھوڑ دئے جائیں گے تو اس سے سرحدیں خلط ملط ہو جائیں گی۔ سرجان نے ان مقامات کو کمپنی کے حصے میں شامل کر لیا اور اس کے مساوی اور علاقہ ٹیپو کے حصہ میں دیدیا اس تقسیم سے کمپنی کے حصہ میں حسب ذیل علاقہ جات آ گئے

علاقہ جات	آمدنی سالانہ
کالی کٹ مع ۶۳ تعلقہ جات	۸٬۴۸٬۷۶۵-۵-½
پال گھاٹ چیری	۸۸٬۰۰۰
ڈنڈیگول وپلناویرکلشی	۹٬۰۰۰
سالم	۲۴٬۰۰۰
کورگ	۸٬۰۰۰
نمکول	۱۲٬۰۰۰

(۲۵)

سنکاگری	۴٬۰۰۰
بارہ محل	۶۴٬۰۰۰
کاویری پٹن	۱٬۰۰۰
ویریدی درگ	۸٬۰۰۰
رائے کوٹہ	۸٬۰۰۰
کان گونڈی	۶٬۰۰۰
دارام پوری	۸٬۰۰۰
وینا گیر	۱٬۰۰۰
تنگری کوٹہ	۱۲٬۰۰۰
کاویری پورم	۸٬۰۰۰
اتورو انکوٹ گیری	۱۸٬۰۰۰
پیرنٹی	۱۴٬۰۰۰
شادی منگلم	۲۰٬۰۰۰
وُخلم تور	۱۶٬۰۰۰
میزان	۱/۴ ـ ۵ ـ ۱/۴ ـ ۱۳٬۱۶٬۶۵ پگوڈا سکّے

اب سلطان کے وکلاء اور حیدر آباد کے نمائندوں میں حضور نظام کے حصے کی بابتہ سخت کلامی ہونے لگی۔ کیونکہ سالم کڈاپا۔ کھمم اور حصہ دو آب اور تنگرابلی کے تعلقے شامل کر لینے کے بعد حضور نظام کے حصے میں صرف ۲۰ ہزار پگوڈا دینے رہ جاتے ہیں اور اس میں سے بھی گوٹی اور بلاری کا معاملہ ابھی فیصلہ طلب ہے جن کے مطالبہ پر اتحادی اصرار کر رہے ہیں کیونکہ یہ علاقے اُن کی جنوبی سرحد قائم کرنے کے واسطے ضروری ہیں۔ ان قلعوں اور اُن کے متعلقہ چند تعلقے کے معاوضے میں وکلاء سے کہا گیا کہ وہ کڈاپہ مینٹ ولیا اور چیتو ویل کے اضلاع قبول کر لیں۔ سلطان کے وکلاء نے ان کے لینے سے قطعی انکار کیا کیونکہ اگر یہ مقامات لے لئے جائیں تو ٹیپو کے باقی ملک سے

یہ مقامات بہت دور جا پڑیں گے اور ان کی سرحد پر کالستری اور ونکٹاگیری
کے راجاؤں کی عملداری ہے اور چونکہ یہ راجے نہایت شریر و مفسد اور
جھگڑالو ہیں اور اس لئے اس قسم کے تنازعات پیش آنے کا احتمال ہے
جیسے جھگڑوں سے موجودہ جنگ وقوع میں آگئی اور ایسے جھگڑے کے
مقامات لینے سے تو ٹیپو اپنے دیگر علاقہ جات کے ساتھ ان کا دیدینا ہی
گوارہ کرلیں گے۔

سلطان کے وکلاء اور حضور نظام کے نمائندوں میں بہت کچھ
سخت کلامی ہونے کے بعد بھی حیدرآباد کے نمائندے اُن اضلاع کے
دینے سے انکار کرتے رہے جو ٹیپو سلطان اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے
بالآخر ٹیپو کے وکلاء نے نہایت عاجزی کے ساتھ عرض کیا کہ گوٹی اور بلاری
کے لینے پر اصرار نہ کیجئے۔ میر عالم نے فرمایا کہ اگر لارڈ کارنوالس آپ کی
اس تجویز کو پسند فرمالیں تو میں اور ہمارے وزیر صاحب اس پر اعتراض
نہ کریں گے۔ سرجان نے اس تجویز کی مخالفت کی۔ زیادہ دیر ہو جانیکے
باعث اجلاس برخاست ہوا اور یہ قرار پایا کہ لارڈ کارنوالس اور عظیم الامرا
کی رائے اس کے بارے میں دریافت کی جائے اور سب لوگ کل صبح کو
پھر تشریف لائیں۔

۱۶ر مارچ۔ آج بوقت صبح سرجان نے میر عالم کو مطلع کیا کہ لارڈ کارنوالس کو
گوٹی اور بلاری ٹیپو کے لئے چھوڑ دینے میں کوئی عذر نہیں ہے۔ میر عالم نے
اپنے یہاں کے وزیر صاحب سے استصواب رائے کرنیکے بعد بیان
کیا کہ ہمارے وزیر صاحب بھی لارڈ کارنوالس کی رائے کی تائید کرتے ہیں
اگرچہ گوٹی کا ہمارے قبضہ میں رہنا ضروری ہے لیکن وہ گوٹی سے
دست بردار ہو کر بدویل اور چیتول کو قبول کرلیں گے بشرطیکہ ٹیپو سلطان
قلعۂ کروسنڈا اور اس کے ماتحت ایسے تعلقے ہمیں دیدیں جن سے ہمارا
حصہ پورا ہو جائے۔ مرہٹوں کے نمائندے بھی جلسہ میں موجود تھے اسلئے
اس تجویز پر خوب بحث و مباحثہ ہوا اور اگر حضور نظام اور مرہٹوں دونوں کے

نمائندے سے رضامند ہو جاتے تو ٹیپو کے لئے گوٹی کا چھوڑ دینا ضروری ہوجاتا
سر جان نے فرمایا کہ چونکہ ان قلعوں کا اتحادیوں کے قبضے میں رہنا
دانشمندانہ پالیسی میں داخل ہے اس لئے میں مرہٹوں کے نمائندوں
کے روبرو یہ تجویز پیش کرتا ہوں کہ ان قلعوں کی بجائے ہنوآنور اور بنکاپور کا ایک حصہ چھوڑ دینا مناسب ہے لیکن انھوں نے اس تجویز
کے قبول کرنے سے قطعی انکار کر دیا۔

پھر دوسری تجویز یہ پیش کی گئی کہ گوٹی کی بجائے ہم کرو منڈاوغیرہ
قبول کرلیں اور اگر اس میں بھی عذر ہو تو لارڈ کارنوالس کے راضی ہونے
پر گوٹی سے دست بردار ہو جانا چاہئے۔ (۳۷)

مرہٹوں کے نمائندوں نے درخواست کی کہ مکمل صلحنامہ اب
پیش ہونا چاہئے اور جب صلحنامہ پڑھکر سنایا گیا تو ہری پنت نے
عرض کیا کہ اس میں ۳ ترمیمات یا اضافے کر دیئے جائیں۔

(۱) دیباچہ میں سے الفاظ "ورثاء اور جانشین" محذوف کر دیئے جائیں۔

(۲) یہ صلحنامہ پچھلے سب معاہدوں کی تصدیق و توثیق کرے البتہ
صرف وہ معاہدے مستثنیٰ رہیں جن کی ترمیم موجودہ صلحنامہ کے مضامین سے
ہو گئی ہے۔

(۳) سرنگاپٹم کے مندر کی جاترا کو جانے والے جاتریوں کی
حفاظت کی جائے۔

ان تجاویز کے متعلق سر جان نے فرمایا کہ آپ کی اول تجویز
منظور نہیں ہو سکتی ہے کیونکہ یہ عام الفاظ ہیں اور اگر آپ کی نیت
بخیر رہے تو ان الفاظ پر آپ کو اعتراض نہیں کرنا چاہئے۔ مرہٹوں
کے وکلاء نے اس کا یہ جواب دیا کہ ہم ایسے الفاظ استعمال کرنیکے
عادی نہیں ہیں۔

دوسری تجویز کی بابتہ سر جان نے کہا کہ اس پر ہمیں کوئی اعتراض
نہیں ہے بشرطیکہ آپ اپنی چوتھ کا حق نہ جتائیں۔ اور یہ اعتراض

ناگزیر ہے کیونکہ موجودہ صلحنامہ کی رو سے علاقے مل جانے کے بعد چوتھ کے مطالبہ سے دست بردار ہو جانا چاہیئے۔

تیسری تجویز کے متعلق سر جان نے کہا کہ اگر ٹیپو نے جاتریوں کا اپنے دارالخلافت میں آنا پسند نہ کیا تو اس پر شرط کے لگا دینے سے ٹیپو کے ساتھ آیندہ بہت سے تنازعات پیدا ہو جائیں گے اور اگر اس نے پسند کیا تو یہ شرط محض بے سود ہو گی۔ المختصر اگر آپ اس معاہدہ کو ناپسند کرتے ہیں تو آپ ٹیپو کے ساتھ علیحدہ معاہدہ کر لیجئے۔

انھوں نے جداگانہ معاہدہ کرنے سے قطعی انکار کیا اور سر جان کی تائید کر کے عرض کیا کہ صلحنامے کی جو نقل ہمیں دیجائے گی اس میں ہم ورثا اور جانشینوں کے بجائے یہ الفاظ درج کرلیں گے کہ صلحنامہ تاقیام آفتاب و ماہتاب و کواکب، قائم رہے گا جاتریوں کے مسئلہ کے متعلق ہم سلطان کے نام علیحدہ عریضہ ارسال کریں گے لیکن ہم سر جان سے بھی عرض کرتے ہیں کہ وہ براہ نوازش سلطان کو یہ نوازش کرنے کے لئے توجہ دلائیں۔

اب ٹیپو کے وکلا بھی آپہنچے اور گرو مکمنڈا کے معاوضے میں گوٹی وغیرہ دینے کی تجویز ان کے روبرو پیش کر دی گئی۔

اس تجویز پر مندرجۂ ذیل وجوہ کی بنا پر انھوں نے فوراً اعتراض کیا اور صاف انکار کر دیا کہ گورم کنڈہ چونکہ سلطنت میسور کا اول مفتوحہ شہر ہے اور وہاں پر حیدر علی کے سالہ (یا بہنوئی) میر صاحب کی ہڈیاں قلعہ کے نزدیک ایک قبر میں دفن ہیں۔ (۳۰۹)

لارڈ کارنوالس نے اپنی یہ توقع ظاہر کی کہ وزیر نظام اب گوٹی کو چھوڑ دیں گے اور سلطان کے وکلا کو اطلاع دی گئی کہ آپ کے پیش کئے ہوئے اعتراض کو قبول کر لیا جائے گا جملہ نمائندوں نے اب علاقہ جات کی تقسیم شروع کر دی جو تبادلے میں لئے جانیوالے تھے

پرگنہ جات کے مبادلے پر بہت کچھ سخت کلامی ہوئی بالآخر ہر ایک کا وہی حصہ قرار پایا جو صلحنامہ میں درج کیا گیا تھا۔ سلطان کے وکلاء صلحنامہ لیکر حاضرین کی اجازت سے قلعۂ معلی کو چلے گئے اور وعدہ کیا کہ کل صبح اس کی تعمیل کر کے ہم واپس آجائیں گے۔ سرجان نے انہیں متنبہ کردیا کہ اس میں ایک لفظ بھی ترمیم نہ کیا جائے کیونکہ معاملات اسقدر نازک ہیں کہ ترمیم و تنسیخ کا انجام بہت برا ہوگا۔

۱۷ مارچ۔ وکلاء کے متعلق ۴ بجے شام تک کوئی خبر نہ ملی پھر محمد علی نے یہ اطلاع دی کہ وہ کچھ اور خزانہ لیکر جلد آتے ہیں۔ ۶ بجے شام کو سرجان کے نام وکلاء کا ایک عریضہ آیا جس میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ ہم نے صلحنامہ ٹیپو سلطان کے حضور میں پیش کردیا اور آپ سے یہ شکایت کرتے ہیں کہ پرسرام بھاؤ کی سپاہ نے لوٹ مار اور ظلم و زیادتی کر رکھی ہے سرجان نے جواباً تحریر کیا کہ پرسرام بھاؤ کی زیادتیوں کی اطلاع لارڈ کارنوالس کو دیدی گئی اور ان حرکات سے آئندہ وہ باز رکھا جائے گا اور ہم آپ کو متنبہ کئے دیتے ہیں کہ اگر مزید تاخیر یا صلحنامہ میں ایک نقطہ کی بھی تبدیلی کی گئی تو سارا بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔

۱۸ مارچ۔ وکلاء بوقت ۳ بجے سرجان کے خیمہ پر آگئے اور وہاں حضور نظام کے نمائندے بھی تشریف فرما تھے۔ مرہٹوں کے نمائندوں کو بلوایا گیا مگر وہ موجود نہ تھے۔ سلطان کے وکلاء نے پرسرام بھاؤ کی شکایتیں پیش کرنی شروع کیں اور ان کی گفتگو کے دوران ہی میں ٹیپو سلطان کا ایک مراسلہ موصول ہوا جس میں سٹرک سیرا پر پرسرام بھاؤ کی زیادتیوں کی مفصل کیفیت درج تھی کہ اس نے جبریہ روپیہ وصول کیا رعیت کو مارا پیٹا اور مقید کرلیا اور وہ ۶۳ اونٹ اور ۳۰۰۰ بیل وغیرہ لے گیا ہے۔ سرجان نے جواب دیا کہ نواب گورنر جنرل بہادر ان زیادتیوں کے انسداد کے لئے اپنی پوری قوت سے کام لیں گے لیکن یہ حادثے تمہارے آقا کی بدعہدی کی بدولت وقوع میں آئے ہیں

(۲۹)

کیونکہ انھوں نے تاکید اور تنبیہ پر بھی قلعہ کی مرمت وغیرہ کو بدستور جاری رکھا اور اسی کے باعث لارڈ کارنوالس نے پرسرام بھاؤ کو دریا کے عبور کرنے کی اجازت دیدی تھی۔ وکلا نے اس کو باور کرنے سے انکار کیا لیکن سرجان نے ایک نقشہ پیش کیا جو نہایت معتبر روزانہ کی اطلاعات سے تیار کیا گیا تھا اور جس میں مرمت وغیرہ کی کیفیت تفصیل کے ساتھ دکھائی گئی تھی۔

وکلا نے پھر صلحنامہ کی صاف شدہ اور دستخط شدہ نقول پیش کیں جن کا مقابلہ تصحیح اور نظر ثانی ہو چکی تھی ان میں دو اہم فروگذاشتیں پائی گئیں جن کا اندراج ٹیپو کی خاص اجازت کے بغیر نہ ہو سکتا تھا۔ انھوں نے سالم۔ تمکول وغیرہ کے قلعے حوالہ کئے جانے کے متعلق سلطان کے ۹ احکام بھی پیش کئے۔ قرار پایا کہ کل شہزادے ۳ عہدنامے لارڈ کارنوالس کے حضور میں پیش کریں اور حضور نظام و مرہٹوں کے نمائندوں سے استدعا کی گئی کہ وہ بھی تشریف لائیں

۱۹ مارچ۔ مرہٹوں کے نمائندوں نے آج بوقت صبح صلحنامے میں اضافہ کرنے کے واسطے یہ شرط ارسال کی کہ حکومت میسور کے ساتھ جس قدر معاہدے ہو چکے ہیں اُن کی تصدیق اور توثیق کیجاتی ہے۔ سرجان نے جواباً تحریر کیا کہ چونکہ ٹیپو نے صلحنامہ کی تصدیق اور اسپر اپنے دستخط کردئے ہیں اس لئے اب ترمیم کا وقت باقی نہیں رہا ہے اور لارڈ کارنوالس صلحنامے میں اس قسم کا اضافہ ہونے کے لئے صلحنامہ واپس نہیں کریں گے اور آپ سرکاری حیثیت سے گورنر جنرل بہادر کے خیمے پر تشریف لائے اور اور شہزادوں کے ہاتھ سے معاہدہ کی نقل لے لیجئے۔ انھوں نے (۴۰) یہ جواب دیا کہ ہم ہری پنت سے دریافت کرلیں کیونکہ بغیر انکی اجازت کے ہم حاضر نہیں ہو سکتے ہیں۔ سرجان کی کسی دلیل سے بھی وہ اپنی رائے تبدیل کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے اور شہزادے

صلحنامہ پیش کرنے اور جلسہ کے برخاست ہو جانے کے بعد گوبند راؤ آیا لارڈ کارنوالس نے عہدنامہ اس کے حوالہ کیا اس نے کہا کہ یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اس میں ہری پنت چند اعتراضات جو وہ خود گورنر جنرل بہادر سے مل کر اگر وہ وقت مقرر کریں بیان کریں گے لارڈ کارنوالس نے کہا کہ وہ بخوشی مجھ سے اس کے متعلق تبادلہ خیالات کر لیں۔

دربار برخاست ہو جانے کے بعد گوبند راؤ کشن نے لارڈ کارنوالس سے گفتگو کی بالآخر قرار پایا کہ جن شرائط کے اندراج کی آپ خواہش کرتے ہیں ان کے متعلق ہری پنت ہم سے ملکر تبادلہ خیالات کر لیں۔

۲۰ مارچ۔ علی رضا نے سرجان کی خدمت میں ایک مراسلہ روانہ کیا جس میں پرسرام بھاؤ کی مسلسل چیرہ دستیوں کی شکایت تھی۔ اسکے جواب میں سرجان نے لکھا کہ بھاؤ کو روکنے کے واسطے میں نے اپنی امکانی کوشش صرف کی ہے اور اسے آج اپنے اصلی مقام پر واپس آجانے کا حکم دیدیا گیا ہے یقیناً وہ کل تک اپنے مقام پر واپس آجائے گا اور یہ بھی بیان کیا گیا کہ بھاؤ کے سپاہیوں کی طرح ٹیپو کے بیدی اور پنڈاری بھی دست درازیاں کر رہے ہیں۔

ہری پنت نے شام کے وقت لارڈ کارنوالس سے ملاقات کی اور صلحنامے کو بشکل موجودہ منظور کر لیا اور چونکہ اس کی نقل اسکے یہاں کل صبح تک تیار نہیں ہو سکتی تھی اس لئے لارڈ کارنوالس نے مختلف اتحادی سلطنتوں سے نقول موصول ہونے کے لئے ۲۲ مارچ مقرر کی۔

۲۱ مارچ۔ سرجان کینی وے نے میر عالم اور بھیکاجی پنڈت کو تحریر کیا کہ معاہدہ کی نقول سرکاری طور پر حوالہ کر دی جائیں۔

۲۲ مارچ۔ آج صبح کے وقت حضور نظام اور مرہٹوں کے نمائندے

سر جان کے خیمہ میں تشریف لائے اور نواب گورنر جنرل بہادر کی آمد پر یہ نمائندے لارڈ موصوف کے ہمراہ شہزادوں کے خیمے پر تشریف لے گئے اور مختلف سلطنتوں کی جانب سے توپوں کی سلامی سر ہونے پر صلحنامے کی مصدقہ نقول ان کے حوالے کر دی گئیں۔ رسمی اداب و کورنش کے بعد سر جان نے علی رضا کو اطلاع دی کہ قلعہ جات ٹیپو کے حوالے کئے جانے کی بابت احکام تیار ہو رہے ہیں اور عرض کیا کہ کشن گڈہی اور سنگا گیری وغیرہ کے قلعہ جات کمپنی کے حوالے ہونیکے متعلق بھی باقی ماندہ احکام مرحمت فرمائے۔ علی رضا نے بیان کیا کہ ان کے متعلق احکام تیار تھے لیکن عجلت میں وہ رہ گئے اس کے بعد اس نے سر جان سے یہ استدعا کی کہ مرہٹوں پر لارڈ کارنوالس کا اثر ڈلوائیے تاکہ اسیران جنگ اور بالخصوص ہرداس دیوان دار دار رہا کر دئے جائیں اور مرہٹوں اور حضور نظام کا جو روپیہ ہمارے ذمہ واجب الادا ہو اُسمیں سے ہم ۲۰ فی صد وضع کر لیں جیسا کہ ریاستوں کے مابین روپیہ کے لین دین میں وضع کر لینے کا عام دستور ہے۔ چونکہ لوگوں کا زیادہ مجمع تھا اس لئے لارڈ کارنوالس نے یہ تجویز پیش کی کہ اب جلسہ برخاست کیا جاتا ہے اور مناسب ہوگا کہ ہم ان معاملات کو سر جان کے خیمہ میں چل کر آپس میں طے کر لیں۔

ٹیپو کے وکلاء نے ہرداس کی رہائی کا مطالبہ کر کے گفتگو کا آغاز کیا اِس کے جواب میں لارڈ کارنوالس نے ارشاد فرمایا کہ جنگ سے بڑی مصیبتیں نازل ہوتی ہیں اور ہرداس جیسے مقتدر شخص کو ناراض آقا کے سپرد کر دینے سے ان مصیبتوں میں اور اضافہ ہو جائے گا جو اپنی خوشی سے مرہٹوں کی پناہ میں چلا گیا ہے اور مرہٹوں نے اُسے جبریہ اپنے قبضے میں نہیں رکھ چھوڑا ہے اس لئے وہ قیدی متصور نہیں ہو سکتا ہے اور اس لئے صلحنامے میں اسیرانِ جنگ کی

رہائی کی جو شرط ہے وہ اس پر منطبق نہیں ہوتی ہے۔

سلطان کے وکلا نے اس بات کو تسلیم کرلیا کہ ہرداس اپنی خوشی سے مرہٹوں کے یہاں ملازم ہوگیا ہے اور وہ بطیب خاطر ٹیپو کے پاس آنا گوارہ نہ کرے گا مگر چونکہ اس کے ذمہ تیس۔ چالیس لاکھ روپیہ باقی ہے اور اپنے آقا سے دغا کرکے وہ اسی تغلب کے باعث چلا گیا ہے۔ وہ بدرالزماں خاں کی ماتحتی میں قلعہ میں محصور تھا (۴۲) اور اس نے دیگر محصورین کے ساتھ چند شرائط پر اطاعت قبول کرلی لیکن پرسرام بھاؤ نے ان شرائط کی خلاف ورزی کی اور محصورین کو لوٹ کھسوٹ کرانھیں قید کرلیا اس کے علاوہ ان پر اور بھی زیادتیاں ہوئیں اور ان وجوہ سے ہرداس کو چلے جانے کا موقع اور بہانہ مل گیا اور اسی وجہ سے ہم اسے اسیران جنگ کے زمرہ میں شمار کرتے ہیں۔ لارڈ کارنوالس نے محصورین درور کے اطاعت قبول کرنے یا بیوفائی کرنے کی بحث میں پڑنے سے انکار کردیا میرے خیال میں واقعہ صرف اسقدر ہے کہ وہ اپنے آقا کو چھوڑ کر اپنی خوشی سے چلا گیا اس لئے صلحنامہ کی رو سے اس کی حوالگی کی شرط نہیں لگ سکتی ہے گویندراؤ نے بیان کیا کہ ہری پنت اس بات پر تیار ہیں کہ وہ ہرداس کو لارڈ کارنوالس کے خیمے میں پہونچا دیں اور اگر وہ چاہے تو ٹیپو کے پاس واپس چلا جائے۔ اس مسئلے پر آیندہ بحث کو بند کرنے کے لئے لارڈ کارنوالس اپنے پہلے جواب پر قایم رہے۔

اس کے بعد انھوں نے دس فیصد و صنعات کے مطالبے پر بحث چھیڑی۔

لارڈ کارنوالس نے فرمایا کہ مجھے تو کوئی ایسا دستور معلوم نہیں ہے اس پر سلطان کے وکلا نے حضور نظام اور مرہٹوں کے نمائندوں سے مخاطب ہوکر کہا کہ اگر آپ لوگ اس دستور کے وجود سے

انکار کر دیں تو ہم اپنے اس مطالبہ سے دست بردار ہو جائیں گے
اس پر لارڈ کارنواس نے کہا کہ معاہدہ پر عملدرآمد ہونے کے لئے ہم
اپنے افسران بالادست کو جوابدہ ہیں اور معاہدہ میں تو اس قسم کی
وضعات کا کوئی تذکرہ درج نہیں ہے۔ انھوں نے کہا کہ انگریزوں
کی حکومت کے درمیان روپیہ کے لین دین کا یہ نیا معاملہ ہے
اس لئے آپ ہم سے تو اس کے مطالبہ پر اصرار نہیں کر سکتے ہیں
لیکن بقیہ دو سلطنتوں کے لین دین میں یہ معمولی بات ہے اور سب
اسے سمجھتے ہیں۔

لارڈ کارنواس نے کہا کہ میں اس میں دخل دینا نہیں چاہتا
اگر ہری پنت اور دوسرے وزیر راضی ہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں
میر عالم نے کہا کہ ریاست میسور اور مرہٹوں کے درمیان
اس کا رواج عام طور پر ہے لیکن ہماری ریاست میں اس کا رواج
مطلق نہیں ہے اور جب مرہٹوں کے نمائندوں نے کہا کہ ہم یہ معاملہ
ہری پنت کے روبرو پیش کریں گے تو میر عالم نے فرمایا کہ عظیم الامرا (۴۳)
کے روبرو اس کا پیش ہونا محض بے سود ہے کیونکہ وہ صاف
انکاری جواب دیں گے۔

اب اس کی بحث ختم ہو گئی اور وکلاء یہ خیال
لے کر چلے گئے کہ کوئی حکومت وضعات دینے پر
رضامند نہ ہو گی۔

سر جان نے شام کے وقت ٹیپو کے وکلاء کو
اسیران جنگ کی رہائی کے واسطے مراسلہ تحریر کیا جو
ابھی تک مقید تھے۔ ان میں علاوہ دیگر اصحاب
کے خان بلینک (Fonblanque) اور ہور (Hoare) وواڈل
بمقام مڈگیری مقید تھے۔

پھر اجلاس برخواست ہو گیا اسکے ذری دیر بعد اتحادیوں کی

فوجوں نے اپنی اپنی سرحدوں کی جانب کوچ کرنا شروع کر دیا اور پھر لارڈ کارنوالس اور سلطان کے درمیان بجز خوش اخلاقی ظاہر کرنیکے کوئی اور گفتگو نہیں ہوئی۔

ٹیپو سلطان نے شفاخانہ سے مریضوں کے لئے جانیکے واسطے بہت سی ڈولیاں اور کہار بھیجد یئے کیونکہ سرنگا پٹم کے محاصرہ کے دوران میں مریضوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا تھا۔

(۵)

ضمیمہ نمبر (۳)

سرجان شور کی یادداشت

۴۴

از مقام کلکتہ مورخہ ۱۸ فروری ۱۷۹۵ء

اگرچہ مرہٹوں اور فرمانروائے دکن کے درمیان سردست لڑائی بند ہے لیکن فطرتاً حکومت اُن واقعات پر غور کر رہی ہے جن کے وقوع میں آنے کا امکان موجود ہے اور جن سے کہ ہندوستان کے سیاسی معاملات کی کایا پلٹ ہو جائے گی۔ ابھی یہ طے ہو چکا ہے کہ اگر ہندوستان کی ایک ریاست دوسری سے برسرِ جنگ ہو تو کسی معاہدہ کی رو سے ہم اس کے پابند نہیں کہ ہم نبرد آزما ریاست کا ساتھ دیں۔

سرجان شور نے اپنی اس یادداشت میں سلطنت آصفیہ کو ۱۷۹۵ء میں مرہٹوں کے خلاف امداد نہ دینے کے لئے اپنے دلائل پیش کئے ہیں اور یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اتحاد ثلاثہ ۱۷۹۰ء کی رو سے کمپنی پر اس قسم کی امداد نہ لازم تھی اور نہ اس کا یہ منشا تھا۔
سرجان میلکام نے باب سوم جلد اول میں ان دلائل کی تردید کی ہے اور سرجان شور کے مسلک کو منافی مصلحت نیز کمپنی کے مفاد کے خلاف ثابت کیا ہے لہٰذا اس یادداشت کا مطالعہ مندرجہ بالا باب کے ساتھ کیا جائے تاکہ اس مسئلہ کے دونوں پہلو پیش نظر رہیں۔ (مترجم)

برطانیہ کے قوانین نے بھی ہم کو ایسی لڑائی میں مداخلت کرنے کی ممانعت کردی ہے جس کے باعث جنگ میں ہماری شرکت لازمی ہو جائے اس فیصلے کے بعد جبکہ صرف سلطنت آصفیہ اور مرہٹوں کے درمیان اختلافات ہیں ہمیں یہ اندیشہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ ہمیں اپنے فیصلے کے خلاف عمل کرنا ہوگا لیکن بفرض محال اگر ان کے اختلافات بڑھتے بڑھتے جنگ کی صورت اختیار کرلیں اس وقت ہمیں یہ سوچنا ہوگا کہ ایسی صورت میں ہم کیا کریں۔

اگر حضور نظام اور پیشوا کی لڑائی کے دوران میں ٹیپو سلطان پیشوا کا ساتھی بن کر یا بذات خود والیٔ حیدرآباد کے علاقے پر حملہ کردے تو ایسی صورت میں ہمیں کیا کرنا چاہئے۔

اس مسئلے کے متعلق حضور نظام اور مرہٹوں کے ساتھ ہمارے دو معاہدے پنگول اور پونا میں بماہ جون و جولائی ۱۷۹۰ء ہو چکے ہیں اور جو مدافعانہ و جارحانہ اتحاد کے نام سے موسوم ہیں۔

حضور نظام کے ساتھ جو معاہدہ ہوا تھا اس کے مقدمہ میں تین فریق درج ہیں اور اتحاد ٹیپو سلطان کے خلاف کیا گیا تھا۔

۴۵

اول شرط میں ۳ ریاستوں کے مابین گذشتہ معاہدوں کی توثیق درج ہے اور دوسری شرط میں یہ تحریر ہے کہ چونکہ ٹیپو نے جن سلطنتوں کے ساتھ معاہدے کئے تھے ان کے ساتھ بدعہدی کی اس لئے یہ سلطنتیں باہم ملکر ایک اتحاد قائم کریں تاکہ اپنی پوری قوت سے کام لیکر ٹیپو کی گوشمالی کریں اور آیندہ کے لئے امن عامہ میں خلل ڈالنے کے جملہ وسائل سے ہم ٹیپو کو محروم کردیں۔

شرط ۳ سے لیکر شرط ۹ تک جنگ شروع کرنے اور اسکے متعلقہ اغراض و مقاصد سے تعلق رکھتی ہیں اور ان ہی میں مفتوحہ علاقے کی تقسیم اور پھر صلح کرنیکا طریقہ درج ہے اور معاہدہ پنگول (Paungal) کی شرط ۱۰ وہی ہے جو معاہدہ پونا کی شرط ۱۳ تھی۔ اس کے الفاظ

حسب ذیل ہیں۔

"اگر ٹیپو کے ساتھ صلح ہو جانے کے بعد اگر وہ معاہدہ کرنیوالی کسی طاقت پر حملہ کرے یا اسے نقصان پہونچائے تو دیگر جماعتیں اسکی گوشمالی کرنے کے واسطے آپس میں اتحاد کرلیںگی اس اتحاد کی شرائط اور طریقہ کو وہ بعد میں باہم طے کریں گی۔"

معاہدے کے مرقومۂ بالا اقتباس سے صاف معلوم ہو گیا کہ تین سلطنتوں نے ایک خاص مقصد کے لئے اتحاد و اتفاق کیا تھا اور اس میں آئندہ کے لئے ہر ایک فریق کی ایک مشترکہ دشمن سے حفاظت کرنے کا انتظام بھی موجود ہے۔

نہایت احتیاط کے ساتھ اس معاہدہ کی پابندیوں کی نوعیت معلوم کرنے کے واسطے میں معاہدہ ہونے سے پیشتر کی کارروائی کی طرف توجہ کرتا ہوں اور محولۂ بالا شرط پر غور کرتا ہوں جو لڑائی کے بعد قرار پائی ہے۔

ہماری حکومت نے اس خبر کے موصول ہونے پر کہ ٹیپو نے راجہ ٹراونکور کے علاقے پر حملہ کر دیا ہے اپنے رزیڈنٹ متعینۂ حیدرآباد و پونا کو ہدایت کی کہ ہم نے اپنے حلیف کی حمایت کرنے کا تہیہ کر لیا ہے اس لئے سلطنت حیدرآباد و پونا کے روبرو یہ تجویز پیش کرو کہ ٹیپو کے خلاف وہ ہم سے اشتراک عمل کریں۔

رزیڈنٹ متعینۂ پونا نے اس ہدایت کے موصول ہونے سے پیشتر ہی بغیر درخواست کئے ہوئے دربار پونا کا یہ ارادہ معلوم کر لیا تھا کہ ٹیپو کے خلاف جنگ میں کمپنی کا ساتھ دینے کے لئے وہ تیار ہے اس لئے بغیر کسی استدعا اور ایثار کے اوّل مرہٹوں نے ہم سے اتحاد کرنے میں پیش قدمی کی۔ ۴۶

رزیڈنٹ متعینۂ حیدرآباد نے حضور نظام کو مطلع کیا کہ ٹیپو سلطان نے بلا اشتعال راجہ ٹراونکور کے علاقے پر حملہ کر دیا ہے اور ہماری حکومت

اس کی حمایت کرے گی اور حضور نظام کے اشتراک عمل کی متوقع ہے
اعلیٰحضرت نظام دکن نے بے تامل جواب دیا کہ پیشوا سے ملاقات کرنے
اور اس سے حملہ کرنے کی تدابیر کی بابت طے کرکے میں نے ٹیپو پر
حملہ آور ہونے کا خود ارادہ کر لیا ہے اور خوش قسمتی سے گورنر جنرل
کا ارادہ میری تجویز کے موافق ہے اس سے بہت عرصہ پیشتر ہی میرا
قصد ٹیپو پر حملہ کرنے کا تھا اور میں نے اپنے اس ارادہ سے پیشوا کو
مطلع کر دیا تھا۔

بہرحال حضور نظام نے انگریزوں کے ساتھ اشتراک عمل کرنے اور
بغیر پیشوا کا ارادہ معلوم کئے ہوئے اور اپنے ارادہ سے پیشتر ہی
جنگ چھیڑنے کا اعلان کر دیا۔

اس اعلان کے بعد حضور نظام نے رزیڈنٹ سے دریافت کیا کہ
جس وقت میری فوجیں کمپنی کی اعانت کر رہی ہوں اور ان کی عدم
موجودگی میں اگر ٹیپو کی فرمائش سے پیشوا میرے ملک پر حملہ کردے
تو ایسی صورت میں کمپنی کیا کارروائی کرے گی۔

رزیڈنٹ نے اسکا فوراً یہ جواب عرض کیا کہ حضور کی ریاست
کی حفاظت کے لئے کمپنی کو اپنی ساری ہستی قربان کر دینی چاہئے۔

اس کے بعد حضور نظام کے وزیر نے لارڈ کارنوالس سے یہ مطالبہ
کیا کہ آپ اپنے کسی خط میں یہ تحریر کر دیجئے کہ اگر ٹیپو سے جنگ
ہونے کے دوران میں اگر کوئی سلطنت حضور نظام کی مملکت میں نقص امن
پیدا کرنے کا تہیہ کرے گی تو اس کا ارادہ کمپنی کی عملداری میں نقص
امن پیدا کرنے کے مرادف تصور کیا جائے گا۔

وزیر ہند کورٹ نے پیشتر ہی اپنی یہ رائے ظاہر کر دی تھی کہ مدافعانہ ۷۴
اتحاد عام ہونا چاہئے اور حضور نظام اور ان کے وزیر دونوں نے ہماری
حکومت کے ساتھ قریبی تعلقات کرنے پر اپنی پوری آمادگی ظاہر کر دی
تھی گورنر جنرل کے مراسلہ مورخہ ۱۲ اپریل سنہ ۱۷۹۰ء بنام رزیڈنٹ متعینہ

حیدرآباد کے حسب ذیل اقتباس سے اس معاملے کے متعلق کافی معلومات حاصل ہوتی ہے۔

"آپ موقع نکال کر حضور نظام اور عظیم الامراء سے عرض کر دیجئے کہ آپ نے جیسی فیاضی کے ساتھ کمپنی کی حمایت کے لئے میری تجویز کو قبول فرمایا ہے اور جیسی خندہ پیشانی اور دیانت داری کے ساتھ ہمارے ساتھ اتحاد کرنے کی شرائط پر آپ نے بحث کی ہے اس کا میں تہ دل سے شکرگذار ہوں اور نہایت پُرزور الفاظ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھ پر یہ نوازش کرنے کے بعد آپ کو کبھی پشیمان ہونے کا موقع نہ ملے گا اور میں اپنی دوستی اور وفاداری کا ثبوت دینے کے لئے ہر ایک موقع کی تاک میں رہوں گا۔"

حضور والا اپنی اس تجویز پر کہ اگر مرہٹے حضور سے کوئی ناجائز مطالبہ کریں تو میں حضور کی جانب سے اس میں دست اندازی کروں اگر کامل غور فرمائیں گے تو حضور کو صاف صاف معلوم ہو جائے گا کہ چونکہ مرہٹے خود بطیب خاطر ہمارے اتحاد میں شریک ہوئے ہیں ایسی صورت میں یہ گمان کرنا میرے واسطے نامناسب ہے کہ وہ اپنے ہی ایک دوست کے ساتھ بیوفائی اور ناانصافی کریں گے اور ان سے اس قسم کی ضمانت طلب کرنا انھیں نہایت ناگوار اور مضرت ناک معلوم ہوگا۔

لیکن حضور نظام کو اس امر کا ثبوت دینے کے لئے کہ ان کے فائدہ کے لئے میں ہر ایک امکانی اور جائز کوشش کرنے پر آمادہ ہوں اور ان کی اس خواہش کو پورا کرنے کی خاطر آپ حضور نظام کو اطلاع دیں کہ اگر مرہٹوں کو اعتراض نہ ہوا تو میں اس معاہدہ میں یہ شرط اور بڑھا دونگا کہ اگر دو اتحادیوں میں کچھ اختلاف واقع ہوگا تو تیسری حکومت آپس میں مداخلت کرے گی اور اپنی امکانی کوشش سے مناسب اور پسندیدہ فیصلہ کرا دے گی اور آپ حضور نظام۔ عظیم الامراء اور میر ابو القاسم سے

عرض کر دیجئے کہ اگر حکومت پونا اس شرط پر راضی ہوگئی اور پھر کوئی ایسا معاملہ پیش آیا جس میں میری مداخلت کی ضرورت لاحق ہوگی تو آپ دیکھینگے کہ میں حضور نظام کو ہر قسم کے نقصان سے بچانے کے لئے اپنی پوری طاقت اور کوشش صرف کردونگا"

معاہدہ سے پیشتر کی کارروائی کا یہ خلاصہ ہے۔ اب صرف یہ بیان کرنا باقی ہے کہ سرنگا پٹم سے صلح ہو جانے کے بعد کیا حالت پیدا ہوئی ہری پنت نے مرہٹوں کی جانب سے اور عظیم الامرا نے منجانب حضور نظام لارڈ کارنوالس کے روبرو یہ تجویز پیش کی کہ پونا اور پنگول کے معاہدات کی دفعات ۱۳ و ۱۶ کی وضاحت کے لئے ایک جدید معاہدہ مرتب کیا جائے تاکہ ہر ایک فریق کو صراحت کے ساتھ معلوم ہو جائے کہ اگر ٹیپو کسی فریق پر حملہ یا تشدد کرے تو ایسی صورت میں ہم سب کیا کارروائی کریں گے اس مسئلہ پر جو گفت و شنید ہوئی اُسے تفصیل سے بیان کرنا غیر ضروری ہے صرف اسقدر کہدینا کافی ہے کہ رزیڈنٹ صاحبان کو یہ ہدایت کردی گئی کہ اگر مندرجۂ توضیح کے قبول کرنے میں آپ کے متعلقہ دربار تامل یا مخالفت کریں تو اپنے اپنے متعلقہ دربار کی خدمت میں یہ تحریری اعلان پیش کر دیجئے کہ

"اگر بغیر کسی صاف اور صریح اشتعال کے ٹیپو سلطان ہم میں سے کسی ایک فریق پر حملہ کر دے تو ہم تینوں فریقوں پر لازم ہوگا کہ ہم اپنی اجتماعی قوت سے ٹیپو کے خلاف کارروائی کریں لیکن کسی دوسری صورت میں کسی فریق پر اسکی پابندی لازم نہ ہوگی"

لارڈ کارنوالس نے ایک توضیحی عہدنامہ کا مسودہ مرتب کر کے رزیڈنٹ صاحبان متعینۂ حیدرآباد و پونا کے پاس روانہ کر دیا اور انھوں نے اپنے اپنے متعلقہ دربار کے وزرا کو اس کے معنی و مطالب سمجھا دیئے۔ مرہٹوں نے اس پر غور کرنے کے لئے مہلت طلب کی لیکن عظیم الامرا نے کفالتی معاہدہ کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا تاوقتیکہ کرنول کے متعلق

حضور نظام کے ارشاد کی تعمیل نہ ہو جائے لیکن بعد ازاں وزیر موصوف نے مرہٹوں کا ارادہ معلوم کرنے کا انتظار تک نہ کیا اور اپنی رائے واپس لیکر لارڈ کارنوالس کی تجویز سے اپنی رضامندی ظاہر کردی اور بعد مرہٹوں نے توضیحی معاہدہ کا خود ایک مسودہ مرتب کیا اور بغیر کسی فیصلہ کے یہ بحث اس طور پر ختم ہوگئی کہ مرہٹوں کے وزیر نے یہ قابل اطمینان اعلان شائع کر دیا کہ ہماری سلطنت موجودہ معاہدوں پر بطیب خاطر عملدرآمد کرنیکے لئے تیار ہے اور حضور نظام نے لارڈ کارنوالس کے مجوزہ مسودہ کو صاف الفاظ میں منظور کرلیا۔

اب میں ان دلائل پر غور کرتا ہوں جو اپنے قیاسی مفروضات کے وقوع میں آنے کی صورت میں حضور نظام ہماری امداد طلب کرنے کے واسطے پیش کر سکتے ہیں۔

اگر ٹیپو بغیر کسی معقول وجہ یا اشتعال کے حضور نظام کے علاقے پر حملہ کرے تو اس معاہدہ کی رو سے ہماری اور مرہٹوں کی امداد حاصل کرنیکے مستحق ہیں اگر کوئی ایک فریق معاہدہ کی خلاف ورزی کرے تو اس سے دوسرے فریق اپنے فرائض سے سبکدوش نہیں ہو سکتے ہیں جو عہدنامہ نے ان پر عائد کئے ہیں اور اگر کوئی فریق ٹیپو کے خلاف آپ کی امداد کرنے سے انکار کرے تو ہم پر لازم ہو گا کہ ہم مل کر اس فریق کو مجبور کریں کہ وہ معاہدہ کی شرائط کی پابندی کرے۔ امداد دینے کی شرط کے الفاظ نہایت صاف اور واضح ہیں اور اس میں ایسی کوئی صورت یا شکل درج نہیں ہے جس کی بناء پر ہم الگ تھلگ رہنے کے مستحق ہو سکیں۔

حضور نظام نے ہماری نیک نیتی کا اعتبار کرکے یہ معاہدہ کیا ہے کیونکہ وہ مرہٹوں کی غداری سے نہ صرف آگاہ تھے بلکہ ابتدائی گفت وشنید میں انھوں نے اپنے شبہات وشکوک ظاہر کردئے تھے۔ خواہ مرہٹے اس معاہدے کے فریق بنتے یا نہ بنتے اس وقت ہماری ضرورت

ان سے اتحاد کرنے پر ہمیں مجبور کرتی اور اس میں شک و شبہ نہیں ہو سکتا ہے کہ اگر وہ صریح الفاظ میں جارحانہ اور مدافعانہ معاہدہ کرنے پر اصرار کرتے تو ان کی بات نہیں ماننی پڑتی تھی۔ اگر اس سبب سے کہ مرہٹوں نے معاہدے کی پابندی نہیں کی ہے یا کسی دیگر وجوہ یا اپنی حکمت عملی یا سہولیت کے لحاظ سے ہم معاہدے کی پابندی سے منکر ہونے کے لئے اپنے کو آزاد تصور کر لیں تو وہ اعتبار اٹھ جائے گا جو معاہدات کو برقرار رکھنے کی بیخ و بنیاد ہے کیونکہ نہایت متبرک اور مقدس ذمہ داریوں سے روگردانی کرنے کے لئے بھی بہانہ مل سکتا ہے۔

ٹیپو کی زیادتی مرہٹوں کی تائید یا بلا تائید کے ہو سکتی ہے اور دونوں صورتوں میں ہمیں اس کی مخالفت کرنی لازم ہے اور خصوصاً جبکہ وہ پیشوا کا حلیف بنکر حضور نظام کے خلاف میدان میں آئے کیونکہ اس قسم کے اتحاد سے زیر بحث عہد نامے کی صریح اور سخت توہین ہوگی جس کی مخالفت کرنا ہمارا فرض منصبی ہوگا۔ ان دلائل کا حسب ذیل جواب دیا جا سکتا ہے۔ کہ اپنی شرائط کے لحاظ سے یہ نہایت واضح اور صاف عہد نامہ ہے۔ جس میں تین سلطنتوں نے باہم مل کر ایک کھلے مشترک دشمن کے مقابلہ میں ایک دوسرے کی حفاظت کرنے کی اپنے پر ذمہ داری لی ہے اور یہ بات تسلیم کر لی گئی ہے کہ اس عہد نامے سے جو ذمہ داری لازم آتی ہے اسے تینوں اتحادی مشترکہ کوشش اور اشتراک عمل سے برقرار رکھیں گے اسی اصول کو قائم رکھنے سے تینوں سلطنتوں کی رضامندی اور اتفاق رائے سے جملہ تصریحات اور کارروائیاں عمل میں لانی چاہئیں جو اس معاہدہ سے پیدا ہوتی ہیں چونکہ اس معاہدہ کا اصول اساسی تینوں اتحادیوں کا اتفاق ہے اس لئے جو پابندیاں اور ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان پر عمل پیرا ہونے کے واسطے اس اتحاد یا دوستی کو مسلسل برقرار رکھنا لازمی اور بیحد ضروری ہے اور دو فریقوں کے آپس میں برسرپیکار ہونے سے جملہ فریقوں کی حیثیت بالکل بدل جاتی ہے۔

۵۰

ایسی صورت میں کہ دو فریق آپس میں برسرپیکار ہوں اور از انجملہ ایک فریق ٹیپو سے اتحاد کر لے تو اس معاملے پر غور کرنے کے لئے اُن وجوہ کو دیکھنا ضروری ہوگا جن کی بنا پر وہ دونوں فریق برسرپیکار ہیں۔ کوئی معاہدہ اس قدر سخت نہیں ہو سکتا جس کی رو سے ایک فریق کسی حالت میں بھی اپنی حفاظت کی ضرورت سے اتحاد قائم کرنے کا مجاز نہ ہو بفرض محال اگر حضور نظام اور پیشوا کے درمیان لڑائی ہو جائے جس میں ایک فریق حق بجانب ہے اور دوسرا فریق بلا کسی اشتعال یا زیادتی کے مجبوراً شریک ہوا ہے تو ذاتی حفاظت کے واسطے مظلوم فریق کا ٹیپو سے اتحاد کر لینا جائز ہوگا۔ اور اس کے برعکس اگر اتحادیوں میں سے کوئی ایک فریق اپنی خود غرضی کے لئے ٹیپو سے مل جائے گا تو یہ بات عہدنامہ کی کھلم کھلا خلاف ورزی تصور کی جائیگی۔ اس دلیل کا نتیجہ واقعات کے لحاظ سے حضور نظام کے خلاف نکلتا ہے چونکہ انھوں نے بیدر کی جانب پیش قدمی کی ہے اگر یہ زیادتی کسی مرہٹہ سلطنت کے خلاف نہ بھی ہو لیکن اس میں مطلق شک نہیں ہے کہ سندھیا اور وزیر کے اختلاف میں حصہ لینے کی غرض سے یہ پیش قدمی ہوئی ہے اور اس لئے یہ ایک علامت مخالفت کی ہے ہم نے شروع ہی میں عظیم الامرا کو ان کارروائیوں کے نتائج سے آگاہ کر دیا تھا جن کے باعث حضور نظام کو موجودہ پریشانیاں لاحق ہوئی ہیں اور وزیر موصوف کو ہم نے جتلا دیا تھا کہ بالاجی پنڈت سے مفاہمت ہو جانا حضور نظام کے حق میں مفید ہوگا اور انھیں آگاہ کر دیا تھا کہ مرہٹوں کے وزیر سے بگاڑنے میں حضور نظام ہی کے معاملات میں پیچیدگی پیدا ہونے اور نقصان پہونچنے کا احتمال ہے۔

مرہٹوں کے اور حضور نظام کے درمیان لڑائی ہونے میں اگر ٹیپو مرہٹوں کی امداد کرے تو ٹیپو کے خلاف ہمارا سلطنت آصفیہ کی اعانت کرنا اور بلا کسی اشتعال کے مرہٹوں کے ملک پر ہمارا حملہ آور ہو جانا ہمیں مرہٹوں سے برسرپیکار بنا دے گا اور یہ ایسی بری حالت ہوگی جس کا معاہدہ کی

ذمہ داریوں اور شرائط سے کبھی گمان ہو نہیں سکتا تھا۔ میں بتا دیتا ہوں کہ خواہ ٹیپو اور پیشوا کے درمیان جنگ کا ارادہ نہ بھی ہو لیکن مرہٹوں اور حضور نظام کی لڑائی کا بھی لازمی نتیجہ ہے جو میں نے عرض کیا ہے۔ حضور نظام کی حمایت میں صرف ٹیپو کے خلاف ہمارا برسر پیکار ہونا ناممکنات سے ہے اور ایسی حالت میں جبکہ وہ مرہٹوں سے برسر جنگ و جدال ہوں ہم ان کی فوجوں کی اعانت سے ٹیپو کے خلاف لڑائی جاری نہیں رکھ سکتے ہیں کیونکہ ٹیپو کے خلاف جنگ کو نتیجہ خیز بنانے کے لئے ہمیں اس وقت مرہٹوں سے بھی ضرور لڑنا پڑے گا اور اس کے برعکس فرض کر لینے سے ٹیپو کو مار کر بھگانے اور اسے اسکے مظالم کی سزا دینے کا سارا بار صرف ہم ہی پر پڑ جائے گا اور یہ بات اتحاد ثلاثہ کے معنی و مطالب اور شرائط کے بالکل برعکس اور منافی ہے۔

حضور نظام اور مرہٹوں کے دشمنوں کی امداد نہ کرنے کی بابت ہم نے مختلف معاہدے حضور نظام اور مرہٹوں سے کئے ہیں جن کی پابندی ہم پر لازمی ہے اور ٹیپو کے خلاف مدد دینے کے لئے ہم نے دو ذمہ داریاں لی ہیں اول یہ کہ حضور نظام یا مرہٹوں سے اگر ٹیپو کی جنگ ہو تو ہم غیر جانبدار رہیں۔ دوسرے یہ کہ ہم دونوں کو ٹیپو کے خلاف مدد دیں۔ آخر الذکر کی شرائط کا یہی مطلب اور مفہوم ہے کہ ہم تینوں سلطنتوں میں ارتباط اور اتفاق قائم رہے اور یہی اس معاہدہ کی جان ہے اور جو حفاظت اس سے مقصود ہے اس کا انحصار بھی اسی پر ہے۔

معاہدہ کے فرائض کے متعلق ابتدائی سوال نہایت مختصر ہے اور اسے ہم اپنے اس بیان میں پیش کرتے ہیں۔ کہ آیا عہدنامہ منسلکہ صرف ہمارے اور حضور نظام کے درمیان ایک جداگانہ معاہدہ ہے یا اس کے جملہ شرائط حضور نظام اور مرہٹوں دونوں کے متعلق ہیں؟ اس کے شرائط صاف اور واضح طور پر اتحاد ثلاثہ ہونے کو ثابت کرتے ہیں جس سے کہ تینوں سلطنتیں اپنے ایک مفروضہ دشمن کے خلاف اپنی

حفاظت کے لئے متحد رہنے کی پابند ہیں اور جو بوقت ضرورت اپنی پوری قوت صرف کرکے صرف متحدہ کوشش ہی سے قائم رہ سکتی ہے محض یہ دلیل کہ اگر ایک جماعت معاہدہ کی خلاف ورزی کرے تو دوسری جماعت معاہدہ کی پابندی سے آزاد نہیں ہو سکتی ہے کیونکہ معاہدہ میں اس کی تصریح درج نہیں ہے اور اتحاد کرنے والے فریقوں کا ایسا ارادہ ہوتا تو اس قسم کا فقرہ معاہدہ میں درج ہوتا اس کا یہ جواب ہے کہ ایسا اندراج ناممکن تھا کیونکہ یہ امر معاہدہ کے مقصد ہی کے خلاف تھا کیونکہ اس صورت میں معاہدہ کرنے والے کیلئے کسی ایک فریق کے ساتھ جنگ ہونے کی ضرورت یا اندیشہ پیدا ہو جاتا۔ اور یہ اس قسم کا معاملہ ہے جس کا گمان تک معاہدہ کرنے میں نہ تھا بلکہ معاہدہ تو اسکے برعکس مقاصد پیش نظر رکھکر طے کیا گیا ہے دیگر دلائل کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے حضور نظام اور مرہٹوں یعنی دونوں کا ٹیپو سے جنگ کرنیکا پیشتر ہی سے ارادہ تھا اور اگر کمپنی ٹیپو سے جنگ کرنے پر مجبور نہ ہوئی ہوتی تو یہ دونوں اپنے ارادہ کو عملی صورت میں لے آتے اور ہماری حکومت کا ٹیپو سے جنگ کرنے کا ارادہ معلوم کرکے دونوں نے نہایت تعجیل کے ساتھ اس موقع کو غنیمت جان کر شریک جنگ ہونے کو قبول کرلیا بجز اس کے اور کوئی خصوصیت حاصل نہیں کہ انھوں نے ہماری ترغیب پر اس وقت سے پیشتر ہی ٹیپو سے جنگ شروع کردی جو انھوں نے تجویز کر رکھا تھا۔

لارڈ کارنوالس نے جس فقرہ کی مشروط رضامندی ظاہر کی تھی وہ معاہدہ میں اس لئے درج نہیں ہوا کہ مرہٹے اس پر معترض ہوتے۔

خود حضور نظام کی باتوں سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ وہ زیر بحث کفالتی معاہدے کو زیادہ سخت تصور نہیں کرتے کیونکہ جب تصریحی معاہدہ پیش کیا گیا تھا تو انھوں نے کہا تھا کہ جب تک کمپنی انکے مقاصد کی تائید نہیں کرے گی وہ اس پر رضامند نہ ہوں گے معاہدہ کی

۵۳

شرائط کی نوعیت اور قوت پر بحث کرنے کے لئے ہمارے پیش نظر
حیدرآباد کی کمزوری کا خیال یا صرف اُس پر حملہ ہونے کا امکان نہ ہوگا
یہ خیالات تو صرف مصلحت کے مسئلے سے متعلق ہیں اور پابندی کے
مسئلے پر اسی طرح بحث ہونی چاہئے جیسی کہ مرہٹوں پر ٹیپو کا حملہ ہونے کی
صورت میں کی جاتی - اگر متذکرہ واقعات کی رو سے معاہدہ کے
شرائط ٹیپو کے خلاف حضور نظام کو مدد دینے کی پابندی ہم پر عائد کرتے
ہیں تو اس کے یہ معنی بھی لئے جا سکتے ہیں کہ اسی طرح کے واقعات ۵۴
رونما ہونے کی صورت میں ہمکو مرہٹوں کی اعانت کرنی چاہئے
کیونکہ اس صورت میں بھی ایک کی تباہی اور دوسرے کی قوت
میں بیشی یقینی ہوگی -

اگرچہ نواب نظام الملک اور مرہٹوں کے درمیان لڑائی ہونے سے موجودہ
کل معاہدے منسوخ ہو جائیں گے لیکن ان دونوں کے تعلقات
ہم سے اس وقت بھی قائم رہیں گے میں اس بات سے واقف
ہوں کہ اگر ٹیپو سلطان کمپنی کے مقبوضات پر حملہ کرے اور حضور نظام اور
مرہٹوں کے مابین جنگ ہو تو اس صورت میں خواہ وہ معاہدے
کے شرائط کی پابندی کا اقرار کریں لیکن اس وقت وہ ان پر عمل پیرا
نہ ہو سکیں گے مگر امن قائم ہو جانے کے بعد شرائط معاہدہ پر عمل
کرنے کی قوت پھر عود کر آئے گی معاہدہ کرنے والوں کی حالت
پھر ویسی ہی ہو جائے گی جیسی کہ معاہدہ کرنے سے مدنظر تھی - اگر ٹیپو نے
حضور نظام یا مرہٹوں پر حملہ کیا تو میں اسی اصول کے مطابق اول تیسرے
فریق سے شرائط معاہدہ کی تکمیل کا مطالبہ کرونگا اسلئے ممکن ہے دونوں
جنگجو سلطنتوں کو صلح کرنے کی ترغیب پیدا ہو ورنہ کم از کم یہ ظاہر
ہو جائے گا کہ ایک اتحادی ٹیپو سے مل گیا اس وجہ سے ٹیپو نے حملہ کیا

پایۂ ثابت ہو جائے گا کہ جب ایک اتحادی پر حملہ ہوا تو دوسرے نے اُس کی اعانت کرنے سے انکار کر کے معاہدہ کو توڑ ڈالا اُس وقت ہمیں یہ آزادی حاصل ہوگی کہ ہم جیسا مناسب سمجھیں ویسی کارروائی کریں لیکن میں اس بات کو ہرگز صحیح تسلیم نہیں کرتا ہوں کہ جب تک مرہٹوں اور نواب نظام الملک میں صلح نہ ہو جائے ہم ٹیپو کے خلاف کسی فریق کو امداد دینے کے پابند ہیں۔

معاہدہ کی پابندیوں پر بحث کرنے کے بعد میں سیاسی ضرورتوں کی بنا پر حضور نظام کو مدد دینے کے مسئلہ پر غور کرونگا۔

جن دلائل سے مطمئن ہو کر میں نے یہ رائے قائم کی ہے کہ بغیر مرہٹوں کے اشتراک عمل کے ٹیپو کے خلاف ہمیں حضور نظام کو مدد نہ دینی چاہیئے اُن دلائل سے حضور نظام اپنی رائے تبدیل نہیں کریں گے بلکہ اس کے برعکس غیر جانب داری کو ہماری بے وفائی تصور کریں گے اور خیال کریں گے کہ کمپنی سے قریبی تعلقات قائم کرنے اور اشتراک عمل کرنے کا یہ نتیجہ نکلا۔ اسلئے اس فرضی واقعہ کے رونما ہونے کی صورت میں جس کو میں ناممکن تصور کرتا ہوں ہمیں برطانی حقوق کے متعلق حضور نظام کی رائے اور اس کے نتائج پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ حقیقت الامر یہ ہے کہ ابتدا ہی سے حضور نظام نے اپنی ضرورت کے مطابق برطانی حکومت کے ساتھ اپنے تعلقات دوستانہ یا مخالفانہ رکھے ہیں اور انھوں نے حال میں ہمارے ساتھ جو اتحاد اور اتفاق کیا ہے وہ ہماری تائید اور قوت سے اعانت حاصل کرنے کی غرض سے ہے

55

سلف - جان شور کا یہ بیان تاریخی واقعات پر مبنی نہیں ہے۔ جس اتحاد کی طرف اس فقرہ میں اشارہ ہے اور جس کی پابندی سے بچنے کے لئے گورنر جنرل بہادر نے یہ دلیل پیش کی ہے اس کے لئے نواب نظام علیخاں بہادر

اس خیال سے جو اندیشے اور خطرات پیدا ہو سکتے ہیں وہ بہت دور کی باتیں ہیں، فی الحال ہم اس سوال کے متعلق اپنا قول و فعل بیان کرنے کے لئے مجبور نہیں کئے جاتے ہیں اگرچہ ان امور کے امکانات ہیں لیکن ہمیں حضور نظام کا ساتھ چھوڑ دینے یا ٹیپو اور مرہٹوں کے متحدہ حملے میں انکو مدد دینے کے نتائج کا نہایت سنجیدگی کے ساتھ موازنہ کرنا چاہیئے۔

اگر حضور نظام کو مدد نہ دی جائے گی تو اسکا لازمی نتیجہ ان کی قوت کا ضعف اور انکے دشمنوں کی طاقت میں بیشی ہوگا اور پھر ٹیپو اور مرہٹے نسبتاً بہت زیادہ خطرناک ہو جائیں گے۔

اس کے برعکس جب ہم سلطنت آصفیہ کی اندرونی خرابیوں اور کمزوریوں پر غور کرتے ہیں اور یہ سوچتے ہیں کہ اس کا انتظام اپنے ہاتھ میں لئے بغیر ہم وہاں کی سیاسیات کی رہبری اپنی مرضی کے مطابق نہیں کر سکتے ہیں اور ہماری اس قسم کی دست اندازی کا لازمی نتیجہ دائمی جنگ ہے[1] اسی طرح جب ہم غور کرتے ہیں کہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ: بدقت تمام راضی ہوئے تھے لیکن راضی ہونے کے بعد انھوں نے نہایت اخلاص و تن دہی سے انگریزوں کی مدد کی اور لارڈ کارنوالس نے اس کا اعتراف کیا۔

سر جان میلکم نے ان واقعات کو واضح طور پر بیان کیا ہے لیکن ان سے نہ فرمانروائے دکن کی ذاتی غرض ثابت ہوتی ہے اور نہ ان کی بے رخی بلکہ سر جان شور کی ناانصافی اور عہد و پیمان کی خلاف ورزی اور بھی زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے

ملاحظہ ہو صفحہ ۵۹ - ۶۳ اصل کتاب جلد اول و متعلق عہد نامہ ۱۷۹۰ء

" " " ۲۰۲ - ۲۰۳ " " (مترجم)

[1] سر جان شور نے اپنے اس بیان کے ثبوت میں نہ کوئی دلیل پیش کی ہے اور نہ ایسے واقعات جن سے اس کی تائید ہو سکے۔ برخلاف اس کے

مرہٹوں کی سلطنت پر زبردست اثر ڈالنا نہایت دشوار ہے اور اسکے مقابل وہ نہایت آسانی کے ساتھ ہمیں نقصان پہنچا سکتے ہیں اور یہ کہ ٹیپو اور مرہٹوں کی متفقہ قوت کا مقابلہ کرنیکے لئے کسقدر جد و جہد کرنی پڑے گی اور کسقدر وسائل درکار ہوں گے اور کتنی ہندوستانی اور یوروپین فوجیں درکار ہوں گی اور زیادہ عرصہ تک جنگ جاری رکھنے کا نتیجہ تباہی اور بربادی ہے تو ہماری سمجھ میں یہی آتا ہے کہ سلطنت آصفیہ کی قوت کے تنزل سے آیندہ جو خرابیاں پیدا ہونے کے اندیشے ہیں ان سے کہیں زیادہ اور زبردست ترغیب ہمیں ان خطرات کے مول لینے کے لئے ہونی چاہئے۔ اگر ہماری سلطنت کو امداد دینے سے پیشتر ٹیپو اور مرہٹوں نے متحد ہو کر حیدرآباد پر حملہ کیا تو اس سلطنت کا لازمی خاتمہ ہو جائے گا اور یہ امر بہت مشکوک ہے کہ آیا پھر ہم اپنی کسی کوشش سے نواب نظام الملک کی حکومت بحال کرسکیں گے

۵۶

مزید برآں یورپ کے حالات کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے جن کی وجہ سے غالباً دوران جنگ میں زیادہ تعداد میں فوج نہ آسکے گی

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ دو ایسے اہم مواقع موجود ہیں جن پر کمپنی نے سلطنت آصفیہ کی امداد سے ٹیپو جیسے زبردست غنیم کے خلاف جنگ کی اور کامیابی حاصل کی لیکن لارڈ کارنوالس یا لارڈ ویلزلی نے اس قسم کی کوئی ضرورت قطعی محسوس نہیں کی۔ نہ انھوں نے سلطنت حیدرآباد کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا اور نہ اس کی خواہش ظاہر کی بلکہ جو امداد انھیں ملی اس کی قدر کی اور اس کا اعتراف کیا۔

"حضور نظام نے نہایت اخلاص و صدق دلی سے سلطان کے خلاف جنگ میں ہمارا ساتھ دیا . . . . اور اس میں قطعی شبہ کی گنجائش نہیں کہ اس جنگ کے خوشگوار نتائج میں ایک بڑی حد تک ان کی جد و جہد کا دخل تھا اور ان کے اتحاد کے بغیر یہ جنگ اس قدر بڑے پیمانہ پر ہرگز نہیں ہوسکتی تھی۔"

(متعلق جنگ میسور ۱۷۹۱ء میلکم جلد اول صفحہ ۶۱۴)

(مترجم)

اس لئے اشد ضرورت ہے کہ ہندوستان کی جملہ ریاستوں کے درمیان صلح قائم رکھنے کے لئے ہم اپنی امکانی کوشش کریں۔

بالفرض محال اگر ٹیپو اور مرہٹے متحد ہو کر حیدر آباد کی قوت کا خاتمہ کر دیں اور جس طرح یہ ممکن ہے بعد میں وہ دونوں مل کر کمپنی کے ملک پر حملہ آور ہوں اسی طرح یہ بھی ممکنات سے ہے کہ وہ ایک دوسرے پر حملہ کر بیٹھیں لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس ہو گا تو ہمارے وسائل کی روز افزوں ترقی ہمیں اس قابل کر دے گی کہ ہم دونوں کی متحدہ قوت کا مقابلہ کر سکیں گے۔

نواب نظام الملک کو ان کی تقدیر پر چھوڑ دینے سے پبلک کی نظر میں ہماری سیاسی اہمیت قدرے کم ہو جائے گی اور اگرچہ اس ملک میں عوام کی رائے کی اہمیت کو میں بخوبی سمجھتا ہوں تاہم ان خرابیوں کے مقابلے میں اس کی کچھ بھی حقیقت نہیں جو ٹیپو اور مرہٹوں کے ساتھ جنگ کرنے سے پیدا ہوں گی اور جو لازمی نتیجہ ٹیپو کے خلاف نواب نظام الملک کو تنہا مدد دینے کا ہو گا۔ جبکہ حضور نظام پیشوا سے جنگ و جدال میں مصروف ہوں اور ٹیپو ان پر حملہ کر بیٹھے۔

نواب نظام الملک کو مدد نہ دینے کے نتائج پیش نظر رکھکر امداد دینے کے لئے جو وجوہ پیش کئے جاتے ہیں ان میں دیگر اسباب بھی داخل ہیں۔

حکومت برطانیہ نے اپنے حلیف راجہ ٹراونکور پر حملہ کرنیکی سخت مخالفت کی اور دوران جنگ و اختتام جنگ کی گفت و شنید میں اس کی طرفداری کی اس کے باعث انگریزوں کی نیک نیتی استقلال اور انصاف پسندی کی تمام ہندوستان میں دھوم ہوئی لیکن ان کارروائیوں کا اندازہ کرنے کے واسطے ہمیں اپنی بقا کا خیال رکھنا چاہئے جس میں انگریزوں کے مقبوضات ہند کا قیام و استحکام بھی شامل ہے۔

میں نے ایک ایسے مسئلے پر بحث کی ہے جس کے متعلق مجھے

نہایت صدق دل کے ساتھ توقع ہے کہ اس مسئلے کا فیصلہ کرنے پر ہم بھی مجبور نہ کئے جائیں گے اور اس موقع پر میں اپنے چند ایسے خیالات کا اظہار کرتا ہوں جنھیں میں کئی بار بیان کر چکا ہوں۔

نواب نظام الملک اور پیشوا کی نزاع خواہ جنگ سے ختم ہو یا صلح سے لیکن اس اندیشے کے قوی وجوہ موجود ہیں کہ سلطنت آصفیہ مرہٹوں کے زیر اثر آجائے گی اور پھر اس وجہ سے نظام کی عملداری مرہٹوں کے لئے حصول قوت کا وسیلہ بن جائے گی جو ان کے پاس اب بھی بہت زیادہ موجود ہے۔

حضور نظام کو بھی اس کا خدشہ ہونا لابدی ہے اور اس کا فطری نتیجہ یہ ہوگا کہ جب ہم سے کسی قسم کی امداد کی امید نہ رہے گی تو وہ مرہٹوں سے بچنے کے لئے ٹیپو سے اتحاد قائم کرلیں گے۔ مجھے اس کا مطلق علم نہیں کہ حضور نظام کا یہ خیال ہے یا نہیں لیکن اس بات کو ناقابل عمل کرنے کے جو وجوہ میں نے بیان کئے ہیں انھیں میں بالکل درست جانتا ہوں ٹیپو اور مرہٹوں کے خیالی اتحاد کے متعلق بہت سے شبہات کی تشہیر ہو چکی ہے اور اس اتحاد کو میں تو اغلب نہیں جانتا ہوں تاوقتیکہ ہم کھلم کھلا نواب نظام الملک کو مدد نہ دیں جس سے مجبور ہو کر ٹیپو مرہٹوں کا ساتھ دے اور اس مسئلے کے متعلق ان کی بھی یہی رائے ہے۔ پیشوا سے اس قسم کے اتحاد کے لئے ٹیپو بلا شبہ آمادہ ہو جائے گا لیکن خیال یہی ہے کہ اس قسم کی کوئی تجویز اسکے سامنے نہیں پیش کی جائے گی اور مجھے تو اس میں ابھی کلام ہے کہ بلا شرکت مرہٹوں کے وہ اس وقت نواب نظام الملک کی عملداری پر حملہ کرنیکی جرأت کرے گا۔ اگر اس نے ایسا کیا تو اس حرکت کے لازمی نتائج یہ ہوں گے کہ اولاً مرہٹے حضور نظام سے خود اپنے شرائط طے کریں گے اور پھر حضور نظام کی سلطنت کو بچانے کے لئے ہم سے اتحاد واتفاق کریں گے۔

۵۸

آجکل ہندوستان میں مرہٹوں۔ ٹیپو۔ حضور نظام اور انگریزوں کو اقتدار اعلیٰ حاصل ہے سندھیا کا خاندان ان وجوہ سے پیشوا کا ماتحت بن گیا ہے جو ہمیں پیشتر ہی نظر آتے تھے اور اس بات کی کوئی امید نہیں ہوتی ہے کہ سندھیا کو جو آزادی میسر تھی وہ اس کا جانشین پھر حاصل کرے گا اس لئے حکومت پونا کو مرہٹہ سلطنت کے جملہ ممبران پر وسیع اثر اور قابو حاصل ہے البتہ راجہ برار کے متعلق اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ اپنی ریاست کی نوعیت اور واقعات کے لحاظ سے اس کا بہت کم تعلق مرہٹہ سلطنت کی عام سیاسیات اور مفاد سے ہے اور وہ مرہٹہ سلطنت سے آزاد رہکر با اختیار خود اپنی ریاست کا انتظام کرتا ہے۔ لیکن دستور و رواج کے مطابق وہ ماتحت ضرور ہے اور میں نے سنا ہے کہ حکمراں راجہ نے اپنی گدی نشینی کی پیشوا سے توثیق کرائی اور اس سے گدی کے لوازمات حاصل کئے اور اگرچہ ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ وہ کسی ایسی کارروائی میں شرکت نہیں کریگا جو انگریزوں کے خلاف ہو لیکن ہم اس پر بھی یقین رکھتے ہیں کہ پیشوا کے خلاف وہ ہماری حکومت کے لئے کوئی عملی حصہ بھی ہرگز نہ لیگا۔

مرہٹوں کی قوت بلا شرکت راجہ برار بھی کافی بڑی ہے اور غالباً جنرل ڈی بوائن کے تحت جو فوجیں ہیں وہ دو انگریزی بریگیڈ کے مساوی ہیں۔

مرہٹہ حکومت کی خصلت میں طمع۔ حرص اور رشک داخل ہیں اور وہ اپنی قوت اور دولت کو ترقی دینے کا کوئی موقعہ اپنے ہاتھ سے نہیں جانے دیتی ہے اور حصول مقصد کے لئے ذرائع اختیار کرنے میں مرہٹے دیانت و راستبازی کا بہت کم لحاظ کرتے ہیں۔

اگرچہ مرہٹوں کی مجموعی طاقت بہت زیادہ ہے لیکن ہمیں

۵۹

گذشتہ واقعات دیکھکر معلوم ہو گیا ہے کہ وہ کام لینے کے لئے بلا وقت و تاخیر اس قوت کو مجتمع نہیں کر سکتے ہیں اور اس دقت اور تاخیر کا موجب مرہٹوں کی تنظیم کی نوعیت اور ان کے ماتحت ارکان کے جداگانہ مفاد و مقاصد ہیں علاوہ ازیں وہ اپنی فوجوں کو تعجیل کے ساتھ زیادہ فاصلے پر نہیں روانہ کر سکتے ہیں کیونکہ جن وسیع علاقوں سے وہ فوجیں طلب کرتے ہیں وہ ایک دوسرے سے بعید اور منتشر ہیں۔ اغراض و مقاصد کے اختلاف کے ساتھ ساتھ اُن میں رشک و حسد کا مادہ بھی موجود ہے جو اگرچہ مرہٹہ سلطنت پر حملہ ہونے کی حالت میں اُس کی حفاظت کی خاطر مفقود ہو سکتا ہے لیکن اقدامی حملہ مرتب کرنے کے لئے رشک و حسد کا یہ مادہ متفقہ کوشش کرنے میں بہت کچھ حارج اور مانع آتا ہے

انگریزی سلطنت کی دوستی یا اتحاد مرہٹہ سلطنت اور اسکے باجگذار راجہ برار سندھیا اور ہولکر سے ہے۔ ان باجگزار ریاستوں سے دوستانہ تعلقات پیدا کر لینے سے اگرچہ کچھ نفع حاصل کیا جا سکتا ہے اور برطانیہ و مرہٹوں کے درمیان جنگ ہونے کی حالت میں چونکہ انھیں نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہوگا اس لئے اُن کے دوستانہ تعلقات ہم سے غالباً اور بھی زیادہ مستحکم ہو سکتے ہیں لیکن یہ دوستی زیادہ قابل بھروسہ کے نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس اگر ایسا واقعہ پیش آئے اور ہم اپنی حکمت عملی کے بہترین وسائل سے کام لیکر ان مختلف سرداروں کے مابین اختلاف مفاد پیدا کرنے کی کوشش کریں تب بھی ہمیں یہ توقع کرکے اس معاملے میں جد و جہد کرنی چاہیئے کہ وہ سب متحد ہو کر ہمارا مقابلہ کریں گے ہندوستان کی جملہ قوتوں کے مقابلے میں ہمارا تحفظ اور سلامتی اپنی طاقت پر منحصر ہے لیکن اس خیال سے ہمیں مرہٹوں کے متعلق بہت کم اندیشہ ہے کہ ان کے لئے ہندوستان کی مختلف چھوٹی چھوٹی

ریاستوں کو اپنا فرماں بردار بنانے کے واسطے ایک وسیع اور بے خطر میدان موجود ہے۔ ان میں سے بعض تو خود مختار ریاستیں ہیں اور بعض برائے بیت ان کے ماتحت ہیں اس لئے مرہٹوں سے ہمیں یہ اندیشہ نہیں ہے کہ ان کے ہوتے ہوئے وہ ہمارے یا ہمارے حلیفوں کے مقبوضات پر حملہ کریں گے۔ جس طرح ٹیپو سلطان اپنے رشک و حسد کے باعث بدنام ہے اس طرح ہماری نیک نامی ہمارے مسلمہ اصولوں کے باعث ہے کیونکہ ہم اعلان کر چکے ہیں کہ ہم اپنی تلوار کے زور سے اپنی قلمرو کو وسیع کرنا نہیں چاہتے ہیں لیکن یہ بات کبھی فراموش نہ کرنی چاہیئے کہ پردیسیوں کی حکومت ہمیشہ بری نظر سے دیکھی جاتی ہے۔ اور یہ کہ محض سیاسی اتحاد ہمیشہ نہایت خطرناک ہوتا ہے اور اگر مرہٹے اپنی پوری طاقت کے ساتھ ہم پر حملہ آور ہوں تو ہمیں بعض حصوں میں کھلی ہوئی اور بعض میں غیر متوقع شکست حاصل ہو سکتی ہے۔

٦٠

اور ایسے وقت میں اگر ٹیپو ہمارے مدمقابل سے اتحاد کرے یا کوئی یورپین دشمن اس کی امداد کر کے اوس کی قوت میں مزید اضافہ کر دے تو اس مقابلے میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے ہمیں یہاں اور یورپ میں نہایت زبردست کوششیں کرنی پڑیں گی۔

دریائے گنگا کے کنارہ پر برطانیہ کا جو علاقہ ہے اس پر مغرب کی طرف کٹک سے اور نواب وزیر اودھ کے شمالی علاقے سے حملہ ہو سکتا ہے۔ نواب وزیر اودھ کے متعلق اس مقام پر میں صرف اسقدر بیان کئے دیتا ہوں کہ اُس کے موجودہ نظم و نسق کے علی حالہ جاری رہنے کی صورت میں ہمیں اُس کی فوج سے کوئی موثر امداد ملنے کی توقع نہیں ہو سکتی ہے اور اُس کے ممالک محروسہ میں ہمارے دوستوں سے کہیں زیادہ ہمارے دشمن موجود ہیں اور اوسکی ریاست اور ریاست کے قرب و جوار میں بیشمار بہادر اور حاجت مند قسمت آزما

لوگ آباد ہیں اور وہ مال غنیمت کی توقع پر فوراً اٹھنے مرنے پر مستعد ہو سکتے ہیں۔

سلطان ٹیپو کے کیرکٹر کو تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس کا خاص اصول طمع ہے اور وہ کسی کا دوست نہیں ہے۔ ہمیں اپنے تجربہ سے اوس کے اوصاف اور اس کی قابلیت معلوم ہو گئی ہے اس کے یہاں معتمد اور مشیر موجود ہیں لیکن وہ اسکے وزیر نہیں ہیں اور وہ اپنی سلطنت کے جزوی معاملات تک کا معائنہ نگرانی اور اہتمام خود کرتا ہے اور اپنے وقار اور رعب و داب کو بلا کسی نمائش کے برقرار رکھتا ہے اس کی سلطنت کے کاشتکار بالکل مامون و محفوظ ہیں اور اُن کی جفاکشی کی وہ داد اور صلہ دیتا ہے۔ گذشتہ جنگ سے پیشتر اس خبر کو بہت کچھ شہرت دی گئی کہ اس نے ملابار میں اپنی رعایا پر بہت کچھ زیادتیاں اور مظالم کئے ہیں یہ خبر بے بنیاد نہیں تھی لیکن اس خیال سے اس کے مظالم کی داستانوں میں بہت کچھ مبالغہ آمیزی بھی معلوم ہوتی ہے کہ دوران جنگ میں اسکی سلطنت کے کسی معزز اور با اثر شخص نے اس سے روگردانی نہیں کی۔ وہ اسقدر متعصب بھی نہیں جسقدر کہ اُسے بتایا جاتا ہے تاہم ہمیں معلوم ہے کہ اس میں مذہبی جوش بہت زیادہ ہے اور اپنی طمع کے لئے اوہ نئے نئے کام سوچتا رہتا ہے۔

61

جنگ و جدال ختم ہونیکے بعد سے اس نے شرائط معاہدہ کی نہایت وفاداری اور دیانت داری کے ساتھ پابندی کی ہے اور اس وقت سے وہ کفایت شعاری سے کام لیکر اپنی مالی حالت کی درستی اور ملک کے اندرونی انتظام کی اصلاح کر رہا ہے اور وہ سرنگا پٹم کی درستی اور استحکام میں مصروف ہے اس کے کسی فعل سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ ہمارا یا اتحادیوں کا مخالف ہے لیکن ہمیں اطلاع ملی ہے کہ وہ فرمانروائے دکن کے بے حد خلاف ہے۔

اسکی ظاہرہ پالیسی یہ ہے کہ اس وقت تک خموش رہنا چاہیئے جب تک کہ ایسے واقعات رونما نہ ہوں جن سے اتحادیوں میں پھوٹ پڑ جائے اور یہ موقع ملنے پر اگر ممکن ہو تو اُن کے اختلافات کو اور بڑھانا چاہیئے۔

اگر اتحاد ثلاثہ نظام کی عملداری کا محافظ نہ ہوتا تو غالباً حیدر آباد کے نظم و نسق کی کمزوری دیکھکر ٹیپو سلطان اپنی ناراضگی اور طمع کو پورا کرنے کی کوشش کرتا لیکن یہ امر یقیناً آپکے پیش نظر ہے کہ میری طمع کی سخت مزاحم برطانیہ کی قوت ہے اس لئے میں عرض کرتا ہوں کہ جن تین سلطنتوں کا میں حوالہ دے چکا ہوں ان میں سے سرکار نظام کی امداد ہمیں ہرگز اس لایق نہیں بنا سکتی ہے کہ ہم ہندوستان میں قوتوں کا توازن قایم اور برقرار رکھ سکیں۔ ٹیپو سلطان بہ نسبت مرہٹوں کے زیادہ طماع اور حریص ہے اور اس کی محرک قوتیں ان کے مقابلے میں زیادہ زبردست ہیں۔ اس لئے مرہٹوں کے ساتھ ہماری دوستی ہمارے حق میں بہت کچھ اہمیت رکھتی ہے۔ مرہٹوں کی اعانت سے ہم ٹیپو اور ہر ایک دیگر یورپین سلطنت کا مقابلہ کر سکتے ہیں اور ٹیپو سے ہمیں یہ بھی امید نہیں کہ وہ ہمیں مدد دیگا یا کم از کم غیر جانب دار رہے گا۔ مرہٹوں سے ہماری جنگ ہونیکی صورت میں شمالی راجاؤں اور سکھ سرداروں کی دوستی غالباً ہمارے حق میں زیادہ سودمند ثابت ہوگی لیکن ان کے ساتھ کسی قسم کا مدافعانہ یا جارحانہ معاہدہ کرنیکی صلاح میں ہرگز نہ دونگا کیونکہ ضرورت کے وقت اُن کی دوستی سے ہمیں نفع سے کہیں زیادہ نقصانات برداشت کرنے پڑیں گے۔ اسلئے میری رائے میں یہی مناسب ہے کہ بروقت ضرورت اُن سے اتحاد کر لیا جائے اور اپنی شیریں کلامی اور خوش اخلاقی سے اس رابطۂ اتحاد کو بڑھایا جائے۔ ہماری خط و کتابت شمالی راجاؤں سے مسلسل اور بعض سکھ سرداروں سے گاہے ماہے ہوتی ہے۔

۶۲

ان عام خیالات سے غالباً اس مسئلے کے متعلق رائے قایم کرنے میں مدد ملے گی جو سر دست محض قیاسات پر مبنی ہے اور اگر مجلس نظماء میری رائے کے نتیجہ سے اتفاق کرے گی تو وہ میرے اس خیال کی موئید ہوگی کہ ہندوستان میں ہمیں کسی جنگ سے سابقہ پڑنا سر دست ناممکنات سے ہے۔ لیکن مرہٹوں اور نواب نظام الملک کے مابین جنگ ہونے کا نتیجہ چونکہ یقینی نہیں ہے کہ کیا ہو اور یورپ کی حالت نازک ہے اور چونکہ فرانسیسی اپنی امکانی جد و جہد میں مصروف ہیں اس لئے ہمیں یہ بات تو ضرور ماننی پڑے گی کہ اس قسم کی ضرورت لاحق ہونے کے امکان کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمیں تیار رہنا چاہئے اور یہ ابتدائی ضرورت ہمیشہ درپیش رہے گی اگرچہ ہماری تیاریوں میں کمی بیشی واقعات کے لحاظ سے کی جائے گی۔ میں ساحل کارومنڈل کے متعلق بھی چند تجاویز اس سلسلے میں مجلس نظما کے روبرو ضرور پیش کر دیتا اگر فورٹ سنیٹ جارج کے صدر نے اپنے مراسلہ مورخہ ۱۸۔ دسمبر میں مجھے یہ اطلاع نہ دی ہوتی کہ ہم لوگوں نے ان ہی وجوہ سے سرحد ساحل کے سامان رسد کی فہرست طلب کی ہے اور ہمیشہ اُن کی یہی ہدایت رہتی ہے کہ سامان رسد کا کافی ذخیرہ اور فوجی ساز و سامان ہر وقت درست رہے تاکہ خفیف مہلت ملنے پر بھی ہم جنگی کارروائی کر سکیں۔

ان تدابیر کو میں نے بھی پسند کیا اور غالباً مجلس نظما کو میری زبانی گفتگو یاد ہوگی۔

ہمیں بنگال میں فوری ضروریات جنگ کے لئے بہت کم کارروائی کرنی باقی ہے۔ بہت عرصہ ہوا کہ سپہ سالار اعظم نے ایک بڑی خرابی یہ محسوس کی تھی کہ اس وقت بہت سے مستقل ملازمان فوج کی جماعتیں سول کاموں کے لئے متعین کر دی گئی تھیں۔ منتشر فوج میں اگرچہ کسی خاص ضابطہ کو جاری کرنا ناممکن ہے اسی کے ساتھ صوبۂ بنگال سے بجز کلکتہ کے چند روز کے اندر بہت سی فوج بھرتی کر لینا بھی سخت دشوار ہے

۶۳

اور اپنی رعایا کی اطاعت شعاری۔ بزدلی اور وفا کیشی کا ہمیں کیسا ہی بھروسہ کیوں نہ ہو لیکن بغاوت رفع کرنے کے لئے ہمیں ہمیشہ تیار اور مستعد رہنا چاہئیے۔

سپہ سالار اعظم کی زبانی یا تحریری تجویز پر ان کی بتائی ہوئی خرابی کو رفع کرنے کا بند و بست کرنے کی غرض سے کچھ مواد طلب کیا گیا تھا اور یہ مواد غالباً صوبہ بنگال میں اون کے واپس آنے تک فراہم ہو جا[ئے گا] اور پھر اُس وقت اس کے متعلق ضروری انتظامات کرنے کے لئے ہمیں سپہ سالار موصوف کی قابل قدر اعانت اور مشورت حاصل ہو جائے گی۔

لیکن جب ہم ہندوستان میں اپنی حالت پر غائر نظر ڈالتے ہیں اور ہندوستان کی مختلف حکومتوں کی حکمت عملی۔ نوعیت۔ قوت اور حرص و ہوس کو دیکھتے ہیں اور اُن کے اس تنفر کو پیش نظر رکھتے ہیں جو ان سب کو ہمارے مذہب اور عادات اور اطوار سے ہے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ خواہ جنگ سے گریز کرنے کے لئے ہم کیسی ہی تدبیر کیوں نہ کریں لیکن ہمیشہ امن قائم رہنا قطعی ناممکن ہے اور اگر اپنے پڑوسیوں کے حملے کی مدافعت میں ہم خفیف سی کمزوری بھی ظاہر کرینگے تو فوراً اس کے مضر نتائج اور اثرات ہمیں محسوس ہو جائیں گے اور ان ہی وجوہ سے ہمیں فوری ضرورت سے زیادہ تیاری رکھنی چاہئیے۔ ہمیں اپنے تجربہ سے معلوم ہے کہ اہل ہند فن جنگ میں ترقی کر رہے ہیں اور اُن کے ساتھ ہر ایک نئی جنگ کرنے میں ہمیں بیحد جانفشانی اور زبردست قوت صرف کرنی پڑتی ہے اور اس کے ساتھ یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ ان صوبجات کی حفاظت کے علاوہ ہمیں کمپنی کے دیگر مقبوضات کو بھی فوجی امداد دینی پڑے گی اگر اُن پر کسی کا حملہ ہوگا۔

ہمارا فوجی محکمہ قائم ہوئے نو سال گذرے ہیں اور اس دوران میں ایک ایسی جنگ میں ہم مصروف رہے جس کے لئے تینوں صوبوں کی متحدہ قوت صرف کرنی پڑی اور اس کا تذکرہ ہی فضول ہے کہ مرہٹوں

۶۴

اور نظام دکن سے اتحاد کرنے کے باوجود صرف اپنے افسروں کی اعلیٰ فوجی اور سیاسی قابلیت ہی سے ہم اس جنگ میں خوش قسمتی سے کامیاب ہوگئے۔ علاوہ بریں ہمیں یہ ناقابل انکار اصول مان لینا چاہئے کہ نہایت دانشمندانہ اور نہایت کفایت شعارانہ انتظام بھی یہی ہے کہ ہم اپنی فوجی قوت سے جو ہر وقت اعلیٰ پیمانے پر کام دے سکتی ہو اپنے پڑوسی فرماں رواؤں کے ملکوں میں امن قائم رکھیں۔

اس لئے ان ہی وجوہ کی بنا پر میں یہ تجویز پیش کرتا ہوں کہ جناب سپہ سالار اعظم سے درخواست کی جائے کہ وہ اس حکومت کی فوجی تنظیم پر غور کرکے اپنی رائے سے مطلع فرمائیں کہ آیا وہ اس سلطنت کی حفاظت اور استحکام کے لئے کافی وشافی ہے یا کل فوج یا اس کے کسی خاص حصہ میں اضافہ یا اس کی تنظیم میں اصلاح یا ترمیم کی ضرورت ہے اور اس کے متعلق جو تجاویز مناسب تصور کریں پیش کریں۔

قانون پارلیمنٹ میں جنگ کی ممانعت سے متعلق جو دفعہ درج ہے اس کی حرف بہ حرف سختی سے پابندی کرنے کی میری ہمیشہ نیت رہی ہے لیکن اس بحث میں ایک سوال اسی دفعہ سے پیدا ہوتا ہے جس کو میں اب بیان کردینا مناسب سمجھتا ہوں اس دفعہ کی تمہید میں یہ درج ہے کہ ہندوستان میں فتوح کے تجاویز پر عملدرآمد کرنا یا توسیع مملکت کرنا حکومت انگلستان کی خواہش، وقار اور پالیسی کے خلاف قرار دیا جاتا ہے۔ اس لئے یہ دفعہ اعلان جنگ یا خود لڑائی شروع کرنے کی ممانعت سے متعلق ہے اور حسب ذیل صورت اس سے مستثنےٰ ہے کہ جب برطانیہ یا اس کے ماتحت فرماں رواؤں یا ریاستوں سے جنکی حفاظت کی ذمہ داری کمپنی نے معاہدات کی رو سے قبول کرلی ہے جنگ کیجائے یا ان کے خلاف جنگ کی تیاریاں شروع ہوگئی ہوں یا آئندہ جنگی ایسی صورت میں حفاظت یا مدافعت کی ذمہ داری معاہدات کی رو سے کمپنی پر عائد ہو۔ اگر ٹیپو کے خلاف نظام اور مرہٹوں کے ضمانتی معاہدہ کی توضیح کو

٦٥

مان لیا جائے تو اس دفعہ کی لفظی ساخت سے اس بات کا قطعی فیصلہ ہو جاتا ہے کہ بلا مرہٹوں کے اشتراک عمل کے ہمیں ٹیپو کے خلاف کسی قسم کی دست اندازی نہیں کرنی چاہیئے اور واقعات اس قسم کے ہیں کہ متذکرہ بالا وجوہ سے مصلحت بھی اس کی مقتضی ہے لیکن اپنی مملکت کو فتوحات کے ذریعہ سے توسیع دینے کے بدون اب یہ واقعہ پیش آنا بھی ممکنات سے ہے کہ جب ہندوستان کی ریاستوں میں جنگ ہو اور انگریزی مقبوضات کے تحفظ کی خاطر ہم ایک ریاست کا دوسرے کے خلاف ساتھ دیں اور پھر جنگ کا خطرہ یقینی طور پر اپنے ذمہ لیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسی صورت میں کہ کسی معاہدہ کی رو سے ہم پر اس ریاست کی امداد اور حفاظت لازم نہیں آتی ہے لیکن اس کی اعانت کرنا قرین مصلحت ہے تو ہم اسے امداد دینے میں حق بجانب ہونگے یا نہیں
میری رائے میں یہ مسئلہ اراکین مجلس نظما کی خدمت میں پیش ہونا چاہیئے۔

۶۶ اس یادداشت کے اس خاص مسئلہ پر خصوصیت کے ساتھ انہیں توجہ دلانی چاہیئے اور میری یہ رائے انھیں بتادی جائے کہ غالباً اس قسم کے فیصلے کی ہمیں ضرورت نہیں پیش آئے گی تاہم ان کی ہدایات حاصل کر لینی چاہئیں تاکہ اگر آئندہ اس قسم کا کوئی واقعہ پیش آئے تو ہم ان سے رہبری حاصل کر سکیں۔

دستخط جے شور مورخہ ۸ار فروری ۱۷۹۵ء

ضمیمہ (۳)

یادداشت نوشتۂ لارڈ ویلزلی

از فورٹ ولیم مورخہ ۱۲ اگست ۱۷۹۸ء

جزیرۂ فرانس کے گورنر جنرل نے سفراء ٹیپو سلطان کے قیام کے دوران میں ایک اعلان شائع کیا تھا اس کی ایک معتبر کاپی میں نے مجلس نظماء کی خدمت میں ارسال کر کے مطلع کیا کہ ٹیپو سلطان اور فرانس کی متحدہ کوششوں کو ناکام بنانے کے لئے میں مشرح طور پر ایسی تجاویز تیار کروں گا جو میرے نزدیک نہایت موزوں اور مناسب ہوں گی چنانچہ میں نے اپنی تجاویز مجلس نظماء کی خدمت میں پیش کردی ہیں اور اس میں بہت سی تجاویز ہمارے اصول اور مقصد سے تعلق رکھتی ہیں اور اب میں پوری توجہ اور سرگرمی کے ساتھ ان تجاویز پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرونگا۔ اگر اس واقعہ کو پیش نظر رکھا جائے کہ میں نے یہاں کی حکومت کا جائزہ ۱۸ مئی تک نہیں لیا تھا اور فرانس کے اعلان کی اطلاع اس صوبے میں ۸ جون تک نہیں موصول ہوئی تھی اور ۱۸ جون تک اسکی تصدیق بھی نہ ہونے پائی تھی تو غالباً یہ معلوم ہو جائے گا کہ میں نے مناسب وقت نہایت احتیاط کے ساتھ

کارروائی کی اور اس کے متعلق جسقدر بھی اہم مسائل تھے اُن پر غور و خوض کرکے اپنی رائے قائم کی اگرچہ میری موجودہ تجاویز میں سے چند تجاویز ہماری حکومت کی مراسلات بنام حکومت فورٹ سینٹ جارج و بمبئی و رزیڈنٹ صاحبان متعینۂ پونا و حیدرآباد میں موجود ہیں لیکن اب میں نے جو نظام عمل تجویز کیا ہے اس کے متعلق واقعات کی خصوصیت کا بیان کردینا غالباً سود مند ثابت ہوگا اس لئے میرا ارادہ ہے کہ میں تفصیل اور تشریح کے ساتھ اُن اصولوں کو بیان کردوں جن پر کہ میرا مجوزہ نظام عمل مبنی ہے اور وہ طریقے بتادوں جن سے کہ اس پر عملدرآمد کیا جائے گا اور وہ اغراض و مقاصد ظاہر کردوں جن کو اپنے مجوزہ نظام عمل کی کامیابی اور استحکام سے ہم حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ میں اپنے گذشتہ طرز عمل کے متعلق بلا کم و بیش اور بلا تکلف اُن جملہ خیالات کو ظاہر کئے دیتا ہوں جو اس نازک اور اہم مسئلہ پر غور و خوض کرنیکے دوران میں میرے دل میں پیدا ہوئے ہیں اور اب میں بلا تصنع ظاہر کئے دیتا ہوں کہ میری رائے نے کیسے کیسے پلٹے کھائے اور اس قسم کے ہر ایک واقعہ کو بیان کئے دیتا ہوں جس میں کہ اپنی مستقل رائے کو میں نے نہایت افسوس اور بے دلی کے ساتھ عملی مشکلات کی ضرورت محسوس کرکے ترک کردیا۔ اور مجھے اس حقیقت سے بھی انکار نہیں ہے کہ میں نے بالآخر وہ راستہ اختیار کیا ہے جو ایک ایسی راہ کے حدود سے بالکل باہر ہے جسے اپنے فرض منصبی و تیر کٹر حکمت عملی اور معدلت گستری کے صریح اور واضح اصولوں و کمپنی کے مسلمہ حقوق و فوائد اور ہندوستان میں برطانیہ کے نام کے وقار کی خاطر مجھے اختیار کرنا چاہیئے تھا اگر ہماری ترقی کے مواقعات لا ینحل نہ ہوتے۔

میرے دل میں جو مختلف خیالات موجزن ہوئے انھیں حسب ذیل سلسلے سے بیان کیا جاسکتا ہے۔

اولاً ٹیپو سلطان کی موجودہ کارروائیوں کی نوعیت
دوسرے کمپنی کے حقوق و مفاد اور میرے فرض منصبی کے اصول

جو ان کارروائیوں سے پیدا ہوتے ہیں۔

تیسرے وہ واقعات جن سے ان حقوق کے متعلق عملی کارروائی ملتوی یا محدود ہو سکتی ہے ان حقوق کو فوراً مکمل صورت میں حاصل کرنا اور اپنے اس فرض منصبی کو قابل اطمینان طریقہ پر انجام دینا

چوتھے۔ درمیانی احتیاطی کارروائیاں جو زیادہ موثر تدابیر کو ملتوی رکھنے کے دوران میں اختیار کی جائیں۔ اور وہ حفاظتی تدابیر جو حقیقی خطرہ کے دوبارہ رونما نہ ہونے کے واسطے عمل میں لائی جائیں۔

۱۹

پہلی بات کے لئے اعلان مشتہرہ جزیرۂ فرانس اور اس غیر معمولی اشتہار کے جملہ ضمنی واقعات کو بغور معائنہ کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی یہ اعلان اولاً ۸ جون کو کلکتہ کے اخباروں میں نمودار ہوا تھا اولاً تو مجھے اس اعلان کی صداقت ہی میں بہت کچھ شک ہوا کیونکہ یہ امر نا قابل اعتبار معلوم ہوتا ہے کہ اگر فی الحقیقت فرانسیسیوں کا ارادہ ٹیپو کو مدد دینے کا ہوتا تو وہ علانیہ طور پر اپنے اس ارادہ کی اشاعت کر دیتے۔ کیونکہ اس اعلان سے بظاہر کوئی فائدہ بجز اس کے نہیں معلوم ہو سکتا کہ ان کی تجویز ابتدائی منزل ہی میں حکومت انگلستان اور حکومت ہند پر ظاہر ہو جائے اور ہم دونوں کو بروقت اور موثر مقابلہ کرنے کا موقع مل جائے اور اس کا بھی امکان نہیں معلوم ہوتا کہ ٹیپو کی پوشیدہ غرض خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو وہ اپنی مخاصمت کو ایسے علانیہ طور پر ظاہر کرنے کا خطرہ مول لے لیتا بہر حال بحالت موجودہ میں نے یہی مناسب تصور کیا کہ اپنے خط مورخہ ۹ جون کے ہمراہ اس اعلان کی ایک کاپی فورٹ سینٹ جارج کے گورنر کے پاس روانہ کر دی اور اسے ہدایت کر دی کہ اگر یہ اعلان صحیح ثابت ہو تو ہماری حکومت کو چاہیئے کہ نہایت سختی کے ساتھ ٹیپو سلطان کو فہمائش کی جائے اگرچہ اس فہمائش کا نتیجہ مبہم ہے۔ اور میں نے اپنے اس مراسلہ میں گورنر موصوف کو یہ بھی ہدایت کی کہ اگر بدقسمتی سے ضرورت لاحق ہو تو آپ ساحل پر ایک زبردست فوج جمع کرنے کے وسائل بہم پہونچانے کی طرف توجہ فرمائیں۔

اور ڈمیکارٹنی اور سر ہیو کرسچین (Sir Hugh Christian) کے مراسلہ مورخہ ۱۸ مارچ سے جو مجھے ۱۸ جون کو ملے اس اعلان کی باضابطہ تصدیق ہوگئی اس لئے اب اس میں شبہ نہیں رہا کہ جزیرۂ فرانس کے گورنر جنرل نے فی الحقیقت یہ اعلان شائع کیا ہے۔

لیکن اب یہ سوال باقی رہ گیا کہ آیا یہ کارروائی ٹیپو کی منظوری سے ہوئی یا نہیں اور کیا اس اعلان کی اشاعت سے حکومت فرانس کی کوئی اپنی خاص غرض ہے جس کا کوئی تعلق ٹیپو کے حقوق و فوائد سے نہیں اور اس لئے اس کی منظوری حاصل کرنے کی بھی کوئی حاجت نہ تھی۔ جزیرۂ فرانس کی سلطنت کے جو حالات مجھے موصول ہوئے ان سے مجھے یہ خیال ہو گیا کہ اس اعلان سے ایم ملارٹیق (M. Malartique) کا مقصد ٹیپو کو معقول امداد دینے کے بجائے فرانس کی موجودہ حکومت کے حامیوں سے اپنے جزیرہ کو صاف کر دینے کا ہو۔ ایک شہادت کی شرح تحقیقات کرنے سے معلوم ہوا کہ جو جہاز فرانس کی گذشتہ بغاوت اور جزیرۂ فرانس دبوربن کے متعلق سخت مجوزہ تدابیر کی خبریں سب سے پہلے لیکر گیا تھا اور جن کے باعث بندرگاہ نورڈ اویسٹ (Port Nord Ouest) میں غدر ہو گیا اور اس کی پاداش میں فراری قومی رسالے شہر بدر کر دئے گئے وہ جہاز جزیرہ فرانس میں اس وقت پہونچا جبکہ ٹیپو کے سفراء منگلور جانے کے لئے وہاں سے روانہ ہو گئے تھے اس لئے جس امداد کا ٹیپو سلطان سے وعدہ کیا گیا ہے اس کا کوئی تعلق جزیرۂ فرانس کی حال کی بغاوت سے نہیں ہے بہرحال مجھے اس بات کا اندیشہ نہیں ہے کہ جب تک جزیرۂ فرانس میں دوبارہ شورش برپا نہ ہو ٹیپو کو وہاں سے کوئی معقول امداد مل سکتی ہے لیکن اس معاملے میں مانشیور ملارٹیق کے اغراض خواہ کچھ کیوں نہ ہوں لیکن سلطان ٹیپو کا مقصد نہایت صاف اور واضح تھا اگرچہ ہماری خوش قسمتی سے اسے اپنی تجویز میں ابھی تک پوری کامیابی حاصل نہیں ہوئی ہے اور ٹیپو کی تجویز کی غرض کے متعلق بہترین شہادت سے مجھے نہایت کافی و شافی ثبوت مل گیا ہے اولاً اس امید کے خطوط کے عام مضامین اور اس

معاملے کے متعلق ہر ایک سرکاری اطلاع سے بھی ظاہر ہوا کہ یہ ایک مسلمہ واقعہ ہے کہ ٹیپو نے اپنے دو سفیر جزیرہ فرانس کو روانہ کئے اور اعلان زیر بحث ان کے پہونچنے کے بعد ان کے وہاں کے قیام کے دوران میں شایع کیا گیا۔ یہ واقعات بلا کسی مزید ثبوت کے یہ رائے قائم کرنے کے لئے غالباً کافی ہیں کہ یہ اعلان ٹیپو کے حاضر الوقت سفیروں کے علم اور تائید سے سفارت کے اغراض مشتہر کرنے کے واسطے مرتب کیا گیا تھا اور ان سفیروں نے اپنے بادشاہ کی ہدایت کے بموجب مراسلت کی ہو گی کیونکہ مدافعانہ اور جارحانہ معاہدہ کرنے جیسے اہم مسئلہ میں وہ بادشاہ کے احکام سے سر مو تجاوز نہیں کر سکتے تھے۔ میں نے ان سفیروں کے خیر مقدم کے متعلقہ واقعات۔ اعلان کی اشاعت اور سفیروں کے طرز عمل کی بابتہ نہایت مستند معلومات ہم پہونچانے کے واسطے جزیرہ فرانس کے چند نہایت معزز و معتبر حضرات کا حلفیہ بیان لیا جو سفیروں کے بندرگاہ نورڈ اویسٹ کے قیام کے دوران میں بہ نفس نفیس جزیرہ فرانس میں موجود تھے ان اصحاب کی شہادت سے دیگر مقامات سے آئی ہوئی خبروں کی تصدیق ہو گئی اور اس طور پر مجھے اس سارے معاملہ کا صحیح حال معلوم ہو گیا۔

ٹیپو سلطان نے دو سفیر بھیجے تھے جو منگلور سے جہاز میں سوار ہو کر جنوری ۱۷۹۸ء میں بمقام جزیرۂ فرانس جا پہونچے۔ اور انھوں نے بندرگاہ نورڈ اویسٹ میں داخل ہوتے ہی ٹیپو کا جھنڈا بلند کر دیا ان کا نہایت اعزاز اور احترام کے ساتھ سرکاری طور پر خیر مقدم کیا گیا اور اپنے قیام کے دوران میں وہ سرکاری مہمان رہے۔ اس جزیرہ میں ان سفیروں کی آمد سے پیشتر اس قسم کی کوئی افواہ مشہور نہ تھی کہ ٹیپو کو فرانسیسی امداد ملے گی یا ٹیپو اور کمپنی کے درمیان کوئی جنگ ہونے کا اندیشہ ہے۔

ان سفیروں کی آمد کے اگلے روز اعلان کے مضمون کے مشابہ ایک اشتہار شایع کیا گیا اور اس کے بعد فوراً ہی وہ اشتہار نمایاں مقامات چسپاں کیا گیا اور سارے شہر میں تقسیم کیا گیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ان میں سے

ایک سفیر فرانسیسی زبان سے واقف تھا۔ سفیروں کے ہمراہ منگلور سے ایک اور شخص آیا تھا جو ترکی لباس پہنے تھا اور انگریزی و فرانسیسی زبان نہایت صحت اور روانی کے ساتھ بولتا تھا اور جو نہایت ذہین اور اعلیٰ تعلیم یافتہ تھا اور ہندوستان کی مختلف زبانوں میں اسے بہت کچھ دستگاہ حاصل تھی۔ اس شخص کو بمبئی میں عبداللہ۔ سورت میں ڈرویک (Derwick) کہتے تھے اور جزیرۂ فرانس میں اس نے اپنا نام طلماس ظاہر کیا اور اسی نام سے وہ بنگال میں کئی سال تک رہا۔ ان سفیروں نے اعلان کے مضمون یا طرزِ تحریر سے کسی قسم کا اختلاف نہیں کیا بلکہ انھوں نے بلاتکلف اس مضمون کا اقبال کرلیا جو اعلان میں انگریزی مقبوضات ہند پر حملہ کرنے کے متعلق درج ہے انھوں نے اس بات کی بھی تائید کی کہ وہ اعلان سرکاری طور پر تقسیم کیا جائے طلماس نے ان کے مکان پر جو گفتگو کی اگرچہ وہ نہایت محتاط اور مبہم تھی تاہم اس کا مضمون بھی ان سفیروں کی گفتگو کے مطابق تھا۔ ان واقعات کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ سارے جزیرہ میں عام طور پر یہ خبر مشہور ہوگئی کہ ٹیپو بہت جلد ہندوستان میں برطانی مقبوضات پر حملہ کرنے والا ہے اس خبر نے اسقدر شہرت پکڑی کہ جن اشخاص نے ہمیں اس کی اطلاع دی یا اس زمانہ میں جو لوگ کہ جزیرۂ فرانس سے ہندوستان میں تشریف لائے انھیں اس امر کی پوری توقع تھی کہ وہ ہمیں ٹیپو سے برسرِ جنگ دیکھیں گے لیکن ان سب نے متفقہ طور پر یہ رائے ظاہر کی کہ اس جزیرہ میں ٹیپو کی اس دیدہ دلیری کا عام طور پر مضحکہ اڑایا گیا ہے۔ ٹیپو کے سفیر اس وقت جزیرہ میں موجود تھے جب فرانسیسی حکومت نے اعلان زیرِ بحث کے بموجب عملی کارروائی کرنی شروع کی۔ اور ان سفیروں نے ٹیپو کی جانب سے وعدے کرکے لوگوں کو فوج میں بھرتی ہونے کے لئے ترغیب و تحریص دینے میں حکومت فرانس (۴۳) کی اعانت کی) اور انھوں نے یہ تجویز پیش کی کہ جہاں تک میسر آسکیں لوگ بھرتی کرلئے جائیں چونکہ فوجی بھرتی کی تعداد کے متعلق انھیں غیر محدود اختیار حاصل ہے۔

اعلان میں فوجی بھرتی کے جو اغراض اور شرائط تھے ان کے بموجب ٹیپو کی ملازمت کے لئے سفیروں کو ایک سو افسران اور ۵۰ سپاہی بھرتی کرنے میں مدد دی گئی از آں جملہ صرف معدودے چند افسران تجربہ کار یا قابل اشخاص ہیں اور سپاہی اس جزیرہ کے نہایت کمین اور رذیل اشخاص تھے ان میں سے بعض تو رضاکار تھے اور بعض جیل خانہ سے نکال کر جہاز پر سوار کر دئے گئے تھے اور چند کافر اور دوغلے تھے۔ اس جدید فوج کے لئے سفیروں نے ٹیپو کے نام سے شرائط اور معاہدے کئے۔

سفراء مع اس نئی فوج کے ، ۷ مارچ ۱۷۹۸ء کو لاپرنیوز نامی جہاز پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے اور انھوں نے علانیہ طور پر بیان کر دیا کہ ہم مزید فوج بھرتی کرنے کی امید میں فی الحال جزیرۂ بوربن کو جارہے ہیں اس لئے وہ اعلان جزیرۂ فرانس میں سفیروں کی آمد پر مرتب ہوا ان کے کارندوں نے اُسے تقسیم کیا اور انھوں نے اپنے ہر ایک سرکاری بیان میں اسکی تصدیق وتوثیق کی اور آخر کار ان کی اعانت اور اشتراک عمل سے اس پر عملدرآمد ہوا۔

اس اعلان ہی سے سفیروں کی تائید و تصدیق بخوبی ثابت ہے۔ اس میں حسب ذیل واقعات درج ہیں۔

"کہ ٹیپو سلطان نے اپنے دو سفیروں کو جزیرۂ فرانس میں بھیجکر ان کی معرفت جزیرۂ فرانس کی مجلس منتظمہ وہاں کے جملہ فوجی جنرل اور فرانس کی مجلس انتظامیہ کے نام خطوط روانہ کئے جن میں حسب ذیل تجاویز پیش کی گئی تھیں۔

"اول۔ یہ کہ ما بدولت فرانس کے ساتھ مدافعانہ اور جارحانہ معاہدہ کرنا چاہتے ہیں اور ہندوستان میں لڑائی رہنے کے دوران میں ہم اُس فوج کی کل تنخواہ ادا کریں گے جو فرانس ہمارے لئے فراہم کرے گا (بعض خاص قسم کے سامان کے علاوہ) ہم جنگ کے متعلق انھیں جملہ ضروری سامان دیں گے۔

دوسرے۔ یہ کہ ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہماری ساری تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں اور چونکہ یورپین ہندوستانی سلطنتوں سے جنگ کرنے کے

(۲۴۳

خوگر ہیں اس لئے آپ کے مرسلہ جنرلوں اور افسران کو ایسی جملہ اشیاء تیار ملیں گی جن کی اس جنگ میں ضرورت پڑے گی۔

تیسرے یہ کہ انگریزوں کو اعلان جنگ دینے کے لئے ہم صرف فرانس کی امداد کے منتظر ہیں اور ہماری دلی تمنا ہے کہ انگریزوں کو ہندوستان سے نکال باہر کریں"۔

ان واقعات کی بنا پر اس اعلان میں ٹیپو کی ملازمت کے لئے عام بھرتی کی سفارش کی گئی تھی۔ اعلان کے آخر میں یہ یقین دلایا گیا تھا کہ "جو لوگ بھرتی ہوں گے انھیں نہایت معقول تنخواہ اور الاونس دیا جائے گا جس کا تعین سفیر صاحبان کر دیں گے اور وہ اپنے بادشاہ کی جانب سے یہ معاہدہ کریں گے کہ جو فرانسیسی ان کی فوج میں بھرتی ہوں گے وہ جس وقت اپنے وطن کو واپس جانے کی خواہش ظاہر کریں گے اس کے بعد وہ ہرگز وہاں پر نہ روکے جائیں گے"

اس اعلان کا صاف اور صریح یہی مقصد ہے کہ ٹیپو کے مرسلہ سفیروں کے ذریعہ سے اس جزیرہ کے باشندے ٹیپو کی تجاویز سے آگاہ ہو جائیں اس میں پوری تفصیل اور وضاحت کے ساتھ وہ تجاویز درج ہیں جنھیں سفیروں کی موجودگی میں ہرگز بیان نہ کیا جاتا اگر واقعات مندرجہ بالکل صحیح نہ ہوتے یا اگر بحکم ٹیپو سفیروں نے جو تجاویز تحریری کی تھیں وہ تجاویز مندرجۂ اعلان سے مختلف ہوتیں لیکن اعلان کے آخری فقرہ میں سفیروں کی کارروائی کے متعلق جو کچھ درج تھا اس سے اس سارے معاملے میں نہایت واضح طور پر ان کی سازش معلوم ہوتی ہے۔ (۷۵)
اس فقرہ میں سفیروں کے اختیارات واضح طور پر درج ہیں اور انھیں یہ بھی اختیار دیا گیا ہے کہ اعلان کی شرائط کے بموجب جو فرانسیسی رعایا فوج میں بھرتی ہونا چاہے ان کی تنخواہ اور عہدہ کے متعلق اپنے بادشاہ کی جانب سے وہ چند خاص شرائط طے کر لیں۔ جزیرۂ فرانس سے مجھے جو اطلاعیں موصول ہوئی ہیں ان سے اس واقعہ کی پورے طور پر تصدیق ہوتی

ہے کہ سفیروں نے اعلان کے اس جزو پر کھلم کھلا عملدرآمد کیا اور اعلان میں جو شرائط درج تھے اُن کے بموجب ٹیپو کے نام سے انھوں نے بھرتی شدہ سپاہیوں سے شرائط اور معاہدہ طے کیا۔

مانسیور ڈی بروس (Monsieur de Bruce) نے جو منگلور میں اب مصاحب خاص ہے اوس نے ہمارے ایک گواہ سے جس کا بیان لے لیا تھا وہ معاہدہ بیان کیا جو سفیروں اور اس کے درمیان طے ہوا تھا اور اس سے فرانس کی جدید بھرتی شدہ فوج کی امداد سے ٹیپو کا ارادہ فوراً کمپنی پر حملہ کرنے کا معلوم ہوتا تھا۔ اور یہ امر یقینی ہے کہ ٹیپو کی ملازمت کیواسطے بغیر اس قسم کے معاہدہ کے ایک رضاکار بھی جزیرۂ فرانس سے نہیں مل سکتا تھا جو شہادتیں کہ میں نے فراہم کی ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ سفیر جزیرۂ فرانس میں سپاہیوں کو پیشگی رقوم دینے کے لئے اپنے ساتھ کافی روپیہ نہیں لائے تھے اور یہ عذر پیش کیا گیا کہ انگریزی جنگی جہازوں کے اندیشہ سے وہ اس کام کے واسطے خزانہ لانے سے معذور رہے اور اس میں شک نہیں کہ اگر سفیر اپنے ہمراہ کافی روپیہ لاتے تو وہ زیادہ فوج بھرتی کر سکتے تھے کیونکہ انھوں نے صرف ٹیپو کے نام سے زبانی وعدوں پر ملازمت کرنے سے انکار کر دیا۔

سفراء اپنے ہمراہ جزیرہ فرانس سے بھرتی کی ہوئی فوج لیکر جہاز لاپرنیوز (La Preneuse) سے منگلور میں ساحل پر ۲۶ اپریل کو اتر آئے اس فوج کی تعداد کے متعلق بیانات میں بہت کچھ اختلاف ہے اور غالباً (۷۶) وہ دو سو سے زیادہ نہ تھے۔ ٹیپو نے اپنے سفیروں کی اس کارروائی کے کسی جزو کو بھی ناپسند نہیں کیا بلکہ اُن کا اور افسران و دیگر معزز اصحاب کا پورے اعزاز اور احترام کے ساتھ سرکاری طور پر خیر مقدم کیا۔ ٹیپو کا ایک سفیر بیچ اُن فرانسیسی سپاہیوں کے منگلور کے قلعہ میں کچھ عرصہ تک مقیم رہا اور سلطان نے جملہ افسروں اور سپاہیوں کو اپنی ملازمت میں لے لیا۔ اسلئے جزیرۂ فرانس میں سفیروں کی کارروائی اور اپنی فراہم کی ہوئی فوج کے

ساتھ ان کی منگلور میں آمد اور ٹیپو سلطان کا اپنے سفیروں اور فرانسیسی سپاہیوں کا خیر مقدم کرنے سے میری رائے میں حسب ذیل لازمی نتائج برآمد ہوتے ہیں ـ

اول ـ یہ کہ ٹیپو سلطان نے جو سفیر حکومت جزیرۂ فرانس کی خدمت میں بھیجے تھے انھوں نے وہاں کی حکومت سے برطانیہ کے مقبوضات ہند کے خلاف مدافعانہ اور جارحانہ معاہدہ کرنے کی تجویز پیش کی اور اس قسم کا معاہدہ کرنا وہاں کی حکومت نے منظور کر لیا اور پھر سرکاری اعلان کے ذریعہ سے اس کی منظوری کی اشاعت کی گئی ـ

دوم ـ یہ کہ ٹیپو سلطان نے اپنے سفیروں کو فرانس کی مجلس انتظامیہ کے نام خطوط دیئے تھے جن میں یہی تجویز درج تھی چنانچہ سفیروں نے یہ خطوط جزیرۂ فرانس کے گورنر کی خدمت میں بغرض ترسیل فرانس پیش کر دئے ـ

سوم ـ یہ کہ سفیروں نے ٹیپو کے نام سے سرکاری طور پر یہ شہرت دی کہ فوری جنگ شروع کرنے کے لئے جملہ ضروری تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں اور سلطان کو کمپنی کے خلاف اعلان جنگ دینے میں صرف فرانسیسی مدد کا انتظار ہے اس کی دلی تمنا یہ ہے کہ انگریزوں کو ہندوستان سے نکال باہر (۷۷) کیا جائے ـ

چہارم ـ یہ کہ سفیروں نے فرانس سے غیر محدود فوجی امداد طلب کی اور نہایت واضح الفاظ میں ہندوستان میں برطانیہ کے خلاف فوراً جنگ شروع کرا دینے کی غرض سے جزیرۂ فرانس سے فوج بھرتی کی ـ

پنجم یہ کہ وہ فوج ٹیپو کے ملک میں فی الحقیقت داخل ہو گئی اور نہایت اعزاز کے ساتھ وہ سلطان کے یہاں ملازم ہو گئی اور سفیروں کا نہایت اعزاز و احترام کے ساتھ خیر مقدم کیا گیا ـ

ششم ـ یہ کہ سلطان نے سفیروں کو اعزاز عطا کیا جنھوں نے فرانس کے ساتھ مدافعانہ اور جارحانہ معاہدہ طے کیا ہے اور اس معاہدہ کے اغراض پورے کرنے کے لئے سفیروں نے جو فوج بھرتی کی اسے سلطان نے

اپنے یہاں نوکر رکھ لیا اور اس طرح سلطان نے بہ نفس نفیس اُن شرائط کی تصدیق و توثیق کردی جو جزیرۂ فرانس کے گورنر جنرل کے مشتہرہ اعلان میں درج تھیں اور اُس کے مشتہرہ اعلان کی شرائط پر سلطان نے عملدر آمد شروع کردیا ہے۔

ہفتم۔ یہ کہ جارحانہ معاہدہ کی رو سے ٹیپو سلطان کو فرانس سے جو فوجی مدد ملی ہے اگرچہ وہ ناقابلِ التفات ہے لیکن فرانسیسی اعلان کے مضمون حکومت فرانس سے غیر محدود فوجی امداد کی درخواست اور سفیروں کے اعلان نے ثابت کردیا ہے کہ ٹیپو کا یہ مقصد تھا کہ ہندوستان میں کمپنی کے خلاف جنگ شروع کرنے کے واسطے زیادہ سے زیادہ فوج نوکر رکھ لیجائے جو اُسے میسر آسکے ہمارے دشمن کے ساتھ جارحانہ اور مدافعانہ معاہدہ کرکے اور کمپنی کے مقبوضات پر حملہ کرنے کی غرض سے ہمارے دشمن کی اعانت سے فوج جمع کرکے اور اپنے سفیروں سے یہ مشتہر کرا کے کہ ہندوستان میں انگریزی سلطنت کا خاتمہ کرنے کی غرض سے اُس نے جنگی تیاریاں مکمل کرلی ہیں اور اس کا اعلان کرکے کہ وہ اب حملہ شروع کردینے کے انتظار میں ہے ٹیپو سلطان نے اُن معاہدوں کی خلاف ورزی کی ہے جو کمپنی کے اور اُس کے مابین بغرض صلح و دوستی قرار پائے تھے اور اس طرح اُس نے ہندوستان میں انگریزی حکومت کے خلاف کھلم کھلا عداوت اور دشمنی کی کارروائی کی ہے۔ (۶۸)

قبل اس کے کہ میں بین الاقوامی قانون کو ٹیپو سلطان کے گذشتہ رویہ پر استعمال کروں یہ مناسب معلوم ہوا کہ اس امر کی تحقیقات کی جائے کہ گذشتہ چند سال کے دوران میں کمپنی کا اُس کے ساتھ کیسا برتاؤ رہا ہے اور کیا کمپنی نے اُس کے ساتھ کوئی ایسی اشتعال انگیز کارروائی کی ہے جس سے اُسے اپنی ان کارروائیوں کے لئے عذر مل سکے یا وہ حق بجانب تصور ہوسکیں۔

سرنگاپٹم کا معاہدہ مرتب ہونے کے بعد سے ہندوستان کی انگریزی

حکومت نے ٹیپو سلطان کے ساتھ نہ صرف عدل و انصاف اور نیک نیتی کا
برتاؤ کیا ہے بلکہ ہر ممکن ذریعہ سے اُس کا اعتماد حاصل کرنے اور اس کے
منتقمانہ مزاج کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی ہے البتہ ہمارے مقبوضات واقع
ساحل ملابار اور اسکی ریاست کی جہاں پر سرحدیں ملتی ہیں ان کے متعلق
گاہے ماہے بعض اختلافات ضرور پیدا ہوئے ہیں لیکن انگریزی حکومت
ہند کے کاغذات سے بخوبی ثابت ہے کہ اُس نے ہر ایک متنازعہ یا مشکوک
مسئلہ کو صلح و آشتی کے ساتھ طے کرنے میں اپنی دلی تمنا ظاہر کی ہے
اور ٹیپو سلطان کے واجب حقوق کو تسلیم کرنے کے کمپنی نے ہمیشہ نہایت
صریح اور واضح ثبوت دئے ہیں اور کمپنی نے رشک و حسد کی ہر ایک
ایسی وجہ کو رفع کرنے کی کوشش کی ہے جس سے کہ نقض امن کا احتمال
ہو سکتا ہے ۔

ہندوستان میں کمپنی کے ملازمان ناقابل تسکین انتقامی جذبات
سے لاعلم نہیں رہے ہیں جو ٹیپو نے گزشتہ شکست کے بعد سے بغیر کسی
قسم کی کمی کے ظاہر کئے ہیں۔ سب لوگ اس بات کو بخوبی جانتے ہیں
کہ ٹیپو سلطان کا غصہ ہماری صلح جوئی یا کسی اور تدبیر سے ہرگز ٹھنڈا نہیں
ہو سکتا ہے البتہ اپنی گم شدہ قوت کو از سر نو حاصل کر لینے انگریزوں کی
فوجی قوت کی ذلت اور ہندوستان میں برطانیہ کے حقوق کی پائمالی
سے اس کا غصہ رفع ہو سکتا ہے اور اس کے ان خیالات کو دیکھکر ہم متوقع
تھے کہ وہ جب کبھی موقع پائے گا ہمارے مقبوضات پر حملہ کر بیٹھے گا۔
اگرچہ اُس نے ایسی احتیاط کے ساتھ دربار حیدرآباد و پونا کے ساتھ سازشیں
کیں اور زماں شاہ کے پاس سفارت بھیجی تھی کہ کسی قسم کی صریح مخالفت
ظاہر نہ ہو یہ واقعات اُسکی دلی مخاصمت کا بدیہی ثبوت ہیں لیکن ان واقعات
نے اُس کے ساتھ کمپنی کے ملازموں کے برتاؤ میں کوئی تبدیلی نہیں پیدا کی۔
چنانچہ ضلع ونیاد (Wynad) کے بارے میں سابق گورنر جنرل نے اس سے
جو مراسلت کی اور بمبئی سے جو مراسلے اُس کے پاس بھیجے گئے وہ اس مسئلہ کو

(۷۹)

ایمانداری کے ساتھ طے کرنے کی سچی خواہش کا بین ثبوت ہیں جن میں یہ فقرہ درج تھا کہ "معاہدہ سرنگاپٹم کی دفعہ ۶ کے بموجب فریقین کے علم اور رضامندی سے یہ معاملہ طے ہونا چاہئے" اور میں نے بنگال پہنچتے ہی ضلع کورگ کے ایک علاقہ پر ٹیپو کے دعوے کے متعلق ایک مراسلہ روانہ کیا ان معاملات کو دوستانہ طور پر طے کرلینا چاہیئے۔ اور اس کے ساتھ میری یہ اول مراسلت صلح جویانہ اسپرٹ کا بدیہی ثبوت ہے۔ اس نے باضابطہ اور باقاعدہ گفت وشنید کرنے سے پیشتر کورگ کی سرحد پر ایک فوجی دستہ متعین کرنے میں نہایت ناجائز عجلت سے کام لیا اور اس کے متعلق قدرے سخت کارروائی کرنے میں ہم حق بجانب ہوتے اس لئے ٹیپو سلطان ہرگز کوئی ایسا حیلہ نہیں پیش کرسکتا جس کی بناء پر اس نے اپنے گذشتہ عمل سے روگردانی کی ہے اس نے اس قسم کی کبھی کوئی شکایت نہیں پیش کی ہے بلکہ ہمیشہ کمپنی سے صلح و دوستی قائم رکھنے کی دلی خواہش ظاہر کی ہے۔ ٹیپو نے جو خط جزیرۂ فرانس سے اپنے سفیروں کی واپسی سے پیشتر سرجان شور کے نام تحریر کیا تھا اور جو فورٹ ولیم میں بتاریخ ۲۶ اپریل ۱۷۹۸ء (۸۰) موصول ہوا تھا (یہ وہی دن تھا جبکہ فرانسیسی فوج منگلور میں آپہنچی) اس مراسلہ میں ٹیپو نے صاف طور پر اس امر کا اعلان کیا تھا کہ میں صداقت اور انصاف کی دل سے قدر کرتا ہوں اور میں اتحاد اور دوستی کی ان بنیادوں کو مستحکم کرنا چاہتا ہوں جو دونوں سلطنتوں کے درمیان قائم ہوگئی ہیں" اور اس نے اپنی اس تمنا کا اظہار حسب ذیل الفاظ میں کیا ہے کہ "سرجان شور اس دوستی اور اتحاد کو لارڈ ما رننگٹن کے ذہن نشین کردیں جو ان دونوں سلطنتوں میں نہایت مستحکم طور پر قائم ہے"

ان الفاظ سے کسی قسم کی ناراضی یا مخاصمت نہیں ظاہر ہوتی ہے نہیں معلوم کہ ٹیپو کے دوستانہ دل میں یہ صلح جویانہ قول و قرار کس ارادہ سے موجزن ہوئے تھے اور صداقت و انصاف سے انکا کیا تعلق ہے اور ان سے کس طرح دوستی اور اتحاد کی بنیادیں مستحکم ہوسکتی ہیں اور کیسے

سلطان کی دوستی میرے دل نشین کی گئی۔ اب یہ سوالات کرنے ہی فضول ہیں کیونکہ اب معلوم ہو گیا ہے کہ یہ خطوط عین اس وقت تحریر کئے گئے تھے جبکہ ٹیپو اس فوجی امداد کا انتظار کر رہا تھا جو اس نے کمپنی کے مقبوضات پر حملہ کرنے کی غرض سے ہمارے دشمن سے طلب کی تھی۔

اس لئے ٹیپو کی صرف یہی غرض تھی جو اس نے ہمارے دشمن کے نام اپنے مراسلے میں ظاہر کی ہے اور جو اس کے سفیروں کی موجودگی میں شائع ہو گیا ہے اور جس کے الفاظ یہ تھے کہ "اس کی دلی تمنا انگریزوں کو ہندوستان سے نکال باہر کرنے کی ہے"

اس لئے ظن غالب یہی ہے کہ فرانس (جس کے قاصد اس کے پاس آگئے تھے) کے مشوروں اور مواعید سے اسے ایک ایسی تجویز پر تعجیل کے ساتھ عمل پیرا ہونے کی ترغیب و تحریص پیدا ہوئی جس میں فرانسیسیوں نے اس سے کچھ کم جوش، عداوت اور مخاصمت کا اظہار نہیں کیا چونکہ برطانیہ عظمیٰ کو ان مقبوضات سے زبردست فوائد حاصل ہیں ان کی اہمیت کو دیکھ کر حکومت فرانس کو ہندوستان میں ہماری سلطنت تباہ و برباد کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ (۸۱) ہندوستان میں ہمارے مقبوضات کی سرسبزی بدت دراز سے فرانس کے رشک و حسد کا موجب ہے جس کا اظہار اس کے وزراء نے ہر ایک نامہ و پیام میں کیا ہے اور اسی رشک کو اس نے ہر ایک فرمان روائی بیشمار انقلابوں کی ہر ایک منزل میں بیان کر چکا ہے اس لئے ٹیپو معقول طور پر یہ امید کر سکتا ہے کہ یورپ کی جنگ و جدال سے فارغ ہو کر اگر فرانس کی انتظامیہ مجلس کو کسی وقت ہندوستان میں نقض امن کرنے کی طرف توجہ کرنے کا موقع ملے تو غالباً سب سے اول وہ یہی کارروائی کرے گی۔

یورپ میں صلح نامہ مرتب ہو جانے۔ ریاست حیدرآباد و پونا کی اندرونی کمزوری۔ ان دونوں کے موجودہ جھگڑے جن سے ان کی دوستی اور اتحاد کے شکست ہو جانے کا اندیشہ ہے فرانس کی روزافزوں مخاصمت کو اور قوی کرنے کا موجب ہو گئے اور ٹیپو اور فرانسیسیوں کو اپنی متحدہ تجویز پر عمل کرنے کا

ہندوستان کے ہر ایک حصہ میں نہایت موزوں و مناسب موقع نظر آنے لگا۔

اس تجویز کا قبل از وقت اظہار ٹیپو کی حماقت سے نہیں ہوا بلکہ زیادہ تر اُسے مانشیو ملاریتق (M. Malaritique) کی حکمت عملی پر محمول کرنا چاہئے ابھی یہ بات بہت مشکوک ہے کہ اس کا مقصد بھی ٹیپو کے ساتھ برسرپیکار ہونا تھا یا اس کی دغابازی کو ہم پر ظاہر کرنا۔ لیکن جو واقعات اس تجویز کو قبل از وقت ظاہر کرنے کا موجب ہوئے اور ایسی تجاویز سوچنا حماقت یا دانشمندی پر مبنی تھا اس تجویز میں کچھ کامیابی حاصل ہوئی یا قطعی ناکامی نصیب ہوئی یہ ایسے مسائل ہیں جن کے حل ہونے کا کوئی اثر مخاصمانہ نیت اور صاف و صریح بدعہدی پر نہیں پڑتا ہے۔ تاریخ عالم بمشکل کوئی ایسی مثال پیش کر سکتی ہے جس میں دو سلطنتوں نے آپس میں اس قسم کے مقاصد کے لئے کبھی اس طرح اتحاد قائم کیا ہو یا دوستی کی ہو لہذا ایک فریق جو کمپنی کے خلاف مخاصمانہ عہدنامہ کی تجویز کرتا ہے وہ اس حرکت کے نتائج بھگتنے سے اس لئے نہیں بچ سکتا ہے کہ دوسرے فریق نے اس تجویز کے قبول کرنے میں درحقیقت یا بظاہر اپنی بےتعلقی ظاہر کی ہے اس لئے مانشیور ملاریتق کی نیت کا قیاس کر کے ٹیپو کے طرز عمل کا صحیح اندازہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ (۸۴)

میں نے اس معاملے میں اقوام عالم کے قوانین کے مسلمہ اصولوں سے کام لیکر کمپنی کے حقوق اور اپنے فرائض کی بابتہ اپنی رائے قائم کی ہے جو ٹیپو کی زیادتیوں کے متعلق ہے میرے دلائل کا طریقہ حسب ذیل الفاظ میں بیان ہو سکتا ہے سلطنتوں کے حقوق امن عامہ کو قائم کرنے کی ضرورت سے غیر سلطنتوں سے نزاع ہونے کی صورت میں پیدا ہوا کرتے ہیں اور یہ ضرورت بنیاد ہے ان حقوق کی جو اقوام کو مشکوک حالت اور مشتبہ طرز عمل کی بابتہ جواب طلب کرنے نقصانات کی تلافی کرانے اور آئندہ کے نقصانات سے تحفظ کا بندوبست کرنے سے حاصل ہوتے ہیں۔

ایسی صورت میں جب کہ کسی طرح کا اطمینان نہیں دلایا جاتا ہے اور

واقعات کی نوعیت ایسی ہے کہ کسی اور طرح پر اطمینان حاصل نہیں ہو سکتا ہے مظلوم فریق کو بیشک یہ استحقاق حاصل ہے کہ وہ امن عامہ برقرار رکھنے کی خاطر اپنی تلوار سے کام لے اور اس موقع پر سلطنت کا یہ حق وہاں کی حکومت کا فریضہ بن جاتا ہے تاوقتیکہ مفاد عامہ کا کوئی زبردست خیال اُسے اس ارادہ سے نہ روکے۔

اگر سلطان کا رویہ اس قسم کا ہوتا جسے مشکوک اور مبہم کہہ سکتے یا اگر اُس نے صرف معمول سے زیادہ اپنی فوج میں اضافہ کیا ہوتا یا اپنی فوج کو ہماری یا ہمارے کسی حلیف کی سرحد پر تعینات کر دیا ہوتا جس سے حسد یا خوف کا اندیشہ پیدا ہو سکتا ہے یا اگر اُس نے دربار حیدر آباد، پونا و کابل کے ساتھ اپنی خفیہ سازشوں کو پھر شروع کیا ہوتا یا اُس نے فرانس سے بھی کوئی ایسا معاہدہ کر لیا ہوتا جس کا مقصد مبہم ہوتا تو اس وقت بھی ہمارا فرض تھا کہ ہم اس کارروائی کے متعلق جواب طلب کرتے اور چونکہ وہ مشتبہ قسم کی ہوتی اس لئے اُس کا کوئی قابل اطمینان جواب دیا جا سکتا تھا۔ لیکن جس معاملے میں کہ کسی قسم کا شک وشبہ کرنے کی گنجائش نہیں پھر اس کے متعلق جواب طلب کرنے کا کوئی سوال نہیں ہو سکتا۔

ٹیپو نے اپنے سفیروں کی کارروائی کی خود تصدیق کی ہے اس کے سفیر فرانسیسی فوج کے ہمراہ اس کے ملک میں داخل ہوئے اور بیشک یہ ایک صاف اور صریح اعلان جنگ ہے اور اس کی غرض نہ تو ہم سے جواب طلب کرنا نہ کسی نقصان کی تلافی اور نہ اپنی کسی طرح کی حفاظت ہے بلکہ ہندوستان میں حکومت برطانیہ کا نیست ونابود کر دینا ہے۔

ایسی اہانت اور مضرت کے غلط معنی لینا خوف یا کمزوری کا مرادف ہوگا ہندوستان کی کوئی ریاست ٹیپو کے طرز عمل کی تاویل نہیں کر سکتی ہے ہمارے رزیڈنٹ صاحبان متعینہ حیدر آباد و پونا نے صاف الفاظ میں ظاہر کر دیا ہے کہ ٹیپو کے طرز عمل کی بابتہ ان ریاستوں میں کس قسم کے خیالات ہیں آئندہ اگر اس قدر صاف اور صریح معاملے میں ہم ٹیپو سے محض جواب طلب

کریں تو یہ ہماری کمزوری اور بزدلی کی علامت ہوگی اس لئے اس قسم کے مطالبہ کا نتیجہ ہندوستان کی ہر ایک ریاست اور بالخصوص ہمارے دوستوں کی نظر میں ہمارے کیرکٹر کی ذلت اور ہمارے اثر اور وقار کو ان کی نگاہ میں کم کرنے والا ثابت ہوگا اگر ٹیپو اپنی تجویز پر عمل کرنے کے لئے اس موقع کو مناسب تصور کریگا تو ہمارے اس مطالبہ پر وہ فوراً حملہ کر دیگا اور اگر اس کی جنگی تیاریاں ابھی مکمل نہیں ہوئی ہیں تو وہ فرانس کے ساتھ معاہدے کرنے سے انکار کرے گا اور اپنے انکار پر اس وقت تک قائم رہے گا جب تک کہ وہ ان معاہدوں سے پورا فائدہ نہ اٹھالے گا اور بالآخر اپنی فوج کو پورے طور پر درست کر دینے کے بعد وہ فرانس سے مزید فوجی امداد حاصل کرے گا اور پھر دونوں کی متحدہ قوت جسے وہ نہایت تیزی اور جوش کے ساتھ جو ہماری خاموشی سے پیدا ہوگا اور تاخیر سے دوچند ہو جائے گا ہمارے مقبوضات پر حملہ کر دے گا اس لئے اس معاملہ میں جواب طلب کرنے کا خیال بالکل ترک کر دینا چاہیئے چونکہ اصولاً وہ نہایت ذلیل اور اسکا مقصد بیہودہ ہے۔

(۸۴) اب رہا تاوان کا خیال وہ بجز ان معاملات کے ضرر رسانی کے منصوبہ پر صحیح معنوں میں پیدا ہی نہیں ہوتا ہے جبکہ مطلوبہ تاوان کی نوعیت مضرت رساں منصوبہ سے خصوصیت کے ساتھ وابستہ ہو۔

جبکہ کوئی سلطنت زبردستی کسی جائداد پر قبضہ کرلے یا کسی کے ملک کو فتح کرلے یا وہ کسی دوسری سلطنت کے حقوق تلف کردے تو ایسی صورت میں لیا ہوا ملک واپس دینے یا تلف کردہ حقوق کو تسلیم کرا دینے کی شکل میں تاوان دلایا جاتا ہے لیکن ٹیپو کے متعلق ہمیں یہ شکایت نہیں ہے کہ اس نے زبردستی ہمارا کوئی علاقہ غصب کرلیا ہے جسے وہ واپس کردے اور نہ اس نے ہمارے ملک کا کوئی حصہ فتح کرلیا ہے جو پھر واپس کر دینا چاہئے اور نہ اس نے ہمارے کسی حق کو تلف کیا ہے جسے وہ پھر تسلیم کرتے ہمیں تو اس کا شکوہ ہے کہ دوستی اور اتحاد کے معاہدہ کی بناپر نہایت

دوستانہ اور ہمدردانہ برتاؤ کا اقرار کر کے اور ہماری جانب سے کسی قسم کی اشتعال انگیز کارروائی نہ ہونے پر بھی اس نے ہمیں بالکل نیست و نابود کر دینے کی تجویز کا اظہار کیا ہے اس نے ہم پر تباہ کن حملہ کرنے کے وسائل اور ذرائع حاصل کرنے کی تدابیریں کی ہیں اس نے ہمارے دیرینہ دشمن سے درخواست کر کے اسکی مدد حاصل کی ہے اور اب وہ ہمارے وجود کی بیخ کنی کے لئے مزید موثر امداد کا منتظر ہے۔

اسے ابھی معقول فوجی امداد نہیں ملی ہے جس کی اس نے التجا کی ہے اور اس کی وجہ خواہ حکومت ماریشیس کی کمزوری یا ٹیپو کی امداد کے لئے اس کی سرد مہری ہو یا خود اسکے مشیروں کی حماقت اور کمزوری ہے لیکن اسکی مخاصمانہ کارروائی یا اس کے روکنے کے لئے ہمارے استحقاق اور اس سے ہمارے خطرات کا اندازہ اس کی حاصل شدہ فوجی امداد سے نہیں ہو سکتا ہے ہمیں معلوم ہے کہ اس نے غیر محدود فوجی امداد کی درخواست کی تھی اور اس نے فوجی امداد نہ صرف ماریشیس سے بلکہ فرانس سے بھی طلب کی تھی اور ہم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے ہیں کہ اسکی توقعات کے بموجب پوری امداد اسے کسوقت تک مل جائے گی۔

(۸۵) اس لئے یہ کوئی اس قسم کا نقصان نہیں ہے جس کی تلافی ہو سکے بلکہ یہ ہمارے ضدی، خطرناک اور دغاباز دشمن کی موجودہ اور آئندہ تجاویز سے اپنی حفاظت کرنے کا سوال ہے اس قسم کے دشمن سے صرف اسی صورت میں ہمارا تحفظ ممکن ہے کہ ہم اس کی قوت کو اس درجہ کمزور کر دیں جس سے نہ صرف اسکی موجودہ تیاری کا خاتمہ ہو جائے بلکہ آیندہ حملہ کرنے کے جملہ وسائل کا مستقل طور پر سد باب ہو جائے مرقومہ بالا دلائل سے بیشک اس قسم کے تحفظ کا ہمیں حق حاصل ہے لیکن ہم ہرگز یہ فرض نہیں کر سکتے ہیں کہ ٹیپو سلطان بطیب خاطر اپنے دلی منصوبوں کو ترک کر دے گا اور اپنی مخاصمت دغابازی اور حرص و ہوس سے باز آجائے گا۔

اس لئے اصول معدلت اور قوانین اقوام عالم ہمیں اس قسم کا

تحفظ حاصل کرنے کا مستحق قرار دیتے ہیں اور چونکہ ٹیپو بطیب خاطر اس پر
راضی نہیں ہو سکتا ہے اس لئے کمپنی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ٹیپو کو راضی ہونیکے
لیے مجبور کرے اور اسی طرح بلا تاخیر اپنی قوت کو استعمال کرنا میرے
فرائض میں داخل ہے بشرطیکہ میرے اس فعل سے کمپنی کو اسقدر نقصان نہ پہونچے
جسقدر کہ ٹیپو کی بلا روک ٹوک جنگی تیاریوں سے پہونچ سکتا ہے۔ اپنی جنگی
تیاریوں کے دوران میں ٹیپو صلح اور جنگ کے سوال کو اپنے ہاتھ میں رکھیگا
اور وہ ہمارے مقبوضات پر پیشتر سے سوچے ہوئے حملہ کے طریقہ اور وقت
کے انتخاب کا استحقاق بھی اپنے ہی ذمہ رکھے گا۔

اُسے ابھی فرانس سے معقول فوجی مدد نہیں ملی ہے اور ساحل
ملابار پر بارش ختم ہونے سے پیشتر اس مختصر عرصہ میں غالباً اُس کے ملک
میں مزید فوجی امداد نہ پہونچ سکے گی اور جبکہ وہ فرانسیسی حکومت کے ساتھ
بحری آمد و رفت کا سلسلہ رکھے گا تو اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی
گنجایش نہیں کہ فرانسیسی اُسے فوجی مدد دینے اور جنگ پر آمادہ کرنے کی
ہر طرح پر کوشش کریں گے۔ غالباً دو ایک فرانسیسی رجمنٹوں کی آمد ٹیپو کو (۸۶)
حملہ شروع کر دینے پر آمادہ کر دے گی اور غالباً فرانسیسیوں کی یہ مختصر جماعت
موجودہ حالات میں ہندوستان کی دیسی فوجوں میں خوف و دہشت پیدا
کرنے کا موجب ہو گی۔ مسٹر ڈکھم فرماتے ہیں کہ فرانس کی مستقل پالیسی ہے
کہ جملہ دیسی ریاستوں میں فرانسیسی افسران ملازم ہو جائیں اور یہ پالیسی ہماری
سلطنت کی بنیادیں اکھاڑنے کی غرض سے اختیار کی گئی ہے اور اس
پالیسی پر نہایت محنت و جانفشانی اور زبردست کامیابی کے ساتھ
نظام دکن و سندھیا اور دوسرے چھوٹے فرماں رواؤں کی فوجوں
میں عمل کیا گیا ہے اگر ٹیپو کو فرانس سے ایسی فوجی امداد حاصل کرنے کی اجازت
دیدی جائے جس سے اُسکو ہم پر حملہ کرنے کی جرأت پیدا ہو تو پھر اس کی
ابتدائی نقل و حرکت کی تائید فرانسیسی قسمت آزماؤں کی مختلف جماعتیں
عام سرکشی سے کریں گی جو مختلف ریاستوں میں ملازم ہیں اور جو ہندوستان کے

ہر حصے میں باہم مشورہ اور مراسلت کرتے رہتے ہیں۔ ایسے واقعات کی موجودگی میں مقتضائے دانشمندی یہی ہے کہ اصل مرض کا علاج کیا جائے جس میں کہ ٹیپو نے اپنی مخاصمانہ تجاویز ظاہر کی ہیں لیکن اپنی تجویز کو پورا کرنے کے وسائل نے اسے مایوس و نا امید کر دیا ہے اور اوس کی مایوسی، کمزوری اور افسردہ دلی کے وقت نہایت دانشمندانہ پالیسی یہی ہے کہ ہم فوراً اُس کے مقبوضات پر حملہ کر دیں کیونکہ اس سے اُسکی ساری جنگی تیاریاں خاک میں مل جائینگی اور پھر جب کبھی فرانس سے کچھ کمک آئے گی تو وہ اس قابل ہی نہ ہوگا کہ اُس سے کچھ فائدہ اٹھا سکے۔

فرانس سے سردست اُسے بہت کم فوجی امداد ملی ہے اور اس کے باعث اوسکی قوت کو کمزور کرنے کے لئے ہمارا حق زائل نہیں ہوتا ہے بلکہ اُس پر فوری حملہ کرنے کی یہی ایک زبردست دلیل قرار دیجا سکتی ہے۔

(۸۷) اس لئے ہماری حکومت کے حقوق اور مفاد ہماری اس رائے کی تائید کرتے ہیں کہ ٹیپو کے انتقامی منصوبوں کے عمل میں آنے سے قبل ہی ہم ہر طرف سے اُس کے ملک پر حملہ کر دیں میری اس دلیل کی تائید مجلس نظما کے احکام کے مضمون اور ٹیپو سلطان کے ملک میں فرانسیسی امدادی فوج کی آمد کے متعلق اس حکومت کی کارروائی سے ہوتی ہے۔

مجلس نظما کے احکام یہ ہیں کہ "ٹیپو کے ملک میں فرانسیسی فوج کا قدم رکھنا ہی اُس کے ملک پر ہمارے حملہ کا اشارہ ہونا چاہئے"

نواب گورنر جنرل بہادر نے ان احکام کے متعلق فورٹ سینٹ جارج کی صدارت کونسل کے نام اپنی ہدایات مورخہ ۱۲ ستمبر ۱۷۹۶ء میں یہ تحریر کیا تھا کہ "فرانسیسی فوج کی تعداد معقول ہونے کی صورت میں ہمارا حملہ آور ہونا جائز ہوگا" لیکن میری رائے میں اس ہدایت سے سابق گورنر جنرل بہادر کا یہ مطلب نہیں قرار دیا جا سکتا ہے کہ ٹیپو سلطان پر حملہ کرنے کی حکمت عملی یا اس کے جواز کو فرانسیسی فوج کی تعداد پر منحصر کرنا چاہئے جو ٹیپو کے ملک میں داخل ہو۔ یہ کہنا یقیناً درست ہے کہ فرانسیسی فوج کا بتعداد کثیر ٹیپو کے

ملک میں داخل ہونا سلطنت برطانیہ کے خلاف اُس کے مخاصمانہ ارادہ
کی بین علامت ہوگی اور اس کے برعکس اگر چند افسر اور سپاہی اس کی
فوج میں ملازمت کرلیں تو خاص حالات میں یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ
اس نے یہ کارروائی اپنی فوج کی تنظیم اور ان کی اصلاح کے واسطے کی ہے
اور اس کا یہ ارادہ نہیں کہ وہ کمپنی یا اس کے حلیفوں کے ملک پر حملہ کرے
میرے نزدیک سابق گورنر جنرل بہادر نے اسی نظر سے ٹیپو کے ملک میں
فرانسیسی فوج کی آمد کو دیکھا تھا اور اس قسم کی ضرورت کے موقع پر اسی
(۸۸) اصول اساسی سے کمپنی کے فیصلہ کو محدود کیا گیا ہے لیکن موجودہ معاملے
میں ٹیپو کے مخاصمانہ ارادوں کا اظہار، اعلانات، اشتہارات، اس کے
سفیروں کے طرز عمل اور فرانس سے بلا تعین فوجی امداد کی التجا ہے ان واقعات
کے علاوہ فرانسیسی فوج کا اس کے ملک میں آنا اور ملازمت میں داخل ہونا
اگرچہ اس کے مطالبہ سے اس امدادی فوج کی تعداد بہت کم تھی یہ جملہ
امور مجلس نظما اور اس حکومت کے احکام کے منشا کے مطابق " اس پر
ہمارے حملہ آور ہونے کی علامت " متصور ہونی چاہیے۔

اس لئے میری رائے یہ ہوئی کہ حتی الامکان بہت جلد ٹیپو پر حملہ
کر دینا چاہیے کیونکہ اس تدبیر سے ہمارے یہ مقاصد نہایت آسانی کے
ساتھ حاصل ہو جائیں گے کہ اول تو ہم ساحل ملابار پر گھاٹوں کے تمام بحری
علاقہ پر قابض اور متصرف ہو جائیں گے تاکہ آئندہ وہ پھر کبھی اپنے
معاونوں سے بحری پیام و سلام نہ کر سکے۔

دوسرے ساحل سے براہ راست اس کے دار الحکومت پر حملہ آور ہو کر
ہم اُسے صلح کرنے پر مجبور کریں تاکہ ساحل ملابار کے مفتوحہ علاقہ کو وہ باقاعدہ
ہمارے حوالے کر دے۔

تیسرے یہ کہ کل صرفہ جنگ ادا کرنے پر ہم اُسے مجبور کریں گے
اس سے دوگونہ فائدہ ہوگا اولاً ہمارا سارا خرچہ جو اس کی جارحانہ کارروائی
سے ہم پر لاحق ہوگا وصول ہو جائے گا دوسرے اسکی مالی حالت کے

کمزور ہو جانے سے آئندہ کے لئے ہمارا تحفظ ہو جائے گا۔
چوتھے یہ کہ ہم اُسے اس بات کو منظور کرنے پر مجبور کریں گے کہ اس کے دربار میں ہمارا رزیڈنٹ مستقل طور پر رہا کریگا اور اس تدبیر سے ہم اس کی کارروائیوں اور دغابازی کا بروقت تدارک کرسکیں گے۔
پانچویں یہ کہ اگر ہم اُس کے ساتھ کوئی صلحنامہ کریں تو اس کی اول شرط یہ ہونی چاہئے کہ وہ اپنے ملک اور اپنی فوج میں سے جملہ فرانسیسیوں کو نکال دے۔
اس خاکہ کو پیش نظر رکھکر میں نے یہ حکم نافذ کیا تھا کہ ساحل کارومنڈل وملابار اور بمبئی کی فوجیں فوراً مجتمع کرلی جائیں۔

89

اور مجھے پوری توقع تھی کہ اگر ہز مجسٹی کے اسکواڈرن متعینہ ساحل ملابار سے مل کر جسکے بھیجنے کا امیرالبحر رینیر (Ranier) نے وعدہ کیا تھا) حتی الامکان بہت جلد ٹیپو پر حملہ کردیں تو فرانس سے فوجی مدد آنے سے پیشتر ہی ہم ٹیپو کی قوت کو بیحد کمزور کردیں گے لیکن میں نے کبھی یہ رائے نہیں دی ہے کہ اُس پہ اس قسم کا کوئی حملہ کیا جائے جس کی کامیابی اُن اصحاب کے نزدیک مشتبہ ہو جن کی رائے بدمیں ہر ایک فوجی معاملے میں عملدرآمد ہونا ضروری سمجھتا ہوں۔
ٹیپو کی مسلمہ تجویز۔ اُس کی جنگی تیاریوں کی حالت (جو باوجود اسکی گذشتہ مایوسی کے یقیناً جہاں تک اس کی فوج کا تعلق تھا بہت بڑھی ہوئی تھی) اُس کے ارادوں کی غیر یقینی کیفیت جو اُس کے جبلی جوش انتقام کو عملی صورت اختیار کرنے پر مجبور کرسکتی ہے اور اُس کے نامعقول جوش وخروش کے متعلق میری معلومات جس سے کہ اُس نے برطانیہ کے خلاف انتقامی کارروائیاں کی ہیں یہ جملہ امور اس ضرورت کی تائید کرتے ہیں کہ ہم جنگ کے واسطے کم از کم اُس کی فوج کے مساوی تیاریاں کرلیں یہ تجاویز اب اختیاری نہیں ہیں بلکہ میرے ناگزیر فرائض میں سے ہیں میں کرناٹک کی حفاظت کو ایسی نازک حالت میں نہیں چھوڑ سکتا کہ

وہ ٹیپو سلطان اور اُسکے فرانسیسی دوستوں کے رحم پر مبنی ہو۔ میری رائے میں فی الفور یہ کارروائی کرنا نہایت دانشمندی میں داخل ہے کہ میدان جنگ میں مقابلہ کرنے کے لئے واقعات کی بنا پر حملے کے وقت کا تعین بجائے ٹیپو کے اپنے ہاتھ میں رکھیں اور اس کے بعد خواہ ہمیں اپنی فوج سے کیسی ہی خدمت کیوں نہ لینی پڑے اس لئے میں نے فوج کے اجتماع کے واسطے جو احکام نافذ کئے تھے (اور اب میں نے جو تفصیل بیان کی ہے وہ میں نے اُسی وقت حملہ کرنے کے خاکہ سے طور پر ظاہر کر دی تھی) اور میرے وہ احکام ایسے اصولوں پر مبنی تھے جو جنگی خاکے کی عملی صورت سے آزاد تھے اور ان کا تعلق نہ صرف کرناٹک کی فوری حفاظت سے تھا بلکہ وہ دوامی دور اندیشی اور حفاظت کی دیگر زبردست تجاویز کے متعلق بھی تھیں جو ہر نازک موقع کی ضروریات کے لحاظ سے میرے خیالات کو وسیع کرتی رہیں۔ ۹۰

جب میں نے ٹیپو پر مجوزہ حملہ کرنے کے مقاصد اور وقت کی بابتہ ان فوجی حکام کے روبرو اپنے خیالات پیش کئے جن کا میں ہمیشہ احترام کرتا ہوں تو انھوں نے بھی اپنی ہی رائے ظاہر کی کہ "ہماری فوجی حالت اسی کی مقتضی ہے کہ آپ کی مجوزہ کارروائی میں بالآخر یقیناً ہمیں فتح مندی حاصل ہو گی" اگر وہ ہماری فتح مندی کی طرح فوری کارروائی کی بھی تائید کرتے تو میں اسی وقت فی الفور حملہ شروع کر دینے کے احکام نافذ کرنے میں مطلق پس و پیش نہ کرتا لیکن اُن کے بیان سے مجھے معلوم ہوا کہ ٹیپو کو اُس کے وسائل حملہ آوری سے اچانک اور فوراً محروم کر دینے کی بیشمار فوائد سے کمپنی کو کسی قسم کا نفع پہونچنے کی بجائے ہمارے حملے کا نتیجہ نہایت تکلیف دہ طوالت اور بیحد مصارف کا موجب ہوگا اگرچہ آخر میں ہماری ہی فتح رہے گی چونکہ اس میں ایسی مشکلات حائل ہیں جو موجودہ تدابیر اور کارروائی سے حل نہیں ہو سکتی ہیں اگرچہ آئندہ کوشش اور ثابت قدمی سے وہ رفع کیجا سکتی ہیں۔

مجھے تحقیقات کرنے پر معلوم ہو گیا کہ ساحل کارومنڈل (Coiomandel) کے فوجی نظام میں زبردست نقائص موجود ہیں اور فورٹ سینٹ جارج کے

گورنر اور اس فوج کے اڈجوٹنٹ (Adjutant) جنرل نے بھی اپنی شہادت میں اسکی تائید کی ہے اور میں نے اپنی یادداشت متعلق صیغۂ راز مورخہ ۲۰ جولائی میں اس شہادت کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اور اب اس موقع پر میں اپنے خیالات کا حوالہ دونگا۔ حکومت فورٹ سنیٹ جارج کا مراسلہ مورخہ ۱۰ جولائی تو اس رائے کے حدود سے بہت زیادہ تجاوز کر گیا ہے جو ٹیپو سلطان کی مخاصمانہ کارروائی کو روکنے کی مشکلات کے متعلق ہم نے خود قایم کی پالیسی اور کی زبانی اس وقت تک سنی ہے اس مراسلے میں صدر باجلاس کونسل تو مدافعت کے لئے معمولی حفظ ماتقدم ہی پر افسوس کرتے ہیں کیونکہ اس سے شاید ٹیپو اور زیادہ ناراض ہو کر ہمارے غیر محفوظ مقبوضات پر حملہ کر بیٹھے۔

91

طویل جنگ کے مصارف۔ اور اس عظیم الشان مصیبت کے خراب اثرات کمپنی کی تجارت پر انگلستان میں ہمارے مالی معاملات پھر ہماری ہندوستانی رعایا کی مرفہ الحالی اور سلطنت برطانیہ کی سرکاری آمدنی اور قرضہ پر ضرور پڑیں گے اور اب مجھے اس کی بیحد فکر دامن گیر ہے اور ہماری مالی مشکلات و پریشانیوں نے میری مشکلات میں اور زیادہ اضافہ کر دیا ہے۔ اب اس مسئلہ کی نوعیت بالکل جداگانہ ہو گئی ہے۔ میری ابتدائی تجویز صرف ایک فوجی حملہ کی تھی جس میں بہت مختصر زمانہ صرف ہوتا اور اس میں کچھ زیادہ صرفہ بھی نہ تھا اور اس میں ہماری فتح یقینی تھی اور اس سے مزید فائدہ یہ حاصل ہوتا کہ ہماری مالی حالت اور درست ہو جاتی اور ہمارے جملہ مصارف غنیم کے سر پڑتے جس نے اشتعال دلا کر ہم سے حملہ کرایا لیکن اب مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری تجویز پر اسوقت تک عملدرآمد نہیں ہو سکتا جب تک کہ ہم ایک طولانی جنگ کے مصارف اور تکالیف کا بار برداشت نہ کریں۔

اس معاملے میں ہمارے حلیفوں کی حالت اس قسم کی واقع ہوئی ہے کہ وہ ہماری ترقی کے راستے میں لاینحل روڑے ہیں اگرچہ اس قسم کی جنگ میں

جس کا میں نے تذکرہ کیا ہے حیدرآباد اور مرہٹوں کی امداد حاصل کرنا ضروری ہے اور مجھے ہمیشہ یہی اطلاع موصول ہوئی ہے کہ میسور میں عرصۂ دراز تک جارحانہ جنگ کا قائم رکھنا بغیر پیشوا اور حضور نظام کی مدد کے اگر نا ممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے کیونکہ یہی دونوں سلطنتیں میدان جنگ میں ہماری فوجوں کو رسد بہم پہونچانے میں بڑی سہولتیں پیدا کر دیں گی ۔

دربار حیدرآباد و پونا سے ہمارے ساتھ جلد اشتراک عمل کرنے کی کوئی امید نہیں اور اگرچہ میں نے نہایت عجلت کے ساتھ ایسی تدابیر اختیار کی ہیں جن کی بدولت ہمارے دوستوں میں مدافعانہ معاہدوں کو پورا کرسکنے کی قوت پیدا ہو جائے لیکن ابھی عرصۂ دراز تک ان تدابیر سے مستفید ہونے کی مجھے کوئی توقع نہیں ہے اور تا وقتیکہ ہمارے حلیفوں کی حالت درست نہ ہو جائے کسی ایسی جنگ کا چھیڑنا عقلمندانہ فعل نہیں ہے جس کے طول پکڑنے کی توقع ہو اس لئے ان مشکلات کے باعث میں دلی افسوس اور مایوسی کے ساتھ اس بات کو محسوس کرتا ہوں کہ اس تجویز پر عمل کرنے کے لئے یہ وقت ہرگز موزوں و مناسب نہیں ہے جو مجھے اپنے فرائض کی ضروریات اور کمپنی کے حقوق و مفاد کی حفاظت کے لئے ضروری معلوم ہوئی تھی اس لئے ٹیپو کے ملک پر فی الفور حملہ کرنے کی تجویز سے میں دست بردار ہوتا ہوں لیکن جن واقعات نے کمپنی کے حقوق کے استحکام کو سر دست معرض التوا میں ڈال دیا ہے وہ مجھے اس فرض سے باز نہیں رکھ سکتے ہیں کہ میں مدافعانہ انتظام اس طور پر قائم کروں جس سے درمیانی تحفظ جو ہمیں اس وقت میسر آسکتا ہے بلا تاخیر حاصل ہو جائے اور اگر ٹیپو حملہ کرے تو ہم فوراً اسے شکست دے سکیں اور اگر ہم اپنے حلیفوں سے ملکر اپنے حقوق کے تحفظ کا اس سے مطالبہ کریں تو ہمیں ان انتظامات سے مدد مل سکے ۔

اس فرض منصبی کے احساس نے مجھے یہ ترغیب دی کہ ۸ ۔ جولائی سے اس وقت تک حکومت فورٹ سینٹ جارج و بمبئی اور رزیڈنٹ صاحبان

۹۲

متعینہ حیدرآباد و پونا کے نام جو احکام اور ہدایتیں جاری کی گئی ہیں وہ سب
مجلس نظمار کی خدمت میں پیش کر دوں۔ ہمارے حقیقی خطرہ کی نوعیت اور
اس کے پیدا ہونے کے اسباب و علل کے بیان کر دینے سے وہ اصول
معلوم ہو سکتے ہیں جن پر یہ احکام اور ہدایتیں مبنی ہیں۔

اور جب تک کہ ہندوستانی ریاستوں کے ساتھ ہمارے مدافعانہ
معاہدوں کا پورا انتظام اور وہ جملہ واقعات نہ بیان کر دیے جائیں جن کا
اثر ہندوستان کے توازن قوت پر پڑتا ہے اس وقت تک اس مسئلہ
کے متعلق کوئی صحیح اور تفصیلی رائے نہیں قائم کی جا سکتی ہے۔

۹۳ پونا پنگول اور سرنگا پٹم کے معاہدوں سے ہماری یہ غرض تھی کہ
ٹیپو کے وسائل آمدنی اور ملک کو گھٹا کر پیشوا اور حضور نظام کے مفاد کو اپنے
ساتھ وابستہ کر کے اور انہیں طاقتور بنا کر اس کے خلاف ایک روک تھام
قائم کر دی جائے اور جب کبھی میسور سے جنگ ہو تو اس میں حضور نظام اور
پیشوا کو اپنا شریک بنا کر ٹیپو سلطان کو آئندہ کسی قسم کا ظلم و زیادتی کرنے کے
قابل ہی نہ رکھا جائے۔ علاوہ بریں معاہدۂ سرنگا پٹم کے ایک حصہ کا
یہ بھی مقصد ہے کہ ٹیپو میں اتنی قوت برقرار رکھی جائے کہ وہ مرہٹوں اور
حضور نظام کے ساتھ اس قدر توازن قائم رکھ سکے کہ ہماری دست اندازی ہمیشہ
پالسہ پلٹ سکے۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ گذشتہ واقعات نے اس انتظام
کی حکمت عملی کو بالکل معدوم کر دیا ہے۔ اور پیشوا حضور نظام و ٹیپو سلطان میں
سے کسی کی اب وہ حیثیت نہیں ہے جو معاہدۂ سرنگا پٹم مرتب ہونے کے وقت
تھی خواہ اس کا تعلق آپس میں ایک دوسرے سے ہو یا ہمارے مفاد سے۔

معاہدۂ سرنگا پٹم مرتب ہونے کے بعد سے دربار حیدرآباد کی آمدنی
اور قوت روبہ تنزل ہے چونکہ حضور نظام اور مرہٹوں کے مابین بمقام کھرلہ جنگ
ہونے میں حیدرآباد کی فوجی قوت متاثر ہوئی اور بہت کچھ گھٹ گئی اور
جب اس کے متعلق صلحنامہ مرتب ہوا تو سلطنت آصفیہ پر اس کا انتہائی

اثر پڑا تو سلطنت کے ایک علاقے سے دست برداری دی گئی اور تین کروڑ تاوان جنگ اور عظیم الامرا کی اسیری پر جو بعد میں پونا پہونچا دئے گئے صلح قرار پائی - حکومت مرہٹہ کے گذشتہ انقلاب میں عظیم الامرا پونا ہی میں رہے اور اگرچہ ان کی محض ایک قیدی کی حیثیت تھی لیکن مادھوراؤ پیشوا کے مرگ اتفاقیہ کے بعد انھوں نے وہاں کے انقلابات میں نمایاں حصہ لیا اور ناموری پیدا کی اور حسن خدمات کے صلے میں نانا فرنویس نے ان جملہ حقوق سے دست برداری دیدی جو معاہدۂ کھڑلہ کی رو سے اسے حاصل ہوئے تھے لیکن باجی راؤ پیشوا نے نانا کی بڑھتی ہوئی قوت کی روک تھام کے لئے سندھیا سے مدد طلب کی اور سندھیا نے پیشوا کو وہ معاہدے فسخ کرنیکی صلاح دی جو عظیم الامرا کے ساتھ کئے گئے تھے اور حقیقت الامر یہ ہے کہ پیشوا نے اصرار کرکے نواب نظام علی خاں بہادر سے اس کی منظوری حاصل کرلی کہ معاہدۂ کھڑلہ کی رو سے جسقدر تاوان اور علاقہ پیشوا کو دیا جانا قرار پایا تھا اس کا چوتھائی حصہ اب دیدیا جائے -

اپنے وقار اور قوت کے ایسے زبردست نقصان کے علاوہ سلطنت آصفیہ کی مالی حالت ابھی تک درست نہیں ہوئی ہے چونکہ مرہٹوں سے لڑائی ہونے اور عظیم الامرا کے پونا میں قید ہو جانیکے باعث عالی جاہ اور دائرجاہ کے فرزند نے بغاوتیں کرکے ریاست کو اور بھی مالی نقصانات پہونچائے -

ان وجوہ کے اثر سے سلطنت آصفیہ کی نواحی ریاستوں کی پہلی سی بات باقی نہیں رہی ہے اور اس حالت میں پونا کے اطراف سندھیا کی جو فوج تعینات ہے اس سے بھی ممالک محروسہ کے علاقے کو نقصان پہونچا ہے لیکن ۱۷۹۳ء کے بعد سے حیدرآباد کی فوجی تنظیم میں نہایت حیرت انگیز تبدیلی پیدا ہوگئی ہے سرنگاپٹم کے معاہدہ کے بعد سے فرمانروائے دکن نے اپنے رسالوں اور دیگر فوجوں کو بہت کم کردیا ہے اور پلٹنوں میں بہت زیادہ اضافہ کردیا ہے

جن کی کمان فرانسیسی افسروں کے ہاتھ میں ہے اور یہ پلٹنیں رے مانڈ کور کے نام سے مشہور ہیں۔

ٹیپو کے ساتھ گزشتہ جنگ ہونے سے پیشتر ہی سے ریمانڈ کور حیدرآباد میں نوکر تھی اور ۱۷۹۲ء میں جب یہ فوج لارڈ کارنوالس کی فوج کے ساتھ کام کرتی تھی اُس وقت اس کی تعداد اندازاً ڈیڑھ ہزار سے زیادہ نہ تھی اور اُس کا انتظام نہایت ناقص تھا ۱۷۹۵ء میں جنگ کھرلہ کے وقت ۱۳ ہزار فوج تھی۔ اس فوج کو عالی جاہ کی بغاوت فرو کرنے اور دیگر خدمات انجام دینے سے تجربہ اور قابلیت حاصل ہو گئی ہے اور اب اس کے تیرہ رجمنٹ ہیں اور ہر رجمنٹ میں دو بٹالین ہیں الغرض اس فوج کی تعداد پندرہ ۱۵ ہزار سے زیادہ ہے۔ تازہ اطلاعات کے مطابق اس کی تنظیم کی اس قدر درستی اور اصلاح ہو گئی ہے کہ اگرچہ وہ ہماری فوج کے انتظام سے ادنیٰ درجہ کا ہے لیکن جملہ دیگر ہندوستانی ریاستوں کی پلٹنوں سے اعلیٰ اور افضل ہے۔ علاوہ بریں ہر ایک رجمنٹ کے ساتھ میدانی توپیں اور ۱۲ سے لیکر ۳۶ پونڈ تک کی ۴۰ برنجی توپوں کا ایک توپ خانہ ہے جو چند یورپین اور دیگر نہایت ہوشیار توپچیوں کے ہاتھ میں ہے اور ان پلٹنوں کے ساتھ کام کرنے کے لئے رسالے مرتب کرنے کی بھی ابتدا ہو گئی ہے۔ ان پلٹنوں کے جملہ اعلیٰ افسران نہایت قادر انداز فرانسیسی ہیں اور اکثر سپاہی پانڈیچری کی دیسی فرانسیسی فوج میں ملازمت کر چکے ہیں اس جماعت کی یہی کوشش ہے کہ وہ فرانس کی قوت۔ دولت مندی اور کامیابی کو زیادہ کرتی رہے اور دربار حیدرآباد کی نظر میں برطانیہ کے وقار۔ قوت۔ اور قابلیت کو گھٹاتی رہے اور نہایت معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ جس مقام پر بھی اس فوج کا کوئی دستہ کچھ عرصہ تک مامور رہا ہے وہاں انگریزوں کی قوم کے متعلق نہایت بُرا اثر پیدا کیا گیا ہے۔ مانشیور ریمونڈ کے انتقال سے جسے صرف چند ماہ گزرے ہیں یہ امید ہوئی تھی کہ غالباً دربار حیدرآباد میں اس فوج کا اثر زائل ہو جائیگا

۹۵

۹۶ چنانچہ یہ موقع پاتے ہی عظیم الامرانے وہ بڑی جاگیر واپس لے لی جو اس فوج کے مصارف کے واسطے دی گئی تھی مگر پیرون نامی فرانسیسی اس فوج کا کمان افسر مقرر ہو گیا یہ شخص بھی نہایت تند خو اور بے رحم ہے اور اس کے اصول بھی ریمونڈ کے اصولوں سے چنداں مختلف نہیں ہیں حضور نظام کے فوجی نظم کا جزو اعظم یہی فوج ہے اور اسے حضور نظام کے ارکین سلطنت پر اسقدر قابو حاصل ہے کہ عظیم الامرا بھی خائف رہتے ہیں۔ مانشیور ریمونڈ اس فوج کا کمان افسر ہونے کے علاوہ توپ خانہ کا بھی اعلیٰ افسر تھا اور اُسے پچاس ہزار روپیہ ماہوار الاؤنس ملتا تھا۔ مانشیور پیرون کی ماتحتی میں توپ خانہ بھی دیدیا گیا ہے اور اس کے باعث اُس کا رسوخ اور اثر بہت کچھ بڑھ گیا ہے۔ اس فوج میں ایک تہائی سپاہی ہمارے اور نواب ارکاٹ کے علاقے اور ہمارے یہاں سے بھاگے ہوئے اور مستعفی شدہ سپاہیوں میں سے بھرتی کئے گئے ہیں اور ہمیں اس بات کا کافی ثبوت مل گیا ہے کہ مانشیور بپ ٹسٹی (Monsieur Baptiste) نے (دوم کمان افسر جو نہایت عیار اور چالاک قسم کا شخص ہے) جاسوس ملازم رکھے جنھوں نے ہماری افواج متعینہ سرحد نظام کو مستعفی ہونے اور غدر و بغاوت پھیلانے کے لئے بڑی سخت محنت و جانفشانی سے کام کیا اور اس مقصد میں انھیں کامیابی حاصل ہو گئی چنانچہ کچھ عرصہ ہوا کہ وہاں کے بہت سے رسالے مستعفی ہو کر چلے گئے اور ان مستعفی اشخاص میں سے تقریباً ۵۰۰ سوار اور بہت سے ہندوستانی افسران مانشیور پیرون کی فوج میں ملازم ہیں ہمارے رزیڈنٹ نے کئی بار ان مستعفی سواروں کو ہمارے حوالے کرنیکی درخواست کی لیکن مانشیور پیرون اور اسکی فوج کے اثر اور دربار کی کمزوری کے باعث وہ درخواست اس وقت تک نہیں منظور ہوئی ہے اور خود

۹۷ عظیم الامرا کا یہ مقولہ ہے کہ فرانسیسی جماعت کو ایسی زبردست قوت اور اثر حاصل ہے کہ وہ میرے قابو سے باہر ہے۔ عظیم الامرانے مدت درازکی

گفت و شنید کے بعد بڑی دقتوں اور سخت کوشش سے دو صوبیدار ہمارے حوالے کئے گئے ہیں جو مستعفی ہونے کی تحریک کے موجد اور بانی مبانی تھے

مانشیور ہیرون اور اس کے افسران دربار کی ایک جماعت سے مسلسل مراسلت کرتے رہتے ہیں جو پائیگاہ پارٹی کے نام سے موسوم ہے اور جس میں حضور نظام کے باڈی گارڈ کے افسر زیادہ تر داخل ہیں۔

اس پائیگاہ پارٹی کا عرصۂ دراز تک ٹیپو سلطان سے تعلق رہا ہے اور وہ عظیم الامرا اور دربار کے جملہ ہی خواہان برطانیہ کی سخت مخالف ہے۔

اور یہ واقعہ بھی فراموش نہ کرنا چاہئے کہ ۱۷۹۶ء میں فرانسیسی جماعت نے پائیگاہ پارٹی کی مدد سے عظیم الامرا کے پونا میں مقید ہونے کے زمانے میں حضور نظام کو انگریزی فوج کے برخاست کر دینے پر آمادہ کر لیا تھا اور ٹیپو کے مشورہ سے (جس کی فوجیں اس موقع پر حضور نظام کی سرحد پر آ پہونچی تھیں) ایسی تدابیر اختیار کی تھیں کہ اگر خدا نخواستہ اس نازک موقع پر حضور نظام کا انتقال ہو جاتا تو مسند نشینی کے مسئلہ کو یہ جماعت اپنی خواہش کے مطابق طے کر لیتی۔ فرانسیسیوں نے اس موقع پر وہ جاگیر پھر حاصل کر لی جو واپس لے لی گئی تھی۔ اور یہ عطیہ گویا سلطنت کی آمدنی پر قابو پانے کا پہلا قدم تھا اور اس میں کچھ شک نہیں کہ اگر مانشیور کے انتقال کے بعد عظیم الامرا اس تجویز کو مسترد نہ کر دیتے تو اسی عطیہ کی بدولت ہندوستان میں یورپین سلطنت قائم ہونے کی بنا پڑ جاتی۔ حیدرآباد کے فرانسیسی افسران اپنے ان ہم وطنوں سے برابر خط و کتابت کرتے رہتے ہیں جو ٹیپو سلطان یا سندھیا کے یہاں ملازم ہیں۔

رزیڈنٹ متعینہ حیدرآباد نے تازہ خبر یہ دی ہے کہ فرانسیسی افسران ملازمت کے خواہاں سپاہی برابر حیدرآباد میں آتے رہتے ہیں لیکن ابھی تک یہ معلوم نہیں ہوا ہے کہ وہ کس راستہ سے دکن میں پہونچتے ہیں

دربار نظام کے ارکین سے فرانسیسی جماعت کے خاص تعلقات ہیں اور وہ ٹیپو سلطان سے خط و کتابت رکھتی اور فرانس کی زبردست حامی ہے

۹۸

اور سازشیں کرنے کی بہت شائق ہے جس سے اگر وہ خود بغاوت نہیں
پیدا کر سکتی تو کم از کم ہر ایک بدنظمی میں حصہ لے سکتی ہے اور ان امور
کو حکومت کی کمزوری تصور کرنا چاہیئے۔ عظیم الامرا اس خرابی کی حقیقت
سے بخوبی آگاہ ہیں اور انھیں یہ اندیشہ لگا رہتا ہے کہ اگر یہ جماعت قوت
پکڑ جائے گی تو پھر میرے قابو سے باہر ہو جائے گی اور مجھے اس جماعت
کی قوت سے اگر تخت کے جانے کا نہیں تو کم از کم اپنے ہی اختیارات کو صدمہ
پہونچنے اور جانشینی کے باضابطہ نظم کے درہم برہم ہو جانے کا کھٹکا لگا رہتا
ہے۔ حضور نظام کے فوجی نظم نے انھیں معاہدۂ پنگول۔ ہمارے ساتھ ملفوفاً
معاہدہ کی قدر و قیمت اور ہمارے حقوق کے متعلق انھیں ناکارہ ہونے سے
بھی زیادہ بُرا ابنا رکھا ہے اور دربار حیدر آباد اتحاد ثلاثہ کے کسی شعبہ کو کسی
طرح کی امداد دینے کے بجائے ہمارے دشمنوں کو مزید تقویت پہنچانے کا
وسیلہ بن گیا ہے۔ پیرون کی فوج کے وجود سے جن خطرات کے پیش آنے کا
اندیشہ ہے اُس کا اندازہ صرف فوج کے انتظام اُس کی تعداد اور حضور نظام
کے ارکین پہ اُس کے اثرات سے نہیں ہو سکتا ہے بلکہ اس خطرہ کے
متعلق حالت موجودہ سے بعد میں پیش آنے والے خطرات کے لئے ہمیں اپنی
رائے قائم کرنی چاہیئے۔ حیدر آباد کی فرانسیسی فوج کو نہ صرف بحالت موجودہ
فرانس کے واسطے زبردست تقویت کا موجب تصور کرنا چاہیئے بلکہ وہ ہندوستان
میں مستقل فرانسیسی فتنہ کی بنا ہے جس پر ہمارا دشمن صلح اور جنگ دونوں
صورتوں میں اپنے مناسب حال مواقع پیش آنے اور واقعات کے رد و بدل
سے اپنی زبردست قوت قائم کر سکتا ہے۔

۹۹ فرانس کو صلح کے زمانہ میں بھی ہمارے ایک خاص دوست کی عملداری
کی قلب میں اور ہمارے ایک سرگرم دشمن کے پڑوس اور ہماری عملداری کے
کمزور حصہ کے کنارہ پر فرانسیسی افسروں کے ماتحت ۱۲ ہزار فوج کی موجودگی
سے جو فوائد حاصل ہو سکتے ہیں اُن کے ثبوت کے واسطے کسی دلیل اور
بُرہان کے بیان کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ فرانس کو صلح کے زمانہ میں بھی

اپنی سازشوں کے لئے اس سے بہتر وسیلہ اور اپنے بے شمار حامیان کو اپنے اصولوں پر متفق کرنے اور اپنی تجاویز کا آلۂ کار بنانے کا اس سے بہتر کوئی اور طریقہ نہیں مل سکتا ہے اور اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ دربار حیدرآباد میں اس قسم کی فوج کی فراوانی کا یہ انجام ہو کہ وہ ہمارے حقوق سے روگردانی اختیار کرے اور اپنی ساری توجہ ہمارے دشمن کے حقوق پر مبذول کرے لیکن ٹیپو سلطان سے جنگ ہونے یا اسے فرانس کی فوجی امداد مل جانے کی صورت میں اور اس کے ساتھ زبردست جنگ برپا ہونے کی حالت میں ہم حضور نظام سے کس قسم کی امداد کے متوقع ہو سکتے ہیں جن کی فوج کے کمان افسر زیادہ تر ٹیپو کے نامہ نگار اور فرانس کے باشندے ہیں اور جو اس ملک کی حمایت کی سرگرمی کے لئے خصوصیت کے ساتھ مشہور ہیں اور جن کا رابطۂ اتحاد ان سب فرانسیسی بہادروں سے ہے جو آجکل ہندوستان میں سکونت گزیں ہیں۔

ان واقعات کی موجودگی میں اپنی ضرورت کے لحاظ سے حضور نظام سے جسقدر بھی فوجی امداد طلب کریں گے وہ ہمارے حق میں بے سود ہونے کے علاوہ اسی قدر خطرناک ثابت ہوگی اگر حضور نظام کی فرانسیسی فوج ٹیپو کو علانیہ امداد نہ دے تاہم ہمارے واسطے موجب خطرہ ہونے کے بدون وہ ہماری امداد کے لئے ہرگز میدان کارزار میں نہیں لائی جا سکتی ہے اور تاوقتیکہ ویسی زبردست فوج بھی اس کی روک تھام کے لئے موجود نہ ہو وہ جنگ کے دوران میں دکن میں نچلی نہیں بیٹھ سکتی ہے جس سے کہ جنگ کا پانسہ پلٹ جائے گا اور پھر وہ میدان جنگ میں ہماری قوت کو سخت کمزور بنانے کے واسطے اپنی امکانی کوشش کرے گی اور یہ امر بھی یقینی ہے کہ حکومت حیدرآباد کی موجودہ حالت میں فرانسیسی فوجیں علانیہ ٹیپو کا ساتھ دیں گی اور پھر ایک ہی حملے میں سلطنت حیدرآباد پر قبضہ کر لیں گی اور ٹیپو سے مدافعانہ اور جارحانہ معاہدہ کر کے اسے فرانس کے حوالے کر دیں گی۔ سندھیا کی فوج کی موجودہ صورت نے اس خطرہ میں

اور بھی اضافہ کر دیا ہے اُس کے پاس ایک فرانسیسی افسر کے زیر کمان زبردست پیدل فوج موجود ہے اور یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہ ٹیپو سلطان (جس سے نامہ و پیام حال ہی میں شروع ہو گیا ہے) اور فرانس سے اس شرط پر معاہدہ کرنے پر بہت جلد تیار ہو جائے گا کہ اُسے حیدر آباد اور پیشوا کے علاقے اور حکومت میں سے کچھ حصہ دیدیا جائے گا۔ فرمانروائے دکن سندھیا اور ٹیپو کی فوج کے فرانسیسی افسران اس قسم کا اتحاد اور اتفاق پیدا کر سکتے ہیں جس سے پونا اور دکن کی ریاستیں برباد ہو جائیں اور ان کی تباہی پر ہندوستان میں فرانسیسی حکومت قائم ہو جائے اس لئے ان واقعات سے صاف ظاہر ہے کہ دربار حیدر آباد (خواہ وہ ہماری امداد کے لئے امکانی کوشش کا کیسا ہی ارادہ کیوں نہ رکھتا ہو) اپنی موجودہ حالت میں ٹیپو کے خلاف ہمیں مدد دینے کے لئے صرف ناقابل ہی نہیں ہے بلکہ ہمارے خلاف اس کی تجاویز کے عملدرآمد کا زبردست وسیلہ بن گیا ہے اور فرانس کی آتش حرص و آز کو اور بھڑکاتا ہے۔

حیدر آباد کی تو یہ حالت ہے اور ٹیپو کے خلاف ہمارے اتحاد ثلاثہ کا دوسرا رفیق پیشوا ہے اسی طرح وہ بھی مدافعانہ معاہدہ کی شرائط کو پورا کرنے کے قابل نہیں ہے۔

معاہدہ سرنگاپٹم کے مرتب ہونے کے بعد سلطنت مرہٹہ کی اصلی حالت ہمارے حق میں نہایت مفید تھی اُس وقت دیگر معاصر ریاستوں میں ایسا توازن قائم تھا کہ اُن سب کی قوت کا ایک ایسے مرکز پر جمع ہونا جس سے ہمارے مقبوضات یا ہندوستان کی کسی دوسری مستحکم سلطنت کو کسی قسم کا خطرہ پہونچنے کا احتمال ہو سکے ناممکن تھا اور نہ اس متحدہ سلطنت کے کسی ایک رکن کو ایسی قوت حاصل تھی کہ وہ تن تنہا ہماری قوت کا مقابلہ کر سکے۔ علاوہ بریں چونکہ پیشوا ان سب ماتحت ریاستوں کا مسلمہ سردار تھا اور اُس نے اپنے وزیر نانا فرنویس کی قابلیت کی مدد سے بہت سے بڑے بڑے مرہٹہ سرداروں پر اپنا اسقدر اثر قائم کر رکھا تھا جس کے باعث

۱۰۱

وہ ہمارا واجب الاحترام رفیق بن سکتا تھا اور اُسے میدان جنگ میں زبردست فوج لے آنے کے وسائل بھی حاصل ہوگئے تھے۔

معاہدۂ سرنگاپٹم کے زمانے سے لیکر مادھوراؤ کی وفات تک یہ خدشہ رہا کہ نانا نے اپنی چستی و چالاکی سے پیشوا کی سلطنت میں بہت زیادہ اقتدار و اثر حاصل کرلیا ہے اور اُس نے حکومت پونا کو اس لائق بنا دیا ہے کہ وہ سلطنت مرہٹہ کی کل طاقت کو خود استعمال کرسکے چنانچہ جنگ کھرڈلہ میں بہت سے مرہٹہ سرداروں نے پیشوا کو حیدرآباد کے خلاف فوجی امداد دی تھی جس کی بدولت پیشوا کے وقار اور قوت نے سلطنت آصفیہ کو خطرہ میں ڈال دیا تھا لیکن مادھوراؤ کے انتقال ہوجانے پر نانا کی حرص و ہوس نے اُسے اس کارروائی پر آمادہ کردیا کہ اُس نے ایک بنیئے لڑکے کو تخت سلطنت پر بٹھاکر وراثت کے مقررہ سلسلے کو توڑ ڈالا اور اپنے اس فعل سے سازشوں اور بغاوتوں کا دروازہ کھول دیا جس سے سلطنت مرہٹہ میں کچھ مدت سے سخت بدنظمی پھیلی ہوئی ہے۔

اس زمانہ کی حکومت پونا کی تبدیلیوں اور خانہ جنگیوں کے حالات کا مطالعہ نہ کرنے پر بھی یہ بیان کردینا کافی ہے کہ ان حرکات کی فراوانی سے پونا کی شہنشاہی قوت مضمحل ہونے لگی اور بالآخر اس کا انجام یہ ہوا کہ نانا قید ہوگیا اُس کا اثر زائل ہوگیا اور ان واقعات کے رونما ہونے سے حکمراں پیشوا کی قوت اور اختیار جاتا رہا اب اس کی گدی تک کے لالے پڑے ہیں۔

سندھیا نے اس انقلاب کے زمانے میں کبھی پیشوا کا اور کبھی نانا کا ساتھ دیا اور بالآخر اُس نے دونوں کو مغلوب کرلیا اور کچھ عرصہ سے وہ حکومت پونا میں اس قدر قابو یافتہ ہوگیا ہے کہ بحالت موجودہ پیشوا ٹیپو سلطان کے مقابلے کے لئے نہ تو ہمیں کسی قسم کی مدد دے سکتا ہے اور نہ وہ مرہٹہ سرداروں کو یہ حکم دے سکتا ہے کہ وہ ہمارے مددگار بن جائیں۔

ان حالات کے دوران میں جن سے حکومت پونا و حیدرآباد دونوں میں انحطاط پیدا ہوگیا ان کی شدید عداوتیں اور مخالفتیں اس درجہ جا پہونچی تھیں کہ وہ ہرگز آپس میں متحد ہوکر کوئی کام نہیں کرسکتی تھیں ٹیپو کے

۱۰۲

مقابلہ کے لئے ہم نے جو مدافعانہ معاہدہ کیا تھا اُسکا مقصد نہ صرف ہمارے
رفیقوں کی کمزوری کسے بلکہ زیادہ تر اس وجہ سے فوت ہوگیا کہ انھیں کسی مشترک
غرض میں اُنکا متحد کرنا یا متحدہ کام میں اُنکا شریک ہونا نہایت دشوار ہے۔
اور اس اثناء میں ٹیپو سلطان بلا غل و غش بالکل امن چین سے
بیٹھا رہا ہے اور ہمارے رفیق آپس کی جنگ و جدال و بغاوتوں اور انقلابات
سے کمزور اور پریشان ہوگئے ہیں اس کے برعکس ٹیپو سلطان اپنی فوج کی تنظیم
کی درستی اور اپنی مالی حالت کی ترقیات میں مصروف رہا ہے اس نے اسکی
بھی کوشش کی ہے کہ پیشوا اور حضور نظام سے اسکا میل جول ہو جائے اگرچہ
اُسے اپنے اس مقصد میں کامیابی حاصل نہیں ہوئی ہے لیکن ریمونڈ کی فوج
اور برطانیہ کی مخالف دیگر جماعتوں کے ساتھ تعلقات قائم ہوجانے سے
اس کو دربار حیدرآباد میں بہت کچھ رسوخ حاصل ہوگیا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا
کہ اس نے زمان شاہ کے پاس ایک سفارت بھی روانہ کی تھی جس کے ہندوستان
پر حملہ آور ہونے کے منصوبہ کی ہماری حکومت اور نواب وزیر اودھ کو ابھی حال
ہی میں باضابطہ اطلاع مل چکی ہے اس میں ہرگز کلام نہیں کہ فی الحقیقت زمان شاہ
کا ارادہ ہندوستان پر حملہ کرنے کا ہے سابق گورنر جنرل نے بھی اپنی یہی رائے
ظاہر کی تھی اور مجھے بھی ان کی اس رائے سے پورا اتفاق ہے۔

یہ بات مان لی گئی ہے کہ اپنی سلطنت پر بعض ہمسایہ ریاستوں کے
۱۱۰۳ حملے کے اندیشے اور بعض خانگی مخالفتوں کے باعث زمان شاہ ہندوستان
کی طرف آتے ہوئے راستہ میں لاہور سے اپنے ملک کو واپس چلا گیا اور اُس وقت
یہ امید کی گئی تھی کہ یہ وجوہ ابھی کچھ عرصہ تک اُسے اپنی تجویز پر عمل کرنے سے
باز رکھیں گے لیکن ہمارے رزیڈنٹ متعینہ دربار سندھیا نے اپنے گذشتہ
مراسلوں میں یہ اطلاع دی ہے کہ زمان شاہ اب اندرونی بغاوت اور بیرونی
حملے کے اندیشوں سے بالکل مطمئن ہوگیا ہے اور اب عام طور پر یہی کہا جاتا
ہے کہ موسم برسات کے اختتام کے بعد اسکا ارادہ اپنی فوجوں کو ہندوستان کی
سرحد کی جانب نقل و حرکت دینے کا ہے اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ گذشتہ موقع پر

زماں شاہ لاہور تک بڑھا ہوا چلا آیا اور سکھوں نے کسی قسم کی مزاحمت نہیں کی اگرچہ زمانۂ گذشتہ میں یہ بات مان لی گئی تھی کہ سکھ اس کے راستے میں اٹل سنگ راہ ثابت ہوں گے زماں شاہ کی نقل و حرکت کے لئے سکھوں کے ملک اور نواب وزیر اودھ کی سرحد کے درمیان کوئی روک بجز سندھیا کی ریاست کی موجود نہیں ہے اور سندھیا کی ریاست اندرونی تنازعات کے باعث اس قدر کمزور ہو گئی ہے کہ وہ کسی قسم کی مدافعت کر ہی نہیں سکتی۔ سندھیا تو مع اپنی قوم کے پونا میں رہتا ہے اور اس کے باجگذار سردار شمالی ہند میں ہیں لیکن وہ سندھیا سے اسقدر بیزار ہیں کہ اگر موقع پائیں تو اسکی حکومت کا خاتمہ ہی کر ڈالیں۔

زماں شاہ ان سہولتوں سے لاعلم نہیں رہ سکتا ہے اور اگر یہ سہولتیں اسے ہندوستان پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دیں تو اس صورت میں چونکہ ہماری فوجیں منتشر ہو جائیں گی اس لئے ٹیپو کو بھی کرناٹک پر حملہ کرنیکے لئے یہ بہترین موقع مل جائیگا اور غالباً ٹیپو اور زماں شاہ کی باہمی مراسلت کا دیا کم از کم اول الذکر کا کام یہی تھا کہ کسی طرح مل کر حملہ کیا جائے۔

دولت راؤ سندھیا کی فوج کی موجودہ حالت بھی ٹیپو کے حق میں دو چند سود مند ثابت ہو گی۔ ہندوستان میں اپنی ریاست سے سندھیا کی عدم موجودگی سے زماں شاہ کو حملے کی ترغیب ہوتی ہے اور اسکی کامیابی بھی سہل ہو جاتی ہے اور سندھیا کی فوج کے پونا میں موجود رہنے سے ہمارے دونوں حلیف رکے رہتے ہیں۔ اس لئے عام توازن میں ٹیپو کی قوت کے وزن کے متعلق یہ تسلیم کر لینا چاہئے کہ وہ زماں شاہ کی مشتہرہ تجاویز اور ایک حد تک ان کی کامیابی کے امکان۔ سندھیا کی کارروائیوں اور دیگر وجوہ سے بہت بڑھ گیا ہے جنھوں نے ہمارے مدافعانہ معاہدہ کی خوبیوں کو زائل کر دیا ہے اسی اثنا میں حکومت فورٹ سینٹ جارج نے جس کا یہ فرض ہے کہ وہ ٹیپو کی حرکات کی نگرانی کرے اور مجھے اسکی قوت کی ترقی کی بابتہ ہر ایک واقعہ سے مطلع کرتی رہے اپنے مراسلہ مورخہ ۱۰ جولائی میں صاف طور پر یہ بیان کیا ہے کہ "اس کی مالی حالت ہم سے بھی بہتر ہے اور اس کی فوج عرصۂ دراز سے میدان جنگ کے

۱۰۴

سازو سامان سے مکمل آراستہ مانی جاتی ہے" حکومت فورٹ سینٹ جارج کو ٹیپو کی فوجی قوت کے خطرہ کا اس قدر احساس ہے کہ وہ ٹیپو کی ترقیات کی مزاحمت کے واسطے کوشش کرنے سے بھی اس لئے ڈرتی ہے کہ شاید ہماری تیاریوں سے مزاحمت کا اندیشہ محسوس کرکے وہ اپنی تیاریوں میں اور بھی عجلت کرے اور اپنی مدافعت کے لئے ہماری فوجوں کی نقل و حرکت سے پیشتر ہی وہ کرناٹک پر قابض نہ ہو جائے۔

حکومت فورٹ سینٹ جارج کے اس مراسلہ سے مجھے جسقدر رنج اور صدمہ ہوا ہے اس کو بیان کرنا مشکل ہے اور میرا خیال ہے کہ اس کے علاوہ اور کسی قسم کے جذبات برطانوی مفاد کی ترقی کے خواہاں یا ہندوستان میں برطانیہ کی شہرت کے حامی کے دل میں پیدا نہیں ہو سکتے ہیں اس مراسلہ میں جو واقعات اور دلائل درج ہیں اگر وہ صحیح ہیں تو اب یہ بات تسلیم کر لینی چاہئے کہ جنگ میسور میں ہماری شاندار فتح مندی اور صلح نامہ مرتب کرنے میں تحارتین کے حقوق اور قوتوں میں توازن قائم رکھنے کی فرزانگی، اور اس کے باعث ساحل پر اپنی فوج کی تعداد میں اضافہ کرنے سے کمپنی کا زبردست صرفہ ان سب کا نتیجہ صرف اس قدر برآمد ہوا کہ ٹیپو کو ناقابل تسخیر قوت حاصل ہو گئی اور گویا ہم نے اپنی تقدیر اس کے ہاتھ میں دیدی کیونکہ اگر حکومت فورٹ سینٹ جارج کے خیالات ہندوستان میں ہمارے اور ٹیپو کی حالات کے صحیح موازنہ پر مبنی ہیں تو ٹیپو کو حملہ آور ہونے کے کافی ذرائع حاصل ہیں اور ہم تو مدافعت کا بندوبست کرنے کی بھی جرات نہیں کر سکتے ہیں اور اسکی عداوت کی بابتہ پوری واقفیت حاصل ہو جاتے۔ ہمارے دشمن کے ساتھ اس کا باضابطہ جارحانہ معاہدہ کرنے اور جنگ کے لئے اس کی تیاریاں ہونے پر بھی ہمیں غیر مسلح رہنا چاہئے کیونکہ اگر ہم اس کے خلاف عمل کرنے کا تہیہ کریں گے تو ممکن ہے کہ وہ اپنی تجویز کے متعلق عملی کارروائی شروع کرنے میں تعجیل کرے۔ اگر اپنی مدافعت کے لئے جنگی تیاریوں کی دانائی کے خلاف ہم اس دلیل پر قائم رہیں گے اور ٹیپو کی جنگی تیاریا

۱۰۵

برابر جاری رہیں گی تو اس دلیل پر قائم رہکر ہم اس حالت کو پہنچ جائیں گے کہ یا تو ہم پورے طور پر اس کی اطاعت قبول کر لیں یا اس سے بھی عظیم الشان خطرہ مول لیں جو مدافعانہ قوت کے مجتمع کرنے سے ہمیں پیش آسکتا ہے۔

اگرچہ اس مسئلہ میں میرا ارادہ حکومت فورٹ سینٹ جارج کی رائے پر عمل کرنیکا نہیں ہے لیکن میں ان کے فوجی نظم کی ان خرابیوں کو میں ضرور تسلیم کرتا ہوں جن کے باعث اس فوج کا بڑا حصہ کئی ماہ تک نقل و حرکت نہیں کر سکتا ہے اس میں شک نہیں کہ ان نقائص نے ٹیپو کے لئے بہت سی آسانیاں پیدا کر دی ہیں اور اس لئے یہ نقائص نہایت غور طلب اور ہمارے حق میں خطرہ کا خاص موجب ہیں اور ان نقائص کو مایوسی کاہلی و سستی یا دشمن کی اطاعت کر لینے کے بجائے دیگر تدابیر سے دور کرنا ہماری حکومت پر فرض و لازمی ہے۔

(۱۰۶) میں نے اب اس خطرہ کے خاص اسباب کی بخوبی جانچ کر لی ہے کیونکہ صلحنامہ سرنگاپٹم کے بعد سے واقعات کے تغیر پذیر راستہ میں ان پتہ چل سکتا ہے ان اسباب کے مختلف نتائج سے ہماری حقیقی حالت کی نوعیت ان واقعات کو مختصر طور پر بیان کر دینے سے بخوبی ظاہر ہو جائیگی جن کو میں بالتفصیل عرض کر چکا ہوں ٹیپو سلطان ہمارے خلاف نہایت مخاصمانہ ارادے ظاہر کر چکا ہے اور اس کے پاس ایسی فوج موجود ہے جس کا بڑا حصہ حملہ آور ہونے کی غرض سے میدان جنگ میں داخل ہونیکے لئے بالکل تیار ہے ٹیپو نے فرانس سے فوجی امداد کی استدعا کی ہے اور غالباً اس کو وہاں سے مزید امداد مل جائے گی اور اسے ان افواج سے بھی مدد ملے گی جن کے کمان افسر حیدرآباد۔ سندھیا اور دیگر ہندوستانی ریاستوں میں ملازم ہیں اسی طرح زماں شاہ کے حملے اور سندھیا کی حمایت سے بھی اسے امداد مل سکتی ہے۔ اس کے برعکس کرناٹک کی حفاظت کے لئے بھی ہماری فوج متعینہ ساحل کارومنڈل کم از کم ۳ ماہ اور اٹو جوٹنٹ جنرل لفٹننٹ کرنل کلوز کی رائے کے بموجب ۶ ماہ سے قبل نقل و حرکت نہیں کر سکتی ہے

اور اسی کے ساتھ ہمارے حلیف مدافعانہ شرائط کو ہرگز پورا کرنے کے لائق نہیں ہیں کیونکہ پیشوا اور حضور نظام اور سندھیا کی مداخلت بیجا سندھیا کی فوج کی موجودگی اور اس فوج کے زبردست اثرات سے جو دکن میں فرانسیسی افسروں کے زیر کمان ہیں قطعی معذور اور بے بس ہو رہا ہے اور ہماری یہ حالت ہے کہ اگر ٹیپو حملہ کر بیٹھے تو ہمارا ایک سپاہی بھی کرناٹک کی حفاظت کے لئے تیار نہیں ہے اور ہمارا کوئی حلیف ہمیں فوجی مدد نہیں دے سکتا ہے۔ لہذا کرناٹک کی قسمت کا فیصلہ ٹیپو کے ہاتھ میں ہے مزید برآں فرانس کی قوت ہندوستان کے ہر حصہ میں بڑھتی جاتی ہے ہمارے حلیف یعنی حضور نظام اور پیشوا ٹیپو اور سندھیا کے رحم و کرم پر ہیں جن سے فرانسیسی ملے ہوئے ہیں اور ہم نے فرانس کے لئے دکن میں زبردست آمدنی کے وسائل اور مستقل سکونت گاہ چھوڑ دی ہے جن کا سنگ بنیاد ہمارے اتحاد کی بربادی پر نصب کیا جائے گا اگرچہ ان حالات میں برطانوی حکومت ہند بلاشبہ نہایت خطرناک حالت میں ہے تاہم میری رائے میں کوئی خاص فکر کی بات نہیں ہے کیونکہ ہماری ان مشکلات ہی میں وہ اسباب مل سکتے ہیں جن سے نہ صرف موجودہ خطرہ رفع ہو سکتا ہے بلکہ وہ اس قسم کے اندیشہ کے دوبارہ رونما ہونے کا مستقل علاج بھی ہو سکتا ہے لیکن سندھیا کے منصوبوں کے مشترکہ اندیشہ سے مقام مسرت ہے کہ ریاست پونا اور حیدرآباد میں اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے اتحاد کرنے کا خیال پیدا ہو گیا ہے اور اگرچہ گاہے ماہے مکر و فریب اور خفیہ ریشہ دوانیوں کی علامتیں نمودار ہو جاتی ہیں جو ہر ایک ایشیائی سلطنت کی فطرت میں داخل ہیں۔ پیشوا کے وزیر اعظم اور عظیم الامرا کو اس بات کا پورا یقین ہو گیا ہے کہ پیشوا اور فرمانروائے دکن کے مابین رابطۂ اتحاد کا از سر نو قایم ہو جانا دونوں کے تحفظ کے لئے یکساں ضروری ہے اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ پیشوا کو بغیر حضور نظام کی مدد کے سندھیا کے ناواجب اثر سے نجات حاصل ہونے یا محفوظ رہنے کی کوئی امید نہیں ہے علاوہ بریں یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر پیشوا کو پوری قوت اور اختیار حاصل

(۱۰۷)

ہو جائے تو وہ دربار حیدرآباد کی آزادی کے حق میں سندھیا، ٹیپو اور فرانس کے
منصوبوں کے سدراہ ہوگا اس لئے مجھے یہی مناسب معلوم ہوا کہ اگر ہم ٹیپو کے
خلاف اتحاد ثلاثہ کو اس کی حقیقی بنیاد پر از سر نو قایم کردیں اور معاہدین کو ایسی
اپنی شرائط پر عمل کرنے کے لائق بنادیں تو غالباً نہ تو پیشوا اور نہ حضور نظام
ہماری اعانت کو رشک و حسد سے دیکھیں گے جو مناسب حال و مناسب وقت
میں ہم انھیں دے سکیں گے میری ہدایات مورخہ ۸ جولائی بنام رزیڈنٹ صاحبان
متعینہ پونا و حیدرآباد کا اساسی اصول یہی امید تھی۔ اس کے بعد کی مراسلت نے
اس امر کا بہت کافی ثبوت فراہم کردیا کہ ان دونوں ریاستوں کی حالت کے
متعلق میری رائے ہرگز غلط نہ تھی کیونکہ یہ معلوم ہوا ہے کہ جب میں حضور نظام
اور پیشوا کے درمیان اتحاد پیدا کرنے کی تجویزیں تیار کررہا تھا جو ان کے
باہمی حقوق کی مستحکم بنیاد پر قایم کیا جائے تو اسی وقت اسی غرض کیلئے
ان دونوں ریاستوں کے مابین بمقام پونا ایک معاہدہ طے ہوگیا۔

۱۰۸

عظیم الامرا نے اس معاہدہ کی حضور نظام سے تصدیق اور توثیق
کرانے میں تاخیر کررکھی ہے لیکن غالباً ہمارے توسط سے ہر ایک اختلافی مسئلہ
باآسانی طے ہو جائے گا۔ دونوں فریق نے ہم سے ثالث ہونے کی درخواست
کی ہے اور جب کبھی ہم اس میں دخل دیں گے تو دونوں فریق اسے
قبول کرلیں گے اور اسے اپنے حق میں نہایت سود مند تصور کریں گے
بانشیور پیروں اور فرانسیسی فوج کے غیر معتدل طرز عمل سے دربار حیدرآباد
کو روز افزوں خوف و اندیشہ پیدا ہو رہا ہے اور اس لئے عظیم الامرا ایسی
زبردست اور خطرناک جماعت کے استیصال کرنے کے لئے ہماری
پیش کردہ دستگیری کو نہایت شکرگزاری کے ساتھ قبول کرلیں گے
اور فرانسیسیوں کا باہمی رشک و حسد اس فوج کو برخاست کرانے میں
بڑی سہولتیں پیدا کردے گا عظیم الامرا نے نہایت زوردار الفاظ میں
اپنی یہ رائے ظاہر کی ہے کہ وہ ہماری امداد سے اپنے اس دلی مقصد میں
کامیابی حاصل کرنے کے خواہشمند ہیں لیکن عام اختلافات کے تصفیہ میں

غالباً دولت راؤ سندھیا کی تند خوئی اور سینہ زوری بڑی زبردست مشکلات حائل ہیں جس کی موجودہ حالت سے ٹیپو کو نہایت پُراثر مدد ملے گی اور پیشوا یا حضور نظام کا اعزاز اور وقار دوبارہ بحال کرنے میں مزاحم ہوگی لیکن سندھیا کی اپنی ریاست سے غیر حاضری اور اس کی ناقابل اصلاح زیادتیاں خواہ کیسی ہی قابل تاسف کیوں نہ ہوں جن کی بدولت ایسے واقعات رونما ہو گئے جنھوں نے ہمارے رفیقوں کی قوت کو صدمہ پہنچایا ہے لیکن اس سے اس کی قوت کے وسائل بھی کمزور ہو گئے ہیں اور اسی نے اس کی عملداری میں بغاوت اور سرکشی کی ہوا پھیلادی ہے اور اسکے خاندان کے جملہ دوستوں۔ ہوا خواہوں اور معتقد خیر خواہوں کو ناراض اور مایوس کر دیا ہے۔ اس نے اپنے رشتہ دار ہل کی عورتوں پر اس درجہ جور و ستم کیا ہے کہ اس کے ہم رکابوں کی ایک زبردست جماعت اسکی سخت مخالف ہو گئی ہے اس نے ناناصاحب کو نہایت عیاری اور دغابازی کے ساتھ اس امید پر قید کر دیا تھا کہ وہ ناناصاحب کے خزانہ پر متصرف ہو جائیگا اور اس وقت اپنی اشد ضرورتیں پوری کرنے کے لئے اُسے روپیہ کی سخت ضرورت تھی لیکن ناناصاحب کے خزانہ سے اُسے ایک جھنجی کوڑی تک نہ مل سکی۔ اُس لئے اب اُس کے پاس آمدنی کا کوئی ذریعہ موجود نہیں اور نہ کوئی معتبر دوست اس کا معاون و مددگار ہے اور اس کے گرد وپیش ایک ایسی فوج موجود ہے جو ہر وقت اپنی تنخواہ کے لئے شور مچاتی ہے اس کا وزیر خاص نہایت کارآزمودہ اور معقول شخص ہے اس نے ہمارے رزیڈنٹ متعینہ پونا کے روبرو نہایت صاف الفاظ میں سندھیا کے طرز عمل کی مذمت کی اور کہا کہ میری دلی تمنا ہے کہ آپ کی وساطت سے سندھیا اور پیشوا کے درمیان مصالحت ہو جائے اور پھر سندھیا عافیت کے ساتھ ہندوستان میں اپنی ریاست کو واپس چلا جائے خود سندھیا نے ہمارے رزیڈنٹ متعینہ پونا کا مشورہ قبول کرنے سے اظہار ناراضی نہیں کیا ہے جس کی نصیحت سے اس وقت اس کی دست اندازی (۱۰۹)

بہت کچھ رکی ہوئی ہے لیکن جو واقعات کہ رونما ہو چکے ہیں ان کی بنا پر یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ اسکی موجودہ پریشان حالی میں اگر ہماری حکومت زوردار الفاظ میں کوئی معقول اور مناسب تجویز پیش کرے گی تو سندھیا اس کا معقول لحاظ کرے گا۔ زماں شاہ کے حملے کا چونکہ اندیشہ پیدا ہو گیا ہے اس لئے سندھیا کو اپنی ریاست میں واپس بلانے کی اور بھی ضرورت ہے اور وہ اس بات سے غافل نہیں ہو سکتا کہ زماں شاہ کا حملہ ہونے کی صورت میں نہ صرف اسکی ریاست کی سلامتی کا زیادہ تر انحصار برطانیہ کی فوجی اعانت پر ہے بلکہ اس کی فوج اور ریاست کی موجودہ بدنظمی کے باعث اُس کی تقدیر کا فیصلہ بھی ہمارے ہاتھ میں ہے۔

(۱۱۰) واقعات کی اس صورت میں اگر سندھیا ہماری دست اندازی اور دوستانہ معاہدوں کی تجدید کی مخالفت کرے تو اُس کی یہ مخالفت غیر موثر اور نامناسب ہو گی اور اپنے مفاد اور حکمت عملی کی خاطر وہ کسی ایسی کارروائی کرنے سے احتیاط کرے گا جس کی وجہ سے حملہ آور ہونے کی معقول دلیل ہمارے ہاتھ آ سکتی ہے۔ پونا کے گذشتہ مراسلے پڑھکر یہ توقع ہوتی ہے کہ بہت ممکن ہے کہ نانا فرنویس اور پیشوا اپنے اپنے مفاد کی خاطر باہمی عداوت کو فراموش کر ڈالیں ان دونوں کے درمیان اگر کسی قسم کی مفاہمت ہو گئی تو اس سے پیشوا، سندھیا اور حضور نظام کے حقوق کا تصفیہ کرنے میں نئی سہولتیں پیدا ہو جائیں گی۔

آجکل ایسے واقعات موجود ہیں جن کے باعث ہماری حقیقی حالت کی ضروریات، میری رائے میں اس امر کی مقتضی ہیں کہ ہم احتیاطی اور مدافعانہ کارروائی کی تجویز پر عمل پیرا ہونے کی رائے کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھیں۔ میں نے حسب ذیل وجوہ کی بنا پر اس تجویز پر عملدرآمد کرنیکا یہ طریقہ تجویز کیا ہے۔

چنانچہ دربار حیدرآباد نے ہمیں یہ اطمینان دلا کر کہ مزید انگریزی فوج کے آجانے پر پیروں کی فرانسیسی فوج فوراً برخاست کر دیجائے گی ہم سے کئی بار

اس بات کی خواہش کی ہے کہ حیدرآباد میں جو انگریزی فوج ملازم ہے اس کی تعداد
میں بیشی کردی جائے لیکن اس کے ساتھ دیگر شرائط جو پیش کیجاتی ہیں وہ پیشوا
کے معاہدوں کے منافی ہیں اور حضور نظام و پیشوا کے مابین خلفشار ہو جانے سے
اس وقت کے باآسانی طے ہونے میں موانعات حائل ہو گئے ہیں اس لئے
سابق گورنر جنرل باجلاس کونسل نے یہ مناسب تصور کیا کہ جو انگریز باہر سے
تلاش معاش کے لئے آئیں انھیں حضور نظام کی ملازمت میں داخل ہونے کی
ترغیب دیجائے تاکہ فرانسیسی فوج کا جو اثر کہ دربار حیدرآباد پر ہے اس کا توڑ ہو سکے
اس خیال کو مد نظر رکھکر مسٹر فنگلاس کے زیر کمان فوجوں کے قایم مقام رزیڈنٹ
نے بہت کچھ حوصلہ افزائی اور حفاظت کی ہے اور اب اس فوج میں اسقدر
اضافہ کیا گیا ہے کہ اسکی تعداد ۸ ہزار ہو گئی ہے مجھے تو اس حکمت عملی کا انجام
نہایت مشکوک معلوم ہوتا ہے اور مجھے تو ہمیشہ اس بات کا اندیشہ لگا رہتا ہے
کہ یہ تدبیر فرانسیسیوں کا اثر زائل کرنے کے بجائے کہیں ان کے غرور و تکبر و لوں
کی بیشی کا موجب نہ ہو جائے اگر اس میں معقول کامیابی بھی حاصل ہوئی تو
وہ محض عارضی علاج ہوگا کیونکہ مجھے تو اسکی کوئی توقع نہیں کہ مسٹر فنگلاس جیسی
فوج اس پایہ کی ہو گی کہ اس کی وجہ سے فرانسیسی فوج کو برخاست کیا جا سکے
اس لئے ہمیشہ یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ تاوقتیکہ حیدرآباد کی معاونتی
فوج میں مستقل طور پر زبردست اضافہ نہ کیا جائے گا دربار حیدرآباد فرانسیسی
جماعت کے پنجے سے آزاد نہیں ہو سکتا جو ریاست میں نہایت استحکام
کے ساتھ قائم ہو گئی ہے میں اپنے اس خیال کے متعلق دلائل پیش کر چکا ہوں
کہ حیدرآباد میں انگریزی فوج کی تعداد میں اضافہ ہونا پیشوا کے لئے رشک
و حسد کا موجب نہ ہوگا اور اس لئے ان واقعات کی موجودگی میں ٹیپو اور
سندھیا کے گزشتہ طرز عمل سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے میں نے
یہ تجویز پیش کی ہے لیکن اس پر عملدرآمد کرنے سے قبل دربار پونا کی رضامندی
حاصل کر لینا چاہئے اس تجویز کے ساتھ میں نے یہ شرط بھی لگادی ہے کہ
پونا و حیدرآباد کے مابین جو مسائل مابہ النزاع باقی ہیں ان کے تصفیہ کے

واسطے ہماری حکومت کی ثالثی قبول کر لی جائے۔ مابہ النزاع صرف معدودے چند
مسائل ہیں اور دربار حیدرآباد کے مطالبات نہایت معقول اور معتدل ہیں
اس لئے مجھے پوری امید ہے کہ ایسے اصولوں پر فیصلہ ہو جائے گا جو دونوں
کے حق میں یکساں مفید ثابت ہوگا۔

میں ابھی بیان کر چکا ہوں کہ فرانسیسی فوج کا اثر دربار حیدرآباد کے واسطے
نہایت مخدوش ہے جس کو وہ جانشینی کے مسئلہ کے طے ہوتے میں استعمال
کریں گے جب کبھی حضور نظام کے انتقال سے تخت خالی ہو جائے گا اگر خاندانی
نزاعات، غیر ملکی سازش یا قوت سے جانشینی کا باقاعدہ نظم درہم برہم نہ ہو جائے (۱۱۲۳)
تو سکندر جاہ فرزند اکبر حضور نظام کے حقیقی جانشین ہوں گے اس لئے کہ
یورپ کی طرح اگرچہ ہندوستان میں اولاد اکبر جانشینی کے لئے کلیتاً استحقاق
نہیں رکھتی ہے لیکن یہ ایک زبردست حق تسلیم کیا جاتا ہے اور بجز والدین کی
ناراضی یا کسی خاص عیب کے یہ استحقاق مسترد نہیں ہوتا ہے۔ سکندر جاہ اس
قسم کے ہر ایک اعتراض سے مبرا ہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ حضور نظام کی
سکندر جاہ پر خاص عنایتیں ہیں چنانچہ حضور نظام نے ان کے سپرد شاہی مہر
کر دی ہے اور چند ایسے اہم کام سپرد کر دئے ہیں جو کلیتاً بادشاہ کے خود
کرنے کے ہیں۔ حضور نظام کا اپنی حیات میں شاہی اختیارات اپنے فرزند اکبر
سکندر جاہ کے سپرد کر دینا انہیں اپنا جانشین نامزد کر دینے کے مساوی متصور
ہوتا ہے اور یہ قیاس کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ اپنے ولی عہد کو اس کے
حقوق سے محروم کر کے وہ کسی چھوٹے بیٹے کو اپنا ولی عہد نامزد کر دیں گے
تاوقتیکہ حضور نظام کو نزع کے عالم میں یہ بڑا ہی غیر منصفانہ اور خلاف مصلحت
فعل کرنے کے لئے مجبور اور لاچار نہ کر دیا جائے۔

سکندر جاہ کی شادی عظیم الامرا کے خاندان میں ہوئی ہے اور اس وجہ
سے ان کے سریر آرائے حکومت ہونے سے دربار حیدرآباد میں
انگریزی حقوق کے تحفظ کو مزید تقویت حاصل ہو جائے گی۔ علاوہ بریں
حضور نظام کا کوئی اور بیٹا بدون فرانسیسی جماعت یا ٹیپو سلطان کی دستگیری کے

تخت نشین ہو جانے کی ہرگز توقع نہیں کر سکتا ہے۔ اس بات کے ہم کافی
ثبوت پیش کر سکتے ہیں کہ فرانسیسی اور ٹیپو سلطان سکندر جاہ کو تخت سلطنت
سے محروم کرنے میں کسقدر کوشاں ہیں اور جانشینی کے مسئلہ میں مداخلت
کرنے کے لئے انھوں نے جو حرکتیں کی ہیں وہ بھی بیان کر دی گئی ہیں ان حرکات
کی پھر تجدید ہوگی اور خدا نخواستہ اگر انھیں کامیابی ہوگئی تو اس کا انجام
عظیم الامرا اور سکندر جاہ کی تباہی اور آخر کار دربار حیدرآباد میں انگریزی حقوق کی (۱۱۳)
پامالی ہوگا۔ معاہدۂ سرنگاپٹم مرتب ہونے کے وقت ہندوستان میں
قوت کا توازن جو موجود تھا اُسے دوبارہ قائم کرنے کے جملہ توقعات منقطع
ہو جائیں گے اور حضور نظام کی ریاست فرانس کی تحتانی سلطنت ہو جائیگی
اور فرانس کے طرفدار ٹیپو سلطان سے اور حیدرآباد کی فرانسیسی فوج سے مل کر
ہندوستان میں انگریزی قوت کے لئے خطرہ کا موجب ہو جائیں گے
اس لئے حیدرآباد میں انگریزی فوج میں اضافہ کرنے کی ضرورت کے متعلق
جو تجاویز پیش کئے گئے ہیں وہ ان واقعات کی موجودگی میں اس امر کے
مستحق ہیں کہ سکندر جاہ کی جانشینی کی حمایت کے واسطے ان پر عملدرآمد کیا جائے
چونکہ ان کا تعلق حیدرآباد میں ہمارے اثرات کے استحکام اور ٹیپو سلطان
و فرانس کے اثرات کو زائل کرنے سے ہے اس لئے میں نے اپنے رزیڈنٹ
متعینہ حیدرآباد کو یہ اختیار دیدیا ہے کہ اگر اس کے بعد ضرورت لاحق ہو تو
وہ انگریزی رسالوں سے وہاں پر کام لے اور میرے نزدیک محض ہماری
فوج کی حیدرآباد میں اس خبر کے ساتھ موجودگی ہی غیر ملکی اور خاندانی مخالفتوں کا
سدباب کر دے گی کہ ہمارا ارادہ جانشینی کے عام قاعدہ کی حمایت کرنے کا ہے

حضور نظام کی ملازمت میں انگریزی فوج رکھنے کے انتظامات نامکمل
رہیں گے تاوقتیکہ دربار پونا اس کی صدق دلی کے ساتھ تائید نہ کرے اور پیشوا
کو اس کے رتبہ کے لائق اختیارات نہ مل جائیں لیکن ٹیپو سلطان اور فرانس
کے ہندوستان میں روز افزوں اثر کے خطرہ کو زائل کرنے کی اشد ضرورت
ہے اس لئے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اگر پونا میں ہماری تجویز کو ناکامی

نصیب ہوئی تو اس صورت میں حیدرآباد کی حفاظت اور وہاں کے
دربار سے فرانسیسی جماعت کے اثرات کو زائل کرنے کی اور بھی ضرورت
بڑھ جائے گی۔ ہمیں بہت کچھ کرنا پڑے گا اس لئے اگر پیشوا ان تجاویز کو
منظور نہ کرے جو اس کے روبرو پیش کی جائیں یا اگر سندھیا کی کارروائیوں کی
کامیابی یا کسی دوسری وجہ سے دربار پونا کے متعلق ہمارے تدابیر باطل
ہو جائیں اس وقت بھی مجھے یہی مناسب معلوم ہوگا کہ میں ریزیڈنٹ متعینہ حیدرآباد
کو یہ ہدایت کروں کہ وہ انگریزی فوج میں اضافہ کرنے کی تجویز اور میری دیگر
ہدایات پر عملدرآمد شروع کر دے جو اسے قابل عمل معلوم ہوں اور پیشوا کو
یہ حق حاصل رہے گا کہ جو معاہدے ہم حیدرآباد سے کریں گے انہیں وہ جس وقت
چاہے تسلیم کر لے۔ اور اسی سلسلے میں حیدرآباد کے معاونتی معاہدوں کی
ان شرائط کو سردست ملتوی رکھا جائے جن کا پیشوا سے تعلق ہے

(۱۱۴) اگر یورپین افسران یا سپاہیوں کو کسی دوسری ریاست میں نوکری
کرنے کی اجازت دیجائے گی تو پھر حیدرآباد سے فرانسیسی فوج برخاست
ہو جانے سے بھی ہمارے وہ مقاصد حاصل نہ ہوں گے جو اس تجویز کے
پیش کرنے سے ہمارے پیش نظر تھے۔ اگرچہ حضور نظام کی ملازمت میں وہ جسقدر
خطرناک ثابت ہوئے وہ دوسری ملازمت میں اسقدر مخدوش نہیں ہو سکتے
ہیں تاہم میں نے یہ کوشش کی ہے کہ فرانسیسی حیدرآباد سے صرف برخاست
ہی نہ کئے جائیں بلکہ فوراً وہ اپنے وطن واپس بھیجدئے جائیں اور اسی لئے
میں نے یہ استدعا کی ہے فرانسیسی افسروں اور دیگر ملازموں کو فوراً یورپ
روانہ کرنے کی غرض سے انہیں حکومت فورٹ سینٹ جارج کے حوالے
کر دیا جائے۔ حضور نظام نے حکومت فرانس یا فرانسیسی افسران سے کوئی
معاہدہ اس قسم کا نہیں کیا ہے کہ انہیں ہمیشہ ملازم رکھا جائے گا اس لئے
وہ جس وقت بھی مناسب تصور کریں انہیں یک قلم برخاست کر سکتے ہیں
چونکہ مانشیور پیروں اور اس کی فوج نے حیدرآباد میں زبردست قوت حاصل
کر لی ہے جس کو وہ نہایت بیجا طریقہ پر استعمال کرتے ہیں اس لئے اپنے

تاج و تخت اور حکومت کو ایسی مخدوش جماعت سے نجات دلانے کے لئے حضور نظام جو کچھ مناسب سمجھیں وہ تدابیر اختیار کر سکتے ہیں۔

(۱۱۵) اسی خیال کو پیش نظر رکھکر میں نے اپنی تجویز میں پہلی شرط یہی لگائی ہے کہ حضور نظام۔ ان کے جانشین اور ورثا اپنی عملداری اور اپنی فوج میں فرانسیسیوں کو کبھی داخل ہونے کی اجازت نہیں دیں گے۔

حیدرآباد میں زیادہ تعداد میں انگریزی فوج قائم کر دینے کے بعد مسٹر فنگلاس کی فوج پر وہ اعتراضات باقی نہیں رہیں گے جو میں نے اس قسم کے آوارہ گردوں کے حضور نظام کے یہاں ملازمت حاصل کرنے کی حوصلہ افزائی کئے جانے کی بابتہ بیان کر دئے ہیں۔ لیکن ہمیں اس مسئلہ کو فی الفور طے کرنے کی ضرورت نہیں اگر دربار حیدرآباد ہماری تجاویز کو قبول کر لے تو اپنی مرضی کے مطابق اس مسئلہ کو فیصل کرنے کے بہت کافی وسائل ہمارے پاس موجود ہو جائیں گے۔ حیدرآباد میں انگریزی فوج بڑھانے سے پیشتر اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ ہمارے مجوزہ انتظام کا جس حد تک پونا کے شعبۂ ملازمت سے تعلق ہے اولاً اس کے لئے حضور نظام کی رضامندی حاصل کر لی جائے

پونا یا حیدرآباد کے متعلق میرا ارادہ اس وقت تک کوئی کارروائی کرنے کا نہیں ہے جب تک کہ ایک کے متعلق دوسرے کو پوری اطلاع نہ دیجائے اور اسکی رضامندی حاصل نہ کر لی جائے اور میرے نزدیک یہ ایسا عمدہ اصول ہے کہ جس کی ہر منزل پر نہایت سختی کے ساتھ پابندی کرنی چاہئے تاکہ رشک و حسد کے جملہ وجوہ رفع ہو جائیں دونوں کو ہم پر اعتماد و بھروسہ ہو جائے اور یہ دونوں ریاستیں ایک دوسرے کے حقوق کا بے لوثی کے ساتھ خیال و لحاظ رکھیں۔

مجوزہ انتظام کے جن حصوں کا تعلق حکومت پونا کی جدید تنظیم سے ہے وہ کرنل پامر نے اپنے خط مورخہ یکم جون میں بالفاظ ذیل تجویز کئے ہیں

"پونا میں زبردست انگریزی فوج کے پہونچ جانے پر پیشوا کو اپنے پورے

اختیارات حاصل ہو جائیں گے اور پھر اس حالت میں ٹیپو کے کہنے پر بھی سندھیا کو اس کی مخالفت کرنے کا کوئی معقول بہانہ نہیں مل سکے گا۔

پونا سے جو اطلاعات موصول ہوئی ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں پر ہماری یہ راے پسند کی گئی ہے کیونکہ بیرونی امداد کے بغیر کسی اور طریقہ سے پیشوا کو اپنے اختیارات کا مل جانا قطعی ناممکن ہے اس لئے امید ہوتی ہے کہ ہماری فوج کے پہونچ جانے پر جملہ مرہٹہ سردار پیشوا کی اعانت اور حمایت کرنے پر تیار ہو جائیں گے اور سندھیا کے معاونین بھی اس بات کو نامنظور نہیں کریں گے پیشوا نے خود ہماری فوجی امداد کے لئے پُرزور استدعا کی ہے اور اس کی ضرورت نہایت مشرح طور پر بیان کر دی ہے اور اپنی حفاظت اور اپنے اختیارات کی بحالی کے واسطے اسکے اثرات کو ظاہر کیا ہے علاوہ بریں ٹیپو کی حالت یوماً فیوماً زیادہ مخدوش ہوتی جاتی تھی اُس نے حضور نظام سے بھی مدد مانگی تھی لیکن اسکی تقدیر کا فیصلہ ہونے سے قبل حضور نظام کی امداد اُس تک نہیں پہونچ سکتی تھی دوسرے یہ کہ باوجود معاہدہ ہو جانے کے حیدرآباد سے امداد ملنے کی توقع نہایت مذبذب تھی اس حالت میں صرف ایسی تدبیر پر ہماری حکومت بھروسہ کر سکتی تھی کہ اس ریاست میں اپنے حقوق کے فوری تحفظ کے لئے اپنی فوج بھیجکر دست اندازی کر لے۔

(۱۱۶)

اس لئے رزیڈنٹ متعینہ پونا کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ بمبئی سے رسالہ طلب کر لے لیکن اس پر عملدرآمد کرنے سے پیشتر یہ مناسب معلوم ہوا کہ رزیڈنٹ صاحب پیشوا سے حیدرآباد میں انگریزی فوج کی تعداد بڑھانے دربار پونا و حیدرآباد کے نزاعات کے لئے ہماری ثالثی۔ اپنی ریاست اور فوج سے فرانسیسیوں کے اخراج کی منظوری حاصل کر لیں دربار پونا سے اس انتظام کا دوامی فائدہ اٹھانے کی غرض سے یہ تہیہ کر لیا گیا ہے کہ دربار پونا کے روبرو یہ تجویز پیش کی جائے کہ وہ ہمارے ساتھ اُس طرح پر دوامی معاونتی معاہدہ کر لے جس طرح کہ ہم نے دربار حیدرآباد سے طے کیا ہے اسی غرض سے

(۱۱۷)

رزیڈنٹ متعینہ پونا کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ وہ حیدرآباد اور پونا میں اس انتظام کے کامیاب ہونے کے لئے ایسی مناسب کارروائیاں عمل میں لائے جن کو نانا فرنویس پسند کرے۔

پونا کے گزشتہ مراسلوں سے یہ قوی امید ہوتی ہے کہ سندھیا کو اس کی ریاست میں واپس بھیجنے اور پیشوا کے اختیارات بحال کرنے میں کرنل پامر نانا فرنویس کی قابلیت اور تجربہ سے بہت کچھ کام لیں گے ہماری دست اندازی سے جب حیدرآباد اور پونا میں اتحاد و اتفاق قایم ہو جائے گا تو اس صورت میں اگر ہمارے اس انتظام میں سندھیا کچھ روڑے اٹکانا چاہے گا تو غالباً وہ باسانی دور ہو جائیں گے اور اس کی یہ حرکت اس کے لئے سخت بدنامی کا باعث ہوگی۔

نانا فرنویس کا خزانہ ہی سندھیا کے لئے اپنی بردل فوج کا منہ بند کرنے کا واحد ذریعہ ہے مگر کرنل پامر مناسب موقع پاکر نانا فرنویس اور سندھیا کے مفاد کو اس طرح پر پیوست کر دیں گے کہ سندھیا کسی قسم کی فوجی نقل نہ کر سکے اور سلامتی کے ساتھ اپنی ریاست کو واپس چلا جائے چونکہ میں جملہ فریقوں میں صلح کرانے کا متمنی ہوں اس لئے میں نے کرنل پامر کو ہدایت کی ہے کہ سندھیا کے روبرو نہایت مشفقانہ و صلح جویانہ تجاویز پیش کرو اور اسے سمجھا دو کہ اپنی ریاست کو واپس چلے جانے میں آپ ہی کا فائدہ ہے چونکہ آپ کی عدم موجودگی میں آپ کی ریاست خطرہ میں رہے گی زمان شاہ کا حملہ ہونے کی صورت میں ہم آپ کے معاون ہونگے اور یہ کہ پونا و حیدرآباد کے درمیان ہم بھی مصالحت کرانے کے لئے آمادہ ہیں اور ان دونوں کی آزادی بحال کرانے کے انتظام کے لئے میں نے یہ شرط لگا دی ہے کہ وہ دونوں ریاستیں اس پر راضی ہو جائیں کہ سندھیا سے ان کے جو اختلافات ہیں وہ ہم رفع دفع کرا دیں۔

سندھیا ہماری تجاویز کو ہرگز نامنظور نہیں کر سکتا ہے کیونکہ ان کے انکار سے وہ ہمارا علانیہ دشمن اور ٹیپو سلطان کا معاون بن جائے گا۔ (۱۸)

اس حالت میں بالآخر ہمیں سختی سے کام لینا چاہیئے اور ریزیڈنٹ متعلقہ کو ہدایت کردی گئی ہے کہ بدرجۂ مجبوری آخری سبیل یہی ہے کہ تم سختی سے کام لینا تاہم میرے نزدیک زیادہ سختی کی ضرورت نہیں ہوگی۔

میں نے دکن میں فرانسیسی جماعت کی ترقی کو روکنے اور اپنے دوستانہ معاہدوں کے نتائج حاصل کرنیکے واسطے مرقومۂ بالا تدابیر تجویز کی ہیں۔

میں اُن دلائل کو بیان کرچکا ہوں جن سے مجھے اس امر کا یقین ہوگیا ہے (حکومت فورٹ سنیٹ جارج کی رائے کے خلاف) کہ ٹیپو کی علی الاعلان تجاویز اور مسلمہ جنگی تیاریوں کی حالت میں کرناٹک کی حفاظت کے واسطے ساحل کارومنڈل۔ ملابار اور بمبئی پر فوجوں کا اجتماع نہایت ضروری تھا۔ دشمن کی جنگی تیاریوں کے قدم بہ قدم نہ چلنے کی مہلک پالیسی کا نتیجہ ہم ساحل ملابار پر کئی بار دیکھ چکے ہیں اور اپنے فرض منصبی کا احساس کرکے میں اپنی رائے کو پھر دُہراتا ہوں کہ کرناٹک کو ایسی نازک حالت میں چھوڑ دینے پر میں ہرگز راضی نہیں ہوسکتا ہوں اس کا تحفظ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہم جنگی تیاریاں شروع کردیں اور اگر میں صرف ان ہی تجاویز پر بس کرتا جن کی کامیابی کا انحصار دربار حیدرآباد و پونا کی منظوری پر ہے (جو ٹیپو کی ناقابل برداشت عداوت کو رفع کرنیکے لئے بحالت موجودہ و آیندہ ہمارے لئے اشد ضروری ہیں) تو صرف ایسی ضرورت سے بھی ساحل کارومنڈل و ملابار و بمبئی پر فوجوں کے اجتماع کی تجویز مجھے پیش کرنی چاہیئے تھی۔

یہ فرض کرلینا ناممکنات سے ہے کہ ہمارے مدافعانہ معاہدوں کی تجدید میں مزاحمت کرنے کے لئے ٹیپو اپنی امکانی کوشش نہ کریگا اور اس لئے یہ بات بھی یقینی ہے کہ اس کی روز افزوں جنگی تیاریاں اور اسکے فرانس کے ساتھ جدید تعلقات اُس کو حضور نظام اور پیشوا کے معاملات میں مداخلت کرنے کی شہ دیں گے اور پونا میں سندھیا کی اور حیدرآباد میں پیروں کی فوج کی رائے کی تائید اور اعانت پر آمادہ کریں گے اس لئے اپنے دوستوں کے ساتھ

(۱۱۹)

نامہ و پیام ہونے کے دوران میں اپنی فوجوں کو ٹیپو کی سرحدوں پر جمع کرکے اسکی نقل و حرکت کو روکنے کی اشد ضرورت ہے۔

اپنی اس یادداشت میں ساحلی فوجی نظم کے ان نقائص کو بیان کرتے ہوئے میں نے چشم پوشی کی ہے جو اس نازک موقع پر اس کی نقل و حرکت کے مانع ہوئے ان نقائص کو رفع کرنے کے واسطے میں نے جو تجاویز پیش کی ہیں وہ کرناٹک میں ہمارے آئندہ کے تحفظ کے لئے نہایت ضروری ہیں یہ تجاویز میری یادداشت بصیغۂ راز مورخہ ۲۰ جولائی اور میرے مراسلہ بنام حکومت فورٹ سینٹ جارج میں تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔

میں اس صرفہ سے تو آگاہ ہوں جو ہماری ساحلی فوج کی اسقدر درستی و اصلاح کرنے میں ہمیں برداشت کرنا ہوگا کہ ہماری فوج نہایت تیزی اور مستعدی کے ساتھ ٹیپو کے فوری حملے کے مقابلہ کے واسطے پورے طور پر تیار رہے۔

اگر حیدرآباد سے ہمارا معاونتی معاہدہ طے ہو جائے تو وہاں کے لئے ایک سالم پلٹن جس میں ۳ رجمنٹ ہوں گی درکار ہوگی جو فورٹ سینٹ جارج کی فوج سے دی جا سکتی ہے۔

جو فوج کہ حیدرآباد میں متعین کی جائے گی وہ شمالی سرکار کو ٹیپو سلطان یا کسی اور غیر ملکی غنیم کے حملے سے بچا سکے گی۔ شمالی سرکار میں صرف اتنی فوج کافی ہو گی جو اندرون ملک امن برقرار رکھ سکے اور پولیس کے فرائض انجام دے لے اس لئے مصالحت ہو جانے کی صورت میں اس امر کی ضرورت نہیں ہے کہ جو فوج آجکل حضور نظام کے یہاں ملازم ہے اس کی بجائے دوسری فوج تعینات کرنے کے لئے فورٹ سینٹ جارج میں ایک سے زیادہ رجمنٹ کی بھرتی کی جائے۔

اس انتظام سے فورٹ سینٹ جارج کے فوجی مصارف میں دو رجمنٹوں کے خرچ کی بچت ہو جائے گی اور ہمارے پاس اس قدر سرمایہ موجود رہے گا جو کم از کم توپ خانہ - مویشیوں اور غلہ کے جدید خرچ کے لئے کافی ہو گا کیونکہ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ فوری ضرورت کے وقت مستعدی کے ساتھ

(۱۲۰)

حملہ کرنے میں ان کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔
ایسی صورت میں ٹیپو کے مقابلے کے لئے مدافعانہ معاہدوں کی
تکمیل کا ضروری تعلق کرناٹک میں ہمارے مدافعانہ نظم کی اصلاح و ترقی
سے وابستہ ہے اور جو فوجی امداد ہم حضور نظام کو پہنچا رہے ہیں وہ (بلا مزید
مصارف کے) ہمارے ساحلی فوج کے حق میں مزید سرگرمی اور مستعدی کا
موجب ہو جائے گی چونکہ مجھے ان موانعات کا دلی رنج و صدمہ ہے
جو ٹیپو کے علاقہ پر فوری حملہ کرنے میں حائل و مزاحم ہوئے لیکن اب
مجھے امید ہے کہ دور اندیشی اور مدافعت کے نظم کی کامیابی سے ہمیں
بہت کچھ فائدہ پہونچے گا جس کو میں نے فوری جنگ کی بجائے مجبوراً
قایم کیا ہے دربار حیدرآباد سے معاونتی معاہدے کرنے اور اسی قسم کے
معاہدے پونا سے قرار پا جانے کے باعث ہماری فوجی قوت میں بیحد
اضافہ ہو جائے گا اس میں کچھ زائد صرفہ بھی نہ پڑے گا اور غالباً ہمارے
فوجی مصارف میں قدرے کمی واقع ہو جائے گی۔

ہماری دو پلٹنوں کی ایک بڑی فوج بن جائے گی اور وہ ٹیپو
کی سرحد کے ایسے مقامات پر تعینات کی جائے گی جن پر آسانی دائر
ہو سکتا ہے اور وہ ہمارے سامان رسد کی حفاظت کرکے نہایت
سہولت کے ساتھ ہر وقت سلطان کے دار السلطنت تک پہنچ سکے
گی اگر کبھی کرناٹک۔ شمالی سرکار یا ملابار کی سرحد کی جانب قدم بڑھانے کا
ٹیپو تہیہ کرے تو ہماری فوج کی تعیناتی اس کی نقل و حرکت کے ہمیشہ
مانع و مزاحم رہے گی۔

اس کی بدولت ٹیپو اور سندھیا کی فوجیں کبھی ملنے نہ پائیں گی
اور اس وجہ سے سندھیا کو اپنی ریاست میں مقیم رہنے کی ترغیب (۱۲۱)
ہوگی اور سرحدوں پر ہماری فوج کی موجودگی سے وہاں بھی اس کی نقل و
حرکت کی روک تھام ہوتی رہے گی۔

ایسی صورت میں سندھیا کا فائدہ بھی اسی میں ہے کہ فرانس یا

کسی اور دیسی ریاست کے مقابلے میں ہم سے دوستی پیدا کرنے کو وہ ترجیح دے۔ اس طرح زماں شاہ کی سرحد ہندوستان پر پہونچنے کی صورت میں سندھیا ہمارے لئے نہایت کارآمد رفیق بن سکتا ہے اور اس حالت میں وہ ہماری اعانت کا خود محتاج ہوگا لیکن اس کے برعکس اگر پیشوا کے خلاف اپنے رشک و حسد و غیر منصفانہ خیالات میں اُسے کامیابی حاصل ہو جائے تو وہ ٹیپو سلطان اور فرانس کا ہی خواہ بن جائے گا اور اُسے ایک ایسی سلطنت کے باقی ماندہ اجزا کا کچھ حصہ مل جائے گا جس کو وہ خود مغلوب کر سکتا تھا۔

اس کے بعد ہمیں اپنی پوری کوشش اس بات میں صرف کرنی چاہئے کہ ان دو ریاستوں کی قوت اور آمدنی میں کمی نہ ہونے پائے جن کے اشتراک عمل سے ریاست میسور سے جنگ ہونے کے وقت امداد ملنے کا پورا بھروسہ اور اطمینان ہے۔ اور چونکہ ہم اپنے رفیق کو جنگ و جدال کے باعث کمزور ہونے سے بچانے ہیں اس لئے ہمیں امید ہے کہ ہندوستانی ریاستوں کے باہمی نزاعات میں ہماری دست اندازی کسی مخالفت یا جنگ کا موجب نہ ہوگی بلکہ کل ہندوستان میں عام طور پر امن و امان قائم کرنے کا باعث ہو جائے گی اور ہماری یہ دست اندازی ایک زبردست علامت ہماری امن پسندی کی ثابت ہوگی۔

خواہ بادی النظر میں یہ مجوزہ نظم کیسا ہی پیچیدہ اور عظیم الشان کیوں نہ معلوم ہو لیکن بہت جلد ہندوستان کے جملہ فرماں رواؤں پر واضح ہو جائیگا کہ ہم اپنے رفیقوں اور خود اپنے لئے اصولاً ایسی ہر ایک تجویز کے مخالف (۱۲۲) ہیں جو فتوحات۔ توسیع عملداری یا ظلم اور رشک و حسد کے واسطے ہو اور ایسے اصول پر کاربند ہونے کے باعث ہمارا فرض اور استحقاق ہے کہ ہم اپنے حلیفوں کی کمزوریاں رفع کر دیں لیکن اس اصول سے ہم ہرگز تجاوز نہیں کرنا چاہتے ہیں۔ اور نہ کوئی ایسی تجویز پر عمل کرنا پسند کرتے ہیں جس سے کسی دیسی ریاست کی قوت میں کچھ کمی و بیشی کرنا مد نظر ہو بلکہ برخلاف اسکے ہمی

اصول کسی بیرونی مداخلت کو روکنے کا فرض ہم پر عائد کرتا ہے اگر وہ مداخلت ہمارے جائز حقوق یا مدافعانہ معاہدوں میں رخنہ اندازی کرنے کی نیت اور ہندوستان میں اپنا سیاسی اقتدار قایم کرنے کی غرض سے کیجائے۔

حیدرآباد اور پونا میں ہماری امدادی فوج متعین ہو جانے سے نہ صرف ان ریاستوں کی بیرونی حملوں سے محافظت ہو جائے گی بلکہ کوئی بیرونی ریاست ناموزوں قوت حاصل نہ کرسکے گی اور چونکہ ہمارے پاس ہندوستان کے مرکز میں ایک زبردست فوج موجود رہے گی اس لئے اس قسم کا کوئی واقعہ بلا ہمارے علم و رضامندی کے ہرگز وقوع میں نہ آنے پائیگا۔

اب غور طلب صرف یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ جب ہم اس نظم کی تکمیل کرلیں جس کا انحصار ہمارے رفیقوں کے دربار کی منظوری پر ہے اور اپنی فوج کو جنگ کے لئے تیار کرکے کرناٹک میں لے آئیں اس وقت ہمارے مطالبہ کی کیا نوعیت ہو جو ہم ٹیپو کے روبرو اپنے اطمینان کے لئے پیش کریں گے۔

اس بحث کے دوران میں جو واقعات میری نظر سے گزرے ہیں ان سے یہ امر صاف ظاہر ہوگیا ہے کہ ہماری سلامتی کی صرف یہ صورت ہو سکتی ہے کہ ٹیپو سلطان کی قوت میں کمی کردی جائے۔ معاہدۂ سرنگاپٹم سے ہرگز یہ غرض نہ تھی کہ ٹیپو کی قوت ایسے پیمانے پر قائم رکھی جائے جس سے کہ وہ کمپنی کے لئے ہمیشہ خوف و خطرہ کا موجب بنا رہے اور جو شخص بھی کہ ہماری یا فورٹ سنیٹ جارج کی حکومت کے (۱۲۴) سرکاری کاغذات سے واقف ہے وہ ہرگز اس امر سے انکار نہیں کرسکتا ہے کہ کئی سال سے ٹیپو ہمارے واسطے خوف و خطر کا موجب ہے گذشتہ دو سال کے اندر یہ دوسرا واقعہ ہے جس سے مجبور ہو کر حکومت نے محض ٹیپو سلطان کی نقل و حرکت روکنے کے لئے ساحل پر فوج جمع کرنے کی ضرورت محسوس کی ہے۔

ٹیپو سلطان کی فوجی طاقت اور اس کی جنگی تیاریوں کے متعلق ہماری مبہم اور ناقص معلومات اور سمندر کے ذریعہ سے اس کو فرانس کی امداد اور خفیہ قاصدوں کی آمد کی سہولتوں نے کمپنی کی حکومت کے انتشار اور تردد میں بہت کچھ اضافہ کر دیا ہے اور چونکہ اس کے ساتھ ہمارا نامہ و پیام ناتکمیل اور مبہم قسم کا ہوتا رہا ہے اس لئے ہم جنگ یا امن کے زمانے میں کسی قسم کا فائدہ اٹھانے سے قطعی محروم ہیں

ایسی صورت میں ٹیپو کی قوت میں روز افزوں اضافے کا ہونا کمپنی کے حق میں ہمیشہ خدشہ، پریشانی اور صرفہ کا موجب رہے گا۔

اس کے معاندانہ وسائل میں اس طرح کمی ہو سکتی ہے کہ یا تو اس کی مملکت اور وسائل آمدنی میں معقول کمی کر دی جائے یا ہم اپنی جنگی قوت اور قابلیت میں اضافہ کر کے اپنی کمی کو پورا کر لیں اور مزید برآ ہم ایسی تدابیر اختیار کر لیں جن کے وسیلے سے ہم اس کے ارادوں اور ان پر عمل کرنے کی قوت کا صحیح اندازہ کر سکیں اور فرانس کے ساتھ اسکے نامہ و پیام کو اگر ہم بالکل بند نہ کر سکیں تو کم از کم اس میں رکاوٹ پیدا کر سکیں۔

ساحل ملابار پر اسکے علاقے میں کمی کر دینے کا ضرور یہ اثر ہوگا کہ فرانس کے ساتھ اس کے نامہ و پیام میں مشکلات حائل ہو جائیں گے اور کرناٹک کی جانب بے پروہ نقل و حرکت نہ کرنے پائے گا۔ لیکن محض ہماری تلوار کے ڈر سے ہماری اس دلی تمنا کے بر آنے کا کوئی امکان نظر نہیں آتا ہے۔ یہ آرزو تو صعوبت و مصارف جنگ برداشت کرنے ہی سے پوری ہو سکتی ہے اور غالباً اسی قیمت پر اس کے وسایل میں معقول کمی کی جا سکتی ہے

(۱۲۴) میں نے ان تدابیر کا مفہوم اور ان کی نوعیت بیان کر دی ہے جو دوستانہ اور امدادی معاہدوں اور کرناٹک میں اپنی مدافعت کے ذرائع کی اصلاح و ترقی کی صورت میں ہم نے اختیار کی ہیں۔

اس انتظام میں کامیابی حاصل ہونے کے بعد ٹیپو کی قوت پر نہایت

زبردست دباؤ پڑے گا اور ہماری سرحدیں اس قدر محفوظ ہو جائیں گی کہ ہم جنگ کا خطرہ مول لئے بغیر ان تمام امور کی بابت اس سے نہایت معقول ضمانت طلب کر سکیں گے جن سے آجکل اس کی قوت نہایت خطرناک ہو رہی ہے۔

اور میں بیان کر چکا ہوں کہ یہ معاملات اس کی کارروائیوں کا اخفا اس کا فرانس کے ساتھ سلسلہ نامہ و پیام ہونا اور اس کی جنگی تیاریاں ہیں معاہدہ کی خلاف ورزی کرنے کی بابتہ ہم ٹیپو سے ایسے الفاظ میں جواب طلب کریں کہ یہ ساری خرابیاں رفع ہو جائیں اور ہمارا مطالبہ ایسے معقول منصفانہ صاف اور صریح اصولوں پر مبنی ہو کہ ٹیپو کا انکار کرنا نہایت مذموم اور بیہودہ متصور ہو سکے تاکہ سارے ہندوستان پر ہمارے ہتیار اٹھانے کی ضرورت روشن ہو جائے۔

ہم ٹیپو سے صاف صاف کہہ سکتے ہیں کہ ہماری نیت ہرگز آپ کا ملک غصب کرنے یا آپ کے وسایل آمدنی کو کم کر دینے کی نہیں ہے اور اپنی نیک نیتی کے ثبوت میں ہم ضلع ونار واپس دینے کا واقعہ پیش کر سکتے ہیں اور ہم اسے بتلا دیں کہ آپ نے بلا وجہ معاہدہ کی خلاف ورزی کی ہے اور اس پر بھی ہم آپ سے کوئی ملک یا زرتاوان نہیں طلب کرتے ہیں بلکہ ہم تو اپنے صرف اسی مطالبہ پر قناعت کرلیں گے کہ آپ ہماری مخالفت و عداوت کرنے سے محترز رہیں اور یہ ایسا معقول مطالبہ ہے جو ساری مہذب قومیں ایام صلح میں ایک دوسرے سے کیا کرتی ہیں اور ہم نہایت زور کے ساتھ اس سے یہ جواب طلب کریں کہ صاف صاف بتا دیجئے کہ آیندہ ہمارے اور آپکے تعلقات کی کیا نوعیت رہے گی کیونکہ گزشتہ چند سال میں آپ کا جیسا مہمل اور پریشان کن طرز عمل جملہ متخاصمین کے ساتھ رہا ہے ہم ہرگز پسند نہیں کرتے ہیں۔ (۱۳۵)

ہم صاف صاف اپنی یہ مستقل رائے اس پر ظاہر کر دیں کہ یا تو ہمارے ساتھ حقیقی اور پُر اثر صلح رکھے اور اسی کے ساتھ نامہ و پیام کے مراسم اور

باہمی حسن سلوک ہوتا ہے اور ایسے شرائط طے کیجئے جن سے صلح کے برکات حاصل ہوتے رہیں ورنہ ہم آپ پر حملہ کریں گے اور اس وقت تک لڑتے رہیں گے جبتک کہ آپ کی ساری قوت کا خاتمہ کرکے ہمارے جملہ خدشے اور اندیشے رفع نہ ہو جائیں گے۔

جملہ اتحادیوں کو متفقہ طور پر ٹیپو سے یہ مطالبہ کرنا چاہئے اور پھر اس سے یہ درخواست بھی کرنا مناسب ہے کہ صلح کے زمانہ میں جیسا کہ جملہ مہذب اقوام کا دستور ہے اسی طرح وہ اپنے دربار میں ہمارے ہر ایک حلیف کا ایک سفیر آنے کی اجازت دے اور اسی طرح ان ہی شرائط پر وہ اپنے سفیر ہمارے یہاں روانہ کرے۔

ٹیپو نے فرانس سے جارحانہ معاہدہ کرکے جو فوج کمپنی پر حملہ آور ہونے کی غرض سے تیار کی ہے اس لئے یہ فوج جب تک اس کی ملازمت میں رہے گی اس کے رکھنے کا یہی مقصد سمجھا جائے گا اور اس سے یہ مطالبہ کرنا چاہئے کہ بلا تاخیر اس فوج کو برخاست کردے اور اپنی عملداری سے نکال باہر کرے۔

انگریزی قوت کا ہندوستان سے استیصال کرنے کے لئے فرانسیسیوں کی دلی تمنا۔ فرانسیسیوں کے ساتھ ٹیپو کے تعلقات کی نوعیت اور فرانسیسیوں کا اپنے مفاد کی خاطر ٹیپو کو جنگ پر اکسانا یہ جملہ امور ایسے ہیں کہ ان کی بنا پر اس سے یہ مطالبہ ہونا چاہئے کہ وہ مستحق ہیں کہ وہ اپنی طرف سے اور اپنے جانشینوں اور ورثا کی جانب سے یہ معاہدہ کرے کہ وہ فرانسیسیوں کو ہمیشہ کے واسطے اپنے قلمرو سے نکال باہر کریگا۔

ٹیپو سے یہ مراعات مل جانے پر ہمیں بہت سے فوائد حاصل ہو جائیں گے کیونکہ اس کے دربار میں ہمارے ایک سفیر کے قیام سے وہ نہ صرف اپنی مخاصمانہ تجاویز پر عمل پیرا نہ ہو سکے گا جو اس کے بعد اس کے ذہن میں گذریں گی بلکہ معتبر اور مستند معلومات بہم پہونچانے کا ایسا وسیلہ ہمارے ہاتھ آجائے گا جس کی بدولت ہمیں اس کے حرکات و سکنات کی (۱۴۶)

بروقت اطلاع مل سکے گی۔

اس تدبیر سے بالآخر ہمارے دوستانہ تعلقات سلطنت میسور کے ساتھ قائم ہوجائیں گے کیونکہ آخر کار ٹیپو کو بھی یقین ہو جائے گا کہ اس کے حق میں نہایت دانشمندانہ حکمت عملی یہی ہوسکتی ہے کہ اپنے کھوئے ہوئے علاقہ کو واپس لینے کی کوشش میں مزید علاقہ کے ضائع جانے کا خطرہ مول لینے سے یہی بہتر ہے کہ اپنی موجودہ سلطنت پر بے غل وغش قبضہ رہنے کو غنیمت تصور کرکے قناعت کرلی جائے۔

ٹیپو نے ماریشش سے جو فرانسیسی فوج بھرتی کی ہے اُسے برخاست کردینے پر اس قوم کے دیگر اصحاب کو سلطان کی ملازمت کے لئے آنے کی جرأت نہ ہوگی اور عین موقع پر انگریزی سفیر کی موجودگی کی بدولت اس کے لئے معاہدہ کی خلاف ورزی کرنا سخت دشوار ہوجائے گا جس کی رو سے وہ فرانسیسیوں کو اپنی فوج اور اپنی عملداری سے نکال دینے کا پابند ہوگا۔

اس لئے ان دونوں تدابیر کا اسقدر نتیجہ تو ضرور ہوگا کہ ہمارے دشمن کے ساتھ اس کا نامہ وپیام اگر کلیتاً نہیں تو بڑی حدتک ضرور بند ہوجائیگا۔

اور بالآخر وہ اس پر بھی غور کرے گا کہ وہ زبردست فرانسیسی امداد کے بغیر انگریزی قوت کو موثر صدمہ پہونچانے کی توقع نہیں کرسکتا ہے اور تاوقتیکہ وہ اپنی آزادی کو خطرہ میں نہ ڈالے ایسی فوجی امداد اسکے ملک میں نہیں پہونچ سکتی ہے۔

ہمارے معاہدوں کی تجدید۔ میدان جنگ میں ہماری فوجوں کا نمودار ہونا اور ساحل ملابار پر انگریزی اسکواڈرن کے ایک حصہ کا موجود رہنا غالباً ٹیپو کو ہمارے اس قسم کے مطالبات سننے پر آمادہ کردے گا۔ اس کی سمجھ میں بہت جلد آجائے گا کہ اس کی فوجی قوت کا قلع قمع کردینے اور سلطنت میسور کا استیصال کرنے کے معقول وسائل ہمارے پاس موجود ہیں اور میں امید کرتا ہوں کہ اس سے یہ بھی یقین ہوجائے گا کہ اپنے تحفظ کے علاوہ ہماری کوئی اور غرض نہیں ہے اور ہم فی الحقیقت اس کے ساتھ دوستی و صلح (۱۲۸)

تعلقات اُس وقت تک قائم رکھنے کے خواہاں ہیں جب تک کہ وہ اپنے موجودہ علاقے پر قانع رہے گا اور ہمارے خلاف اپنی شرانگیز تجاویز سے باز رہے گا۔

اگر میرے مجوزہ مطالبات کے مفہوم کو ٹیپو قبول کرلے تو مجھے قوی امید ہے کہ نہ صرف اتحادِ ثلاثہ کی اصل غرض پوری ہوگی بلکہ حیدرآباد اور پونا میں ہماری کثیر فوج کے رہنے۔ سرنگاپٹم میں ہمارے سفیر کے قیام کرنے ٹیپو سلطان اور حضور نظام و پیشوا کی عملداری سے فرانسیسیوں کے خارج کئے جانے سے ہم یہ توقع کرسکیں گے کہ اب مدت دراز تک ہندوستان میں امن وامان قایم رہے گا اور پھر ہندوستان میں فرانسیسی قوت کے بڑھنے کا کوئی اندیشہ باقی نہیں رہیگا اور زماں شاہ کے مفروضہ حملے کے وقت سندھیا (یا ہندوستان میں اُس کی ریاست کا جو کوئی بھی وارث ہو) ہمارا نہایت کارآمد معاون بن جائے گا اور اُس وقت ساحل کارومنڈل کے فوجی مصارف میں بآسانی تخفیف ہوسکے گی کیونکہ پھر ہماری حکومت کو ٹیپو کی جنگی تیاریوں اور کرناٹک پر حملہ ہونے کا کچھ اندیشہ نہ ہوگا اور بنیادہٗ امن ہمیں کسی قسم کی تکلیف مصیبت۔ پریشانی اور مصارف جنگ کی شکایت پیدا نہ ہوگی اور ہمیں اپنی قوت کے تفوق سے کہیں زیادہ حقیقی امن اور دائمی تحفظ حاصل کرنیکے لئے اپنی قوت کے صحیح اور مناسب استعمال سے امن وامان برقرار رہنے کا اطمینان حاصل ہوجائے گا۔

ضمیمہ (۴)

مراسلہ منجانب میجر جنرل سر جان میلکم

بنام مارکوئس آف ہیسٹنگز
ازمقام مدراس مورخہ ۱۷ جولائی ۱۸۱۷ء

حضور والا۔

کلکتہ سے روانہ ہونے کے قبل میں نے حضور والا سے عرض کیا تھا کہ پنڈاریوں پر حملہ کرنے کے متعلق حتی الوسع اپنے خیالات سے بہت جلد حضور والا کو مطلع کرونگا اور اسی کے ساتھ یہ بھی گوش گذار کردونگا کہ اس جنگ کی بدولت ہمیں مالوہ کے کس کس سردار اور فرماں روا سے سابقہ پڑے گا اس مسئلہ کی بحث میں کوئی ایسی خبریا نئے واقعات میں پیش کرنے والا نہیں ہوں جس سے حضور والا خود واقف نہیں ہیں لیکن جن دلائل پر کہ میری رائے مبنی ہے انھیں ظاہر کردینے کا مجھے اس قدر اشتیاق ہے کہ میں حضور والا کو مجبوراً اس کے سننے کی تکلیف دوں گا۔ اس مشکل مسئلہ کا بغور مطالعہ کرنے سے میرے دل نے ان تدابیر کی حقیقی ضرورت کو تسلیم کرلیا ہے جن کی بدولت ہمیں اپنی حکمت عملی کے ایسے اصولوں سے روگردانی کرنی پڑے گی جو ہم نے اس وقت تک ریاستہائے مالوہ کے متعلق اختیار کر رکھے تھے۔ یہ رائے قایم کرنیکے متعلق میں اپنے دلائل کا پورا اسلسلہ

بیان کروں گا تاکہ حضور والا کے روبرو میری اصابت رائے کی داد دینے یا غلطی کی اصلاح کرنے کے لئے بہترین ذرائع موجود ہوں۔

انگلستان سے روانہ ہونے کے قبل میں نے مسٹر کیننگ[1] (Mr. Canning) کی خدمت میں پنڈاریوں کے حالات پیش کئے تھے اور اس یادداشت میں ان کی ابتدا کا پتہ لگانے اور ان کے عادات و خصائل بیان کرنے کی کوشش کی تھی اور ایسی تجاویز پیش کی تھیں جنکے ذریعہ سے وہ باآسانی معدوم یا مغلوب ہو سکتے ہیں۔ اس یادداشت کے (۱۲۹) پیش کرنیکے بعد چونکہ کمپنی کے علاقہ پر دو حملے ہو چکے ہیں۔ حکومت پونا کی حالت ابتر ہو گئی۔ ناگپور کے راجہ سے معاونتی معاہدہ ہو گیا۔ دولت راؤ سندھیا ہم سے پھر گیا علاوہ بریں بہت سے خفیف معاملات پیش آئے ہیں (جن میں سے گنجام پر پنڈاریوں کا حملہ ہونے کے بعد کٹک اور گنجام میں غدر پڑنا زیادہ اہمیت رکھتے ہیں) اس لئے اس مسئلہ کے اکثر اجزا کی ہیئت کذائی تبدیل ہو گئی ہے اس لئے اب اس مسئلہ کی تبدیل شدہ شکل پر میں بحث کرونگا اور دیسی ریاستوں کے رزیڈنٹ صاحبان کی مشرح اور مدلل مراسلات کا حوالہ دونگا جو ہمارے سیاسی محکمہ کے ہوشیار افسران نے مع دیگر مستند دستاویزات کے فراہم کی ہے جس سے ان غدار لٹیروں کی حالت اور غارتگر فرماں رواؤں کے ساتھ ان کے تعلقات پر روشنی پڑتی ہے جن سے وہ قطعاً اور باقاعدہ وابستہ ہیں۔

پنڈاریوں کی ترقی کے وجوہ میں پیشتر ہی مفصل طور پر بیان کر چکا ہوں۔ اگرچہ وہ فوجی لٹیروں کی ایک علیحدہ جماعت کی شکل میں عرصہ دراز سے موجود تھے اسمیں شبہ نہیں ہے کہ ٹیپو سلطان کی قوت کے زائل ہونے سے حضور نظام اور پیشوا کی سیاسی آزادی کے سلب ہو جانے اور سندھیا و ہلکر کی قوت کے گھٹ جانے سے انکی تعداد میں بہت زیادہ بیشی ہو گئی اور ان فرماں رواؤں سے بڑی حد تک آزاد ہو جانے سے جنکے وہ تابع فرمان تھے انکا دائرہ عمل نہ صرف اور زیادہ وسیع ہو گیا بلکہ

[1] پنڈاریوں کی سرگزشت جو ۱۸۱۶ء میں مسٹر کیننگ کی خدمت میں پیش کی گئی تھی۔

ان میں بہت زیادہ دلیری اور اولوالعزمی پیدا ہو گئی۔

جو حضرات کہ مارکوئس آف ویلزلی کی حکمت عملی پر اعتراض کرتے ہیں وہ اس عظیم الشان خرابی کا موجب ان اصولوں کو قرار دیتے ہیں جو حکومت برطانیہ کا اقتدار یا اثر جملہ ریاستہائے ہند پر قائم کرنے کے واسطے اُس نے اختیار کئے تھے۔ لیکن اس لارڈ موصوف کے اصولوں کے حامی یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ جملہ خطرات کی بنا کا موجب وہ خود غرضانہ اور غیر جانب دارانہ حکمت عملی ہے جس نے ہماری عظیم الشان کامیابی کے ثمرات کو ضائع کر دیا اور امن عامہ حاصل ہونے کے عظیم و محبوب مقصد میں جو قریبی کامیابی کی توقع اپنی حقیقی اور مسلمہ فضیلت کی بدولت ہمیں ہو گئی تھی اور جسے اپنی اور اپنے رفیقوں کی اصلی طاقت کے وسیلہ سے اور اپنے اثر کے بے خوف استعمال سے ہم حاصل کر سکتے تھے اس میں ٹالویی پیدا کر دی۔ (۱۳۰)

کسی خرابی کے رفع کرنے کی تدبیر سے پیشتر اس کا اصلی سبب معلوم کرنا چاہئے اور اس اصول کو مدنظر رکھکر اپنے دوازدہ سالہ تجربہ کی بنا پر ایسے واقعات معلوم کرنے کی اشد ضرورت ہے جن سے ان دونوں نظام عمل کی بالمقابل خوبیوں کا اندازہ کرنے میں مدد ملے۔ لارڈ ویلزلی کا نظام عمل اولاً ہندوستان کے جنوبی حصوں میں جاری کیا گیا تھا۔

اس کے نفاذ سے میسور کے علاقے میں ہم کو بے غل و غش پوری کامیابی حاصل ہو گئی جہاں پر خاص خاص سرداروں۔ پلٹنوں رسالوں اور کنداچہر (Candachar)) سپاہیوں کی زبردست جماعت کے مصارف کے واسطے نہایت عمدہ انتظامات ہو گئے اور اس کی بدولت وہاں کی نہایت دلیر اور بہادر رعایا ہمارے قبضے میں آ گئی جس سے کہ ہم اپنی مرضی کے مطابق کام لے سکتے ہیں اور اس کی وجہ سے ہم اس علاقے میں ہر قسم کی بغاوت اور بدامنی کو رفع کرنے کے قابل بن گئے۔

حضور نظام دکن کے ساتھ دوستی کر لینے سے ہمارے ہاتھ میں ٹیپو کو

تباہ کرنے اور سلطنت مرہٹہ کو مغلوب کرنے کے ذرائع آ گئے اور آخر الذکر مقصد کے حصول کے واسطے پیشوا کے ساتھ مصالحت کرنا ضروری اور لازمی تھا۔ بیشک ان معاہدوں سے بہت سی خرابیاں بھی پیدا ہو گئی ہیں لیکن یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ ہماری مشرقی سلطنت کی نوعیت ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ ہر معاملے میں مشکلات کا انتخاب کرنا ہوتا ہے بیشک حیدر آباد اور پیشوا کے ملک میں ہماری قوت اور اقتدار کے قائم ہو جانے سے پنڈاریوں کی تعداد بڑھ گئی ہے کیونکہ ہم نے اپنے اتحادیوں کی سرگرمی کو ان کی سلطنت کے اندرونی انتظامات میں بڑی حد تک زائل کر دیا ہے اور وہ ہمارے دست نگر ہو گئے ہیں ان وجوہ سے جو پریشانیاں لاحق ہوئی ہیں ان کا مقابلہ ایسے خطرات سے کرنا چاہئے جو ہمیں اس صورت میں درپیش ہوتے اگر ہم اپنے مفید مطلب شرائط پر ان کے ساتھ دوستی و اتحاد کرنے سے احتراز کرتے۔ اگر ہم کوئی اور طرز عمل اختیار کرتے تو غالباً سلطان میسور کے ساتھ اس وقت تک جنگ ہو رہی ہوتی اور بفرض محال اگر اس کی قوت کو ہم تباہ بھی کر ڈالتے تو حضور نظام اور پیشوا رشک و حسد کے باعث یا تو ہمارے واسطے نہایت مخدوش ہمسایہ ثابت ہوتے یا وہ اپنی کمزوری کے باعث کسی اولوالعزم بہادر سردار کی حرص و طمع کا شکار ہو جاتے جو ان کے وسائل آمدنی کی مدد سے اپنی فتوحات کو وسعت دینے کی تدبیریں سوچتا جس شخص کو ہندوستانی والیان ملک کی تاریخ سے کچھ بھی واقفیت حاصل ہے وہ اس بات کو بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ اس قسم کے ایک دو واقعات ضرور پیش آتے اور اس صورت میں ہمیں جن خطرات کا سامنا ہوتا ان کے مقابلے میں موجودہ پریشانیوں کی کچھ بھی حقیقت نہیں ہے۔ (۱۲۱)

اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اپنے رفیقوں پر وقار اور اثر قائم کر لینا اپنی سلامتی اور امن عامہ کے حصول کا بہترین وسیلہ ہے اور اس انتظام سے جنوبی ہند میں بے شمار فوائد حاصل ہوئے ہیں تو پھر کیا ان نتائج سے انکار کیا جا سکتا ہے جو اس انتظام کی بدولت دوسرے شہروں میں

ظاہر ہوتے ہیں۔ کیا اس حقیقت کی روشن مثال بندیلکھنڈ کی حالت نہیں ہے۔ اس علاقے میں بڑی بدامنی۔ طوائف الملوکی تھی اور لوٹ مار کا بازار اسقدر گرم تھا جس کی کوئی مثال سارے ہندوستان میں نہیں مل سکتی ہے لیکن ہماری قوت اور حکمت عملی نے اس علاقے کی اچھی طرح اصلاح کردی ہے اور اسے اپنا مطیع و فرماں بردار بنا لیا ہے۔ بہت سے چھوٹے رؤسا اپنے علاقہ کے مالک و مختار ہیں اور وہ ہمیں اپنا بادشاہ تسلیم کرتے ہیں اور ان کی فوجی اعانت سے اندرونی امن و امان قائم رکھنے اور (۱۳۲) بیرونی حملے کی مدافعت میں ہم کو بیحد تقویت پہونچتی ہے۔ ریاست بھرت پور و ماچری میں اپنے اقتدار کے استعمال کے دوران میں ہم کو ماچری میں اس وجہ سے قدرے پریشانی کا سامنا کرنا پڑا کہ راجہ ماچری نے اپنے تعلقات فراموش کر دئے تھے لیکن ہماری فوجی طاقت کے مظاہرے سے اسکی عقل فوراً درست ہوگئی نواب بہرائچ۔ احمد بخش مرتضی خاں اور دیگر جاگیردار جمنا کے مغرب میں آباد ہیں وہ نہ صرف نہایت امن پسند اور مرفہ الحال ہیں بلکہ انھوں نے ایک ایسی درخشاں مثال پیش کی ہے جس کی ہندوستان کے دیگر مقامات پر اشد ضرورت ہے جن معزز اور مقتدر ہندوستانیوں نے بوقت ضرورت ہماری خیر خواہی کی ہے اور شاندار خدمات انجام دئے ہیں ان خدمات کے صلے میں انھیں جاگیریں عطا کی گئی ہیں تاکہ وہ ان جاگیروں سے خود بھی مستفید ہوں اور ہمیں فوجی امداد بھی دیتے رہیں۔ اسی طرح جمنا اور ستلج کے درمیانی علاقہ کے سکھ سرداروں کو بھی ان کی خیر خواہی اور خدمات کے موافق صلہ دیا گیا ہے تاکہ وہ اپنے علاقے میں جس طرح چاہیں چین کرتے رہیں مگر برطانیہ کی حکومت کو تسلیم کریں اور اس کی خدمات بجالاتے رہیں۔

ان حالات کا بغور مطالعہ کرنے سے ہم اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ اگر مارکوئس آف ویلزلی کی حکمت عملی کے عملدرآمد کو اس کی تکمیل سے قبل بند نہ کیا جاتا تو حکومت برطانیہ کی فضیلت کی بدولت اس حکمت عملی کی

اصل غرض یعنی سارے ہندوستان میں امن قائم ہونا ضرور حاصل ہو جاتی جو تجاویز نامکمل رہ گئیں وہ بھی کامیاب ثابت ہونے والی تجاویز کے مانند کارآمد تھیں یہ قرار پایا تھا کہ میسور میں جس طرح بے قاعدہ رسالے اور کنڈا چہ سپاہی نوکر رکھے گئے تھے اسی طرح ہندوستان کے دلیر اور بہادر باشندے فوج میں ملازم کر لئے جائیں۔ راجپوت ریاستوں سے معاہدے کئے گئے تاکہ اس بہادر اور امن پسند قوم کی شجاعت سے ہم مستفید ہوں۔ (۱۴۴)

حضور نظام اور پیشوا کے قدرتی وسائل سے اپنا کام نکالنے کے لئے امکانی کوشش کی گئی۔ سندھیا سے دوستانہ معاہدہ قایم رکھنے کی اس لئے ضرورت تھی کہ اس کی حکومت کے قواعد و قوانین تبدیل کر دئے جائیں اور اس راجہ کو نظم غارت گری کی بربادی یا اصلاح کا آلہ بنا لیا جائے کیونکہ وہی اس نظم کا خاص معاون و مددگار ہے۔ چونکہ راجہ ناگپور امن پسند اور مستقل مزاج تھا اس لئے اگر اس کے رشک و حسد اور خوف کو ہم رفع کر سکیں تو وہ قیام امن کے لئے نہایت مفید رفیق ثابت ہوگا اس لئے اس کے ساتھ معاہدہ کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی جسونت راؤ کے ذاتی کیرکٹر سے یہ توقع نہ تھی کہ وہ کسی ایسے اتحاد میں شریک ہوگا جس کی غرض لوٹ مار اور غارت گری کا استیصال ہو چونکہ وہ خود اس کا زبردست حامی تھا لیکن ہم نے نہ تو اس کے واسطے اور نہ کسی اور سردار کے لئے صلح جوئی کا دروازہ اس لئے بند نہیں کیا کہ شاید اپنے خیالات کی تبدیلی یا لوٹ مار میں ناکامی دیکھ کر وہ اس پر آمادہ ہو جائے کہ اپنے علاقہ کی آمدنی پر قانع ہو کر وہ امن چین کے ساتھ زندگی بسر کرے۔

جب ہم ان وسائل پر جو حکومت برطانیہ کو حاصل تھے اور اسکی تلوار اور حکمت عملی کی عدیم النظیر کامیابی پر غور کرتے ہیں یا بالفاظ دیگر اسکی قوت کی مکمل اور مسلمہ فضیلت کو دیکھتے ہیں تو اس بات کو تسلیم کرنیکے

کافی وجوہ نظر آتے ہیں کہ ایسے علاقوں میں امن و سکون قائم کرنے میں اُسے ضرور کامیابی حاصل ہو سکتی تھی جن کو اگر ان کی حالت پر چھوڑ دیا جاتا تو وہاں نہ صرف بدامنی اور لوٹ مار کا بازار گرم رہتا بلکہ وہ علاقے لٹیروں اور قزاقوں کا گہوارہ بن جاتے جو کچھ عرصہ بعد سارے ہندوستان کے امن کے لئے خطرہ کا موجب ہو جاتے۔ اس نظام عمل کے مخالفین کا یہ ارشاد بالکل درست ہے کہ اس انتظام کی اصل غرض حاصل کرنیکے لئے جن تدابیر کی ضرورت ہے وہ ہمیں ان سب پریشانیوں اور مصیبتوں میں مبتلا کر دیں گی جو ہمارے وسیع اور پیچیدہ سیاسی تعلقات سے پیدا ہوں گی لیکن اس کا یہ موزوں جواب دیا جاتا ہے کہ یہ پریشانی ہماری حقیقی حالت کا لازمی اور قدرتی جزو ہے اور یہ بھی اظہر من الشمس ہے کہ اس سے بچنے کی جملہ تدبیریں نہ صرف بے سود ثابت ہوں گی بلکہ اس سے مزید حیرانیاں اور ہندوستان کے عام امن و سکون اور بالآخر انگریزی مقبوضات کی سلامتی اور رفاہ الحالی کے لئے زبردست خطرات پیدا ہو جائیں گے۔ (۱۳۴)

اس بات کو ثابت کرنیکے لئے کہ یہ بداندیشی کس حد تک پیش آئی ۱۸۰۶ء کے بعد کے واقعات کو مختصر طور پر بیان کر دینا کافی ہوگا (جو غیر جانبداری کی پالیسی پر عمل کرنے کا زمانہ ہے)

جو معاہدے کہ ۱۸۰۵ء و ۱۸۰۶ء میں سندھیا و ہلکر کے ساتھ طے ہوئے تھے اُن میں گورنر جنرل بہادر نے چند ضمنی دفعات اور بڑھادی تھیں جن میں بلا معاوضہ علاقہ جات یا اور حقوق اس غرض سے عطا کئے گئے تھے کہ اپنے حلیفوں کی حفاظت کرنے کی پریشانی اور مصیبت سے ہمیں نجات مل جائے اور تکلیف دہ علاقوں پر نہ ہمارا قبضہ برقرار رہے اور نہ انکی حفاظت کی ذمہ داری ہم پر قائم رہے۔ صلح ہوتے ہی بے قاعدہ رسالے (جن میں ہمارے جدید مفتوحہ علاقوں کے باشندے شامل تھے) بلا مہلت تخفیف کر دیے گئے جو یا تو دوران جنگ میں بھرتی کئے گئے تھے یا ہماری ترغیب پر دشمن کے یہاں سے آکر ہماری فوج میں داخل ہو گئے تھے۔

یہ لوگ بے روزگار ہو جانے پر فوراً شمالی ہند چھوڑ کر قزاقوں کی جماعت میں شامل جا ہوئے جنکا اجتماع اس وقت مالوہ میں تھا۔ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ جن سرداروں نے دوران جنگ میں ہمیں مدد دی تھی انھیں جاگیرات دیکر بسا دیا گیا تھا۔ راجہ بھرت پور و ماچری اور ان سرداروں کو اس بات پر راضی کرنا نہایت دشوار تھا کہ ہماری حفاظت میں رہ کے اپنے حق سے دست بردار ہو جائیں اور اگر وہ اس تجویز کو قبول کر لیں تو انھیں مزید جاگیرات عطا کی جائیں گی۔ لارڈ لیک کے اصرار اور ان سرداروں کی ضد کی وجہ سے کہ وہ حکومت برطانیہ کی حفاظت میں رہ کے اپنے حق سے دست بردار ہونے کے لئے آمادہ نہیں ہیں مذکورۂ بالا تجویز کے اس حصے پر عملدرآمد نہ ہو سکا۔ اور اس کے نتیجہ نے پورے طور پر یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ ہمارے حق میں اس سے زیادہ سود مند کوئی اور واقعہ اب تک ظہور میں نہیں آیا ہے۔ (۱۳۵)

اس غیر جانب دارانہ مسلک کے بموجب راجہ جے پور و راجہ بوندی اور دریائے جمنا و ستلج کے درمیانی علاقہ کے سکھ سردار جنھوں نے لڑائی کے دوران میں ہماری فوج کے دوش بدوش کام کیا تھا ہماری حفاظت سے محروم کر دئے گئے۔ مصالحت ہو جانے کے بعد ہم نے دولت راؤ سندھیا کے معاملات میں مداخلت کرنے سے کامل طور پر اس لئے گریز کیا کہ شاید اس راجہ سے ہمارا کوئی جھگڑا ہو جائے۔ ہلکر سے کسی قسم کی مراسلت نہیں ہوئی اور راجہ ناگپور سے دوستانہ معاہدہ طے کرنیکی کوشش ترک کر دی گئی۔ الغرض یہ ارادہ کر لیا گیا تھا کہ ان ریاستوں کے علاوہ جن کی حفاظت کے ہم معاہدات کی رو سے ذمہ دار ہیں آئندہ سے دیگر ریاستوں یا سرداروں کی ترقی یا تنزل سے حکومت برطانیہ کو کچھ سروکار نہ ہوگا اور یہ امید کی گئی تھی کہ جن ریاستوں سے ہمارا کوئی تعلق نہیں وہ آپس کی لڑائی جھگڑوں میں مبتلا رہیں گی اور اس کی وجہ سے ہمارے اور ہمارے حلیفوں کے ملک کے امن و سکون میں اور بھی

اضافہ ہو جائے گا۔

لیکن دو سال بھی نہ گذرنے پائے تھے کہ رنجیت سنگھ راجہ لاہور کو اس طرح ہمارے پیچھے ہٹنے سے جرأت و ہوس پیدا ہوئی اور اس نے ستلج کے جنوبی علاقے میں سکھ سرداروں پر زیادتیاں شروع کر دیں۔ جس زمانہ کا میں تذکرہ کر رہا ہوں اس وقت اس راجہ کے طرز عمل سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ مخاصمانہ منصوبے کر رہا ہے لیکن لارڈ منٹو نے ایک ہی نظر میں اس خطرہ اور اس کے علاج کو معلوم کر لیا۔ چنانچہ اس نے دریائے ستلج کے بائیں کنارے پر لدھیانہ کی طرف ایک فوج بھیجدی اور اس دریا کے جنوبی علاقہ کے سکھ سرداروں کی حفاظت اپنے ذمہ لے لی اور رنجیت سنگھ کو متنبہ کر دیا کہ دریا کو عبور نہ کیا جائے چنانچہ اس کارروائی سے رنجیت سنگھ کی عقل درست ہو گئی اور اسے اپنی حالت کا صحیح اندازہ ہو گیا اگر کچھ اور تحمل سے کام لیا جاتا تو رنجیت سنگھ لڑائی پر آمادہ ہو جاتا جس سے وہ برباد ہو جاتا اور اس کا ملک فتح کر لیا جاتا لیکن اس کے برعکس برتاؤ نے اسے امن پسند ہمسایہ بنا دیا۔ یہ واقعہ نہایت اہم ہے کیونکہ غیر جانب داری کے مسلک پر عمل کرنے سے وہی نتیجہ (توسیع عملداری) برآمد ہوا جس سے احتراز کرنا مقصود تھا۔

(۱۲۶) حکومت ہلکر کی پریشان حالت نے ۱۸۰۶ء میں محمد خان بنگش کو اس کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے پر آمادہ کر دیا۔ ہلکر کے علاقہ خاندیش پر متعین کرنے پر اس نے وہاں کا خزانہ لوٹ لیا اور پھر ہمارے حلیف حضور نظام اور پیشوا کے علاقوں میں بھی لوٹ مار شروع کر دی اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ہلکر سے دشمن کی سرکوبی کے لئے ہماری فوج کی خدمات کی ضرورت لاحق ہو گئی میجر جنرل سر جان ڈوٹن نے جن کے سپرد یہ خدمت ہوئی تھی اپنی مستعدی اور سرگرمی سے کام لیکر بنگش کو گرفتار کر لیا اور اُسکی جماعت کو شکست دیکر جنگ کو طول نہ پکڑنے دیا۔ اس واقعہ نے

ظاہر کردیا کہ اس کا انجام ہمارے حق میں کیا ہونے والا ہے اور ثابت کر دکھایا کہ ہمارے لئے جو شاہراہ عمل مقرر کی گئی ہے اس پر گامزن ہونا ناممکن ہے اور اگلے سال اس کا پورے طور پر ثبوت مل گیا جبکہ امیر خاں نے جسے ہلکر کے یہاں بہت زیادہ فوجی طاقت حاصل ہوگئی تھی اپنے دوست پنڈاریوں سے مل کر ۳۰ ہزار آدمیوں سے راجہ ناگپور کے علاقہ پر دھاوا کر دیا۔ اس کی فتوحات اور پیش قدمی کے متعلق لارڈ منٹو گورنر جنرل نے اپنی یہ رائے قایم کی کہ یہ شخص اسلامی سلطنت قایم کرنا چاہتا ہے اور اس سے جو تبدیلیاں رونما ہوں گی وہ ہمارے ان حقوق کے مخالف واقع ہوں گی جو ہمیں دکن میں حاصل ہوگئے ہیں۔ ان خیالات اور راجہ ناگپور کو بچانے کی خواہش نے جس کے ساتھ معاونتی معاہدہ کے واسطے گفت و شنید ہو رہی تھی گورنر جنرل کو دریائے نربدا پر فوجیں مجتمع کرنے پر آمادہ کر دیا اور ان فوجوں نے سرونج پہونچکر امیر خاں کو شمال کی طرف واپس ہونے پر مجبور کر دیا۔ لارڈ منٹو کی یہ رائے تھی کہ امیر خاں کا استیصال کرنے کے لئے جنگ کو ابھی اور طوالت دیجائے وہ اپنی سرحد[1] کے استحکام کی ضرورت کو بھی محسوس کرتے تھے۔ اور مالوہ میں لٹیروں اور قزاقوں کا جو زور ہر سال بڑھتا جاتا تھا ان کے انسداد کے لئے کافی وسائل ہونے کی ضرورت کا بھی انھیں احساس تھا لیکن انھوں نے خود اپنے قول کے مطابق اپنی ان اہم تجاویز پر عمل کرنے سے (۱۲۰۷)

---

[1] لارڈ منٹو نے حضور نظام و پیشوا اور راجہ ناگپور کے یہاں اپنی معاونتی فوجوں کی تعیناتی کے مقامات پر بحث کرنے کے بعد اپنی یادداشت مورخہ ۱۲ دسمبر ۱۸۰۹ء میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ " ان تینوں فوجوں کو اس طرح تعینات کرنا چاہئے کہ دو فوجیں نہ صرف مشرق یا مغرب یا مرکز میں بہت جلد آکر مل جائیں بلکہ وہ ایک طرف تو بمبئی اور گجرات اور دوسری طرف بندیلکھنڈ پہونچ سکیں۔

اس لئے احتراز کیا کہ ایسی عظیم الشان جنگ سے نہایت پیچیدہ فوجی اور سیاسی انتظامات کرنے ہوں گے لڑائی کے متعلقہ امور کی بابتہ جن کا دوسروں کے مفاد پر بے شمار اثر پڑے گا تدابیر کے دائرۂ عمل اور مقامات جنگ کا تعین کرنا نا ممکن ہوگا۔ لڑائی میں زر کثیر صرف ہوگا اور آجکل یورپ کے حالات بھی دگرگوں ہو رہے ہیں اس لئے حضور ممدوح نے صرف راجہ ناگپور کی حفاظت کرنے پر اکتفا کیا اور اپنے ان ہی خیالات کی بنا پر لارڈ موصوف نے اپنی اس فوج[1] کو فوراً والئے دکن کی ریاست میں جانے کا حکم دیا جو مالوہ میں داخل ہوگئی تھی۔ اور کمان افسر کو یہ ہدایت کی گئی کہ امیر خاں کی جاگیر سرونج اس شرط پر ہلکر کے ایک افسر کو عطا کر دی جائے کہ یہ جاگیر کبھی امیر خاں کو واپس نہیں دی جائے گی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی گورنر جنرل بہادر کا خیال تھا کہ یہ شرط بیکار ثابت ہوگی کیونکہ اگرچہ امیر خاں کا کوئی سروکار ہلکر کی حکومت سے نہ تھا اور حکومت ہلکر نے امیر خاں کی حرکات سے بے تعلقی ظاہر کر کے اس بات کی تائید بھی کر دی تھی تاہم امیر خاں ہلکر کے کمزور اور پریشان حال دربار پر بہت جلد اپنا سکہ دوبارہ بٹھا لیگا۔ ہلکر کے وزراء نے باوجود وعدہ کر لینے کے اپنا کوئی افسر علاقہ سرونج کو اپنی تفویض میں لینے کے واسطے نہیں بھیجا اس مجبوری سے سرونج وہاں کے ایک منشی کو یا بالفاظ دیگر امیر خاں کے ایک افسر کو دیدیا گیا۔ یہ نتیجہ نکلا اس فوج کشی کا جس میں ایک فوج ہندوستان کے قابل ترین افسر[2] کی ماتحتی میں مسلسل بارہ ماہ تک مصروف

(۱۳۸)

---

[1] اس فوج میں ۱۷ ہزار باقاعدہ سپاہ۔ ایک اعلیٰ درجہ کا توپ خانہ اور ہمارے رفیق حضور نظام و پیشوا کے بے قاعدہ رسالے تھے۔ اس تخمینہ میں بندیلکھنڈ کی زبردست فوج شامل نہیں ہے جو کرنل مارٹنڈل کی ماتحتی میں اشتراک عمل کے لئے آئی تھی۔

[2] میجر جنرل سر پیری کلوز بیرسٹر مرحوم

رہی تھی ۔ غالباً ہماری فوج کی کارگزاری سے راجہ ناگپور کا ملک لوٹ کھسوٹ
سے محفوظ ہوگیا اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ امیر خاں برائے چندے اپنے
ذاتی عروج و ترقی سے باز رہا ۔ اور اس طرح ایک شخص کے حریصانہ
خیالات کی روک تھام ہوگئی ۔ لیکن آئندہ سال کے واقعات نے
ثابت کر دکھایا کہ ہماری فوج کے اس مظاہرے سے (کیونکہ اس سے
زیادہ کچھ اور نہ تھا) غارت گری کی تنظیم کو قطعی زک نہیں پہونچی جس کے
استیصال کے لئے ہماری فوج کے استعمال کی ضرورت لاحق ہوئی تھی
اور جو اب ہمارے لئے حقیقی خطرہ کا موجب ہے ۔

۱۸۱۱ء، ۱۸۱۲ء و ۱۸۱۳ء میں پنڈاریوں کی تعداد بہت زیادہ
ہوگئی اور انھوں نے نہ صرف ہمارے حلیف حضور نظام و پیشوا کے
علاقوں میں لوٹ مار کی بلکہ بندیلکھنڈ سے گزرنے اور مرزاپور کے دیہات
کو تباہ و برباد کرنے کی جسارت کی اور بہار کے زرخیز صوبہ کو اپنی تلوار اور
بندوق سے ڈرایا اور دھمکایا ۔ ان لٹیروں کی جسارت نے بنگال اور مالوہ
میں ہماری فوجی اخراجات میں بہت بیشی کر دی اور ۱۸۱۴ء میں جبکہ
بنگال کی فوج کا بڑا حصہ نیپال گیا ہوا تھا ۔ مالوہ کے غارت گر حکمران جنمیں (۱۳۹)
سندھیا سے لیکر ادنےٰ سردار تک شامل تھے اور جن کا ذریعۂ معاش
صرف لوٹ مار اور ڈاکہ زنی تھا اسقدر مخدوش اور خطرناک ہوگئے تھے
کہ اس وقت نہ صرف دکن کی معاونتی فوج میں اضافہ کیا گیا بلکہ
فورٹ سینٹ جارج کی کل فوج کو دریائے تنگا بھدرا کے کنارے پر
طلب کر لیا گیا ۔

اپنے عارضی تحفظ کے لئے اس کارروائی کی اشد ضرورت تھی
اس لئے حفظ ماتقدم کی بنا پر اس کارروائی میں اسقدر زیادہ روپیہ صرف ہوگیا
جسقدر کہ کسی بڑی لڑائی میں ہوا کرتا ہے ۔ لیکن ہماری کثیر التعداد فوجیں
اور ہماری سرحدی افواج پنڈاریوں کو ہمارے رفیقوں کے ملک میں
لوٹ مار کرنے سے باز نہ رکھ سکیں ۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ہماری قابل فخر

فوجی قوت اور ہماری زبردست مدافعانہ تیاریوں کا مضحکہ اڑانے کی غرض سے ان لٹیروں کی ایک جماعت ہماری میمنہ افواج کے سامنے سے گزر گئی اور اس نے حضور نظام کی عملداری سے بہت تیزی کے ساتھ قطع منازل کرکے غیر محفوظ صوبۂ گنتور پر دھاوا بول دیا۔ ہمارے اس علاقے کی شکست نے جو اثرات پیدا کئے ہیں ان کے بیان کرنے میں مبالغہ سے کام نہ لوں گا ہماری رعایا کو عرصۂ دراز سے ہماری قوت پر یہ بھروسہ تھا کہ ہم انہیں ہر ایک حملے سے بچا سکتے ہیں چونکہ ہمسایہ ملکوں کی رعایا لوٹ مار کی مصیبتوں میں مبتلا رہتی تھی اور ہماری رعایا دیکھتی تھی کہ وہ اس مصیبت سے محفوظ ہے اس لئے علاوہ دیگر وجوہ کے اس خاص سبب سے وہ ہماری حکومت کو زیادہ پسند کرتی تھی۔ ہماری عملداری میں رعایا کو جو امن چین حاصل تھا اسے مدنظر رکھکر وہ عادات واطوار۔ زبان اور مذہب کے جملہ اختلافات کو فراموش کر دیتی تھی یا کم از کم ان اختلافات کو اس نے قابل نفرت تصور کرنا ترک کر دیا تھا کمپنی کے علاقۂ جنوبی ہند کو گذشتہ چالیس سال میں ایسی خوفناک مصیبت کبھی پیش نہیں آئی حیدر علی کا کرناٹک فتح کر لینا ایک قصۂ پارینہ تھا جس کو بوڑھے لوگ غیر معتقد سامعین کے روبرو بیان کیا کرتے تھے لیکن پنڈاریوں کے دہشت ناک مظالم حیدر علی کے جور و ظلم سے کہیں زیادہ بڑھ گئے ہیں۔ ان مظالم کا دائرۂ عمل (۱۴۰) اگرچہ نہایت مختصر اور محدود تھا لیکن ان کا اثر دور دراز کے صوبوں تک جا پہونچا حتیٰ کہ ان لیٹروں کی ایک جماعت ۱۸۱۶ء میں گنجام میں لوٹ پڑی۔ پوری معلومات حاصل کرنیکے بعد میں کہتا ہوں کہ جنوبی ہند میں ان واقعات کے پیش آنے کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ ہماری رعایا میں سے جو حضرات کہ ہماری قوت کی فضیلت اور استحکام کے دل سے معتقد تھے وہ ڈگمگا گئے۔ اور لوگوں کے خیالات کی اس تبدیلی پر بدظن اور سرکش بغلیں بجانے لگے اور یہ امید کرنے لگے کہ اب وہ زمانہ آیا جاتا

ہے کہ انگریزی حکومت کا مقابلہ کرنے کی دیرینہ آرزو پوری ہو گی کمپنی کی حکومت کو ان لوگوں کے ہاتھوں جو نقصانات اور ذلتیں برداشت کرنی پڑیں اور ان کے انتقام لینے میں جو تاخیر کی گئی اس سے یہ مطلب نکالا گیا کہ ہم میں اس خطرہ کے مقابلے کی طاقت نہیں رہی ہے۔ اس خرابی کو دور کرنے کے لئے ایسے زمانہ میں اگر مدافعانہ تدبیر بنائی جائے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ ہماری سلطنت کی نوعیت اور جس بنیاد پر کہ ہندوستان میں انگریزی حکومت قائم ہوئی اس سے ہمیں قطعی لاعلمی ہے۔ اس مسلک کی تنگ خیالی کے علاوہ عارضی مصارف کی بچت کے معاملے میں بھی مایوسی حاصل ہو گی۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ہمیں اپنی مدافعت کے راستوں اور سرحدی چوکیوں پر رسالے تعینات کرنے ہوں گے اور عداوت رفع کرنا ہو گی ان کے مصارف اور ہمارے تخت تاراج صوبوں کی آمدنی کی کمی جنگ سے کہیں زیادہ بڑھ جائے گی اور کیا ہم اپنے کیرکٹر کا زوال برداشت کر سکتے ہیں اور اسکے ساتھ ان جملہ امور کو ترک کر سکتے ہیں جو ہماری موجودہ فضیلت میں مدد دیتے ہیں اور کیا ہم اسے محض روپیہ پیسہ کا معاملہ بنا سکتے ہیں اگر ہماری تدابیر خرابی کی جڑ نہ دور کر سکیں تو جس کے رفع کرنے کے لئے حکومت برطانیہ کو اپنی ساری کوششیں صرف کر دینے کی ضرورت ہے تو ہم اس صورت میں بھی گھاٹے ہی میں رہیں گے۔

(۱۴۱) اپنی تجاویز پر عملدرآمد کرنے کے طریقے اور اپنی کارروائی کے بنیادی اصولوں کے متعلق اپنی رائے پیش کرنے سے قبل اپنی اور اپنے رفیقوں کی قوت اور ان فرماں رواؤں اور سرداروں کے رویہ اور حقیقی حالت کے متعلق چند الفاظ بیان کر دینا کارآمد ہو گا جو ہماری ہر ایک کارروائی کے عملدرآمد سے ہمارے دوست یا دشمن بن جائیں گے

برطانوی حکومت کی ہندوستان میں اس وقت جو حالت ہے وہ ہر لحاظ سے زبردست کوشش کرنے کے لئے نہایت مناسب ہے

جنگ نیپال میں ہماری کامیابی اور ہاتھ رس کی فتح مندی نے ہماری نیک نامی کو بہت کچھ بڑھا دیا ہے اور ان کی بدولت بنگال کی فوج میں اس قدر شجاعت اور ضابطہ کی پابندی آگئی ہے کہ اب وہ میدان کارزار کے لئے جیسی لیس و تیار ہے ایسی اس سے قبل کبھی بھی نہ ہوئی تھی۔ مقامی فوجوں کی بھرتی سے ہمارے پاس ایک زبردست فوج تیار ہوگئی جس میں اگر یورپین افسروں کے تحت ۶ ہزار بے قاعدہ سواروں کو بھی شامل کر لیا جائے تو ہمارے پاس اس قدر فوج ہوگئی ہے کہ کسی جنگ کے پیش آنے پر ہم اپنی فوج فوراً میدان کارزار میں لا سکتے ہیں اور بنگال میں ہمارے رسالے ایسے مقامات پر متعین ہیں کہ جہاں کہیں بھی ضرورت لاحق ہو وہ بہت تھوڑے عرصہ میں فوراً مجتمع ہو سکتے ہیں اور ریاست ناگپور سے معاونتی معاہدہ ہو جانے کا نتیجہ علاوہ سیاسی اہمیت کے یہ برآمد ہوا ہے کہ نربدا کے کناروں پر ہماری فوج کو ایسی جگہ مل گئی ہے کہ اس کا بندیلکھنڈ اور برار سے سلسلہ مل گیا ہے اور اسی بدولت اس علاقے میں ہمیں بیحد فوجی طاقت حاصل ہوگئی ہے۔

فورٹ سینٹ جارج اور بمبئی کی فوجیں نہایت اچھی حالت میں ہیں اور اگر حضور نظام۔ پیشوا اور گائیکوار کے یہاں کی ان افواج کو بھی شامل کر لیا جائے جو حال ہی میں بمقام تنگابھدرا مجتمع ہوئی تھیں تو ان مقامات میں ہمارے رسالوں کی تعداد تینتیس ہزار تک جا پہنچتی ہے جو کئی سال سے نہایت عمدہ حالت میں ہے۔ اس فوج کا بڑا حصہ ایسی اچھی حالت میں ہے کہ موسم شروع ہونے پر وہ جارحانہ کارروائی کر سکتا ہے سرکاری قرضہ۔ خزانہ اور آمدنی کی حالت نہایت حوصلہ افزا ہے اور اگر کوئی جنگ درپیش ہو تو ہمیں کسی طرح کی مالی مشکلات کا سامنا نہ ہوگا۔ (۲۸۲)

حضور نظام کی ریاست کی حالت کچھ اچھی نہیں ہے وہاں کی خصوصیات اور حالات نے ہمیں اندرونی نظم و نسق میں دست اندازی کرنے پر مجبور کر دیا ہے جس کا انتظام ایک ہندو وزیر کے سپرد ہے اور

ہم اُسے مدد دیتے ہیں) اور ہماری دست اندازی سے حضور نظام، اُنکے عمائدین اور حکام کی پریشانیوں میں اضافہ ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس کا یہ اثر ہوا ہے کہ ملک مفلوک الحال ہوتا جاتا ہے اور وہاں کی حکومت کی عملی قوتیں اگر بالکل برباد نہیں ہو رہیں تو کم از کم ضعیف تو ضرور ہو رہی ہیں۔ جب کوئی معاہدہ کسی ملک کی سیاسی آزادی کو سلب کرنے کیلئے کیا جائے تو اس کا یہی نتیجہ برآمد ہونا چاہئیے اور گویا یہ ایک طرح کی نفسیاتی منطق ہے لیکن اس معاملہ میں خاص قسم کے حالات نے معمول سے زیادہ اثرات مرتب کئے ہیں اور اگرچہ صوبۂ دکن میں فوج متعین کر دینے سے فوری خطرہ کا اندیشہ نہیں رہا ہے لیکن ایک نازک موقع پیش آنیوالا ہے جس میں یا تو ہم اس ریاست پر اور زیادہ اپنا اثر قائم کر لیں یا پھر انہیں از سر نو عملی قوت پیدا کر کے اسے حکومت کرنے کے لائق بنا دیں۔

آخر الذکر صورت اختیار کرنے میں ہمارا زیادہ نفع ہے لیکن ہمیں یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ اس ریاست کے اطراف میں تا وقتیکہ ہم لٹیروں کو مغلوب نہ کر لیں اس کی حالت ہر لحظہ ابتر ہوتی جائے گی اور ہم کوئی اصلاح نہ کر سکیں گے۔ قزاق دس برس سے حضور نظام کی ریاست میں ہر سال لوٹ کھسوٹ کرتے ہیں اور ہم سے اس کا کچھ انسداد نہ ہو سکا اور اس کی بدولت وہاں کی رعایا کے امن پسند طبقے کی نظر میں ہماری وقعت نہیں رہی ہے حالانکہ جب ہم نے معاہدہ کیا تھا اس وقت وہ طبقہ کچھ ہمارے اتحاد کے موافق تھا اور ان لوگوں کی توقع تھی کہ اس کی بدولت وہ بیرونی حملوں سے محفوظ رہ سکیں گے۔ لیکن اب اس کا یہ نتیجہ ہوا ہے کہ حیلہ بدظن لوگوں کی امیدوں میں از سر نو جان پڑ گئی ہے جن میں ریاست کی کل مسلمان رعایا شامل ہے یہ لوگ سب کے سب فوجی ہیں اور ریاست میں ہمارے رسوخ کی ترقی سے رفتہ رفتہ ملازمت سے خارج ہو گئے ہیں لیکن ہماری خوش قسمتی سے وہ بے اصول اور پراگندہ (۱۴۴) ہیں۔ عمائدین کسی ایسے فرماں روا سے وفاداری نہیں کر سکتے ہیں جو اپنی

جاگیرات سے متمتع ہونے کی غرض سے اُن کی تباہی کا خواہاں ہو کر اپنے کو خود برباد کرلے۔ چنانچہ کمانڈین نے مجبوراً اپنے معاونین اور فوجوں کو برخاست کر دیا۔ یہ برخاست شدہ فوجیں باہم سے متفق ہونے کے باعث، متحد ہو سکتی ہیں لیکن ان کے عمل میں اصولی اتفاق کی ضرورت ہے اور تقریباً وہ سب متحد ہونے کے قابل نہیں ہیں لیکن ان کی طبیعت اور حالت ملک کے اندرونی امن کے لئے نہایت اندیشہ ناک ہے۔

اور ان میں سے اکثر لوگ پنڈاری لیڈروں میں شامل ہو گئے ہیں اور لوٹ مار میں انھیں مدد دیتے ہیں اور یقین کیجئے کہ اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ اگر ہم ان لیڈروں کا استیصال یا انسداد نہ کریں گے تو ان کی شاخیں دکن میں ضرور پھیل جائے گی جہاں پر ہر ایک برخاست شدہ سپاہی ایک تلوار اور ایک گھوڑا لیکر ہمارے مقابلے کے لئے کمربستہ ہو جائیگا۔ انسدادی تدابیر شروع کر دی گئی ہیں اور ریاست کے وزیر نے ہمارے مشورہ پر کئی باقاعدہ پیدل کی پلٹن اور بے قاعدہ سواروں کے رسالے تیار کرائے ہیں۔ یہ فوجیں یورپین افسران کے زیر کمان ہیں اور امید ہے کہ وہ کارآمد بن جائیں گی اور ہمیں اس کا بھی یقین کامل ہے کہ بہادر اقوام کو فوج میں ملازمت دینے سے وہ عام مایوسی دور ہو جائے گی جو ہمارے نظام عمل کے یک بیک جاری ہونے سے پیدا ہو گئی ہے۔

ہمیں یہ توقع کرنے کا حق حاصل تھا کہ پونا میں جس معاہدہ کی بدولت پیشوا کو گدی نشین کر دیا گیا اور برقرار رکھا گیا ہے اس سے ہمیں معقول فائدہ حاصل ہوگا۔ لیکن اپنی قوم کے دیگر افراد کی طرح پیشوا بھی نہایت ضدی اور اوندھی خصلت کا نکلا اور اس نے اپنے طرز عمل میں نہایت کجروی اختیار کی اس لئے ابتدا ہی سے ہمیں اس کی طرف سے پریشانی لاحق ہونے کا اندیشہ پیدا ہو گیا۔ اس کی دلجوئی کے لئے ہر طرح پر کوشش کی گئی ہم نے اس کی رعایا کو مجبور کیا کہ اپنے راجہ کی اطاعت کرے اور اسی کے باجگذار

سرداروں کو ترغیب دی کہ مالگذاری ادا کریں اور دیگر ریاستوں پر اُس کے حقوق برقرار رکھنے کی خاطر ہماری حکومت نے دست اندازی کی اور (۱۴۴) اس کے اندرونی انتظامات میں مداخلت کرنے سے حتی الامکان چشم پوشی کی اب سے تین سال پیشتر تک حالت ٹھیک ٹھیک رہی لیکن جب ٹرمبک جی جو بدچلن و عیار شخص اور ایک ادنیٰ نوکر تھا ریاست کا وزیر اعظم بنا دیا گیا تو پیشوا کے خیالات کی طرف سے شبہات و شکوک پیدا ہونے لگے۔ اور ۱۸۱۵ء میں مہاراجہ گائیکواڑ کے وزیر اعظم گنگا دھر شاستری کے قتل پر جو اپنے آقا اور پیشوا کے مابین کچھ حساب کتاب طے کرنے پونا آیا تھا انگریزی رزیڈنٹ نے اس ظالمانہ قتل کے مجرم ٹرمبک جی کی حوالگی کا مطالبہ کیا لیکن جس لیت و لعل کے بعد اُسے کمپنی کے حوالہ کیا گیا اس سے اس شبہ کی تصدیق ہو گئی کہ پیشوا کے جرم کا آلۂ کار یہی شخص ہے اور اُس شخص کے تھانہ[۱] سے فرار ہو جانے پر معلوم ہو گیا کہ پیشوا نے نہ صرف اسکی گرفتاری کے لئے کچھ کوشش نہیں کی بلکہ اس بغاوت کو امداد پہونچائی جو ٹرمبک جی نے اس کی ریاست میں برپا کر دی تھی تاکہ انگریز مرعوب ہو کر اس کے رفیق کو معافی دیدیں لیکن ہمارے رزیڈنٹ[۲] کے استقلال اور پختہ کاری کے باعث پیشوا کو اپنی تجاویز میں ناکامی حاصل ہوئی ہے اور نہایت عالی حوصلہ اور ناطق قسم کی مسلسل تدابیر نے پیشوا کو مطیع و فرماں بردار رہنے پر مجبور کر دیا۔ اس نازک موقع پر اُس کے ساتھ ایک معاہدہ طے ہوا ہے جس سے ہمیں بہت سی سہولتیں حاصل ہو گئی ہیں اور ان کا نہایت اچھا اخلاقی اثر ہوا ہے۔ اس دوران میں وہ پنڈاریوں سے مدد حاصل کرنیکا متوقع رہا۔ ہمارے رزیڈنٹ متعینۂ ریاست سندھیا[۳] نے ابتدا ہی میں

---

[۱] بمبئی سے ۲۰ میل کے فاصلہ پر جزیرۂ سالسٹ میں ایک چھوٹا سا قلعہ ہے۔
[۲] آنریبل اسٹوارٹ الفنسٹن
[۳] مراسلہ منجانب کپتان کلوز بنام مسٹر ایڈمس مورخہ ۲۳ نومبر ۱۸۱۶ء

پنڈاری لٹیروں اور ٹرمبک جی کے مابین خط وکتابت ہونے کی اطلاع دی تھی اور اس کے بعد بیان کیا تھا کہ ان لٹیروں کے سرداروں نے پیشوا کی ریاست کو ہاتھ نہ لگانے کے احکام نافذ کردیئے ہیں حقیقت الامر (۱۴۵) یہ ہے کہ ہندوستان کی موجودہ حالت میں جو والئی ملک یا سردار انگریزوں سے دلی عداوت رکھتا ہے وہ فطرتاً ایسے لوگوں کو اپنا دوست بنانے کا خواہاں ہو جاتا ہے جو اپنے کو علی الاعلان انگریزوں کا دشمن کہتے ہیں۔ یہ حالت نہایت مخدوش ہے کیونکہ کوئی سلطنت یہ اندازہ نہیں کرسکتی ہے کہ وہ ہر موقع پر ایسی دانشمندانہ کارروائی کرکے اپنے کو مصیبت سے بچالے گی جیسی کہ پونا میں کی گئی ہے۔

دربار پونا ہرگز جنگ جو نہیں ہے اور موجودہ فرماں روا کو نزاعی گدی حاصل کرنے میں جو امداد دی گئی غالباً وہ اس کی قدر کرے گا کیونکہ جو قوت اس نے حاصل کی ہے اس کے تحفظ کا انحصار ہماری مدد پر ہے لیکن یہ ایسی ریاست ہے جس میں سازشوں کا بازار گرم ہے اور یہ ریاست کسی فوجی طاقت سے نہیں بلکہ محض اپنی حکمت عملیوں کی بدولت عرصۂ دراز سے قایم و برقرار ہے۔ ریاست کی یہ کیفیت اور وہاں کے عمائدین کی مختلف جماعتوں کے باہمی جھگڑے ہمارے معاہدے کی راہ میں متواتر بڑی مشکلات حائل کریں گے لیکن کسی خاص خطرے کا اندیشہ نہیں ہے اور اگر بدترین صورت کا بھی ہم اس حالت سے موازنہ کرکے دیکھیں جو معاہدہ طے ہونے کی صورت میں ہوتی تو بھی ہم کو اس دوستی میں فائدہ ہی نظر آئے گا۔ جس جنگ کا ہمیں خدشہ ہے اس میں اگر بھونسلا ہمارا مخالف یا غیر جانب دار ہوتا تو اس جنگ میں ہماری کل فوج زیادہ سے زیادہ اسی قدر کارگزاری کردکھاتی کہ جو کچھ اب ہمارے قبضے میں ہے وہ ہمیں مل جاتا یعنی جنگی کارروائیوں اور سامان رسد حاصل کرنے کے لئے ریاست ناگپور ہمارے تصرف میں ہوتی اور یہ بات بھی ہمیں جبراً اور بدقت تمام میسر آتی اور اس

صورت میں ہمارے لئے بجز اس کے اور چارۂ کار ہی کیا ہو تا کہ ہم اسکی ریاست پر قبضہ کر لیتے۔ جو شخص ریاست ناگپور کے علاقوں کی مقامی حالت اور پنڈاریوں کے مسکن ومقبوضات کے باہمی تعلقات سے (۱۴۶) واقف ہے اور جو پنڈاریوں پر ہمارے ہر ایک حملے میں بندیلکھنڈ اور دکن سے فوجوں کی آمد و رفت جاری رکھنے کی ضرورت سے آگاہ ہے اسے یہ بات مان لینی ہوگی کہ اس نتیجہ[1] سے بچنا کسی طرح ممکن ہی نہیں ہے ریاست ساگر و بھوپال چونکہ ناگپور کے متعلق ہیں اس لئے وہ نہایت اہم ہوگئی ہیں وہ ریاست ناگپور کی شمالی و مشرقی سرحد پر محیط ہیں اور نربدا کے داہنے کنارے پر چھوٹے چھوٹے والیان ریاست کا علاقہ ہے اس لئے برار کی پوری حفاظت اور اس مشترکہ سڑک کی نگرانی کے لئے ان رؤسا سے بھی دوستی پیدا کرنے کی ضرورت ہے جس سے گذر کر لٹیرے بندیلکنڈ۔ بنگال یا شمالی سرکار پر حملہ آور ہو سکتے ہیں۔ والئے ساگر برائے بیت پیشوا کا ماتحت ہے اور اگر ہم خواہش کریں تو وہ نیز فرماں روائے بھوپال ہم سے معاہدہ کرنے پر تیار ہے جس کی رو سے اُس کی ریاست انکے قبضہ میں رہے اور اسے لٹیروں کے حملوں سے نجات مل سکے جو اس کی ریاست کے گرد پھیلے ہوئے ہیں۔ مجلس نظما نے نواب بھوپال سے معاہدہ کرنے کی ممانعت کردی لیکن راجہ ناگپور کے ساتھ معاونتی معاہدہ طے ہو جانے اور پنڈاریوں پر حملے کی ضرورت نے نواب بھوپال کے ساتھ مصالحت کرنے پر ہمیں مجبور کر دیا ہے۔ بھونسلا کی ریاست کی حفاظت کرنے اور پنڈاریوں کو ان کے موجودہ مسکنوں سے نکال باہر کرنیکے واسطے اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ دوستی یا فتح مندی کے ذریعہ سے ہم بھوپال کے موقع اور وسائل سے فائدہ اٹھائیں۔ پہلے تو یہ مسئلہ قیاسی حکمت عملی کا تھا مگر اب شدید

[1] یہ رائے سرجی کلونر کی ہے

ضرورت کا سوال بن گیا ہے اور یہ بیان کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ناگپور کے معاہدے نے اس ملک کی حفاظت میں آسانی پیدا کر دی ہے (۱۴۷) اور جس مقام کی ہمیں حفاظت کرنا ہے وہ مالوہ میں کوئی حقیر جگہ نہیں ہے بلکہ نربدا کے کنارے پر ہمارے فوجی مقامات سے اس کا سلسلہ ملنے کے باعث یہ نہایت زبردست مقام بن گیا ہے۔

سب راجپوت ریاستوں میں ہمارے لئے ریاست جے پور اپنی مقامی حیثیت کے باعث نہایت اہم ہے اور یہ ریاست ۱۸۰۶ء کی مصالحت کے بعد کئی بار تباہی کے کنارے جا پہونچی ہے اور ہمارے واسطے یہ امر نہایت اندیشہ ناک ہے کہ پٹھان لیٹروں کی حد سے زیادہ خطرناک جماعت کا ایک ایسے ملک پر قبضہ موجود ہے جس سے انھیں شمالی ہند میں ہمارے نہایت زرخیز صوبوں پر حملہ آور ہونے اور وہاں کی شوریدہ پشت رعایا سے نامہ وپیام کرنے کے بہترین وسائل حاصل ہو سکتے ہیں جو ان کے ہم قوم اور بیشتر رشتہ دار بھی ہیں اس خطرہ کے اندیشہ کو محسوس کر کے حکام بالائے ہمیں والئے جے پور کے ساتھ مدافعانہ معاہدہ طے کرنیکا اختیار دیدیا اور اگرچہ چند مشکلات کے باعث صلح کی گفت وشنید میں خلل واقع ہو گیا ہے لیکن اس کی بدولت ابھی حال ہی میں ریاست جے پور سے ایک خطرہ رفع ہو چکا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ صلح کی گفتگو پھر شروع ہو گی کیونکہ اگر ہم اس ریاست کی مدد نہ کریں گے تو وہ تباہ و برباد ہو جائے گی اور وہاں کے خاص خاص عمائدین اس حقیقت سے اس درجہ باخبر ہیں کہ انھوں نے اپنے فرمانروا سے صاف صاف کہدیا ہے کہ جلد از جلد معاہدہ[1] طے کرنے میں کسی قسم کا قطعی خیال نہ کیا جائے۔

---

[1] جے پور کی حالت کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ہمیں اطلاع ملی ہے کہ آجکل وہاں کی فوج اپنی ہی ریاست کے اس علاقے میں لوٹ مار کر رہی ہے جو امیر خاں کے قبضہ میں ہے۔

پیش آنے والے خطرہ کے لحاظ سے ہمیں جے پور کے ساتھ بلا تاخیر تعلقات[1] قایم کر لینے چاہئیں۔ سامان رسد اور جنگی کارروائیوں کے لئے اس ریاست کے علاقے ہماری ماتحتی میں رہنے چاہئیں ورنہ ہمارے کمزور مقامات پر حملہ آور ہونے میں ہمارے غنیم کو اس ریاست سے ہر قسم کی امداد ملیگی۔

(۱۴۸) ۱۸۰۶ء کی صلح کے بعد سے راجہ جے پور و جودھ پور[2] سندھیا اور ہلکر کی فوجوں کے شکار بن گئے ہیں اور امیر خاں مع اپنی فوج کے راجہ مان سنگھ پر مسلط ہو گیا ہے ان واقعات سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اسکی فوجیں بڑی حد تک مغلوب ہو چکی ہیں اور وہ تہی دست ہو گیا ہے لیکن اگر غارت گر روساکی حرکات سے تنگ آکر کسی وقت ہم اپنی جنگی کارروائیوں کو صوبہ میواڑ یا مارواڑ یا اس کے نواح تک وسعت دینگے تو مجھے یقین کامل ہے کہ اسی وقت ہم نہایت آسانی سے وہاں کے کاہل مگر بہادر باشندوں کو بیدار کر سکیں گے اور ان میں اب بھی شجاعت کی وہ چنگاریاں موجود ہیں جو شعلہ زن ہو جانے پر ان لٹیروں کے استیصال میں بہت کچھ مدد دے سکتی ہیں جنھوں نے ان ریاستوں پر بڑے بڑے مظالم اور زیادتیاں کی ہیں۔

ظالم سنگھ راجہ کوٹا نے اپنے ذاتی خصائل کی بدولت اپنے فوجی وسائل اور ملکی حدود سے کہیں زیادہ قوت حاصل کر لی ہے۔ وہ نہایت فہیم مستقل مزاج اور دور اندیش ہے وہ اپنی ریاست کا خود انتظام کرتا ہے اور دوسروں کے معاملات میں بھی نہایت دانشمندی کے ساتھ دست اندازی کرتا ہے اپنے تحفظ کی ضرورت کے وقت وہ خراج[3] ادا کرتا ہے

[1] راجہ جے پور کیساتھ معاہدہ طے کرنے میں راجہ بوندی کو بھی شریک کر لینا چاہئے۔

[2] والئے جودھپور

[3] ظالم سنگھ سندھیا کو خراج دیتا ہے اور اس نے سندھیا اور ہلکر سے کئی ضلعے پٹہ پر لئے ہیں اور ہلکر کو ان اضلاع کا لگان اپنے دوست امیر خاں کی معرفت ادا کرتا ہے جسکا خاندان اسکی پناہ میں ہے اور جس کی امداد پر وہ ہمیشہ بھروسہ کرتا ہے۔

لیکن اس کا طرز عمل اس قسم کا ہے کہ اس کے ساتھ نہایت معتدل برتاؤ کیا جائے۔

اس کی ریاست مصیبت زدہ والیان ریاست اور سرکش رعایا کی جائے پناہ ہے نزاعات کے تصفیہ کے لئے وہ بہت بڑا ثالث مانا جاتا ہے اور سب لوگ اس کا نہایت احترام اور اعتبار کرتے ہیں اور یہ بات ان میں سے اور کسی کو حاصل نہیں۔ اس کا ملک اگرچہ غداری اور بدامنی کے گرداب میں واقع ہے مگر وہ اپنے گردو پیش کے اضلاع کی مصیبتوں سے ہمیشہ مستثنیٰ رہتا ہے البتہ گزشتہ چند سال سے پنڈاریوں کی غارت گر جماعتوں نے اس کے ملک کو کچھ نقصانات پہونچائے ہیں اس واقعہ اور اس کے طرز عمل سے یہ امید کی جاتی ہے کہ (جہانتک اس کی سیاسی (۱۴۹) فرزانگی اجازت دے گی) وہ پنڈاریوں کے استیصال کی تجویز میں ہمارا ساتھ دینے پر آمادہ ہو جائے گا۔ اس کے ملک کی مقامی حیثیت ایسی ہے کہ وہ ہماری اول جنگی کارروائی کے حلقہ کے اندر آجائے گا اس لئے وہ ہمارا دوست بنے گا یا دشمن رہیگا۔ اگر ہم معقول فوج کے ساتھ میدان میں آئیں گے تو اس میں کچھ شبہ نہیں ہو سکتا کہ وہ کس کی طرفداری کرے گا۔ ممکن ہے کہ ہمیں بالآخر سخت تدابیر اختیار کرنے کی ضرورت ہو اس وقت امن و سکون از سر نو قایم کرتے میں یہ ہر دل عزیز اور قابل فرماں روا ہمارے بہت کام آئے گا۔

جن سرداروں کا ہم تذکرہ کر چکے ہیں ان کے علاوہ اور بہت سے چھوٹے چھوٹے ہندو سردار ہیں جو ۱۸۰۶ء کے بعد سے نہایت زبردست لیڈروں کی اطاعت قبول کر لینے پر مجبور ہوئے ہیں لیکن وہ پورے طور پر مغلوب نہیں ہوئے ہیں اور اب بھی اُن کے پاس اپنی آزادی حاصل کرنے اور اسے برقرار رکھنے کے کچھ ذرائع موجود ہیں اور اگر آیندہ جنگ میں ہم امن عامہ قایم کرنے کی غرض سے شرکت کریں اور میرے نزدیک حصول کامیابی کی یہی سبیل ہے تو یہ ہندو سردار ہمارے بہترین اور حقیقی

دوست بن جائیں گے۔ اور ان کے ساتھ تعلقات قایم ہو جانے سے وہ پریشانیاں بھی لاحق نہ ہوں گی جو بڑی ریاستوں سے دوستی کرنے میں پیدا ہو جاتی ہیں چونکہ وہ ماتحت رہنے کے عادی ہیں اس لئے ایک زبردست سلطنت کی ماتحتی پر وہ فخر کریں گے اور اگرچہ وہ اپنی املاک کو تجارت اور زراعت سے ترقی دینے کے خوگر ہیں مگر وہ اپنے یہاں مسلح سپاہی رکھتے ہیں جو لٹیروں میں سے بھرتی کئے جاتے ہیں اور اگر وہ اپنا فائدہ دیکھتے ہیں تو قیام امن میں نہایت سرگرمی کے ساتھ کوشش کرتے ہیں اور اپنی حکمت عملی کے اقتضاء سے جب کبھی ہم ان سرداروں سے کچھ خراج یا مسلح آدمی ہر سال پیش کرنا طے کرلیں گے تو وہ ہمیشہ ہم کو ملتے رہیں گے مجھے اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر اس بات کا پورا اطمینان ہے کہ پچھلے موقعوں پر ہم نے خراج یا مسلح سپاہی طلب نہیں کئے لیکن ہمارے اس فیاضانہ سلوک کے معنی غلط سمجھے گئے اور اعتماد کی بجائے شبہات پیدا ہونے لگے۔ چونکہ انھیں باہمی حقوق کے استحکام کی کوئی مستقل لڑی نظر نہ آئی اس لئے بے لوث حفاظت کے قایم رہنے پر ان کے دل میں شبہات پیدا ہو گئے۔

(۱۵۰)

اب میں غارت گر فرماں رواؤں کے رویہ اور حالت کے متعلق یا بالفاظ دیگر ان والیان ریاست اور سرداروں کی بابت مختصر طور پر اپنی رائے بیان کرتا ہوں جنکا طریقۂ حکومت و طرز معاشرت نظام غارت گری کا ممد و معاون ہے جو ہمارے موجودہ خطرہ کا موجب ہے اس لئے سخت اشد ضرورت ہے کہ ہم اپنی حکمت عملی اور فوجی قوت کا سارا زور اس کے دفعیہ میں صرف کردیں۔ غارت گر ریاستیں تین جماعتوں پر منقسم ہیں۔ اول سندھیا و ہلکر دوسرے امیر خاں تیسرے پنڈاری اگرچہ یہ سب نظام غارت گری کے یکساں حامی ہیں جسے ہم ختم کرنا چاہتے ہیں لیکن اول الذکر اور باقی دو میں اور نیز دوسری اور تیسری جماعت کے درمیان میں بہت کچھ فرق ہے اس لئے ہر ایک کی داخلی و خارجی حکمت عملی کے متعلق علیحدہ علیحدہ

غور کرنا چاہیئے اس کی بدولت ہم دو اہم مسائل کے متعلق صحیح نتیجہ مرتب کر سکیں گے اول یہ کہ آیا ہمیں ان سب یا ہر ایک کے خلاف کارروائی کرنے کا استحقاق حاصل ہے دوسرے یہ کہ حسب ضرورت ہم جو تدابیر اختیار کریں ان میں کامیابی حاصل ہونے کا کیا طریقہ ہوگا۔

مادھوجی سندھیا نے مالوہ اور ہندوستان میں جو سلطنت قایم کی وہ عرصۂ دراز تک ایک بیرونی ریاست کی غارت گری کے اصول پر چلتی رہی کیونکہ وہ اپنی رعایا سے بہ تعداد کثیر مال گذاری وصول کر لیتا تھا اور گویا یہ رعایت کرتا تھا کہ ملک کے باقی حصہ کو نہیں لوٹتا تھا لیکن فرانسیسی افسروں کے ماتحت باقاعدہ فوج اور توپ خانہ قایم کر دینے سے اس کی حکومت نے ایک صورت اور اسکی قوت نے استحکام حاصل کر لیا قلعہ جات فتح کئے گئے۔ چھوٹی تعادتیں فرو کی گئیں خراج جبریہ وصول کیا گیا جدید فتوحات عمل میں آئیں اور رعایا کا کثیر حصہ اپنے راجہ کا مطیع اور فرماں بردار بن گیا۔ مادھوجی کی جملہ تجاویز فہم و فراست سے لبریز نظر آتی ہیں لیکن قوت کی افزونی سے اس کے جانشین دولت راؤ کے دل میں (۱۵۱) بیحد رشک و حسد کا مادہ پیدا ہو گیا اور آخرکار اس نے ۱۸۰۳ء میں دولت برطانیہ کے خلاف اعلان جنگ دیدیا جس کا چند ماہ میں یہ انجام ہوا کہ اس کے باقاعدہ رسالے تباہ ہو گئے توپ خانہ گرفتار ہو گیا اور ہندوستان میں اس کے جس قدر مقبوضات تھے وہ سب اس کے قبضہ سے نکل گئے اگرچہ ۱۸۰۳ء میں صلح ہو گئی تھی ۱۸۰۶ء میں گوالیار پھر اسے واپس دیدیا گیا اور اسی زمانہ میں اتباجی انگھا کی ریاست ضبط ہو جانے اور ہلکر کی سلطنت کی تباہ و برباد ہو جانے سے دولت راؤ سندھیا کے پاس بہت سے مقبوضات موجود تھے اور انھیں ترقی دینے کے ذرائع بھی حاصل تھے اور انھیں وہ بڑھا بھی سکتا تھا لیکن اس نے عمداً برعکس روش اختیار کر لی اور یہ کہنا بالکل درست ہے کہ ہمیں اب جو خطرہ دربیش ہے اس کا خاص موجب یہی شخص ہے۔

اس سردار کی تاریخ ۱۸۰۶ء سے مسلسل اس امر کا اظہار کرتی ہے کہ اسکی حکومت میں نفرت انگیز لڑائی جھگڑے۔ اس کی فوج میں بغاوت اور لوٹ کھسوٹ سے افلاس کا دور دورہ ہے اور اس نے اپنی عداوت کا سارا ابخاران کمزور ہندو ریاستوں سے نکالا ہے جو ہمارے ضبط و تحمل کے باعث اُس کے رحم و کرم پر ہیں۔ یہ ریاستیں خوش انتظامی کی بدولت سرسبز اور مرفہ الحال بن گئی تھیں مگر اس کم بخت نے انھیں ویران کردیا اگرچہ ان چھوٹے چھوٹے فتوح سے سندھیا بڑھ گیا ہے مگر اس کی آمدنی میں کمی اور خزانہ خالی ہوتا جاتا ہے اور اس کا ملک روز بروز مفلس ہو رہا ہے اور اس کے ارکین سلطنت اور فوج سرکش اور شوریدہ سر ہو گئے ہیں البتہ اس کی حوصلہ افزائی کی بدولت صرف پنڈاری تو خوش حال ہو گئے ہیں اور ان کی تعداد میں اضافہ ہو گیا ہے اور اس کی حمایت کے باعث وہ نہایت دلیر ہو گئے ہیں اس نے پنڈاریوں کو رہنے کے لئے اپنی ریاست میں جگہ دی ہے اور جب وہ ہماری رعایا کا خون پیکر اور ہمارے علاقوں کو لوٹ کر اور مال غنیمت لیکر واپس گئے تو اس نے اپنے یہاں آنے سے منع نہیں کیا بلکہ مال غنیمت میں سے اپنا حصہ لے لیا اور ان کی اس کامیابی سے خوش ہوا۔ میرا یہ خیال اس واقعے کی صداقت کے باعث ہے۔ چونکہ سندھیا اپنی سلطنت کے نقصان کو نہ تو فراموش کرسکتا ہے اور نہ معاف ہی کرسکتا ہے اس لئے فطرتاً وہ ہمیں اپنا بدترین دشمن تصور کرتا ہے اور ہماری قوت پر حملہ کرنے کی تجویز پر سوچ رہا تھا ہے ۱۸۰۵ء میں اختتام جنگ کے بعد سے مرہٹے اس رائے کے حامی ہیں کہ ہمیں غارت گری کی پوری تنظیم کا مقابلہ کرنا پڑے گا اور ہمارے مقبوضات اور ذرائع آمدنی پر لٹیروں اور ڈاکوؤں کے مسلسل حملوں سے اورنگ زیب کے جانشینوں کی طرح ہماری قوت میں بھی زوال

(۱۵۲)

لہ کپتان کلوز کے مراسلات ۱۸۱۶ء و ۱۸۱۷ء۔

آجائے گا اور پنڈاری کئی سال سے اس زوال کا موجب ہو گئے ہیں ہماری تیاریوں سے خائف ہو کر سندھیا نے ان لٹیروں کو اپنے جھنڈے کے نیچے مجتمع ہونے کے واسطے طلب[1] کیا اور اس نے ان کی گستاخیوں اور اپنی ریاست میں گا ہے گا ہے ان کی ڈاکہ زنی اور خود اپنے سرپلا مول لینے کو محض اس خیال سے گوارہ کر لیا کہ انگریزی حکومت سے انتقام لینے میں یہ لوگ جنگ میں اس کا ساتھ دیں گے اور محض اسی لئے ان سے اپنے تعلقات وابستہ کر لئے ہیں۔

ہم نے اس کے متعلق اس سے جواب طلب کیا تو اس کے طرز عمل سے ظاہر ہو گیا کہ اس کا کوئی قول و قرار ہرگز قابل اعتماد نہیں ہے یہ سچ ہے کہ اس نے حال ہی میں ہمارے اقتدار سے خوف زدہ ہو کر انگریزی حکومت کے ساتھ خوش گوار تعلقات قایم رکھنے کی خواہش ظاہر کی ہے مگر دو سال پیشتر اس کا لہجہ بالکل مختلف قسم کا تھا اور ابھی جب ہم نے زور دیکر اس سے کہا ہے کہ پنڈاریوں پر حملہ کرنے کے لئے ایک فوج بھیجو تو اس کی سلطنت کے ایک خاص افسر اور ان لٹیروں کے ایک سردار کے مابین خط کتابت ہو رہی ہے جس کے خلاف اسے تلوار اٹھانی ہے۔

(۱۵۴) میرا اندازہ تو یہی ہے کہ نظم غارت گری کے لئے ہم جو تدبیر بھی اختیار کریں اس کے متعلق سندھیا کے کسی قول و قرار۔ وعدہ اور معاہدہ کا اعتبار کرنا گذشتہ واقعات کے پیش آنے کے بعد ہماری انتہائی کمزوری کی علامت ہو گی تاوقتیکہ ہم اپنا پورا اطمینان نہ کر لیں کیونکہ کسی مزید ثبوت کی تلاش تضییع اوقات کا موجب ہو گی جبکہ یہ امر مسلمہ ہے کہ اس نے اپنے مفاد کو لٹیروں کے فوائد سے پیوست کر دیا ہے وہ لٹیروں کا مربی اور سرپرست ہے اور ان کے تعلقات کی بنا کتنی ہی

---

[1] وزیر دربار ناگپور نے بلا تامل یہ واقعہ ہمارے رزیڈنٹ کے گوش گذار کر دیا۔

کمزور کیوں نہ ہو۔ یہ ڈاکو اپنے کو اس کی رعایا اور سپاہی تصور کرتے ہیں اور یہ بات لٹیروں کے سردار کے خطوط سے جو اس کے وزیر کے نام روانہ کئے گئے اور ہزاروں دیگر واقعات سے ثابت ہو گئی ہے اور اس کی ریاست میں لٹیروں کی مستقل بود و باش ہی ہمیں اس کا مستحق بناتی ہے کہ (اگر ہماری پالیسی اس کی مقتضی ہو) ہم اس کے ساتھ دشمن جیسا برتاؤ کریں اگر ہم اُسے اپنا دشمن نہ سمجھیں گے تو غیر جانب داری ہمیں اور سندھیا جنگ کی مصیبتوں اور خطرات سے اپنے کو محفوظ رکھکر ہمیں پریشان اور دق کرنے والی لڑائی جاری رکھے گا۔ اس کے یہاں کے سوار تعداد کثیر ان لٹیروں میں شامل ہیں اور اپنے لباس قومیت اور عادات و خصائل میں بالکل پنڈاریوں کے مشابہ ہیں اور وہ جب ڈاکہ زنی کے کام پر روانہ ہوتے ہیں اور ہمارے حملے سے بچنا چاہتے ہیں تو وہ سندھیا کے ملک میں پناہ لیتے ہیں اور اس کی فوج میں شامل ہو جاتے ہیں۔ ایسی حالت میں اس خرابی کے دفعیہ کے لئے جو تدبیر بھی اختیار کی جائے گی اس میں دولت راؤ سندھیا کو یا تو اپنا دوست تصور کر کے اس پر ہمیں بھروسہ کرنا ہوگا یا اسے اپنا دشمن تصور کر کے اس کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ سندھیا کے جرم کی سنگینی کی تخفیف کی بابتہ یہ کہا جاتا ہے کہ اسے پنڈاریوں کو دبانے یا نکالنے کی قوت حاصل نہیں ہے لیکن اگر اس مفروضہ کو صحیح بھی مان لیا جائے تو اس سے ہماری حالت نہیں بدل سکتی البتہ اس کی حالت تبدیل ہو سکتی ہے۔ ایسی صورت میں نیت اور قابلیت کے فقدان میں بآسانی امتیاز نہیں کیا جا سکتا ہے اور جبکہ اس کی ریاست میں رہنے والے دلیر لوگوں کے جارحانہ حملوں سے ہماری سلامتی خطرے میں ہے تو پھر یہ سوال اٹھانا محض بے کار ہے کہ یہ لوگ حملہ کرنے کی قوت اس کی کمزوری سے یا اسکی امداد سے حاصل کرتے ہیں۔ ہم اسے ایک ریاست کا فرماں روا تسلیم کرتے ہیں اس لئے اسے اپنی رعایا کے طرز عمل کا (۱۵۴)

ذمہ دار ہونا چاہیئے اگر فی الحقیقت یہ حالت سندھیا کی کمزوری کے باعث ہے تو ان جماعتوں کے استیصال کے لئے وہ ہمارے اشتراک عمل سے بہت خوش ہوگا جو ہمیشہ اس سے سرکشی کرتی ہیں اور اگر انکا قلع قمع نہ کیا گیا تو بہت جلد اس کی حکومت کا تختہ پلٹ دیں گی۔

مالوہ اور خاندیس میں خاندان ہلکر کے مقبوضات عجیب و غریب تباہی اور بدامنی کے عالم میں ہیں۔ جسونت راؤ ہلکر کے فاتر العقل ہو جانے کے زمانہ سے یہ ریاست تباہ و برباد ہو رہی ہے۔ اور حقیقت الامر یہ ہے کہ وہ مختلف عہدیداروں کے لڑائی جھگڑوں کا شکار ہو رہی ہے البتہ محض باہمی رشک و حسد۔ عادات و خصائل اور بعض رسم و رواج کی پابندی کے باعث جو اہل ہند کا طغرائے امتیاز ہیں یہ ریاست اب تک مکمل تباہی سے محفوظ رہی ہے اگرچہ نوعمر راجہ کی ماں[1] تلسی بائی اسکی ولیہ مان لی گئی تھی تاہم ریاست کی فوجی طاقت کو امیر خاں نے غصب کر لیا تھا جسونت راؤ کا منظور نظر بلرام سیٹھ سنہ ۱۸۰۶ء میں اس کا وزیر اعظم ہو گیا تھے جسونت راؤ نے انگریزی حکومت کے ساتھ مصالحت کی گفت و شنید کرنے پر مامور کیا تھا۔ اس ریاست کی کمزوری اور بدامنی ہر سال بڑھتی جاتی تھی۔ امیر خاں اپنے ذاتی عروج کے لئے ان تمام وسائل سے کام لینے لگا جو اسے حاصل ہو گئے تھے اس کے ساتھی (جن میں سے زیادہ اسی کے ہم قوم پٹھان تھے) اس فوج سے بالکل علیحدہ تھے جو خاندان ہلکر کے موروثی وفادار سرداروں کے ماتحت تھی ان کی کل تعداد ۸-۱۰ ہزار سوار اور چند بے قاعدہ پیدل سپاہ سے متجاوز نہ تھی۔ اور چونکہ ریاست قدیم فوج کے اس باقی ماندہ حصہ کی تنخواہ بھی ادا نہ کر سکتی تھی اسلئے اس فوج کے سپاہی ۸-۱۰ سال سے اپنی ہی ریاست پر ڈاکہ زنی کرکے بسر اوقات کرتے ہیں اور پنڈاریوں کے شریک حال ہو کر اور گروہ در گروہ منتشر

(۱۵۵)

---

[1] تلسی بائی حقیقی ماں نہ تھی بلکہ اس راجہ کو اپنا متبنیٰ بنانے کی وجہ سے ماں کہلاتی تھی۔

حکومت دیکھکر غدر مچاتے اور رعایا سے استحصال بالجبر کرتے ہیں۔ ایک موقع پر تلسی بائی ولیہ اپنے لڑکے اور بلرام سیٹھ کے رقیب گنپت راؤ کو اپنے ساتھ لیکر اپنی غدار فوج کے قبضے سے نکل گئی اور ایک قلعہ میں پہونچکر اس نے اپنے کو مع فرزند کے ظالم سنگھ والئے کوٹا کی پناہ میں دیدیا اور بطیب خاطر چار ماہ جلا وطن رہنے کے بعد اس نے اپنے ایک خاص افسر کو گرفتار کیا اور اس کا مال و اسباب ضبط کر لیا اور اس طرح جب اپنی فوج کو تنخواہ دینے کے وسائل اس کے ہاتھ آ گئے تو وہ اپنے خیمے کو واپس آگئی اس نے اول کام یہ کیا کہ بلرام سیٹھ کو گرفتار کر کے قتل کیا۔ اس کا مال و اسباب لوٹ لیا اور گنپت راؤ کو اپنا وزیر مقرر کر دیا۔ اس کے بعد اس نے جسونت راؤ آنجہانی کی ایک بیوہ کو لوٹ لیا اس عورت پر سخت زیادتیاں کر کے پچاس ہزار روپیہ وصول کیا جس سے اس کے دشمنوں کی آتش حرص اور تیز ہو گئی۔ اس ظلم اور قتل کے بعد اس کی ساری جائداد لوٹ لی گئی۔ جسونت راؤ ہلکر کا بھتیجا اور سابق وزیر کے حامی چند سردار گرفتار کر کے قتل کر دئے گئے۔ اس سال کے اوائل میں ان واقعات کے رونما ہونے پر سخت حیرت اور دہشت طاری ہو گئی ہے۔

امیر خاں ابھی تک جودھپور میں ہے اور اس کے معاملات اور اپنی فوج کی تنخواہ کے لئے شور و غل نے اسے مالوہ آنے سے باز رکھا ہے جہاں پر اس کے نمائندے غفور خاں نے تلسی بائی کی کارروائیوں کی مخالفت میں بے سود کوشش کی ہے۔ تلسی بائی نے اپنی باغی فوج کو اپنے قابو میں کرنے کے بعد دولت راؤ سندھیا سے امداد طلب کی جو دیدی گئی۔ غالباً اب اس پرانے جھگڑے کا جلد فیصلہ ہو جائے گا کہ دربار ہلکر میں سندھیا یا امیر خاں کس کا حق فائق ہے۔ لیکن اس جھگڑے

(۱۵۶)

۱۔ وہ گرم لوہے کے تختہ پر بٹھا دی گئی۔ بحوالہ مراسلہ کپتان کلونہ۔

اسقدر حقوق وابستہ ہیں اور ایسی سازشیں ہو رہی ہیں کہ کسی منزل پر نتیجہ کا اندازہ نہیں ہو سکتا ہے۔ یہ ادنٹ خواہ کسی کروٹ کیوں نہ بیٹھے ہم تو صرف اسقدر جانتے ہیں کہ بدامنی اور پریشانی بدستور موجود رہیگی مذکورۂ بالا واقعات کو اگر پنڈاریوں کی حالت سے ملاکر نہ دیکھا جائے تو ہم ان سے صرف یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ یہ واقعات ہمیں مصیبت کے منظر سے آگاہ کرنے کی علامت ہیں۔ ہلکر کے فوجی سپاہی ان لٹیروں کے افسران ہیں اور ہلکر کی ریاست اور حکومت انھیں نہ صرف روپیہ۔ آدمی اور رسد مہیا کرتی رہتی ہے بلکہ ان کے قیام کو جگہ دیتی ہے اور ان کو پناہ دیتی ہے ہلکر کی ریاست اور پنڈاریوں کے درمیان گانٹھ جوڑ ہو جانے کے باعث ہمارے اس بیان کی صداقت میں شبہ نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ ایسی جوڑ اس امداد اور حوصلہ افزائی کا ہمیشہ ثمرہ ہوا کرتی ہے جو کمزور ریاستیں اس قسم کے لٹیروں کو دیا کرتی ہیں۔ اس خرابی کے استیصال کے لئے ہمیں ریاست ہلکر کا بندوبست کرنا لازمی ہو گیا ہے اور اس کام کو انجام دینے کے لئے مجبوراً ہمیں تلوار اٹھانی پڑے گی البتہ اسکی پروا نہیں کہ اس کام کو ہم خود سندھیا کی وساطت سے یا امیر خاں کے ذریعہ سے انجام دیں تاکہ ہمارا مقصد حاصل ہو جائے۔ یہ محض وقتی ضرورت کا سوال ہے۔ ایک ایسی ریاست کے ساتھ معاہدوں کا تذکرہ کرنا اسکی شرائط کا مضحکہ اڑانے میں داخل ہے جو دس سال سے معدوم ہے اور کسی حالت میں بھی وہ دوستانہ تعلقات کو نہیں نباہ سکی ہے لیکن اس بیان سے میرا یہ منشا نہیں ہے کہ ہم خاندان ہلکر کو اسکی ریاست سے محروم کر دیں بشرطیکہ ہلکر کے خاندان والے یا ان کے کارکن نظم غارت گری کے استیصال کے متعلق ہماری تدبیروں میں خوشی خوشی ہمارا ساتھ دیں اور مجھے معلوم ہے کہ جو کارروائی بھی اختیار کی جائے گی وہ خاندان ہلکر کو سخت گراں گزرے گی اور

(۱۵۷)

اس خاندان کے جلد چلے جوئے رفع کرنے کے لئے ہمیں سختی کے ساتھ کام لینا پڑے گا۔ قوم مرہٹہ کی مختلف شاخوں کو نہایت سرعت کے ساتھ زوال آرہا ہے۔ اپنے ملک کے حدود سے باہر ان کی عملداری کسی مستحکم بنا پر قایم نہیں ہوئی اور انہیں ابھی حال ہی میں کچھ فتوحات نصیب ہوئی تھیں مگر اکثر صورتوں میں ان کی قوت اپنی اصلی شکل میں قایم رہی ہے وہ برائے نام بادشاہ اور فی الحقیقت لٹیروں کے سردار ہیں اور جب کبھی غیر علاقوں پر وہ حملہ آور ہوئے۔ انہوں نے اپنی عادت کے بموجب ان باجگذار اور چھوٹے رؤسا کو خوب لوٹا اور ان پر زیادتیاں کیں جو ان کے مسلسل ناقابل برداشت مظالم سے تنگ آکر بغاوت کرنے پر آمادہ ہوگئے تھے جس نظم کی بدولت یہ لوگ مالا مال ہوگئے ہیں اس کے استیصال ہی سے یہ لوگ مغلوب ہوسکتے ہیں لیکن حتی الامکان ایسی تدابیر سے ہمیں احتراز کرنا چاہئے جس سے وہ خوف زدہ ہوجائیں یا اُن کے جذبات برانگیختہ ہوں اور انعام غنیمت کے خیال سے وہ متحد ہوجائیں ہر حالت میں ان کا زور یقیناً توڑا جاسکتا ہے لیکن جسقدر آہستگی سے یہ کام انجام دیا جائے گا اسی قدر کم مخالفت رونما ہوگی۔

ہم ابھی بیان کرچکے ہیں کہ ۱۸۰۹ء میں امیر خاں کی قوت کی کیا حالت تھی وہ ۴۰ - ۵۰ ہزار ڈاکوؤں کا سردار تھا اور اس کی روک تھام کے لئے ایک فوج دکن میں اور بہت سی فوج بندیلکھنڈ میں مامور کرنے میں زرکثیر صرف کرنا پڑا۔ امیر خاں کو اپنا سردار مان کر پنڈاری اس کی فوج میں صرف اسی وجہ سے شریک ہوگئے تھے کہ اس نے ڈاکہ زنی میں ان کی افسری قبول کرلی تھی لیکن جب اُسکے خیالات محدود ہوگئے تو پنڈاری بھی اسکی اطاعت سے پھر گئے۔ (۱۵۸)

یقیناً امیر خاں کا یہ انتہائی عروج تھا اور جیسا کہ بعض حضرات کو گمان تھا اگر اس میں ویسی عقل اور شوق ہوتا تو اس نے اپنی سلطنت قایم

کرنے کے لئے زبردست کوشش کی ہوتی لیکن دیگر مواقع کی طرح اس موقع پر بھی اُس نے یہ ظاہر کردکھایا ہے کہ وہ ایک جماعت کا صرف بہادر سردار ہے۔ مگر جس نازک موقع نے اُسے ایک بڑا شخص بنا دیا اُس سے ہم پر یہ امر بخوبی روشن ہوگیا تھا کہ اگر اس وقت کوئی اولوالعزم اور قابل شخص سردار بن جاتا تو ہمیں ہر وقت نہایت زبردست کا سامنا رہتا۔ اگر اُس جیسے مواقع حیدر علی یا سیواجی جیسے شخص کو میسر آجاتے تو اُس نے ہماری سلطنت ہند کے کوٹے کرنے میں اپنی تلوار سے آگ لگا دی ہوتی۔ اب امیر خاں ہلکر کے منتشر خاندان پر اپنا اقتدار قایم کرنے۔ اپنی فوج کی بےچینی رفع کرنے کی تدابیر کرنے۔ ریاست جے پور پر حملے کرنے اور راجہ مان سنگھ والئے جودھپور کے دربار میں اپنا رسوخ اور اقتدار قایم کرنے میں اپنی کوششیں صرف کر رہا ہے۔ آخرالذکر اس کی محبوب ترین تمنا تھی چونکہ راجہ جودھپور سے وہ نہ صرف کثیر خراج وصول کرتا ہے بلکہ اُسے نہایت بیش قیمت جاگیریں عطا ہوئی ہیں جنھیں وہ اپنے خاندان کے واسطے کرانا چاہتا ہے اور اس کی فوج زیادہ تر اسی ریاست میں ہے لیکن محض اس کی فوج کی وہاں موجودگی ہی سے اسکا ظالمانہ رعب و داب قایم ہے۔

امیر خاں اور راجہ جودھپور کے مابین نہایت سخت رقابت موجود ہے اور یہ گمان ہوتا ہے کہ اس کا ارادہ راجہ مان سنگھ کو معزول کردینے کا ہے اور جودھپور کے ایک خاص وزیر کے قتل کے تازہ واقعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ریاست جودھپور میں اپنے حقوق برقرار رکھنے کے لئے امیر خاں ظالمانہ حرکت کرنے میں بھی پس و پیش نہ کرے گا۔

خاندان ہلکر پر اپنا رعب و داب قایم رکھنا اس نے اپنے ایک نمائندے کے سپرد کردیا ہے جس کے ساتھ مختصر سی فوج رہتی ہے اور ریاست جے پور کا مفتوحہ علاقہ امیر خاں نے اپنے ایک سردار کو تفویض کردیا ہے۔ اس کی جاگیر سرونج اور دیگر علاقے جو اس نے ہلکر خاندان سے حاصل کئے ہیں بالکل غیر محفوظ ہیں اُسے ظالم سنگھ راجہ کوٹا پر پورا اعتماد ہے

کیونکہ یہ راجہ اُسے[1] ہلکر کا واجب الادا خراج دیدیتا ہے اور اس راجہ نے
اُن کے خاندان کو پناہ دے رکھی ہے اس دوستی کے بدلے امیر خاں
راجہ کوٹا کا زبردست معین و مددگار ہے اور ایسے دوست کی شہرت سے
راجہ کو بڑی تقویت حاصل ہوگئی ہے چند سال پیشتر امیر خاں سے پنڈاریوں
کے تعلقات بہت بہتر تھے لیکن اب بھی وہ اس کی نظر عنایت کے
امیدوار رہتے ہیں اور حالت و طرز معاشرت کی ہمرنگی کے باعث
ساتھیوں کے شریک حال ہیں اور کسی لڑائی میں ایک قسم کے لیٹروں کو
دوسری قسم کے ڈاکوؤں سے جدا کرنا سخت دشوار ہے تاوقتیکہ امیر خاں
کے ساتھی کسی دور دراز کے مقام پر مصروف کارزار نہ ہوں۔ اس صورت
میں بھی جن پنڈاریوں کو ہم مالوہ سے نکال دیں گے وہ مارواڑ جاکر پناہ
لے لیں گے اور جب ہم اپنی کوششوں میں ڈھیل ڈالدیں گے
تو وہ پھر مالوہ کو لوٹ جائیں گے۔

اس لئے امیر خاں اور اس کے ساتھیوں کو اپنی تجویز سے
خارج سمجھنا ناممکنات سے ہے اور اس معاملے کی بابتہ ہماری ہر ایک
رائے نامکمل رہے گی اگر کسی نہ کسی عنوان سے انھیں شامل نہ کیا جائیگا
اور یقیناً لارڈ منٹو کے خیال کے بموجب ۱۸۰۹ء سے اس شخص کے
طرز عمل کو دیکھکر خاندان ہلکر سے اس کی جداگانہ ہستی تصور کرلی چاہئے
وہ ڈاکوؤں کی ایک زبردست جماعت کا سردار ہے اور بلا کسی جائز
استحقاق کے وہ سلطنت کا مدعی ہے اور اس لئے حسب ضرورت ہمیں
اس کے ساتھ پیش آنا چاہئے۔ سردست ہمارا نفع اسی میں ہے کہ اس کے
قول کے بموجب ہم اُسے خاندان ہلکر کا ملازم تسلیم کرلیں۔ اس وقت اسکے
پاس بارہ ہزار سوار کئی تربیت یافتہ پلٹنیں اور دو سو تین سو کے درمیان
توپیں موجود ہیں۔ اس کا توپخانہ ہر ایک ہندوستانی ریاست کے

[1] مراسلہ کپتان کلوز بنام لارڈ بوریا مورخہ ۱۳ اپریل ۱۸۱۶ء

توپخانہ نے سب اعلیٰ و افضل ہے اور کہا جاتا ہے کہ وہ عمدہ حالت میں ہے لیکن اس کی فوج کی منتشر حالت کا لحاظ کرکے یہ بات قابل اعتبار نہیں معلوم ہوتی ہے۔

امیر خاں کی حالت پنڈاری سردار کی حالت سے بالکل جداگانہ ہے کیونکہ اس کی فضیلت نے ایک معقول صورت اختیار کرلی ہے اور اسکے پاس آمدنی کے ایسے ذرائع موجود ہیں جو ایک حدتک اُس کے مصارف کے لیے کافی ہوتے ہیں اس لئے وہ پنڈاریوں کی طرح اپنے مصارف کے لئے ہم پر یا ہمارے رفیقوں پر حملے کرنے کو مجبور نہیں ہوتا ہے اگرچہ اسے یہ امتیاز خصوصی حاصل ہے لیکن دیگر معاملات میں اس کی حالت پنڈاریوں جیسی ہے۔ اس کی فوج کا گذارہ ڈاکہ زنی پر ہے[1] اگرچہ وہ ایک محدود دائرہ کے اندر ہوتی ہے لیکن جن ممالک کی آمدنی پر وہ زندگی بسر کرتے ہیں چند روز میں دیوالیہ ہوجائیں گے اور اس کی ماتحت جماعتیں کسی وسیع علاقہ پر حملہ کرنے کے لئے زیر ترتیب ہیں ہم نے کئی بار ان کے حملہ کا خدشہ رفع کرنے کے لئے تیاریاں کی ہیں اگرچہ بعض وجوہ سے تاخیر واقع ہوگئی ہے لیکن بالآخر اپنے مفاد کی خاطر اس جماعت کا قلع قمع ضرور کرنا ہوگا اس بات کو تسلیم کرنے کے وجوہ موجود ہیں کہ بتقاضائے سِن و مایوسی یہ سردار حکومت برطانیہ کے ساتھ دوستی کرنے پر مائل ہوگیا ہے لہٰذا اُس نے اس مسئلہ کے متعلق جو تجاویز رزیڈنٹ متعینہ دہلی کے روبرو پیش کی ہیں وہ ان تجاویز سے بالکل جداگانہ قسم کی ہیں جو اس سے بیشتر پیش ہوئی تھیں۔ وہ ہماری پناہ میں آنے کا خواہشمند ہے اور اس کے حصول کے بعد وہ وعدہ کرتا ہے کہ میں خاندان ہلکر کے متعلق آپ کی تجاویز اپنی کوشش سے منظور کرادوں گا[2]

---

[1] اس کی عمر ۴۵ سال کی ہے۔
[2] مراسلہ مسٹر مٹکاف بنام مسٹر ایڈم۔

اس معاملے میں ہماری حکومت سے گفت و شنید ہو رہی ہے[1] اور اس میں شک نہیں کہ اگر امیر خاں صادق القول ہے تو بڑے کام کا آدمی ہے اور چونکہ وہ خود اور اس کے بہت سے معاونین ہمارے صوبوں کے رہنے والے ہیں اس کے باعث اس قسم کا انتظام ہو جانے کے بہت سے وسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ ہندوستان کی موجودہ (۱۶۱) حالت میں اگر کوئی اسلامی قوت باقاعدہ ترقی حاصل کرلے تو مجھے اس سے کوئی اندیشہ نہیں ہوگا کیونکہ بہ نسبت مرہٹوں کے ہم اس قوم کے ساتھ باسانی دوستی پیدا کر سکتے ہیں مسلمان اگرچہ دلیر اور شریر ہیں مگر وہ مرہٹوں کی طرح عیار و غدار ہرگز نہیں ہیں۔ اپنی فضول خرچی اور عیش پسندی سے وہ کنگال بن جاتے ہیں اور اگرچہ ان کے جذبات بدستور قایم رہیں لیکن ہند کی کاہلی ان کی خطرناک عادتیں رفع کردیتی ہے برخلاف مرہٹہ سپاہی کی سادگی اسے اس قسم کی تبدیلی سے باز رکھتی ہے اپنے لباس۔ خوراک اور عادات و اطوار میں وہ اپنی قوم کے مقررہ قوانین کا پابند ہوتا ہے۔ مرہٹہ جس طوفان کا مقابلہ نہیں کر سکتا اس کے آگے بید کی طرح جھک جاتا ہے لیکن اس طوفان کے گذر جانے پر وہ اصلی حالت پر آجاتا ہے۔ اس لئے میں نے تو یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ آیندہ جب ہمارے تعلقات ان دونوں قوموں سے پیدا ہوں گے تو ہم اپنے مسلمان حلیفوں سے بہت شاکی ہوں گے اور مرہٹوں سے ہمیں سخت نقصانات پہونچیں گے۔

مضمون کے اس حصے کی بحث میں پنڈاریوں کی اصلی حالت کی بابت ابھی چند الفاظ اور بیان کرنے باقی ہیں۔ تین سال ہوئے کہ ایک باخبر افسر[2] نے مالوے میں پنڈاری لٹیروں کی تعداد کا تخمینہ تیس[3] ہزار سوار

---

[1] ۔ مراسلہ مسٹر ایڈم بنام مسٹر مٹکاف ۔
[2] ۔ کپتان سڈنہم ۔

کیا تھا۔ اور ایک نہایت مستند اور پُر از معلومات کتاب[1] میں ان کی تعداد اکتالیس ہزار بیان کی گئی ہے۔ دونوں بیانات صحیح ہو سکتے ہیں کیونکہ جیسا کہ میں کسی اور مقام پر عرض[2] کر چکا ہوں ایسی فوج کی تعداد کا تعین قطعی ناممکن ہے جو روزانہ تبدیل ہوتی رہتی ہے اور جب کبھی لوٹ کی توقع ہوتی تو اس کے مختلف عہدوں پر سندھیا، ہلکر اور امیر خاں کے آدمی مامور ہو جاتے ہیں۔ اور ان سرداروں کو شکست نصیب ہونے پر یہ لوگ فوج سے برطرف کر دیئے جاتے ہیں ان لٹیروں کے چند ایسے سردار بھی ہیں جن کے پاس وفادار ملازموں کی جماعت، علاقے، قلعے اور کچھ پیدل فوج اور چند توپیں بھی ہیں۔ ان میں سے قابل تذکرہ ہیرو۔ کریم خاں اور چیتو ہیں۔ چیتو مدت دراز تک سندھیا کے یہاں قید رہا ہے۔ کریم خاں بھی سندھیا کے یہاں مقید تھا لیکن ایک لٹیرے رحم بطور زر ندرانہ ادا کر کے اُس نے رہائی حاصل کر لی اور اس کے بعد فوراً اُس نے اپنے پرانے ساتھیوں کو اپنے جھنڈے کے نیچے جمع کر لیا اور جس راجہ نے روپیہ کے لالچ میں آکر اسے آزاد کیا تھا اُس کے علاقہ کو بطور انتقام کے لوٹنا شروع کر دیا چیتو اور کریم خاں نے مل کر ہر ایک علاقے[3] میں اپنی ہیبت طاری کر دی ان دونوں کی متحدہ فوج کی تعداد پچیس ہزار ہو گئی تھی انھوں نے سب سے اول بھونسلا کے علاقے پر چھاپہ مارا تھا مگر اُس نے اپنی حکمت عملی سے ان دونوں کو جدا جدا کر دیا چنانچہ چیتو نے سندھیا کے ایک فوجی جنرل کو اس کے پرانے دوست کریم پر حملہ کرنے میں امداد دی۔ کریم کو شکست فاش نصیب ہوئی اور مجبور و لاچار ہو کر اُس نے اپنے کو امیر خاں کے رحم و کرم کے سپرد کر دیا جس نے اُسے تلسی بائی کے

(۱۶۲)

۵۱۔ سرگذشت پنڈاریاں مصنفۂ کپتان ٹاڈ۔

۵۲۔ یادداشت متعلق پنڈاریاں مورخہ ۶ ۱۸۱۸ء از مقام لندن۔

۵۳۔ سرگذشت مصنفۂ مسٹر ٹاڈ۔

حوالے کر دیا چنانچہ کریم ابھی تک اُسی کے یہاں مقید ہے۔ اِن واقعات کے رونما ہونے سے پنڈاریوں کی خاص کمان چیتو کے ہاتھ میں آگئی ہے اور سندھیا نے کریم کے خلاف مدد دینے کے صلے میں چیتو کو پانچ لاکھ روپیہ سالانہ کی جاگیر اور عطا کر دی ہے لیکن اس سردار نے اس علاقے کی سکونت ترک کر دی کیونکہ اسکی آمدنی اُس کے اخراجات کے لئے ناکافی اور یہ مقامات اس کے خیالات اور تجاویز کے واسطے موزوں نہ تھے اس لئے اب اُسے اپنے خاندان اور خزانے کے تحفظ کے لئے اور مقام تلاش کرنا پڑا اور اپنے کھیتوں کا لگان وصول کرنے کی فکر دامن گیر ہوئی جو دوسروں کی محنت کی بدولت سرسبز ہو رہے تھے۔ اور چیتو کے طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زبردست کام کو انجام دینے کی اس میں پوری قابلیت موجود تھی جو اس کے بعد اس نے انجام دیا ہے۔ اس کی بابتہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ بہادری دکھانے میں بھی عقل سے کام لیتا ہے وہ اولوالعزم مگر محتاط ہے اور وہ نہ صرف ہوشیار ہے بلکہ سیاسی چالوں سے بھی واقف ہے لیکن اس کے بھی دشمن موجود ہیں اور کریم کے قریبی رشتہ دار سخت مخالفین میں ہیں اگرچہ جب کبھی مال غنیمت ہاتھ آنے کی توقع ہوتی ہے اس وقت یہ جھگڑے ختم ہو جاتے ہیں۔ ان لوگوں کے دو بڑے فریق سندھیا شاہی اور ہلکر شاہی ہیں لیکن دکن اور ہمارے علاقے پر حملہ کرنے میں یہ امتیاز بالکل دور کر دیا گیا تھا اور سب جماعتیں شریک ہو گئی تھیں لیکن اُن پر حملہ ہونے کی صورت میں یہ منظر بالکل بدل جائے گا اور چونکہ آسائش حاصل ہونے کی بجائے ان پر مصیبت نازل ہو گی اس لئے پرانے جھگڑے دوبارہ شروع ہو جائیں گے اور پرانی شکایات اور نقصانات پر غم و غصہ یاد آئے گا ہر ایک سردار کو وہ راہ اختیار کرنے کا صلہ مل جائے گا جو اپنی عافیت اور فائدہ کے لئے اسے بہترین نظر آئے گا۔ (۱۹۲)

گزشتہ سات یا آٹھ سال کے اندر پنڈاریوں کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے

اس مسلمہ واقعہ سے اس خیال کی پوری تردید ہو جاتی ہے کہ پنڈاریوں کی جماعت کلیتاً ان لوگوں پر مشتمل ہے جو ہماری فتوحات کے باعث مایوس اور لاچار ہو گئے ہیں اگرچہ ہندوستان کے کئی بے قاعدہ رسالے ان ریاستوں کے زوال یا استیصال سے جن میں وہ ملازم تھے بدرجۂ مجبوری پنڈاریوں کی جماعت میں شامل ہو گئے ہیں اگر انھیں یہ معلوم ہوتا کہ یہ زندگی خطرہ اور مصیبت کی ہوگی (مثلاً اگر مالوہ کے حکمران امن قایم کرنے پر آمادہ ہو جاتے تو انھوں نے بھی ایسا ہی کیا ہوتا) تو ان کی تعداد میں بہت جلد کمی واقع ہو جاتی کیونکہ پھر وہ اپنے گذارہ کی اور راہ اختیار کرتے اور ابتدا میں جو لوگ اس جماعت میں شریک ہوئے تھے ان میں اکثر اس سے علیحدہ ہو گئے۔ کچھ مر گئے بعض کے گھوڑے ضائع ہو گئے ہیں اس لئے بہت سے عہدے خالی ہو گئے اور اس صورت میں ان کی جگہ پر کرنیکے لئے نئے سپاہی میسر نہ آئے۔ ان واقعات سے ہم اس نتیجہ پر پہونچ سکتے تھے کہ چونکہ پنڈاریوں کی جماعت ایسے تعلقات کی بنا پر نہیں قایم ہے جن سے قومیں متحد ہوا کرتی ہیں بلکہ وہ مختلف فرقوں اور جماعتوں کے ڈکیتی پیشہ سرداروں اور آوارہ گردوں سے مل کر قایم ہوئی ہیں اس لئے یقیناً ان کا خاتمہ بھی بہت جلد ہو جائے گا لیکن پنڈاریوں کے متعلق جو کچھ قیاس کر لیا گیا ہے اس سے ان کی حقیقی حالت کس قدر مختلف ہے

چونکہ مالوہ کے رؤسا نے ان کی حوصلہ افزائی کی ہے (۱۶۴)
اور غیر علاقوں میں انھوں نے جو حملے کئے ان کی کچھ سزا انھیں ملی نہیں اور ادنے اسی جسارت کرنے سے انھیں بہت سا مال غنیمت مل گیا اور بہت کم خطرہ پیش آیا علاوہ بریں وہ حکومت کی سختی اور ضابطے کی پابندی سے مستثنے رہے اور اپنی مرضی کے مطابق انھیں ظلم و زیادتی کرنے کا اختیار حاصل تھا اس لئے ان وجوہ نے ان کی زندگی کو اسقدر دلفریب بنا دیا جس کا ہم فوجی جماعت کے متعلق اندازہ کر سکتے ہیں لیکن ان کی آزادانہ عادتیں اور ان میں رشتوں کا فقدان جن سے عصبیت کو قوت

اتحاد قایم رہتا ہے اگرچہ ان کی مقدار میں بیشی کا موجب ہوئے ہیں لیکن یہی امور ان کی تباہی میں سہولتیں پیدا کرنے کا باعث ہوں گے ہمیں سب سے زیادہ اس بات کی نگرانی کی ضرورت ہے کہ وہ از سر نو زندہ نہ ہونے پائیں کیونکہ ہمیں یہ حقیقت ہرگز فراموش نہ کرنی چاہیئے کہ کسی موذی کیڑے کا مارنا محض بے سود ہے تاوقتیکہ ہم اس مادہ کو ضائع نہ کردیں جس کے تعفن اور خرابی سے اور بہت سے موذی کیڑوں کے پیدا ہونے کا احتمال ہے۔

پنڈاریوں کو ان قلعوں پر پورا اطمینان ہے جن میں ان کے اہل و عیال اور ان کا خزانہ[1] ہے اور جب کبھی لوٹ مار کا موقع نہیں ہوتا یا انھیں کسی حملے کا اندیشہ ہوتا ہے تو وہ انھی قلعوں میں آکر قیام کرتے ہیں تقریباً یہ سب قلعے بندھیاچل کی پہاڑیوں پر یا ان کے نزدیک بنے ہوئے ہیں اور ان پہاڑیوں اور دریائے نربدا کے دائیں کنارے کے درمیان ایک زرخیز علاقہ ہے جس میں کہیں دو میل اور کسی مقام پر ۲۰ میل تک چوڑے جنگل اور چھوٹے پہاڑوں کے راستے پائے جاتے ہیں اور ان مقامات کو پنڈاری اپنے لئے نہایت کارآمد تصور کرتے ہیں چونکہ وہاں سے انھیں ہمارے علاقہ اور ہمارے رفیق بھونسلا، حضور نظام اور پیشوا کی ریاستوں میں ڈاکہ زنی کرنے میں بہت سہولت ہوتی ہے۔ اس علاقے کے قریب ہماری افواج متعینۂ ریاست ناگپور کے پہونچ جانے سے یہ پنڈاری بظاہر نہایت خوف زدہ ہوگئے ہیں اور ہمارے حملے کی مدافعت کیلئے انھوں نے آپس میں جو کچھ مشورے کئے ہیں ان سے معلوم ہوا ہے کہ انھیں اب اپنے اہل و عیال اور مال و اسباب کی سلامتی کی خیر نظر نہیں آتی ہے۔ چنانچہ چیتو نے سندھیا کے ایک خاص افسر ہندو راؤ گنگلیا (Hindoo Rao) کے نام اپنے ایک خط میں افسوس کے ساتھ لکھا ہے (۱۶۵)

[1] سرگزشت مصنفہ کپتان ٹاڈ

"کہ راجہ صاحب اس وقت انگریزوں سے مقابلہ کرنے کو ہرگز مناسب تصور نہ فرمائیں میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس کام کو میں تن تنہا (بشرطیکہ مجھے خفیہ امداد مل جائے) حتی المقدور انجام دے دوں گا اور تاوقتیکہ حضور کے غلاموں کے اہل و عیال کی حفاظت کے لئے کوئی جگہ ہمارے قبضے میں نہ ہو ہم لاچار ہیں لیکن اس کا بندوبست ہو جانے پر کلکتے کے قلعے تک انگریزوں کو تباہ و برباد کر دینا میرا کام ہے" اسی سردار نے اپنے ایک اور خط میں امیر خاں کو یہ لکھا ہے کہ "مجھے اندیشہ ہے کہ حکومت برطانیہ کے خوف سے سیندھیا میری درخواست نہیں منظور کرے گا دولت راؤ سندھیا کے حضور[1] میں کئی درخواستیں ارسال کی ہیں انکے جوابات کا لب لباب یہ ہے کہ انگریزوں سے میری دوستی مسلم اور مستحکم ہے اور اسے توڑنا ہرگز مناسب نہیں ہے لیکن بوقت ضرورت میں تمہاری حمایت اور حفاظت کے لئے کوشش کرنے سے پہلو تہی نہ کرونگا لیکن تمہارے اہل و عیال کو پناہ دینے سے اس وقت انگریزوں سے فوراً بگاڑ ہو جائے گا

جیتو لکھتا ہے کہ یہ ناگزیر ہے اب کیا کرنا چاہئے۔ ہندو راؤ اپنی بساط کے موافق ہر طرح کی کوشش کر رہا ہے اور اس کی کوششوں سے میری امید وابستہ ہے سر دست میں ایک مستحکم مقام کی فکر میں ہوں جہاں تک بمشکل کسی کی رسائی ہو سکے اور اس معاملے کی بابت میں نے راجہ مان سنگھ کو بھی لکھا ہے اور مجھے یقین کامل ہے کہ آپ بھی اس کی بابت راجہ صاحب کو تحریر کریں گے کہ چونکہ مہاراجہ ہلکر کے قیام کے لئے نامزدگی وہ اسے انہیں[2]

---

[1] مراسلہ کپتان کلوز بنام مسٹر ایڈمنس مورخہ ۲۳ جنوری ۱۸۰۶ء۔

[2] خدمت۔ موجودگی۔ یہ لفظ والیان ملک سے گفتگو کرنے یا ان کے نام کی تحریر میں استعمال کیا جاتا ہے۔

[3] لارڈ لیک نے جب ۱۸۰۵ء ہلکر کا پنجاب تک تعاقب کیا تھا اس وقت ہلکر نے اپنے اہل و عیال کو مالوہ بھیج دیا تھا۔

مرحمت فرمادی جائے اور آپ اس استدعا کی منظوری سے مجھے جلد اطلاع دیں تاکہ میری دلی بے چینی رفع ہو جائے اور پھر میں اطمینان کے ساتھ انگریزوں کا مقابلہ کروں اور پھر فضل ربی اور مقدر کی یاوری سے کلکتہ کے مضافات تک کھلبلی ڈالدی جائے گی۔ ان کا سارا ملک تہس نہس کر دیا جائیگا اور وہ ایسی سخت مصیبت میں مبتلا ہوں گے اور غالباً آپ کے کان تک اس کی خبریں پہونچ جائیں گی لیکن میں نے جائے پناہ کے فقدان کے باعث ابھی اس ارادہ کو ملتوی کر دیا ہے جسقدر سوار میری امداد کے لئے دے سکتے ہیں وہ براہ نوازش جلد بھیجدیجئے کیونکہ اس وقت آپ کی یہ امداد نہایت ضروری اور مناسب ثابت ہوگی۔ (۱۶۶)

چیتو نے راجہ مان سنگھ والی جودھپور کو اپنی ایک عرضداشت میں تحریر کیا تھا کہ " میں نے اپنے ولی نعمت مہاراجہ دولت راؤ سندھیا کی خدمت میں کئی عریضے ارسال کئے ہیں جن کا یہ جواب مرحمت فرمایا گیا ہے کہ انگریزوں سے رابطہ اتحاد و دوستی کو شکست کرنے کے لئے یہ وقت موزوں نہیں ہے لیکن ہماری دستگیری کے لئے خفیہ طور پر ہر قسم کی امکانی امداد دیجائے گی لیکن جب تک کہ ہمارے اہل و عیال کی حفاظت کیلئے کوئی جگہ نہ ملے ہمارے دل کو اطمینان نہیں ہو سکتا ہے۔ یہ درست ہے کہ مہاراجہ سندھیا ہماری خواہش کے مطابق ہمیں کوئی خاص جگہ نہیں دے سکتے ہیں کیونکہ پھر انگریزوں پر مہاراجہ اور ہمارے تعلقات ظاہر ہو جائیں گے لیکن حضور کی نوازش سے توقع ہے کہ جو مسکن جسونت راؤ ہلکر کے اہل و عیال کے قیام کے لئے نامزد کیا گیا تھا وہ حضور والا اپنے غلاموں کے بال بچوں کے لئے مرحمت فرمادیں اور پھر حضور کے گوش گزار ہو جائے گا کہ ہم نے انگریزوں کو کیسی مصیبتوں اور پریشانیوں میں مبتلا کر دیا ہے اور ان کا سارا علاقہ مع کلکتہ کے لوٹ کھسوٹ کر تباہ و برباد کر دیا جائے گا حضور والا ہم پر اعتماد فرمائیں اور ہم غلامان ہمیشہ حضور کے تابع فرمان رہیں گے لیکن اگر حضور ہماری استدعا کو قبول نہ فرمائیں گے تو پھر یہ یاد رکھئے گا کہ یہ قوم

(انگریز) نہایت دانا اور حیلہ ساز ہے اور وہ رفتہ رفتہ غیر محسوس طریقے سے ہندوستان کے ہر ایک فرماں روا کو نکال باہر کرے گی۔" تابعدار کے یہ الفاظ فراموش نہ فرمائے گا اور میرا وکیل جو سندھیا کی فتح مند فوج میں رہتا ہے ہرکارہ کے ذریعہ سے میرے متعلق مفصل حالات حضور کی خدمت میں ارسال کریگا میں جواب کا منتظر رہوں گا اور امید ہے کہ جواب باصواب مرحمت ہوگا۔"

(۱۶۷)

میں نے اصل کاغذات کا اقتباس پیش کر دیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ پنڈاریوں کے ایک خاص سردار نے جن الفاظ میں ان کی موجودہ حالت اور خیالات کا اظہار کیا ہے وہ اس سے بہتر طریقہ پر بھی ظاہر کئے جا سکتے ہیں ہندو راؤ گھٹگیا نے اپنے ایک خط میں چیتو کو تحریر کیا ہے کہ "آپ جمع خاطر رکھئے" اس خط کے متعلق ہمارے رزیڈنٹ متعینہ دربار سندھیا کا بیان ہے کہ یہ خط راجہ صاحب کے ایماء سے لکھا گیا ہے نیز ہندو راؤ نے چیتو کو یہ اطلاع دینے کے بعد کہ انگریزی رزیڈنٹ کی فہمائشوں نے سندھیا کو تمہارے خلاف ایک فوج روانہ کرنے پر مجبور کر دیا ہے یہ اطمینان دلایا ہے کہ "اس کے بعد جو کچھ فیصلہ ہوگا اس سے آپ کو مفصل اطلاع دیجائے گی"

اگرچہ پنڈاری ہماری زبردست افواج متعینہ سرحد کے سامنے سے گزر جانے میں کامیاب ہو گئے ہیں اور اس سے ہماری یہ حماقت بخوبی ظاہر ہوگئی ہے کہ مدافعانہ طور پر اس بلا کی روک تھام نہیں ہو سکتی ہے ہماری فوج نے بڑی سرگرمی سے کام لیکر اور پوری کوشش کرکے ان قزاقوں کو کئی بار شکست فاش بھی دی ہے لیکن ہماری کسی فتح مندی کا تذکرہ مالوہ کے کسی دیسی اخبار میں شائع نہیں ہوا ہے حالانکہ ہمارے ملک میں پنڈاریوں کی لوٹ مار کے کارنامے۔ ہماری فوجوں کی شکست اور یورپین افسران کے قتل کے واقعات ان اخبارات میں بڑی آب و تاب سے درج ہوتے ہیں

۱؎ مراسلہ کپتان کلوز بنام مسٹر ایڈم مورخہ ۱۹ر مارچ سنہ ۱۸۱۹ء

ان خبروں میں خواہ کیسا ہی مبالغہ اور غلط بیانی کیوں نہ ہو لیکن وہ جماعتیں ان خبروں کو بالکل سچ سمجھتی ہیں جن کے واسطے یہ درج اخبار ہوتی ہیں اور اگر کسی دور دراز مقام پر پنڈاریوں کی شکست بھی ہوتی ہے تو اس کے اثرات محو کرنے کے لئے یہ افسانے کافی ہوتے ہیں۔

(۱۶۸) اس بیان سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ پنڈاری اپنے کو انگریزوں سے برسر جنگ تصور کرتے ہیں اور وہ انگریزوں اور ان کے حلیفوں کے خلاف ہر ممکن کوشش کرنے پر آمادہ ہیں اور انھیں یقین ہے کہ ہمارے عادات و خصائل اور مفاد کی یکسانی کے باعث مالوے کی غارت گر ریاستوں سے ہم کو ضرور امداد ملے گی لیکن تازہ واقعات نے ثابت کر دکھایا ہے کہ اگرچہ اس جماعت کی سلامتی کے لئے ان میں اتحاد ہونا لابدی امر ہے لیکن اندرونی جھگڑوں کی وجہ سے ان میں آپس میں بڑی مخالفت ہے اور انھیں اندازہ ہو گیا ہے کہ کسی خاص خطرہ کے نمودار ہونے کے بعد وہ ایک دوسرے پر بہت کم اعتماد کر سکتے ہیں اور ان کے مخالف ہو جانے کی وجہ سے ان کی آپس کی مخالفتیں اور بھی زیادہ بڑھ گئی ہیں۔

غارت گر ریاستوں کے متعلق جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خواہ دیگر حالتوں میں کچھ امتیازی اختلافات ان میں موجود ہوں لیکن اپنی ضروریات عادات خصائل اور حرکات و سکنات میں وہ ایک دوسرے سے اسقدر پیوستہ ہیں اور ان کی حکمت عملی اس قدر پیچیدہ ہے کہ جب تک ان کی موجودہ حالت قایم ہے انھیں ایک کو دوسرے سے جدا کرنا ناممکن ہے اور ہم کئی سال سے دیکھ رہے ہیں کہ مدافعانہ تدابیر کرنے اور اپنی قوت کے مظاہرے پر بھی ہمارے حلیفوں کے علاقوں میں ڈکیتیاں ہوتی ہیں۔ ہماری رعایا قتل کی جاتی ہے اور ہمارا کثیر روپیہ خرچ ہوتا ہے اور ہمارے صبر و تحمل کا صرف یہ نتیجہ برآمد ہوا ہے کہ ہمارے دوستوں کے دل سے بھی ہمارا اعتماد

اٹھایا جاتا ہے اور ہمارے دشمن ہماری تباہی کی توقع پر خوشیاں منا رہے ہیں اور یہ بتا دینے سے ہماری کیا تسکین ہو سکتی ہے کہ اس طرح جو نقصانات ہمیں پہونچے ہیں ان کی ذمہ داری کس حد تک ایک دوسرے فریق پر عائد ہوتی ہے اور یہ کہ ہمارے حلیفوں ہی کے طرزعمل کے یہ نتائج ہیں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دولت راؤ سندھیا نے ۱۰ سال سے جو رویہ اختیار کیا ہے اسی کی بدولت ہم زیادہ تر اس مصیبت میں مبتلا ہیں اور حکومت ہلکر کے رویہ کا بھی یہی نتیجہ برآمد ہوا ہے اور امیر خاں تو ایک مشہور ڈاکو ہے اور یہ سب پنڈاریوں سے اسقدر ملے ہوئے ہیں کہ ہمیں یا تو حملہ آور ہونے سے احتراز کرنا چاہیئے یا ان سب کا مقابلہ کرنیکو تیار رہنا چاہیئے۔ میرے نزدیک اس میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا ہے کہ (۱۶۹) اس موقع پر ہمیں وہ کارروائی اختیار کرنے کا حق حاصل ہے جو اپنی عزت فوائد اور سلامتی کی خاطر ہمیں اختیار کرنی ضروری ہے اور اگر ہماری حکمت عملی اجازت دے تو ہم سندھیا اور ہلکر دونوں سے صاف طور پر کہدینے کا پورا حق رکھتے ہیں کہ آپ کے طرزعمل نے ۱۸۰۶ء کے معاہدے کو باطل کر دیا ہے اور موجودہ صورت میں سلطنت برطانیہ ان ذمہ داریوں سے بری ہے جن کا اس معاہدہ میں اقرار کیا گیا تھا۔ اور ہم اپنے نزدیک آپ سے جو مطالبے کرنے کے مستحق ہیں ان مطالبات کی تعمیل یا عدم تعمیل پر ہمارے اور آپ کے آیندہ تعلقات کا انحصار ہوگا۔

جہاں تک کہ استحقاق کا تعلق ہے امیر خاں سے معاملہ طے کرنے میں ہمیں کچھ دشواری پیش نہ آئے گی کیونکہ اس کے متعلق تو صرف قرین مصلحت ہی کا سوال ہے اور ہماری ناموری ہرگز پنڈاریوں سے صلح کی بات چیت کرنے کی اجازت نہیں دیتی ہے۔ پنڈاریوں کے ساتھ جنگ ہونے کے دوران میں خاص خاص سرداروں کی کارروائیاں اُن پر لطف و کرم کرنے اور انھیں انعامات دینے کی سفارش کریں گی لیکن جو کچھ پیش آچکا ہے اس کے بعد تاوقتیکہ پنڈاری مغلوب نہ ہو جائیں انکے

کسی سردار سے کسی قسم کی گفتگو یا مصالحت کرنا سخت ذلیل حرکت ہے
کسی ایسی جنگ کو مجبوراً چھیڑنا جس میں دشمن محسوس نہ ہو ہرگز قابل
اطمینان کارروائی نہیں ہو سکتی اور ایسے جنگ کے حدود اور جنگی تدابیر کے
دائرہ کا تعین کرنا ہی ناممکن ہے لیکن بدقسمتی سے بجز اس کے اور چارۂ کار
ہی کیا ہے اور جنگ کی ضرورت تسلیم کرکے (خواہ اس کے لئے ہم آمادہ
ہوں یا نہ ہوں) ہم اس بلا کے دفعیہ کی تدابیر کرنا چاہتے ہیں خواہ ہماری
کوشش کا کچھ ہی انجام کیوں نہ ہو اس معاملے میں صرف دو سوال
پیدا ہوتے ہیں۔

اول یہ کہ جو واقعات رونما ہو چکے ہیں ان کے بعد کیا حکومت
برطانیہ کے لئے پنڈاریوں پر سخت حملہ کرنے میں مزید تاخیر سے کام لینا
ممکن ہے؟

دوسرے یہ کہ کیا مالوہ کی غارت گر ریاستوں کی پوری امداد حاصل
کرنے یا انکا علانیہ مقابلہ کرنے کے بغیر ہم اپنی جنگی کارروائی کو جاری رکھ
سکتے ہیں جن کے ساتھ پنڈاریوں کے اس قدر گہرے تعلقات ہیں کہ ان (۱۷۰)
ریاستوں کی پوری شرکت یا علیحدگی بغیر ہمیں ان خطرات سے عارضی نجات
مل جانے سے زیادہ کوئی فائدہ (باوجود اپنی اعلیٰ فوجی قوت کے) ہرگز
میسر نہیں آسکتا۔

ان سوالات کا صرف ایک جواب ہو سکتا ہے (کم از کم جہاں تک
اس مسئلہ کا تعلق ہے) اس خط کے شروع میں اپنے یہاں کی حکمت عملی
کے دو متضاد طریقوں کا میں تذکرہ کر چکا ہوں اور فی الحقیقت اب ان کی
بابت کسی مزید دلیل کے پیش کرنے کی کوئی حاجت نہیں معلوم ہوتی ہے
بفرض محال اگر مارکوئس ویلزلی کی قرار دی ہوئی حکمت عملی بالکل غلط تھی
اور دوسرا طریقہ پسندیدہ اور دانشمندانہ ہے لیکن اس سے واقعات کی
حقیقی نوعیت نہیں تبدیل ہوتی ہے اور ہمیں اس پر صرف بحث کرنا ہے
ایسے واقعات رونما ہوئے جن کے وقوع کی ہمیں ہرگز امید نہ تھی

اور سب کے ساتھ امن سے رہنے کی بابت ان واقعات کی بدولت ہمیں اپنے خیالات میں مایوسی حاصل ہوئی اور جن ریاستوں کے معاملات میں مداخلت کرنے سے ہم نے قطعی اجتناب کیا تھا وہ آپس میں برسر جنگ و جدال ہو گئیں اور انھوں نے اپنی آمدنی کے جملہ وسائل کو غیر مختتم جنگ میں صرف کر دیا۔ چنانچہ رفتہ رفتہ بد امنی کا دائرہ وسیع ہو گیا اور لٹیروں کی جماعتوں نے دور تک چھاپے مارنے شروع کر دیے جن کی اس طرز عمل نے حمایت اور حوصلہ افزائی کی ہے اور ہمارے علاقے اور ہمارے حلیفوں کی ریاستیں انکی ظالمانہ لوٹ مار کا میدان بن گئی ہیں۔ اس زیادتی کی سزا دینے اور اس کے انسداد میں ہمیں کسی خاص نظام عمل کے قواعد کی پابندی کا لحاظ نہ رکھنا چاہیئے بلکہ اپنی حالت اور ان لوگوں کی حقیقی کیفیت مد نظر رکھنی چاہئے جن کی حرکات نے ہمیں میدان جنگ میں آنے کے واسطے مجبور کر دیا ہے اس میں شک نہیں کہ انگلستان کے نگران افسران کے نہ صرف احکام بلکہ خواہشات کی تعمیل کرنا حکومت ہند پر فرض ہے لیکن موجودہ جیسے نازک موقع پر وہ حکومت ہند کے لئے صرف شاہراہ عمل تجویز کر سکتے ہیں (جہاں تک کہ اس مسئلہ کا تعلق ہے) ان کے خیالات کا پیشتر ہی اندازہ ہو سکتا ہے اس معاملے کی بابتہ ان کے وہی خیالات ہوں گے جو ایسے موقعوں پر پیشتر ظاہر ہوئے تھے۔ وہ سیاسی تعلقات بڑھانے اور جنگ و جدال کرنے کے مخالف ہیں لیکن وہ اپنی رعایا کی حفاظت کرنیکے مقدس فرض سے ہرگز روگردانی نہیں کریں گے۔ اور ان تجاویز کی منظوری دینے میں انھیں ہرگز تامل نہ ہوگا جن کا منشا ظلم و ستم پر سزا دینا اور آئندہ کے لئے اس کا تدارک کرنا ہے اگرچہ وہ حرص و ہوس کے جملہ تجاویز کے مخالف ہیں خواہ ان سے کیسے ہی فوائد حاصل ہونے کی توقع کیوں نہ ہو اور مصارف کی زیادتی سے مالی مشکلات میں مبتلا ہو جانے سے ڈرتے ہیں لیکن یہ قیاس کر لینا ان کی فہم و فراست کی سخت اہانت ہوگی کہ وہ کسی ایسی حکمت عملی کو پسند کر لیں گے جس کی بدولت انکی رعایا کی

(171)

سلامتی ان کی سلطنت کا امن و سکون ان کی حکومت کی ناموری اور انکے حلیفوں کا اعتماد جاتا رہے مگر تا گزیر مصیبتوں سے بڑے چندے نجات مل جائے حالانکہ ان سے مزید مشکلات پیدا ہو کر رہیں گی اور ان خرابیوں کے دفعیہ میں تاخیر کے ساتھ مصارف بھی بڑھتے جائیں گے۔

میں نے ہندوستان کی ریاستوں کی حقیقی حالت اور ان میں سے ہر ایک ریاست کے ساتھ اپنے تعلقات اور پنڈاریوں پر حملہ آور ہونیکی ضرورت اور استحقاق اور مالوہ کی ریاستوں سے مصالحت کرنے کے طریقے کی بابت اپنے خیالات مفصل طور پر بیان کر دئے ہیں جس سے کہ ہم اپنے علاقوں اور اپنے حلیفوں کی ریاستوں میں امن قایم کر سکتے ہیں اور جو تدابیر ہم کو اختیار کرنی چاہئیں ان کی نوعیت کے متعلق سرسری طور پر بیان کر دینے کے بعد میں اپنی رائے حسب ذیل امور کے متعلق پیش کرتا ہوں کہ کس حد تک ہمیں فوجی تیاریاں کرنی چاہئیں کس کس مقام پر ہمیں فوراً قبضہ کر لینا چاہئیے سندھیا۔ ہلکر اور امیر خاں کے روبرو ہمیں اپنے فلاں فلاں مطالبات پیش کرنے چاہئیں اور پھر ان حکمرانوں کے اغلب طرز عمل کی بابت اپنے خیالات ظاہر کرکے نتیجہ نکالوں گا۔

اس مسئلے کے اس جز پر بحث کرنے میں سردست میں صرف اپنی اُس رائے کو پیش کرتا ہوں جو پیشتر ظاہر کر دی گئی ہے کہ اگر ہم پنڈاریوں پر حملہ آور ہونے کیلئے مجبور ہو جائیں تو ہمیں کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہئیے اور یہ رائے ظاہر کرنیکے بعد سے جو واقعات رونما ہوئے ہیں ان کے متعلق میں اپنے خیالات اب ظاہر کرتا ہوں۔

(۱۷۲) ان لٹیروں کے ہمارے علاقوں میں دو حملے ہوئے۔ ان کے مزید حملے ہونے کے اعلان۔ دولت راؤ سندھیا سے انھیں امداد ملنے۔ ہماری فہمایشات پر عدم توجہی اور اسکی تعمیل سے پہلو تہی کرنے اور مزید براں راجہ ناگپور کے عام مدافعانہ معاہدے میں شرکت کرنے پر راضی ہو جانے سے اس مسئلے میں زبردست تبدیلیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ میرے نزدیک صرف

پنڈاریوں بلکہ عام غارت گر ریاستوں کی سرکوبی یا سمجھوتے کے لئے ہماری دست اندازی کے پیشتر سے زیادہ معقول وجوہ اب موجود ہیں اور اس مقصد کے حصول میں کامیابی کی بہت کچھ توقع پائی جاتی ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ ہمیں اپنا مقصد حسب ذیل تین طریقوں میں سے کسی ایک کو اختیار کر کے حاصل کرنا چاہئے اول یہ کہ ہم پنڈاریوں اور ان غارت گر ریاستوں کے خلاف اعلان جنگ دیدیں جنھیں ہم پنڈاریوں کا حامی اور محافظ تصور کرتے ہیں اور تاوقتیکہ یہ ریاستیں ہماری مجوزہ شرائط کو بے چون وچرا فوراً تسلیم کرلیں ہم ان کے ملک کو فتح کر کے اپنے مقبوضات میں شامل کرلیں۔

دوسرے یہ کہ ہم اپنی ساری جد وجہد پنڈاریوں کو ان کی آمد ورفت کے مقامات سے نکال باہر کرنے تک محدود رکھیں اور انتظار کریں کہ ہماری فوجیں ان کی کسقدر روک تھام کرتی ہیں اور سندھیا۔ ہلکر اور امیر خاں سے ہمیں کس قسم کے خدشے پیش آتے ہیں۔

تیسرے یہ کہ ہم مفتوحہ علاقے اپنے حلیفوں کو واپس دیدیں یا عطا کردیں اور ہم خود ایسے انتظامات پر قناعت کرلیں جو قیام امن کے لئے ہماری فوجوں کے مصارف کے لئے کافی وشافی ہوں۔

پہلی تجویز جہاں تک کہ میں اندازہ کرسکتا ہوں نہیں منظور کی جاسکتی ہے کیونکہ وہ حکمت عملی کے ان اصولوں کے خلاف ہے جو ہماری حکومت ہند کے لئے مقرر کئے گئے ہیں اور جہاں تک میں اندازہ کرسکتا ہوں وہ ہمارے مفاد کے بھی منافی ہے۔ اگرچہ ہم باوجود اپنی برعکس کوششوں کے دوسروں کے علاقوں پر قبضہ کرنے پر برابر مجبور ہوتے جائیں گے عام دلائل کے علاوہ جو اس حکمت عملی کی مخالفت کرتے ہیں مالوہ کی رعایا کی طبائع بھی اس بات کو گوارہ نہ کریں گی کہ وہاں کی زمام حکومت فوراً حکومت برطانیہ کے ہاتھ میں منتقل ہو جائے جس کے باعث ہمیں کئی سال تک (۱۷۳) اس صوبہ میں فوج برقرار رکھنی پڑے گی لہٰذا یہ کوئی معمولی اعتراض نہیں ہے کہ اس تجویز پر عمل پیرا ہونے سے ہم ان حضرات کو صلہ دینے کے

وسائل سے بڑی حد تک محروم ہو جائیں گے جو پیش آنے والی جنگ میں
امداد دے سکتے ہیں۔ حقیقت الامر یہ ہے کہ اگر سندھیا یا ہلکر ہمیں اشتعال
دیکر جنگ شروع کردیں تو ان کی حکومت کا خاتمہ کرنے کے لئے ہمیں انہی
کی ریاست میں کافی مسالہ مل سکتا ہے اور وہاں پر امن قایم کرنے کے لئے
اور دوسرے ایسے رئیسوں کو برسر اقتدار کرسکتے ہیں جو وہاں امن برقرار
رکھنے کے اہل ہوں ایسے لئے اپنے واسطے مالوہ پر قبضہ کرلینا نہایت
نامناسب ہے اگرچہ یہ ممکن ہے کہ ہم ان لوگوں کی حفاظت کی ذمہ داری
قبول کرلیں جن کے حوالے اسے کیا جائے۔ کیونکہ براہ راست اپنی حکومت
قایم کرنے اور اپنے اقتدار سے کام لینے میں بہت بڑا فرق ہے۔

دوسری تجویز کی بابت جس کا تعلق صرف پنڈاریوں کا اخراج اپنی
فوجوں کے بعید مقامات پر بھروسہ کرنے اور اپنی آیندہ سلامتی کے متعلق
سندھیا۔ ہلکر اور امیر خاں کے فیصلے سے ہے

میں صرف اسقدر عرض کروں گا کہ (جو کچھ وقوع میں آچکا ہے اسکے
بعد) یہ نہایت گراں اور غیر محفوظ تجویز جارحانہ کارروائی کی بابت ہے اور مالوہ
کی چند کمزور اور منتشر ریاستوں کا حلقہ کرنے کے لئے اپنی فوج سے قواعد
کرانے سے جس کا صرف اسقدر نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے کہ چھوٹے چھوٹے
قلعوں اور پہاڑی علاقوں سے چند پنڈاریوں کو ایک فصل کے لئے نکال دیا
جائے یہ بھی بہتر ہوگا کہ مدافعت کے لئے اپنی فوجوں کو کمزور سرحدوں پر ہی
پڑا رہنے دیں یا اپنے دیہات کو مسلح کردیں اور یہ حکم دیدیں کہ تم پنڈاریوں
کے حملوں کا مقابلہ کیا کرو۔ اس تدبیر کا بھی صرف یہ نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے
کہ ہماری وقعت کم ہو جائے ہمارے دشمنوں کی حوصلہ افزائی ہو اور
ہر سال یا زیادہ سے زیادہ ہر دوسرے سال ہمیں تازہ حملوں کے انسداد
کے لئے نئی تیاریاں کرنی پڑیں اور فضول جنگ کے اثرات زائل کرنیکی
کوشش کرنی پڑے۔

میرے نزدیک آخری یعنی تیسری تجویز ہر طرح پر نہایت عمدہ ہے (۱۷۴)

جس کی یہ غرض ہے کہ جو ملک ہم فتح کرلیں وہ اپنے حلیفوں کو یا واپس دیدیں
یا بطور صلے کے عطا کردیں اور ہم صرف ایسے اقطاعات پر قناعت کرلیں
جو قیام امن کے لئے ہماری فوجوں کے مصارف ادا کرنے کے لئے ضروری
ہوں۔ اس سے ہماری کارروائی ایک مستحکم بنا پر قایم ہو جائے گی اور ہمارے
طرز عمل سے سارے ہندوستان پر یہ بات روشن ہو جائے گی کہ ہم طامع
اور حریص نہیں ہیں۔ اور نہ توسیع عملداری کے خواہاں ہیں اور ہم نے نہ صرف
ظلم و زیادتی کا مقابلہ کرنے کا تہیہ کرلیا ہے بلکہ اُسے دوبارہ رونما بھی ہونے
دیں گے اور ہم نے عزم بالجزم کرلیا ہے کہ جن لوگوں کی بدبختی یا بری حکومت
سے یہ حالت پیدا ہوگئی ہے ہم انھیں اس بات پر مجبور کریں کہ وہ اس کے
انسداد کے لئے روپیہ اور آدمیوں سے امداد دیں اور اس جنگ کی مصیبتوں
اور بلاؤں میں حصہ لیں جو ان کی حکمت عملی کی بدولت ہمیں پیش آئی ہیں
اور میں جیسا کہ پیشتر عرض کرچکا ہوں اس تدبیر سے پنڈاریوں کے استیصال
کے لئے بہت کافی مسالہ ہمارے ہاتھ آجائے گا۔ سندھیا، ہلکر اور امیر خاں
کے ارادے معلوم ہوگئے ہیں تاوقتیکہ ان کا آئندہ کا رویہ نہ معلوم ہو جائے
کہ کیا رہے گا اس وقت تک جنگ کی بابت کوئی تجویز پیش کرنا قطعی ناممکن
ہے کیونکہ ہم نہیں جان سکتے کہ ہمارے دشمنوں کی تعداد اور حالت کیا ہے
سردست ہم اپنے کو پنڈاریوں سے برسر جنگ تصور کرسکتے ہیں اور غالباً
ان کے علاوہ ہمیں کسی اور سے لڑنا مقصود بھی نہیں ہے اور یہ بھی ممکن
ہے کہ جملہ لٹیرے سردار اپنے بھائیوں کو تباہی سے بچانے کے لئے
متحد ہو جائیں اور ہمیں ان سب کے مقابلے کے لئے تیاری کرنی ہو۔
اس لئے ہم جسقدر فوج کا مظاہرہ کریں گے اور جسقدر مخالفانہ روش اختیار
کریں گے ٹھیک اسی حد تک ہم ان رؤسا سے جنگ کرنے میں احتراز
کرسکیں گے اور اگر جنگ وقوع میں آئی تو اسی قدر جلد ہم اسے کامیابی
کے ساتھ ختم کرسکیں گے۔

ہماری جو فوج دکن میں موجود ہے اور اس میں مزید فوجیں شامل

کر دینے سے اتنی زبردست تین فوجیں تیار ہو سکتی ہیں کہ ان میں سے ایک ایک فوج اسقدر زبردست ہو گی جو بڑی سے بڑی فوج کا مقابلہ کرنے کے لئے کافی ہو گی۔ ان میں سے ایک فوج نربدا کے کنارے بمقام ہنڈیا[1] تعینات کر دینی چاہئے تاکہ ہماری فوج میدان کارزار کے قریب پہنچ سکے اور کرنل ایڈم کی افواج متعینہ ریاست ناگپور سے اس کا تعلق رہے اور ایلچ پور کی فوج سے اُسے امداد مل سکے اور جب ہماری فوج نربدا کو عبور کرے گی تو ہماری ایلچ پور کی فوج جا کر اس سے مل جائے گی اور جب تک کہ سندھیا اور ہلکر کی حکمت عملی کا فیصلہ نہ ہو جائے اسوقت تک ہماری پونا کی فوج مالوہ کی کسی جنگ میں امداد کے لئے قدم نہیں بڑھا سکتی ہے کیونکہ اگر سندھیا و ہلکر جنگ شروع کریں گے تو ان کے علاقہ خاندیس کی تسخیر کے لئے اس کی ضرورت ہو گی اور اشد ضرورت ہے کہ نربدا کے پایاب ہونے سے چند ماہ قبل اس معاملے کا فیصلہ ہو جائے تاکہ (اگر یہ راجے ہمارے خلاف ہوں) تو اسیر گڈھ۔ چاندور اور چالنہ پر قبضہ کر لینے کے بعد یہ فوج پیش قدمی کر کے نربدا کے کنارے چولی ماہیسر کے نزدیک جا پہنچے جو ہر طرح نہایت اہم ہے کیونکہ یہ مقام ہنڈیا کی فوج کے قریب دائیں سمت سے ملا ہوا ہے اور گجرات کے سرحدی مقبوضات سے بھی اسکا سلسلہ ملا ہوا ہے اور وہاں سے ہماری فوج مالوے کی وسط میں پہونچ سکتی ہے۔

ریاست حیدرآباد و پونا کے دارالحکومت میں بھی فوجیں درکار ہوں گی اور ہمیں اپنے حلیفوں کی ریاست کی حفاظت کے واسطے بھی کچھ رسالے چھوڑنے پڑیں گے مبادا لٹیروں کی جماعتیں اگلی صفوں سے گذر کر ان کو تاخت و تاراج کر دیں لیکن ہم جسقدر بھی جنگی تیاریاں کر سکتے ہیں ان سب سے ہر ایک خطرہ کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے اور ہمیں اس رائے کا

[1] ہنڈیا کرنل ایڈم کی خاص قیام گاہ ہوشنگ آباد سے ۶۰ میل۔ ایلچپور سے ۹۰ میل چولی موہیسر سے ۱۰۰ میل اور بھوپال سے ۶۰ میل کے فاصلہ پر ہے۔

(۱۷۵)

(۱۷۶) موئید ہوں کہ ہم چند روز کے لئے اپنے علاقہ اور اپنے رفیقوں کی ریاستوں میں بدامنی ہو جانے کو گوارہ کرلیں لیکن ہم جس لڑائی میں مصروف ہوں اس کا جلد فیصلہ کرنے کی پوری کوشش کریں اور میں اپنے اس عقیدہ کی بنا پر یہ طرز عمل پسند کرتا ہوں کہ ہماری رعایا کے لئے دائمی امن صرف اسی طور پر کامیاب ہونے سے حاصل ہو سکتا ہے اس سے میری ہرگز یہ غرض نہیں ہے کہ ہم اس بلا سے محفوظ رہنے کے لئے کوئی تیاری نہ کریں جس سے ہمیں ضرور مقابلہ کرنا پڑے گا بلکہ اس سے میرا یہ منشا ہے کہ اپنے دشمن کی بیخ کنی کے لئے ہم اس تدبیر کو دوسرے درجہ کی تصور کریں۔

مجھے امید ہے کہ حکومت بمبئی پیشوا کی ریاست کی فوجوں کو ضروری امداد دینے کے بعد اپنی باقی فوج کو اسقدر آراستہ اور تیار کردے گی کہ وہ پیش قدمی کر کے گجرات کی سرحد پر جا پہونچے اور جب اس علاقے میں یہ فوج قابض ہو جائیگی تو نربدا کے کنارے چولی ماہیسر کی فوجوں اور چمبل کے کنارے کی فوج سے اس کا سلسلہ مل جائیگا جو ہندوستان سے پیش قدمی کر کے وہاں پہونچ جائے گی اور اگر ہماری حکمت عملی کا اقتضا ہوگا تو یہ فوج اودے پور اور جودھ پور کے راجپوت راجاؤں کی حفاظت بھی کر سکے گی۔

ہمارے علاقہ۔ ہندوستان کی سرحد پر ضروری تیاریوں کے متعلق میں نے اپنے یہ خیالات ظاہر کئے ہیں اگرچہ مجھے اپنی اس رائے پر وثوق نہیں ہے لیکن اپنے ذاتی تجربے اور ان خیالات کی بنا پر جو میں نے متعدد سرکاری کاغذات میں دیکھے ہیں میں نے اپنی یہ رائے قایم کی ہے کہ سیاسی اور فوجی وجوہ اس امر کی سفارش کرتے ہیں کہ ایک فوج تو ریاست جے پور کی سرحد پر تعینات کردی جائے اور ایک فوج ساگر کے قریب متعین ہو اول فوج کا سلسلہ دہلی سے براہ ریواڑی رہے گا اور آگرہ کی محفوظ سپاہ اسکی معاون ہوگی اور دوسری فوج روہیلکھنڈ[1] کی

[1] کپتان کالڈر نے چاند پور کے قریب دریائے سندھ پر ایک فوج تعینات کرنے کی سفارش کی ہے کیونکہ یہ مقام ہمارے ماتحت راجہ دتیا کے علاقہ میں ہے اور گوالیار سے یہ جگہ صرف تیس[؟] میل کے فاصلے پر ہے۔

(۱۷۷) محفوظ سپاہ کی امداد سے پورے طور پر سندھیا کی روک تھام کرتی رہے گی (اور تاوقتیکہ وہ کھلم کھلا دشمن نہ ہو جائے اوسکی روک تھام رہے گی) اگر وہ اسی مقام پر رہے جہاں پر متصل گوالیار وہ پانچ سال سے مقیم ہے مجوزہ فوجوں کی تعداد اور ترتیب کا انحصار واقعات پر ہے۔

میری تمنا تو یہ ہے کہ ہمارے پاس اسقدر فوج ہو کہ اس میں ایک رجمنٹ انگریزوں کی۔ ۶۰ بٹالین پیدل فوج کی۔ دو رسالے سواروں کے مع مختصر توپ خانے اور ایک بیقاعدہ سواروں کا رسالہ ہو اور ہمارے دشمن سب متفق ہو کر بھی جسقدر فوج میدان جنگ میں لا سکتے ہیں اس کا مقابلہ کرنے اور شکست دینے کے لئے ہماری یہ فوج بہت کافی ہو گی لیکن اس فوج کے سواروں سے لٹیرے سواروں کے گروہوں کا مقابلہ کرنے میں کامیابی کی زیادہ توقع نہیں ہو سکتی ہے۔ یہ فوج قلعے فتح کرے گی فوجی چوکیوں پر اپنا قبضہ کرے گی۔ اور جہاں چاہے گی غنیم کی صفوں کو چیر کر نکل جائے گی لیکن پنڈاری اور ان کے رفیق جیسے غنیم کے خلاف جد و جہد کرنے میں اسے ہمیشہ پریشانیاں لاحق ہوں گی اور اس کے لئے رسد کی آمد و رفت ہمیشہ منقطع کر دی جائے گی۔ اس لئے اگر فی الحقیقت اس فوج سے غنیم کا مقابلہ کیا جائے تو اس کا دائرۂ عمل اس کی رسد کے ذخیرہ کے حلقہ تک ہمیشہ محدود رکھنا چاہئے۔ اگر ہماری حکمت عملی اجازت دے تو ہم اپنے توپ خانے کے دو حصے کر دیں اور اس توپ خانے کو زیادہ لڑنے والی فوج کے ساتھ لگا دیں مگر اس پر بھی ہمیں اپنی فوج کے اس شعبے کے نقائص رفع کرنے کے لئے ہر قسم کی کوشش کرنی چاہئے اگر سواروں کے مزید رسالے بھرتی نہ کئے جائیں تو رسد بہم پہنچانے والوں کی تعداد میں ضرور اضافہ کرنا چاہئے اور جنگ میں چونکہ اموات کی توقع کیجاتی ہے اس لئے مرنے والوں کی کمی کو پورا کرنے کے لئے قواعد سکھا کر مزید سپاہی بھیجے جائیں۔

یہ تجویز پیش کی گئی ہے (اور یہ تجویز نہایت عمدہ ہے) کہ پیدل فوج کے

ایک حصہ کو ٹٹوؤں یا چھوٹے گھوڑوں پر سوار کر دیا جائے جو کہ دکن میں باربرداری کا عام جانور ہے (ہندوستان میں اس کام کے لئے اونٹ زیادہ موزوں ہے) اور چونکہ اس تدبیر سے ہماری فوج کے ایک حصے کو جلد نقل و حرکت کرنے کی قوت مل جائے گی۔ اس لئے ایک حد تک یہ نقص جس کا کہ ذکر ہو چکا ہے رفع ہو جائے گا۔ اس خرابی کو رفع کرنے کی دوسری تدبیر یہ ہے کہ بیقاعدہ سواروں کی تعداد بڑھا دی جائے۔ میں اس سے قبل بیقاعدہ سواروں کی تعداد میں اضافہ کرنے کی خوبی کی بابت اپنے خیالات وضاحت کے ساتھ بیان کر چکا ہوں اور یہ دیکھکر مجھے بیحد مسرت ہوتی ہے کہ میری اس تجویز پر عملدرآمد ہو گیا ہے یہ سوار اگرچہ ہمارے باقاعدہ سواروں کے مقابلے میں حقیر ہوں گے لیکن وہ غنیم کے سواروں کے برابر ہوں گے اور اگر ان کو ٹھیک طور پر تربیت دی جائے تو وہ غنیم کے سواروں سے اعلےٰ اور افضل ثابت ہوں گے علاوہ بریں یہ لوگ اسی قوم کے ہوتے ہیں جن کہ ہمارا مقابلہ ہو گا اور میں اپنی تجویز پر زور دیکر پھر کہتا ہوں کہ جنگ سے قبل اور دوران جنگ میں بھی اس شعبہ کی تعداد میں ضرور اضافہ کرنا چاہئے اور ہماری فوج کا صرف یہی شعبہ ایسا ہے جس کے لئے ہمیں اپنے حلیفوں سے امداد ملنے کی توقع ہو سکتی ہے۔ اپنی فوج کے اسی شعبہ کی بدولت ہم کامیابی کی زیادہ تر توقع کر سکتے ہیں اور جو ذرائع ہمیں سردست حاصل ہیں اور آئندہ ہمیں حاصل ہو جائیں گے ان سے کام لیکر ہم لٹیروں کو لٹیروں ہی کے ہاتھ سے مغلوب کرائیں گے۔ جن لوگوں نے بدامنی اور کشت و خون کا بازار گرم کیا ہے ہم انہیں کو امن و ضابطہ کرنے کا آلۂ کار بنائیں گے لیکن دیگر امور سے ہماری تجویز کے اس حصے کا بندوبست زیادہ نازک ہے۔ یہ جماعتیں جب ہماری فوج میں داخل ہوں یا ہمیں مدد دے رہی ہوں اس وقت ان کا اندازہ صرف فوجی قواعد سے نہ کرنا چاہئے ہمیں یہ امید ہرگز نہیں کہ یہ لوگ ہماری فوج کی شجاعت اور ضابطے کی پابندی دیکھکر ان سے سبقت لے جانے کی کوشش کریں گے ان کی اہمیت

(۱۷۸)

اوران کے عادات وخصائل بالکل جداگانہ ہیں اورصرف اسقدر کافی ہوگا کہ
ہم نہایت شفقت اورحوصلہ افزائی سے انھیں ان فرائض کے انجام دینے
پرغیر مصافی طورپرآمادہ کریں جن کے لئے وہ نہایت موزوں ہیں اس جماعت
کی خدمات سیاسی معنی میں خواہ کسی شرط پرکیوں حاصل نہ ہوں ضرور مفید ثابت
ہوں گی کیونکہ اس تدبیر سے وہ ہمارے مخالف نہ بن سکیں گے اوراگر بیکار رہیں
توان کے مخالف ہو جانیکا قوی احتمال ہے اورمیں نے جہاں تک ہندوستان (۱۷۹)
کے ہرحصے میں اس قسم کے سواروں کو دیکھا ہے اس سے مجھے پورا یقین
ہے کہ یہ جماعت لڑائی میں ہمارے لئے نہایت کارآمد ثابت ہوگی اوراس پر
عمل پیرا ہونیکے لئے ان کے عادات وخصائل کا مطالعہ کرنا چاہئے اورانکے
جوش کو قایم رکھنا چاہئے اورایسی تدبیریں عمل میں لانی چاہئیں جن سے
انھیں سرگرمی کے ساتھ کام کرنے کا شوق پیدا ہو۔ وہ اپنی کوشش اورخدمات
کا صلہ مال غنیمت کو تصور کرتے ہیں لیکن ہمارے سپاہی کی خدمات کا انعام
مال غنیمت نہیں ہوتا ہے اگرچہ اکثر وہ اس کے پانے کا مستحق ہوجاتا ہے
لیکن ضابطے کی پابندی کے باعث وہ اسکی طرف توجہ نہیں کرتا ہے قبل
اس کے کہ میں اپنے خیالات اس حکمت عملی کے متعلق ظاہر کروں جو
ہمیں سندھیا۔ ہلکراورامیرخاں کے متعلق اختیار کرنی چاہئے یہ عرض کردینا ضروری
معلوم ہوتا ہے کہ جن وجوہ نے ہمیں ہتھیار اٹھانے پر مجبور کیا ہے ازان جملہ انکا
طرزعمل بھی ایک وجہ ہے اورچونکہ ہم نے ان کی متحدہ مخالفت کا اندازہ کرکے
ایک وسیع پیمانے پرجنگی تیاریاں کی ہیں اس لئے ہمیں یہ تصور کرنا چاہیے کہ
ہم اس منزل سے گذر چکے ہیں جہاں پرپہونچکران سے صلح کے متعلق گفتگو
کرنا دانشمندی کے خلاف ہے کیونکہ تجربہ نے ثابت کردکھایا ہے کہ اس کا
انجام بجز ٹال مٹول۔ دغابازی اورمایوسی کے کچھ اورنہ ہوگا۔ اس لئے ہمیں
اپنی کارروائی کے طریقے کی بابت مستقل رہنا چاہئے اوراس کے تعین کے
بعد ہم اپنے ایسے مطالبات پیش کریں جن کے پیش کرنیکے ازروئے دلائل
وبراہین وانصاف ہم مستحق ہیں اوراگروہ منظور نہ کئے جائیں تو انکار کرنیوالے

فریق کو آمادہ بجنگ تصور کرلینا چاہئے ۔

ہمارے مطالبات اسقدر معقول اور مدلل ہونے چاہئیں جسقدر کہ ہمارے اور ہمارے حلیفوں کے تحفظ کے لئے پیش کئے جا سکتے ہیں اور ان الفاظ سے صاف طور پر اعتدال اور استقلال نمایاں ہو جائے تاکہ ہمارے منشا اور ہمارے عملی ارادوں کے سمجھنے میں کسی قسم کی غلطی نہ ہو سکے ۔

اس مسئلہ پر بہت کچھ غور و خوض کرنے کے بعد میں نے یہ رائے قایم کی ہے کہ صرف یہی ایک تدبیر ایسی ہے جس سے دولت راؤ سندھیا سے جنگ نہ ہونیکی کچھ توقع ہو سکتی ہے کیونکہ یہ امید محض فضول ہے کہ سندھیا سے بے تعلق رکھکر ہم پنڈاریوں سے جنگ کر سکتے ہیں تاوقتیکہ ہم اس سے ایسے سخت قول قرار نہ لیں کہ ہماری دوستی ترک کر دینا اس کے لئے آسان نہ رہے۔ ایسی جنگ میں اس کے عادات و خصائل۔ اس کے تعصبات اور اس کی خواہشات ہمارے خلاف ہونگی ۔ البتہ ہم سے اس کا خوف زدہ ہونا ہمارے حق میں مفید ہے اس کی نیک نیتی اور اس کے وعدوں کا ایک لمحہ کے واسطے بھی اعتبار نہیں کیا جا سکتا ہے اگر اس وقت وہ آزاد چھوڑ دیا جائے تو وہ ہمارا خفیہ دشمن رہے گا اور ہماری اتفاقیہ شکست پر وہ سب سے اول کھلم کھلا ہمارا دشمن ہو جائے گا اور ہمیں ہرگز کوئی ایسی جنگی کارروائی نہ کرنی چاہئے جس سے ہماری ساری جنگ سطلوبہ ہو جائے خواہ یہ راجہ بالکل تباہ ہی کیوں نہ ہو جائے ورنہ آخر میں ہمیں بہت سی پریشانیاں مصیبتیں اور کثیر مصارف برداشت کرنے ہوں گے ۔ (۱۸۰)

دولت راؤ سندھیا کے متعلق کارروائی کی شاہراہ ہم نے مقرر کر دی ہے اور اُس سے کہدیا گیا ہے کہ "اب پنڈاریوں کی حرکتیں ناقابل برداشت ہو گئی ہیں سارا ہندوستان ان کے استیصال کا مطالبہ کر رہا ہے اور ان کا قلع قمع کرنے کے لئے سارے ہندوستان کو حرکت دیجائے گی ۔ (خدانخواستہ) اگر مہاراجہ پنڈاریوں یا ان کے اہل و عیال کو پناہ دیگا تاکہ یہ مسلح جماعت آزادی کے ساتھ آوارہ گردی کرتی رہے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ مہاراجہ نے

ہندوستان کی ہر ایک سلطنت کو اعلان جنگ دیدیا ہے جنھوں نے بلا اشتعال ان بدمعاشوں کے ہاتھ سے سخت مظالم برداشت کئے ہیں اس خط کے ایک فقرہ میں یہ درج ہے کہ "حکومت برطانیہ آیندہ کے مظالم سے اپنی اور اپنے رفیقوں کی حفاظت چاہتی ہے اس کے علاوہ اسکی کوئی اور غرض نہیں ہے پنڈاریوں نے مہاراجہ کی جو جائداد غصب کر لی ہے وہ انھیں واپس دلادیجائیگی اسی طرح دیگر ریاستوں کے جو علاقے انھوں نے ضبط کر لئے ہیں وہ ان ریاستوں کو واپس دیدئے جائیں گے۔ حکومت برطانیہ اپنی ترقی کی خواہاں نہیں ہے وہ تو صرف اس وبا کا دفعیہ چاہتی ہے جو دولت راؤ سندھیا کے حق میں بھی بہت جلد ویسی ہی خطرناک ہو جائے گی جیسی مضرت ناک اس کے ہمسایوں کے لئے ہو رہی ہے" اس مراسلہ سے دولت راؤ سندھیا کے دل پر کچھ دہشت و خوف طاری ہو گیا لیکن پنڈاریوں کے خلاف جو کارروائی کرنیکا اس نے وعدہ کیا ہے اس سے اس کی حیلہ سازی کا مزید ثبوت ہمارے ہاتھ آگیا ہے اور اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ اس کے خلاف سخت سے سخت کارروائی کرنے کے ہم ہر طرح پر مستحق ہیں ایسی صورت میں سندھیا سے یہ مطالبہ کرنا چاہئے کہ وہ پنڈاریوں کے استیصال میں نہ صرف بخوشی امداد دینے کا وعدہ کرے بلکہ حکومت برطانیہ کو وہ پورا اطمینان دلادے کہ وہ ضرور ایسا ہی کرے گا۔ یہ مطالبہ جن دلائل پر مبنی ہے وہ پوری شرح وبسط کے ساتھ بیان کر دئے جائیں اور اس کے جواب کے لئے بہت کم مہلت دی جائے اور اس مطالبے کا لہجہ ایسا ہو کہ اس سے ہمارا استقلال ظاہر ہو جائے۔ اس سے جو ضمانت طلب کی جاتی ہے وہ نہایت غور طلب مسئلہ ہے اسکی نوعیت ایسی ہو کہ پھر اس رئیس کا اپنی روش سے روگردانی کرنا اگر ناممکن نہیں تو نہایت دشوار ضرور بن جائے۔ اسکی تدبیر یہ ہے کہ وہ عارضی طور پر اپنے چند قلعے اور اپنی ریاست کا کچھ علاقہ ہمارے حوالے کر دے جنھیں وہ نہایت قابل قدر تصور کرتا ہے اس شکل میں تو ہم اس کے وعدونکا اعتبار کر سکتے ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ تاوقتیکہ ہمیں اس کا اعتبار نہو جائے

(۱۸۱)

ہمیں پنڈاریوں سے جنگ کرنے میں سخت پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا اور اس جنگ کو کامیابی کے ساتھ ختم کرنے کی بہت کم توقع بہ نسبت اس صورت کے ہوگی جبکہ سندھیا ہمارا اعلانیہ دشمن ہوتا۔

ان دلائل کی بنا پر اس سے ضمانت طلب کرنے کی مجھے تو صریح ضرورت محسوس ہوتی ہے لیکن ہمارا یہ مطالبہ حتی المقدور نہایت معتدل الفاظ میں ہمارے منشار کے مطابق ہو اور میں ایسی تجاویز کے بجائے قدرے نقصان برداشت کرنا گوارہ کرتا ہوں جن کے پیش کرنے سے وہ مایوس اور ناامید ہو جائے اور اسے اپنی آئندہ آزادی اور سلامتی کے لالے پڑ جائیں۔

ہمیں سندھیا سے یہ مطالبہ کرنا چاہیئے کہ وہ پنڈاریوں کے مغلوب ہونے تک یا ۴، ۵ سال کے لئے اسیرگڈھ کا قلعہ اور شہر نیز ضلع برہان پور ہمارے حوالے کردے۔ اور یہ بھی طے ہو سکتا ہے کہ مضافات اسیرگڈھ کے علاوہ ہر جگہ کی مالگزاری اسی کے افسران وصول کریں اور انگریزی حکومت کو یہ مالگزاری دیدیں جو قلعۂ اسیرگڈھ اور شہر برہان پور کی حفاظت کرنے والی فوج کی تنخواہوں کے لئے ایک معقول رقم ادا کردینے کے بعد باقی روپیہ سندھیا کے سواروں پر صرف کرے گی جو شہر کی حفاظت کرنے اور پنڈاریوں سے لڑنے کے لئے یورپین افسران کی ماتحتی میں ملازم رکھے جائیں گے۔ (۱۸۱۲)

اس مطالبے کے وجوہ ظاہر ہیں۔ چونکہ دریائے نربدا کے کنارے پر اپنی فوجوں کا جو خط ہم قرار دیں گے اس کے ساتھ اپنا تعلق قائم رکھنے کے لئے اشد ضرورت ہے کہ سامان رسد کا گودام بنانے کے لئے اسیرگڈھ[1] پر ہمارا قبضہ ہو کیونکہ اگر سندھیا ہمارا مخالف ہو جائے یا مشکوک رویہ اختیار کرے یا خفیہ طور پر قلعہ دار کو یہ ہدایت کرے کہ کچھ حیلہ نکال کر میرے احکام کے خلاف عملدرآمد کرنا (جو ہمارا اجہ کی پالیسی کے عین مطابق ہوگا) اور اسوقت

[1] اسیرگڈھ کا زبردست قلعہ سامان رسد کے گودام کے لئے نہایت موزوں ہے۔

یہ قلعہ سندھیا کے قبضہ میں ہو تو یہ قلعہ ہماری جنگ میں سنگ راہ ثابت ہوگا اور کسی نامناسب موقع پر ہم اس قلعہ پر قبضہ کرنے کے لئے ایک زبردست فوج روانہ کرنے پر مجبور ہوں گے۔

ہم منصفانہ طور پر یہ دعوے پیش کر سکتے ہیں کہ آئندہ والی جنگ میں یہ مقام ہمارے لئے نہایت کارآمد ثابت ہوگا اور سندھیا کے لئے وہ چنداں ضروری نہیں ہے اور ہم اسے یہ بھی جتا دیں کہ قبل اس کے کہ آپ اسے کچھ کمک پہنچ سکیں، ہمیں اس پر قبضہ کرنے کی پوری قوت حاصل ہے اور ہم اپنی موجودہ ضرورت اور تمہاری روش کے باعث اس کارروائی کے انجام دینے میں بالکل حق بجانب ہیں اور اگر آپ یہ قلعہ کچھ عرصہ کے لئے بخوشی ہمارے حوالے کر دیں گے تو برطانیہ کے ساتھ آپ کی دوستی کا سکہ سب ریاستوں کے دل پر بیٹھ جائے گا جو آپ کسی قول و قرار سے نہیں بیٹھا سکتا ہے۔ آپ کی حیلہ سازیوں سے آپ کا اعتبار ساقط ہو گیا ہے البتہ ہماری اس فرمائش کی تعمیل سے ہم آپ پر بھروسہ کر سکتے ہیں اور اسیر گڈھ کے متعلق یہ باتیں ہم نہایت صفائی کے ساتھ کہتے ہیں کیونکہ اپنے تجربہ کی بنا پر ہمیں آپ کے مقرر کردہ افسر کا قطعی اعتبار نہیں ہے کیونکہ یہاں کے قلعہ دار نے ایک موقع پر پنڈاریوں کو علانیہ پناہ دی ہے۔

(۱۸۳) ایک یہ تجویز بھی پیش ہوئی ہے کہ سندھیا سے اس کی روش کی ضمانت کے طور پر کچھ اور قلعے بھی طلب کئے جائیں چونکہ میں ان کی مقامی حالت سے بخوبی واقف نہیں ہوں اس لئے اس تجویز کی بابت میں اپنی کوئی رائے نہیں ظاہر کر سکتا ہوں اس تجویز کا اندازہ دو لحاظ سے کیا جا سکتا ہے اول یہ کہ وہ ہمارے لئے کسقدر سودمند ہیں دوسرے یہ کہ سندھیا کے واسطے وہ کسقدر فائدہ مند ہیں۔ اسیر گڈھ کے مطالبے میں ان دونوں باتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے اور ہمارے مطالبے کی یہی مزید

[1] مراسلہ کپتان کلوز

دلیل ہے کہ اگر ہماری تجویز کی منظوری کے بعد اسیر گڈھ کا قلعہ دار اپنے آقا کے حکم کی تعمیل کرنے سے انکار کرے تو اس کے انکار کے دو سبب ہو سکتے ہیں اول یہ کہ اس میں اسکا کوئی ذاتی فائدہ ہو یا خفیہ ہدایات کی بنا پر وہ انکار کردے ایسی صورت میں اسے فوراً مغلوب کرنیکے وسائل ہمارے پاس موجود ہیں۔

اگر سندھیا اسیر گڈھ کے علاوہ ایک یا دو دیگر قلعے عارضی طور پر ہمارے حوالے کر دینے پر رضامند ہو جائے تو پھر اس سے کسی مزید ضمانت طلب کرنے کی کچھ ضرورت نہ رہے گی۔ اب ان مطالبات کا تذکرہ کرنا چاہئے جو ہم اپنی حکمت عملی کے اقتضا پر سندھیا سے کریں گے۔

میرے نزدیک ہم اس سے یہ استدعا کریں کہ راجہ جے پور راجہ بوندی اور نواب بھوپال کو ہم اپنی حفاظت میں لینا چاہتے ہیں اور سندھیا ہماری اس تجویز کو منظور کرلے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سندھیا کے طرز عمل سے جو واقعات رونما ہوے ہیں ان کو پیش نظر رکھکر ہم آیندہ اپنی اور اپنے رفیقوں کی رعایا کے تحفظ کے خواہاں ہیں اور ان ضروریات نے ہمیں یہ تدابیر اختیار کرنے پر مجبور کیا ہے سندھیا سے یہ مطالبہ بھی کرنا چاہئے کہ وہ اپنے یہاں کے نہایت فرماں بردار اور ہوشیار باقاعدہ سوار ہمارے رسالوں کے ساتھ اشتراک عمل کرنے کے لئے روانہ کرے تاکہ دونوں مل کر پنڈاریوں کا مقابلہ اور استیصال کردیں۔ سندھیا یہ وعدہ بھی کرے کہ وہ ان لٹیروں کے کسی ممتاز سردار کو اپنے یہاں پناہ نہ دیگا اور نہ اپنی ملازمت میں لیگا اور نہ اس جماعت کے آدمی اپنی فوج میں بھرتی کرے گا نیز مسلح آدمیوں کی ایسی جماعتیں اپنی فوج میں بھرتی نہ کرے گا جن کو کہیں تنخواہ نہیں ملتی ہے اور جن کا ذریعۂ معاش لوٹ مار ہے۔

سندھیا جو فوج اسکام پر مامور کرے اسپر ایک انگریز افسر ہوگا کہ وہ قریب کی انگریزی فوج کے کمان افسر سے مراسلت کرتا رہے تاکہ اگر سندھیا کا کوئی باجگذار رئیس یا کوئی اعلیٰ عہدیدار یا فوج کا کوئی کمان افسر یا قلعہ دار یا کسی ضلع یا قریہ کا اعلیٰ افسر پنڈاریونکو

(۱۸۴)

کسی قسم کی مدد دے یا ہماری فوج کو سامان رسد یا امداد دینے سے انکار کرے تو مہاراجہ سندھیا اور حکومت برطانیہ دونوں متفقہ طور پر اور علیحدہ علیحدہ بھی ان لوگوں کو باغی اور غنیم تصور کریں۔

ایک معاہدہ کی رو سے ۷ لاکھ ۸۵ ہزار روپیہ سالانہ انگریزی حکومت کے ذمہ سندھیا کو واجب الادا ہوتے ہیں آئندہ جنگ میں اس رقم کا وہ حصہ اتنی مدت کے لئے جو سندھیا تجویز کرے اس کی مختلف فوجوں کے کمان افسران کو دیا جائے جو انگریزی سواروں کے ساتھ مل کر جنگی خدمات انجام دے رہے ہوں بشرطیکہ ان سواروں کی خدمات انہیں اس صلے کا مستحق قرار دیں۔

چونکہ دولت راؤ سندھیا پانچ سال سے اپنے موجودہ کیمپ میں گوالیار کے قریب مقیم ہے اس لئے وہ اقرار کرے کہ بلا منظوری و رضامندی گورنر جنرل بہادر وہ اس مقام سے منتقل نہ ہوگا اور نہ اس مقام پر مزید فوج مجتمع کرے گا۔

حکومت برطانیہ اقرار کرتی ہے کہ پنڈاریوں سے واپس لینے کے بعد سندھیا کے علاقے اُسے واپس دیدئے جائیں گے علاوہ بریں اگر کسی اور ریاست سے حکومت برطانیہ کو جنگ کرنی پڑے گی تو مکمل فتح یابی کی صورت میں حکومت برطانیہ تو صرف اپنی سلامتی سے کچھ زیادہ کی طالب نہ ہوگی اور سندھیا کی ریاست میں اضافہ کرنے کے لئے نہایت سیرچشمی سے بندوبست کرے گی۔

حکومت برطانیہ کی نیک نیتی کا ثبوت یہ ہے کہ وہ اس امر کا اقرار کرتی ہے کہ وہ دوران جنگ میں اور اس کے بعد بھی دولت راؤ سندھیا کی ذات اور اس کی ریاست کی حفاظت کے لئے اپنی ایک فوج سے اسے امداد دے گی اور اس کے متعلق ایسے ہلکے شرائط ہوں گے جن سے اُس پر اخراجات کا کچھ زیادہ بار نہ پڑے اور اگر وہ اس فوج سے کام لینا چاہے (دیگر معاونتی فوجوں کے شرائط کے بموجب) تو اس کے قیام کا زمانہ ۳ سال یا ۵ سال یا ۷ سال ہوگا۔ حکومت برطانیہ کا خاص مقصد یہ ہے کہ آپ کی حکومت کو ہر طرح پر امداد دے خواہ اسکی حکمت عملی کے عام اصولوں کے

خلاف ہی کیوں نہ ہو اور یہ مدد اس طور پر دی جائے گی کہ آپ غارت گر اور لٹیری جماعتوں سے علیحدہ ہو جائیں جن سے آپ کے تعلقات وابستہ ہیں اور جن سے آپکا ربط و ضبط آپ کے خاندان اور آپ کی سلطنت کی تباہی کا موجب ہوگا۔

یہ اس معاہدہ کا خاکہ ہے اور صرف اسی کے وسیلے سے ہمیں دولت راؤ سندھیا سے امداد حاصل کرنے کا موقع مل سکتا ہے۔ اگر وہ اس معاہدہ کو قبول کرے تو پھر اسکی خلاف ورزی کرنا اس کے لئے سخت دشوار ہو جائیگا۔ اسکی رضامندی کی بابتہ کوئی رائے قایم کرنا آسان نہیں ہے۔ اس معاہدہ کی بعض شرطیں ایک آزاد اور مضرور والئے ملک کے لئے یقیناً سخت اور ذلت آمیز ہیں لیکن یہ شرائط اسوقت تک پیش نہ کی جائیں جب تک کہ ہم ان پر اصرار کرنے کے لئے مستقل ارادہ نہ کرلیں تو پھر اس کے لئے بجز اسکے چارہ کار ہی کیا ہے کہ یا تو ہمارے مطالبات کو قبول کرے یا انہیں نامنظور کرکے خود تباہ و برباد ہو جائے۔

اسکی مدافعانہ کارروائی اور دریائے نربدا کے پایاب ہونے سے پیشتر ہی اس کے قلعے، خاندیس اور گجرات کا علاقہ اور دریائے نربدا کے بائیں کنارہ کا علاقہ بآسانی فتح ہو جائے گا اور پھر موسم کی حالت درست ہو جانے پر جب ہم شمال کی طرف جنگ کریں گے تو چند ہی مہینوں میں وہ دیکھ لیگا کہ اسکی کل آمدنی اور سارے قلعے اس کے قبضہ سے نکل گئے اور سرکش باجگذار اور باغی فوج اس کے اردگرد جمع ہے۔ سندھیا کی ریاست فتح کر لینے سے (جیسا کہ پیشتر بیان کیا گیا ہے) اس کی تباہی کو درجہ تکمیل تک پہونچانے کے ذرایع ہمارے ہاتھ آجائیں گے اور سندھیا کی حیثیت صرف ایک ڈاکو جیسی رہ جائے گی لیکن اس وقت بھی ہمیں دق کرنے اور اس معاہدہ کو منسوخ کرنے کے وسائل اس کے پاس موجود ہوں گے جو ہم اسکے ساتھ طے کرنا چاہتے ہیں لیکن پھر وہ اس درجہ تک پہونچنے کی ہرگز امید نہ کر سکے گا جہاں سے وہ گرا ہوگا اور ہم امید کرتے ہیں کہ حتی الامکان وہ

اپنے سر ایسی تباہی مول لینا گوارا نہ کرے گا۔ ان وجوہ کی بنا پر ہم بجا طور پر
(۱۸۶) یہ امید کر سکتے ہیں کہ جب وہ دیکھیگا کہ ہماری فوج جمع ہے اور ہر طرف سے
ہماری فوجیں آکر مجتمع ہو رہی ہیں تو ہمارا رخ پھرا ہوا دیکھ کر اسے معلوم ہو جائیگا
کہ ان کے ساتھ اب حیلہ سازی نہیں چل سکتی ہے اور جب ہماری مستقل
اور سرگرم حکمت عملی سے اس کی ساری ٹال مٹول اور روباہ بازیاں ختم ہو کر
رہ جائیں گی تو وہ ہماری مجوزہ شرائط کو قبول کر لے گا۔ مجھے پورا اطمینان
ہے کہ اس معاہدہ کو قبول کرنے پر اسے مجبور کرنا ہی صرف ایسی تدبیر ہے
جو اسے تباہی سے بچا سکتی ہے کیونکہ اس امر کا با آسانی اندازہ ہو سکتا ہے
کہ اگر وہ کوئی اور روش اختیار کرے گا تو لامحالہ ہمیں اس سے جنگ کرنی
پڑے گی جس کا انجام اس کی تباہی و بربادی ہے۔

خاندان ہلکر سے بھی یہ استدعا کرنی چاہئے کہ پنڈاریوں کا استیصال کرنے کیلئے
لئے وہ ہمارے اتحاد میں شریک ہو جائے لیکن اس خاندان کی کچھ ایسی
حالت ہے کہ اس کے ساتھ اس کے متعلق مصالحت کی گفتگو کرنا نہایت
دشوار ہے۔ چونکہ اس خاندان کے ارکان خود لاچار ہیں اس لئے
وہ کبھی امیر خاں، کبھی سندھیا اور کبھی راجہ کوٹا کی طرف اس امید پر مائل
ہو جاتے ہیں کہ ان کی آپس کی رقابت کے باعث ہمارے مشوروں کو
وقعت کی نظر سے دیکھا جائے گا اور ہم نابالغ راجہ کے نام سے اپنا کام
نکال سکیں گے جس کی ریاست کے بڑے حصہ میں اس کی حکومت اب بھی
تسلیم کی جاتی ہے۔ اس وقت جبکہ حکومت برطانیہ اپنے مطالبات اس
خاندان کے روبرو پیش کرے اگر سندھیا (جو ناممکن نہیں معلوم ہوتا ہے)
تلسی بائی ولیہ پر اپنا اثر قائم کر لے یا نابالغ راجہ اس کے قبضہ میں موجود
ہو تو صلح کی گفت و شنید کا اسے وسیلہ بنانے پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا
ہے بشرطیکہ وہ ہماری شرطیں قبول کر لے اور اگر امیر خاں نے از سر نو اختیار
حاصل کر لیا ہو تو خاندان ہلکر سے صلح کی گفت و شنید کے لئے ہم اسکی موجودہ
خدمات قبول کر لیں گے اور اسکی حوصلہ افزائی اور اسکے فوجی ساتھیوں کی

مالی امداد کرکے ہم اسے اپنا فرماں بردار بنالیں گے۔ اور اگر ان میں سے کسی تجویز پر بھی عمل نہ ہو سکے تو پھر پولیٹیکل ایجنٹ کی وساطت سے ہم براہ راست تلسی بائی سے مراسلت شروع کر دیں۔ ہمارا پولیٹیکل ایجنٹ براہ راست کوٹا یا تلسی بائی کے دربار میں جا بھیجا جو غالباً اسی شہر کے متصل ہے۔ (۱۸۷)

خاندان ہلکر کے ساتھ معاہدہ ہونے کے اصولاً وہی شرائط ہوں جیسے کہ معاہدہ سندھیا کے ہیں مثلاً راجۂ جے پور، راجۂ بوندی اور نواب بھوپال کے ساتھ مصالحت کرنے کو وہ بھی منظور کرلے ٹونک، رامپورہ اور خاندیس کے دو ایک قلعے سامان رسد کا گودام[۱] بنانے کے واسطے عارضی طور پر ہمارے حوالے کر دیے جائیں۔ اور خاندان ہلکر کی مالگذاری علاقہ خاندیس حکومت برطانیہ کے سپرد کر دی جائے جو قیام امن اور ان رسالوں کی تنخواہوں میں صرف کرے گی جو تلسی بائی کے ارشاد کے بموجب پنڈاریوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ہماری فوج کے ساتھ جنگی خدمات انجام دیں گے۔ اسی طرح ٹونک رامپورہ کی مالگذاری بھی خاندان ہلکر کے رسالوں پر صرف کی جائیگی لیکن ہماری پیش قدمی کرنے والی فوجوں کے لئے ان مقامات اور ریاست جے پور کا موقع اس قسم کا ہے کہ ان مقامات کو ایک ایسی ریاست کے قبضے میں چھوڑ دینا جو ہر وقت ہماری مخالف بن سکتی ہے اور جو اس درجہ کمزور ہے کہ لڑائی کی کسی منزل پر اپنے کو لٹیروں کی دست برد سے نہیں بچا سکتی ہے نہایت خطرناک ہوگا۔ نقشے کے معائنے سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ دلیل خاندان ہلکر کے مقبوضات خاندیس کے بڑے حصے پر منطبق ہوتی ہے کیونکہ جس زمانے میں اس ریاست کی حالت

---

[۱] سامان رسد کے گودام کے لئے جالنہ نہایت موزوں ہے کیونکہ ۱۸۰۴ء میں وہ گودام بنایا گیا تھا اور وہ ایسے مقام پر واقع ہے کہ سورت سے دکن کو براہ سونا گڈھ و نندر بار سامان رسد بآسانی بھیجا جا سکتا ہے۔

اسقدر ابتر نہ تھی جیسی کہ اب ہے اس وقت بھی اس ریاست سے لٹیروں کو نکالنے کے واسطے حکومت برطانیہ کو اپنی فوجوں سے کام لینے کی ضرورت لاحق ہوئی تھی۔

ممکن ہے کہ ہم تلسی بائی سے استدعا کریں کہ وہ نابالغ راجہ اور اپنے (۱۸۰۰) کو خاندیس یا ٹونک رام پورہ آکر ہماری حفاظت میں دیدے یا جب ہماری فوجیں بڑھکر نربدا تک جا پہونچیں یا جب وہ ہمارے سپہ سالار کی ہدایات کے بموجب اس علاقہ میں خدمات انجام دیتی ہوں تو تلسی بائی اندوریا چولی ماہیر چلی جائے۔ انکی اس کارروائی سے نہایت عمدہ صلحنامہ مرتب ہو جائے گا یہ بات صاف ظاہر ہے کہ یا تو اس خاندان کو پوری مدد دیجائے یا اوسے تباہ و برباد ہونے دیا جائے ہمیں اپنے ہمسایوں کے معاملات میں دخل نہ دینے کی کوئی خواہش حکومت ہلکر کی ابتری اور بدامنی رفع کرنے سے باز نہیں رکھ سکتی ہے کیونکہ بالفرض اگر ہم اس بات پر قناعت کریں کہ ہلکر کے مقبوضات واقع صوبہ مالوہ سنین ماضیہ کی طرح آئندہ بھی امیر خاں پنڈاریوں اور سندھیا کے مابین جنگ و جدال کا موجب بنے رہیں گے تو کیا ہم اس بات کے لئے تیار ہیں کہ اس خاندان کے جنوبی مقبوضات میں بھی جنگ و جدال ہونے دیں جن میں ایسے متعدد زبردست قلعے موجود ہیں جہاں سے ہمارے زرخیز ضلع آتاوردی اور سورت کے مضافات میں آنے کا راستہ ہے اور کیا ہم حضور نظام اور پیشوا کے زرخیز علاقوں میں وہی حشر برپا ہونا گوارا کر سکتے ہیں۔

ہم ایسے واقعات رونما ہونے کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتے ہیں اور مجھے اپنے اس عقیدہ کے اظہار میں کچھ تامل نہیں ہے کہ اگر خاندان ہلکر ہماری مجوزہ شرائط کو منظور نہ کرے اور ہمارا یہ اطمینان نہ کر دے کہ اس کا رویہ ہمارے خلاف صرف نہ ہوگا تو ہم اپنی سیاسی اور فوجی ضروریات کے باعث اس کے علاقہ خاندیس کے بڑے رقبہ پر اپنا قبضہ کر لیں گے یا کم از کم اپنا اقتدار قائم کر دیں گے۔

اس سے قبل عرض کر دیا گیا ہے کہ امیر خاں نے کئی بار حکومت برطانیہ کی

پناہ میں آجانے کی استدعا کی ہے اور کئی وجوہ سے یہ درخواست مخلصانہ ہے اسکی خاص غرض یہ ہے کہ وہ اپنی جاگیرات مارواڑ و مالوہ کی بابت حکومت برطانیہ سے ضمانت حاصل کرنا چاہتا ہے۔

اول الذکر میں کسی قسم کی دست اندازی ہو نہیں سکتی کیونکہ انگریزی حکومت کو راجہ جودھپور کے معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے لیکن اگر سرونج (اس صورت میں کہ اس کے وسیلے سے ہمارے تعلقات ہلکر گورنمنٹ کے ساتھ قایم ہو جائیں) اور ان جاگیرات کی ضمانت کر لینے سے جو اسے مالوہ میں خاندان ہلکر سے ملی ہیں ہمیں اس سردار کی دوستی میسر آجائے تو اس کی بنا پر امیر خاں کے ساتھ معاملہ طے کرنے کی ضرور کوشش ہونی چاہیئے۔

امیر خاں سے اس بنا پر گفت و شنید شروع کی جائے کہ آیندہ جنگ میں وہ حکومت برطانیہ کے دوست کی حیثیت سے یا اُس کے دشمن کی حیثیت سے حصہ لے اور اسے بتا دیا جائے کہ اگر وہ ہمارا دوست بنکر رہیگا تو ہم سرونج اور اس کے دیگر مقبوضات کی حفاظت کریں گے جو ہماری جنگ کے دائرے کے اندر واقع ہوں گے بشرطیکہ وہاں بوقت ضرورت وہ ہماری فوج کی سامان رسد سے امداد کریں اور پنڈاریوں اور ان کے معاونین کو پناہ دینے سے انکار کر دیں۔

امیر خاں سے یہ استدعا بھی کی جائے کہ وہ اپنے ایک ہزار چیدہ چیدہ سوار ہماری فوج کے ساتھ اشتراک عمل کرنے کے لئے روانہ کرے اور ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ان سواروں کی تنخواہیں ٹونک رام پورہ کی آمدنی سے دی جائیں گی۔ مزید ہمت افزائی کے لئے اس سردار کو اطلاع دی جائے کہ آیندہ جنگ میں آپ جیسا کام کریں گے اسی کے موافق آیندہ حکومت برطانیہ آپ کے ساتھ برتاؤ کرے گی اور آپ کی خدمات کے مطابق آپ کو مزید صلہ دیا جائے گا۔

ان جملہ معاہدوں میں امیر خاں کے صاحبزادہ کو ایک فریق بنانے کی

(۱۸۹)

کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکتا ہے۔ فی الحقیقت اُسے اس بات کی بڑی فکر ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس معاہدہ میں ایک لٹیری فوج کے افسر کی حیثیت سے امیرخاں کی دوستی حاصل کرنی چاہئے۔ اس کو اسکے ساتھیوں سے علیحدہ نہ کیا جائے تاکہ یہاں سے مخلصی پاکر وہ پنڈاریوں کی تعداد میں اضافہ کردیں اور انھیں اس کی اجازت نہ دیجائے کہ وہ کسی اولوالعزم نوجوان شخص کو اپنا سردار بنالیں۔ یہ مقصد (جیسا کہ بیان کردیا گیا ہے) بجز اس کے کسی اور تدبیر سے ہرگز حاصل نہیں ہوسکتا ہے کہ خاندان ہلکر سے معاملت کرنے کا آلہ امیرخاں کو بنایا جائے مگر اس کا انحصار ایسے واقعات پر ہے جن کے وقوع کی بابتہ اس وقت قیاس اور بحث کرنا محض فضول ہے۔ (۱۹۰)

امیرخاں کو اپنے میں شریک کرنے پر آمادہ کرنے کے لئے اپنی حکمت عملی کے اقتضا سے ہم خواہ کوئی تجویز پیش کریں لیکن بلا تکلف اسے یہ اطلاع دیدینی چاہئے کہ ہم کسی ایسے شخص سے کسی شرط کی پابندی نہیں کرسکتے ہیں جو بالواسطہ یا بلاواسطہ پنڈاریوں کی حمایت یا اعانت کرتا ہے اور اس کا یا اس کی فوج کا پنڈاریوں میں شرکت کرنا یا اُن کو یا اُن کے بال بچوں کو اپنے یہاں پناہ دینا ہمارے خلاف جنگی کارروائی کرنا تصور کیا جائے گا اور ہم اس کے مقبوضات پر قبضہ کرلیں گے اور اس کے ساتھی حکومت برطانیہ کے دشمن متصور ہوں گے۔

اگر یہ کارروائی اختیار کی جائے تو امیرخاں سے التجا کی جائے کہ وہ جے پور کے اس علاقے کو خالی کردے جو اس نے ضبط کرلیا ہے اور آیندہ سے راجہ بوندی و نواب بھوپال کی ریاست میں حملہ یا دست اندازی کرنے سے احتراز کرے۔ اگر ہمیں اس سردار کے دوستانہ ارادہ کا یقین ہوجائے تو ہم راجہ جے پور سے اصرار کے ساتھ کہیں کہ امیرخاں آپ کا علاقہ چھوڑے دیتا ہے اس کے معاوضہ میں آپ اُسے زرنقد یا املاک مرحمت فرمادیں اور چونکہ اس انتظام کے ہم ضامن ہوں گے اس سے اسکی وفاداری کو مزید

تقویت حاصل ہوگی۔

اگر اپنی جنگی کارروائیوں کی ضرورت سے ہمیں راجہ جے پور اور راجہ بوندی کی ریاست میں کسی مقام پر قیام کرنے کی ضرورت درپیش ہو اور اس وجہ سے ہم سامان رسد اور دیگر امداد کے لئے ان کے دست نگر ہو جائیں تو ہم کو چاہئے کہ ان کے ساتھ ایک مستقل معاہدہ طے کرلیں۔ ہم ان ریاستوں سے دست بردار نہیں ہو سکتے ہیں اور ان کے ساتھ ہمارے جو تعلقات وابستہ ہوں گے ان کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان ریاستوں سے شرائط طے کرنے میں ہمیں کچھ دشواری پیش نہ آئے گی۔ نظرتاً وہ بھی ہماری حفاظت کے حاجت مند ہوں گے اس لئے یہ امر ان کے اختیار سے باہر ہوگا کہ وہ ایک ایسا معاہدہ قبول کرنے سے انکار کردیں جو منصفانہ اور فیاضانہ اصولوں پر مرتب کیا جائے گا۔

(۱۹۱)

ہم اپنی یہ عام رائے ظاہر کرتے ہیں کہ ہم ایسی ریاستوں کو انکے اندرونی انتظام میں ضرورت سے زیادہ آزادی نہیں دے سکتے ہیں اور بیرونی حکمت عملی کے جملہ مسائل میں انھیں زیادہ سختی کے ساتھ پابند کرسکتے ہیں۔ تاہم وہ ایسے مسائل ہیں جو ہمارے زیر اقتدار رہنے چاہئیں ورنہ اس تعلق سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

وزیر محمد[1] والئے[2] بھوپال کی موت ہماری بدنصیبی ہے۔ اس شخص میں غیر معمولی شجاعت اور ذہانت تھی اس نے عدیم النظیر دلیری سے اپنے خاندان کو تباہ ہونے سے بچالیا جس کی حفاظت اس کے سپرد تھی۔ اسکے بیٹے نذر محمد خاں کو بھی اس کے اعلیٰ اوصاف ورثے میں ملے ہیں اور وہی اس کا جانشین قرار پایا ہے۔ اس نواب نے بھی ہم سے حفاظت کی درخواست کی ہے اور واقعات کی نوعیت کے لحاظ سے اس کی درخواست منظور کرلینگی

---

[1] سنہ ۱۸۱۶ء میں انتقال ہوا۔

[2] وزیر محمد اگرچہ خاندان بھوپال سے تھا لیکن اس نے کبھی نواب کا لقب اختیار نہیں کیا۔

ضرورت ہے کیونکہ اس چھوٹے سے فرماں روا سے یہ توقع نہیں ہو سکتی ہے
کہ وہ ہمیں کسی قسم کی امداد دے سکے گا تاوقتیکہ ان نتائج سے اس کا تحفظ نہ
ہو جائے جو ہماری مدد کرنے سے اسے بھگتنے پڑیں گے اور اگر وہ ہمارا مخالف
یا غیر جانب دار رہے گا تو ہمیں اپنی جنگ کے شروع میں بہت سی مشکلات
درپیش ہوں گی۔

نذر محمد خاں نے اپنے ایک نمائندہ کی معرفت جو تجاویز رزیڈنٹ
متعینۂ ناگپور کی خدمت میں پیش کی ہیں ان میں درج ہے کہ وہ نذر گڈھ یا
گول گاؤں کا قلعہ سامان رسد کا گودام بنانے کے واسطے انگریزوں کے حوالے
کر دیگا۔ انگریزی فوج کو ہر قسم کی رسد دے گا۔ پنڈاریوں اور دیگر لیڈروں سے
کسی قسم کی مراسلت نہ کرے گا۔ ہندوستان کی کسی ریاست سے تعلق نہیں
رکھیگا البتہ اپنی ریاست کے اندرونی معاملات کے متعلق اپنے ہمسایہ رؤسا
سے اس کی خط و کتابت رہے گی۔

(۱۹۲)

نذر محمد خاں کا بیان ہے کہ میں اپنی انتہائی تنگ دستی کے باعث
کسی قسم کی مالی اعانت کرنے سے لاچار ہوں لیکن قلعہ نذر گڈھ کے ساتھ
میں چند دیہات بھی آپ کے حوالہ کر دونگا اور حکومت انگلشیہ کی امداد سے
جب میری مالی حالت درست ہو جائے گی تو کچھ اور خدمت بھی کر سکوں گا
[illegible] سے ظاہر ہوتا ہے کہ فرمانروائے بھوپال ہماری رفاقت
حاصل کرنے کا صدق دل سے متمنی ہے۔ اگرچہ اس کی اصل غرض اپنے
خاندان کے گذشتہ مقبوضات حاصل کرنا ہے اور ہم اپنی ابتدائی مہمات
ہی میں وہ اضلاع اس کے قبضے میں دیدیں گے جو اس وقت پنڈاریوں کے
دست تصرف میں ہیں اور اگر سندھیا ہمارا مخالف بن جائے گا تو اس صورت
میں ہم فرماں روائے بھوپال کی مزید آرزوئیں پوری کر سکیں گے۔ اگرچہ بھوپال
کی فوج تعداد میں مختصر ہے لیکن وہاں کے سوار مالوہ میں نہایت بہادر مانے
جاتے ہیں اور اس فرمانروا سے ہم جو معاہدہ کریں گے اس کی رو سے (جبتک کہ
جنگ جاری رہے گی) یہ فرمانروا ہمیں روپیہ دینے کی بجائے عمدہ سواروں کی

ایک مختصر جماعت زیادہ آسانی کے ساتھ پیش کرسکے گا اور بہ نسبت کسی دیگر طریقہ کے اس صورت سے اس کی امداد ہمارے لئے نہایت کارآمد ہوگی۔
نذر محمد خاں سے غالباً ایک عام معاہدہ کرنا کافی ہوگا جس کی رو سے وہ اپنے جملہ وسائل ہمارے سپرد کردے اور اگر ہم خواہاں ہوں تو اپنے وعدہ کے بموجب ہمارے سامان رسد کے گودام کے لئے ایک مقام ہمیں عطا کردے اور ایک مقررہ تعداد میں اپنے یہاں کے سوار پیش کرے جن کی تعداد میں پھر اضافہ کردیا جائے اور اگر اس کے ذرائع آمدنی میں اضافہ ہو جائے تو دوران جنگ میں فوج کی بجائے ہمیں مالی امداد دے۔ اور ہم اس کی حفاظت کی ذمہ داری قبول کریں اور یہ وعدہ کریں کہ آئندہ ہم اس کی خدمات کے مطابق لطف و کرم کا برتاؤ کریں گے۔
راجہ ساگر اور دیگر والیان ریاست کے ساتھ جن کی حالت اس قسم کی واقع ہوئی ہیں اسی طرح کے معاہدے کرنے کی سفارش کرتا ہوں البتہ تفصیلی معاملات قطعی فیصلہ کے لئے چھوڑ دیئے جائیں۔ اور ان سے عمیق تعلقات (۱۹۳) پیدا کرنے سے قبل اس وسیلہ سے ہم ان کی حالت کے متعلق نہایت مکمل معلومات حاصل کرلیں گے لیکن ہمیں اپنی ہر ایک تحریک نرم و تازہ رکھنی چاہیئے جس سے انھیں کوشش کرنے اور ہماری حمایت کرنے کا شوق پیدا ہو۔
جب تک کہ سندھیا اور ہلکر کوئی خاص روش اختیار نہ کرلیں اس وقت تک راجہ اودیپور، جے پور اور کوٹا سے ہمیں مصالحت کی گفت و شنید نہ کرنی چاہیئے لیکن اگر سندھیا اور ہلکر ہمارے مخالف رہیں تو ان ریاستوں سے عملی امداد حاصل کرنیکی کوشش میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرنا چاہیئے۔
راجہ اودیپور نے ابھی حال ہی میں حفاظتی معاہدہ کی ہم سے استدعا کی ہے اور دیگر ریاستیں بھی جس ظلم و ستم میں گرفتار ہیں اس کے مقابلے میں ہمارے ساتھ اس قسم کے معاہدے کرنے کو ضرور ترجیح دیں گی راجہ کوٹا کا کیرکٹر بیان ہو چکا ہے اور عمدہ حکومت قایم کرنے کے لئے غالباً وہ عدیم المثال آلہ ہے اور اگر ہمیں مرہٹہ حکمرانوں کی قوت تباہ یا محدود کرنی پڑے تو اس صورت میں

راجپوت راجاؤں اور خاص کر اس راجہ کی قوت میں اضافہ کرنا بہتر ہوگا۔ جس کی حکومت اس کے ہر ایک علاقے میں خدا کی رحمت سمجھی جاتی ہے۔ یہ بیان کرنے کی چنداں حاجت نہیں ہے کہ پیش آنے والی جنگ کا ایسا نتیجہ برآمد ہونے کی صورت میں ہمارا فائدہ ایسے انتظام میں ہے جس سے ہمارے صرفہ کی تلافی ہو جائے اور ہماری اس قدر قوت برقرار رہے جو ہماری آیندہ حفاظت کے واسطے ضروری ہو اور وقتی حکمت عملی کے اقتضا سے روپیہ صرف کرنے یا اپنی سلطنت کے ملحقہ مقامات پر قبضہ کر لینے ہی سے یہ کارروائی انجام پذیر ہو سکتی ہے۔

ہم پیشتر ہی بیان کر چکے ہیں کہ جیتو نے مان سنگھ راجہ جودھ پور سے ایک مسکن کے لئے درخواست کی ہے جہاں پر اس کے فرقے کے بال بچے پناہ لے سکیں۔ اس راجہ اور اس جیسے دیگر والیان ریاست کو یہ اطلاع دینے کی ضرورت ہے کہ اگر ان لٹیروں کو پناہ دیجائے گی یا کسی عنوان سے بھی ان کی مدد کی جائے گی تو آپ حکومت برطانیہ کے مسلمہ دشمن متصور ہوں گے اور اس کی ساری ذمہ داری آپ ہی پر عائد ہو گی اور پھر حکومت برطانیہ بلا لحاظ اس امر کے کہ فلاں ریاست سے آپ کے کیا تعلقات ہیں آپ کی اس حرکت کی آپ کو سخت سزا دے گی۔

(۱۹۴) اگر سندھیا، ہلکر اور امیر خاں ہمیں پنڈاریوں کی جنگ میں صدق دل سے مدد دیں جس کی بہت کم توقع ہے تو یہ لڑائی بہت جلد ختم ہو سکتی ہے اس لئے اب غور طلب مسئلہ ہے کہ یہ سب یا ان میں سے کوئی ایک غارت گر لٹیروں کی اگر ہم پر حملہ آور ہو تو اس کے کیا نتائج برآمد ہوں گے اگر سندھیا اپنی رفاقت میں سچا ثابت ہو تو ہم اس لڑائی کا بہت جلد خاتمہ کر دیں گے کیونکہ پھر ہم اپنی فوج سندھیا کے بیقاعدہ سواروں اور اپنے رفیقوں کی فوجوں کی امداد سے پنڈاریوں کو ان کے موجودہ مستحکم مقامات سے نکال دیں گے اور ان کے تباہ یا منتشر ہونے تک ان کا تعاقب کرتے رہیں گے اور ایسا انتظام کر دیں گے کہ وہ دوبارہ لٹیروں کا گروہ نہ بنا سکیں اور

ہمارا شروع سے یہی دلی مقصد ہے۔ ممکن ہے کہ امیر خاں ان کا ساتھ دے لیکن وہ بھی ان کے نوشتۂ تقدیر کو نہ مٹا سکے گا بلکہ اسکی بدولت وہ خود تباہ و برباد ہو جائے گا کیونکہ جب تک وہ ان مقامات سے دست بردار نہ ہو جائے جہاں سے اس کو وہ ذرائع میسر آتے ہیں جن سے اس نے اپنا گروہ بنا رکھا ہے اس وقت تک ہمارے مقابلے کے لئے وہ اپنی فوج نہیں لا سکتا ہے اور اگرچہ اس صورت میں لٹیروں کی تعداد بڑھ جائے گی لیکن بہت جلد ان کی وہ قوت اور اقتدار جاتا رہے گا جو ایک سردار کی ماتحتی میں انھیں اسوقت حاصل ہے۔

اگر سندھیا ہمارا مخالف رہے اور امیر خاں مع خاندان ہلکر کے ہمارا ساتھ دے تو سندھیا یقیناً بہت جلد تباہ ہو جائے گا اور اس راجہ کی ریاست نہایت آسانی سے فتح ہو جائے گی اور گزشتہ واقعات اور اس کی حقیقی حالت کی بنا پر ہم یہ امید کرنے کے مستحق ہیں کہ خود اسی کے عمائدین سلطنت دیگر اشخاص کی طرح مال غنیمت میں حصہ لینے کے خواستگار ہو جائیں گے۔

بفرض محال اگر مشترکہ فائدہ کے خیال سے مالوہ کی جملہ فوجی جماعتیں اس نظم کی حمایت پر کمربستہ ہو جائیں جو ان کی بسراوقات کا وسیلہ ہے اور ہماری روز افزوں قوت سے حسد کر کے متفقہ طور پر ہمارا مقابلہ کریں تو ہمیں اس خطرہ کو دیکھنا چاہئے جو پیش آئے گا۔

(۱۹۵)

ان کی متحدہ فوج کا موٹا تخمینہ حسب ذیل ہو سکتا ہے:۔

سندھیا کے پاس ۳۰ ہزار سوار اور ہر قسم کی پیدل فوج ۱۵ ہزار اور ناقابل التفات توپ خانہ ہے۔ ہلکر کے یہاں ۱۰ ہزار سوار، ۴ یا ۵ ہزار پیدل سپاہ اور چند توپیں ہیں۔ امیر خاں کے قبضے میں ۱۰ ہزار سوار چند پلٹنیں اور متعدد توپیں ہیں اور پنڈاریوں کے پاس ۳۰ ہزار سوار، ۲ یا ۳ متوسط درجے کی پلٹنیں اور چند توپیں ہیں علاوہ بریں پیدل سپاہ کی چند جماعتیں ہیں جنھیں کسی والی ملک کا بمشکل محکوم کہا جا سکتا ہے یہ لوگ حکومت کی افراتفری کے زمانے میں غیر محفوظ علاقوں سے جبریہ روپیہ وصول کر کے اپنا گزارہ کرتے ہیں۔

ان سب کی مجموعی تعداد کا تخمینہ اسّی ہزار سوار ہو سکتا ہے ان میں سے زیادہ سے زیادہ ۴۰ ہزار کو سوار کہہ سکتے ہیں باقی ماندہ تربیت یافتہ اور قابل سوار تو ہیں ہی نہیں بلکہ وہ ٹٹوؤں پر سوار ہونے والے معاونین ہیں اور پیدل سپاہ کی کل تعداد غالباً پچیس[2] ہزار ہوتی ہے۔ اور اگر ہم اس تبدیلی کو جو سنہ ۱۸۰۶ء سے اس سپاہ کی حالت میں پیدا ہو گئی ہے اور ان کے ضابطے کی پابندی اور فوجی ساز و سامان کی خرابی کو مد نظر رکھیں تو یہ ساری فوج بھی اگر کسی ایک مقام پر جمع ہو جائے تو ان سب کو میری مجوزہ ایک فوج شکست دے سکتی ہے اور ہمیں یہ جنگ لٹیروں سے کرنا ہوگی اور بالفرض اگر یہ ۸۰ ہزار کی جماعت متحد ہو کر حملہ آور ہو تو اس کا کیا انجام ہوگا؟ میں ابھی ظاہر کروں گا کہ یہ بات قطعی ناممکن ہے۔ ہمارے پاس دریائے نربدا پر، دکن میں، پیشوا کی ریاست میں اور صوبۂ مدراس کی سرحد پر ہر قسم کے فوجی ساز و سامان سے بخوبی آراستہ و پیراستہ ایک دوسرے کو مدد دینے والی فوجیں موجود ہوں گی جن کی مجموعی تعداد ۴۰ ہزار سواروں سے زیادہ ہوگی جن میں سے ۶، ۷ ہزار کے تو بیقاعدہ رسالے ہوں گے ان کے علاوہ ہمارے رفیقوں کے ۱۵، ۲۰ ہزار بیقاعدہ سوار ہماری فوج میں شریک ہوں گے۔

(196) سرحد گجرات پر ۶، ۷ ہزار سواروں کے رسالے اور کچھ پیدل سپاہ جمع ہو جائے گی۔ اور ایسی ضرورت کے موقع پر ہم ہندوستان سے کم از کم ۴۰ ہزار باقاعدہ فوج میدان جنگ میں لا سکیں گے جس میں ۶، ۷ ہزار پیدل سپاہ اور بیقاعدہ سواروں کی ایک جمعیت شامل ہوگی جس کا تخمینہ[1]

---

[1] میسور میں ۴ ہزار سوار ہیں اور حضور نظام کے یہاں یورپین افسروں کے ماتحت ۶ ہزار سوار ہیں اور گذشتہ عہد نامہ کے بموجب حکومت پونا اس سے بھی زیادہ فوج مہیا کرے گی اس کے علاوہ ان ریاستوں کے جاگیردار بیقاعدہ فوج فراہم کر کے دیں گے جس کی تعداد مذکورۂ بالا فوج سے کم از کم دو چند ہوگی۔ یہ تخمینہ اس قیاس پر لگایا گیا ہے کہ ہمارے زیر حفاظت چھوٹے چھوٹے والیان ملک اور جاگیرداروں سے انگریزی افسروں کے ماتحت ۷، ۸ ہزار سواروں کے علاوہ کم از کم ۱۲ ہزار بیقاعدہ فوج کی خدمات فوراً مل سکتی ہیں۔

کم از کم ۲۰ ہزار آدمیوں کا ہو سکتا ہے۔ کیا اس میں کچھ شک و شبہ ہو سکتا ہے کہ ہماری یہ زبردست فوجیں ایسی ہر ایک فوج کو شکست دے سکتی ہیں جو انکے مقابلے کے لئے لائی جا سکتی ہے اگر غنیم اپنی فوج کی بڑی بڑی ٹولیاں بنا کر لڑے گا تو انھیں سامان رسد پہونچانے کے وسائل ہمیں بہت جلد ان کا مقابلہ کرنے کے لائق بنا دیں گے اور اگر وہ چھوٹی جماعتوں میں تقسیم ہو کر جنگ کرے گا تو ہم بھی اپنی فوج کی چھوٹی جماعتیں بنا دیں گے اور انھیں کامل شکست دیدیں گے لیکن اس بات کے ثابت کرنے کا بھی موقع ہے کہ دشمنوں کا ایسا اتحاد قطعی ناممکن ہے۔

یہ غارت گر فرماں روا جس ملک میں پھیلے ہوئے ہیں اس کا طول ۶۰۰ میل سے کچھ زیادہ اور اس کا عرض ۴۰۰ میل سے کم ہے اور اس ملک میں جگہ جگہ بلند پہاڑ اور عمیق دریا موجود ہیں اور یہاں کے فرماں رواؤں کے عادات و خصائل کی وجہ سے اس سرزمین پر جو مظالم ہوئے ہیں انکی وجہ سے اس میں بے شمار قلعے تعمیر ہو گئے ہیں اور ہر ایک گاؤں میں ایک زبردست قلعہ بنا گیا ہے۔

اس ملک کے باشندے راجپوت راجہ (جو اپنے قلعہ بند دار الحکومت میں رہتا ہے) اور گراسیا[1] سردار ہے (جس نے ناقابل گذر پہاڑوں میں اب تک اپنی آزادی قائم رکھی ہے) لیکن پٹیل یا گاؤں کے مکھیا اب تک اپنے مرہٹہ یا مسلمان فرماں رواؤں کو کسی قسم کا خراج یا مالگذاری بجز اس صورت کے نہیں ادا کرتے ہیں (۱۹۷)

[1] بھیلوں (Bheels) کی طرح گراسیا (Grasiahs) بھی اصلی باشندے ہیں جن کو مسلمان یا مرہٹہ فاتحین نے ان کے دیس سے نکال دیا ہے یہ لوگ لوٹ اور ڈکیتی پر اپنا گذارہ کرتے ہیں یا وہ ہر ایک گاؤں سے مالگذاری کا ایک حصہ یہ کہکر جبریہ وصول کر لیتے ہیں کہ اس گاؤں کو لوٹ لینے کی ان میں قوت موجود ہے ان کے حقوق اور دائرہ عمل عموماً ان علاقوں تک محدود ہوتا ہے جن پر کسی زمانہ میں وہ قابض تھے (کتاب سنٹرل انڈیا صفحہ ۵۰۸)

وہ خراج یا مالگذاری بجبر وصول کرنیکے لئے ایک زبردست فوج بھیجدیتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ سندھیا۔ ہلکر۔ امیرخاں یا پنڈاریوں کی فوجیں جب دور دراز کے حملوں میں مصروف نہیں ہوتی ہیں تو وہ اسی ملک میں منتشر ہوکر قیام کرتی ہیں اور وہاں سے اپنے اصلی یا فرضی حقوق کے نام سے جبر سے روپیہ وصول کرتی ہیں چنانچہ ہر ایک چھوٹے ضلع تک میں لڑائی ہوتی ہے کبھی تو فرماں روا اپنے باجگذار سے جنگ کرتا ہے اور بسا اوقات جب دو سردار کسی ایک شخص سے روپیہ طلب کرتے ہیں تو ان دونوں سرداروں کی فوجوں میں لڑائی ہوجاتی ہے اور گاہے ماہے ایک ہی حکمراں کی فوج آپس میں لڑنے مرنے لگتی ہے جس کے افسران آپس میں مخالفت رکھتے ہیں اور جن کو اپنے خاندانی تنازعات اور جھگڑوں کے باعث بڑی تقویت مل جاتی ہے۔ چونکہ وصول مالگزاری کا یہ عجیب طریقہ ہے اور ریاست کا گذارہ اسی مالگزاری کی وصولی پر ہے اور چونکہ اس کی وصولی کے لئے غدار اور سرکش فوجیں روانہ کیجاتی ہیں اس لئے کامیابی کی توقع کا انحصار تقایا کی وصول یابی پر ہوتا ہے۔ اس حالت کا یہ نتیجہ ہے کہ ان فوجوں کا ہر ایک کمان افسر ہر ایک والئے ملک یا جاگیردار سے اپنا جداگانہ معاملہ کرلیتا ہے جسے یا تو وہ امداد دیتا ہے یا اُسے مغلوب کرلیتا ہے اور اس کا سلسلہ سارے ملک میں پھیل جاتا ہے جس کی بدولت ان فوجوں کے اعلیٰ سے لیکر ادنےٰ افسران تک میں رشک و حسد اور سرکشی کا مادہ پیدا ہوجاتا ہے اس حالت سے جس کی صداقت میں مجھے کلام نہیں ہے ہم یہ نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں کہ مالوہ کے لٹیرے فرماں رواؤں میں سندھیا سے لیکر پنڈاری سرداروں تک میں مستقل جھگڑوں کے باعث بیحد نااتفاقی موجود ہے فرضی اور قیاسی باتوں ہی میں اختلاف نہیں ہوتا بلکہ ان کی اور ان کے ساتھیوں کی روزی کے وسائل پر اسقدر جھگڑے اور تنازعات ہوتے رہتے ہیں کہ ان میں ہرگز ایسا اتحاد و اتفاق ہو ہی نہیں سکتا جیسا کہ بیان کیا گیا ہے۔ علاوہ بریں بالفرض اگر ان میں ایسا اتحاد پیدا بھی ہو جائے تو پھر وہ اس پر عملدرآمد کس طرح کریں گے کیونکہ جن علاقوں پر ان کی حکومت ہے یا جہاں

(۱۹۸)

وہ لوٹ کھسوٹ کرتے ہیں ان کی فوج کے رخصت ہوتے ہی وہ ان کی بغاوت پر آمادہ ہو جائیں گے ایسی حالت میں فوج کے ہٹانے ہی ان علاقوں سے آمدنی بند ہو جائے گی مثلاً اگر سندھیا جے پور۔ کوٹہ۔ اودے پور اور جودھپور کے اطراف سے اپنی فوجیں واپس طلب کرلے تو پھر امیر خاں خود اپنے نام سے یا ہلکر کے نام سے سارا خراج وصول کرلے گا۔ اور اگر وہ اپنے عہدہ سے دست بردار ہو جائے تو یہ راجپوت سردار کبھی کو خراج نہ دیں گے ہر ایک دیگر چھوٹی ریاست کیا بلکہ گاؤں کے ہر ایک کھیا کی یہی حالت ہوگی۔ ہم نے جو خرابیاں بیان کردی ہیں ان کے متعلق کون شخص یہ قیاس کرسکتا ہے کہ ان اجزا کو ملا کر دوستانہ اتحاد پیدا کیا جا سکتا ہے یا سندھیا ہلکر اور امیر خاں جیسے فرماں روا اور لٹیروں کی دیگر جماعتیں آپس کی عداوت کے جذبات کو یک لخت ترک کردیں گی اور اپنے ہر ایک ذاتی اغراز اور استحقاق کو قربان کرکے محض اس لئے اپنی فوری تباہی و بربادی کی مصیبت مول لے لیں گی کہ وہ ہمارا مقابلہ کرنے کے لئے متحد ہو جائیں یا بالفاظ دیگر وہ بغیر کسی کشش کے برطانیہ جیسی حکومت سے نبرد آزمائی کرکے ایک موہوم چیز کے لئے اپنی معاش حاصل کرنے کی قوت سے دست بردار ہو جائیں۔ وہ اس قسم کا اتحاد پیدا کرنے کے اس صورت میں بھی اہل نہیں ہو سکتے ہیں جبکہ ان کا سارا ملک فتح کرنے کے قصد کا اعلان کرکے ہم ان میں مایوسی پیدا کردیں اور موجودہ صورت میں جبکہ وہ خود دیکھ لیں گے کہ ان کے مسلسل مظالم سے تنگ آکر ہم نے یہ ارادہ میدان جنگ میں قدم رکھا ہے اور جبکہ ہماری نیک نیتی کے متعلق انھیں کسی قسم کی غلط فہمی نہیں ہو سکتی ہے تو پھر ان کے زبانی اتحاد کا بھی گمان نہیں ہو سکتا ہے اس لئے میری رائے میں تو فی الحقیقت ان میں اتحاد کا پیدا ہونا قطعی ناممکن ہے۔

اگرچہ مذکورہ بالا دلائل و براہین کی بنا پر مجھے یہ امید نہیں ہے کہ ہمیں کبھی ان لیٹری ریاستوں کی متحدہ قوت کا مقابلہ کرنا پڑے گا لیکن اس

(۱۹۹)

بیان سے میرا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس جنگ کے اختتام سے قبل
ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ہماری کم و بیش چھڑپ نہ ہوگی چنانچہ گذشتہ
جنگ مرہٹہ میں بمقام اسائی سندھیا کی فوج کے شکست پانے سے راجہ
ناگپور ناراض نہیں ہوا تھا اور جب بھونسلا کو امرگاؤں میں شکست نصیب
ہوئی تو اسی خیال سے سندھیا کے وزرا بغلیں بجانے لگے۔ ہلکر نے اپنی
لیٹری جماعتوں کو اس وقت تک الگ تعلق رکھا کہ اس کے رقیبوں کی
سلطنت کو زوال آگیا اور پھر اس نے لڑائی چھیڑ دی جس میں اس کا بھی
یہی انجام ہوا۔ اس صورت میں اگر سندھیا ایسی کج روی اختیار کرے کہ
ہمارے خلاف کارروائی کرے جس کے علاقہ میں ہم جنگ شروع کرینگے
(اور اسی وجہ سے ہم بہت جلد اس کی قطعی رائے معلوم کرنا چاہتے ہیں)
تو یہ امر کچھ ناممکن نہیں ہے کہ خاندان ہلکر اس جنگ میں شرکت کرنے سے
گریز کرے تاکہ جنگ میں جو فریق زبردست ثابت ہو وہ اسکی ریاست پر
قبضہ کرلے اور یہ بھی ممکن ہے کہ امیر خاں دونوں سے امداد اور دوستی کا وعدہ
کرکے مارواڑ میں دور بیٹھا رہے لیکن اگر اپنی غیر جانبداری کے زمانے میں وہ
لیٹروں کا گروہ اپنے پاس جمع کرلیگا تو سندھیا کو مغلوب کرنے اور پنڈاریوں کو
مالوہ سے نکال دینے کے بعد مجبوراً ہم اس پر حملہ آور ہوں گے۔ میری رائے
میں واقعات رونما ہونے کی یہ بہترین صورت ہے اور نہیں اس حالت
میں بھی کسی قسم کا اندیشہ نہ ہوگا کیونکہ ہمارے قبضے میں جسقدر قوت موجود
ہے اس کے زور سے ہم ایک سال یا زیادہ سے زیادہ دو سال میں فتح یاب
ہو جائیں گے اگرچہ میں نے اپنا اطمینان ظاہر کردیا ہے اور مجھے فتح مندی
کا پورا یقین ہے لیکن اس پر بھی میری رائے میں بغیر پوری تیاری کے
اس قسم کی جنگ ہمیں ہرگز شروع نہ کرنی چاہئیے۔ کیونکہ بہت ممکن ہے
(۲۰۰) کہ خلاف توقع مشکلات پیش آئیں اور ہمارے خزانہ میں موجودہ تخمینہ
سے زیادہ بار پڑ جائے لیکن یہ ایسا معاملہ ہے جس میں اسوقت تک
ہاتھ نہ ڈالنا چاہئیے جب تک کہ ہم مستقل طور پر یہ ارادہ نہ کرلیں کہ اسکو

قابل فخر انجام تک ضرور پہونچا دیں گے۔ اور غالباً کسی قابل تذکرہ دیسی ریاست کے ساتھ ہماری یہ آخر جنگ ہو گی نہیں ہیں کہ ہم مصروف ہونگے اور عین کامیابی کے وقت اس جنگ کو ناتمام چھوڑ دینے یا اپنا مقصد ادھورا حاصل ہونے سے نہایت زبردست معکوس نتیجہ مرتب ہوگا۔

گذشتہ ۴۵ سال کے دوران میں اس مسئلہ پہ جو کچھ خامہ فرسائی ہوئی ہے اس کی ضخیم جلدوں کا مطالعہ کرنے کے بعد میں یہ بات دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ میرے سامنے جو تجاویز پیش کی گئیں اور جو مشورے دئیے گئے ہیں ان میں سے شاذ و نادر ہی کوئی ایسا ہوگا جو اس دوران میں کسی نہ کسی شکل میں اعلیٰ حکومت کے گوش گذار نہ کیا گیا ہوگا۔

پولیٹکل رزیڈنٹ صاحبان کو اپنے عہدہ کی بدولت چونکہ دیگر حضرات سے بہت زیادہ ذرائع اس مسئلہ کا مطالعہ کرنے کے حاصل ہیں اس لئے ان کے خیالات کی یکسانیت نہایت غور اور توجہ کی مستحق ہے اور اگرچہ ان سرکاری افسران کو بخوبی معلوم تھا کہ ہماری حکومت کی دلی خواہش یہی ہے کہ حتی الوسع کی لٹیری ریاستوں کے معاملات میں مداخلت کرنے سے اجتناب کیا جائے مگر انھوں نے ہمیشہ اپنی یہی رائے ظاہر کی ہے کہ اس طرز عمل کے نتائج نہایت مذموم ہوں گے اور جس خطرہ کا اندیشہ ہے اس کے رفع کرنے کے لئے اپنی تلوار اور حکمت عملی کا پورا زور صرف کر دینا چاہئے۔ مداخلت کے طریقہ کے متعلق ان کی رایوں میں کسی قدر اختلافات ہیں لیکن ان سب کی متفقہ رائے یہی ہے کہ ان واقعات کی نوعیت نے ہماری مداخلت کی اشد ضرورت پیدا کر دی ہے اور اگرچہ یہ سرکاری افسران[1] اپنی فہم و فراست اور آزادخیالی کے لئے شہرۂ آفاق ہیں اور وہ دور دراز مقامات پر تعینات ہیں۔ انھیں مختلف مناظر دکھائی دیتے ہیں ان کے عادات و خصائل مختلف قسم کے

---

[1] آنریبل مسٹر الفنسٹن۔ مسٹر رسل۔ مسٹر جنکنس۔ مسٹر مٹکاف۔ مسٹر اسپیچی اور کپتان کلوز

ہیں نیز قابل حضرات ایک ہی مسئلہ کے متعلق مختلف رائے قایم کیا کرتے ہیں اور خاص کران مسائل پر جن کی حکمت عملی غیر یقینی ہوتی ہے۔ جب ان سب باتوں کا لحاظ رکھا جائے تو ان کے اس غیر معمولی اتفاق رائے کے لئے کہ "اس کی صاف اور صریح ضرورت ہے" کوئی دلیل سمجھ میں نہیں آتی۔ ان قابل افسران نے اس مسئلہ کے متعلق جو مراسلے روانہ کئے ہیں۔ خواہ ہم اس معلومات پر غور کریں جو انھوں نے فراہم کی ہے یا اوس روشنی کو دیکھیں جو انھوں نے اپنے تجربہ اور فیصلے سے اس مسئلہ پر ڈالی ہے تو ہمارے ہاتھ ایسا زبردست کاغذی ثبوت آجاتا ہے جو ایک زبردست سیاسی مسئلہ کا فیصلہ کرنے کے لئے کسی حکومت کو میسر آسکتا ہے۔ (۲۰۱)

اپنے متعلق تو میں صرف اسقدر عرض کرسکتا ہوں کہ میں نے نہایت بے نوثی کے ساتھ اس مسئلہ پر غور کیا ہے البتہ انگلستان کے اعلیٰ افسران کی اس دلی خواہش کا میں بھی موئید ہوں کہ جنگ سے اجتناب کیا جائے اور اگر پنڈاریوں کے مظالم کے باعث جنگ ناگزیر ہو جائے تو حتی الامکان اس کا دائرہ مختصر رکھا جائے اور اپنے وقار اور سلامتی کا لحاظ رکھکر حتی الوسع اس کو جلد سے جلد ختم کردیا جائے میں ان عام اصولوں کا ضرور حامی ہوں جو اس خواہش کے اظہار کا موجب ہوئے ہیں کیونکہ اس بدیہی خرابی کا حال مجھ سے زیادہ کون جانتا ہے جو ایسی تدابیر سے پیدا ہو جائے گی جس سے ہمارے مالیات کے نظام میں عارضی خلل واقع ہو جائے۔ ان اثرات کی بناء پر میں نے ایک سخت کارروائی اختیار کرنے کی سفارش کی ہے لیکن اس میں امید کی یہ جھلک موجود ہے کہ ہم ان ریاستوں سے جنگ کرنے سے محترز رہیں گے جو اپنی حکومت کی نوعیت کے باعث پنڈاریوں کو مدد دیتی ہیں اگر یہ ناگزیر ثابت ہو تو انشاء اللہ ہم بہت جلد اس جنگ کو قابل فخر انجام تک پہونچا دیں گے۔ بہر حال خواہ میری رائے غلط ہی کیوں نہ ہو میں صرف اس قدر عرض

کر سکتا ہوں کہ جن واقعات اور دلائل پر میری رائے مبنی ہے وہ میں نے تفصیل کے ساتھ بیان کر دئے ہیں اور یہ کہ میں نے حضور والا کی نوازش (۲۰۲) اور اعتماد اور اس مسئلہ کی نوعیت اور اہمیت کو ملحوظ رکھکر اپنے خیالات سچائی اور آزادی کے ساتھ ظاہر کر دئے ہیں

حضور کا تابعدار اور ادنےٰ خادم
جے میلکم

ازمقام فورٹ سینٹ جارج مورخہ ۱۲ر جولائی ۱۸۱۷ء

ضمیمہ (۵)

بیان کارگذاری بریگیڈیر جنرل میلکم

از ۱۶ر جنوری لغایتہ ۲۰ر جون ۱۸۱۸ء جس میں باجی راؤ پیشوا کے
اطاعت قبول کرنے اور گدی سے دست بردار ہونے کے متعلق
صاحب موصوف کی کارروائی شامل ہے

اس بیان کو واضح کرنے کے لئے اس سے قبل وسط ہند کی مختصر کیفیت عرض کر دینے کی ضرورت ہے جس کو انگریزی فوج نے فتح کر کے اپنے قبضہ میں کر لیا ہے ۶ر جنوری ۱۸۱۸ء کو ملہر راؤ ہلکر سے صلح ہو گئی اس کے بعد دریائے تاپتی کے شمال میں مدراس کی کل فوج کی کمان بریگیڈیر جنرل میلکم کے سپرد کر کے سر طامس ہسلپ جنوب کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس افسر نے ادلا مارواڑ کی مغربی سرحد پر امن قائم کرنیکے لئے کوشش کی جوڈ (Jowud) کے باغی سردار نے ۱۴ر فروری کو اپنی اطاعت قبول کر لی جبکہ وہ نیما ہیرہ (Neemahera) میں خیمہ زن تھا اور اس کے دوسرے دن پنڈاریوں کے مشہور و معروف لیڈر کریم خاں نے آپ کے روبرو سر تسلیم خم کر دیا۔ ۲۳ر فروری کو بریگیڈیر جنرل میلکم نے اپنی فوج کا خاص حصہ تو ماہد پور (Mahidpore) بھیجدیا اور خود تھوڑی سی فوج

لیکن ملہر راؤ ہلکر کے دربار میں جا پہونچے دربار ہلکر سے اپنا مقصد حاصل کرنیکے بعد آپ مہدپور تشریف لے گئے اور لیٹی فوج میں شامل ہو گئے۔ وہاں سے آپ اجین تشریف لے گئے جہاں پر میجر جنرل سر ولیم کیر کے ماتحت بمبئی کی فوجیں خیمہ زن تھیں۔ ۱۲ مارچ کو بمبئی کی فوجیں بریگیڈیر جنرل ملکم (۲۰۴) کے پاس ایک زبردست دیسی بریگیڈ اور چند میدانی توپیں چھوڑ کر گجرات کی طرف چلی گئیں۔ بریگیڈیر جنرل نے اس ملک میں امن قایم کرنے کے لئے فوراً انتظامات شروع کر دئے جس میں لٹیروں کی منتشر جماعتیں اور پیشہ ور ڈاکوؤں کے گروہ ظلم و ستم ڈھاتے رہتے تھے جنھیں مرہٹوں نے نکال باہر کر دیا تھا اور ان ڈاکوؤں نے جنگلوں پہاڑوں اور قلعوں میں آکر پناہ لی تھی۔ ان ڈاکوؤں نے ۵۰ سال سے اس ملک کے باشندوں کے ساتھ پریشان کرنے والی لڑائی ٹھان رکھی تھی اور اس ملک کے امن و سکون کو تہ و بالا کر دیا تھا۔ مالوہ کے اس علاقہ میں سونڈی یا سونڈواڑہ کے باشندے نہایت خوفناک سمجھے جاتے تھے سونڈواڑہ اس علاقہ کا نام ہے جو مشرق مغرب میں آگرہ سے چمبل تک اور شمال جنوب میں آگرہ سے چمبل تک پھیلا ہوا ہے۔ اس علاقہ کی مقامی حالت ان قزاقوں کی تعداد اور شہرت کے اقتضا سے یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ ان کو مغلوب کرنے کے لئے کوشش کرنا چاہئے جس علاقہ میں یہ لوگ ڈاکہ زنی کرتے تھے وہ ہلکر سندھیا۔ ظالم سنگھ۔ راجہ کوٹہ اور ٹکوجی پوار راجہ دیواس کی ملکیت سے تھا۔ ہم نے ان قزاقوں کے بعد دیگرے متفقہ حملے کرنے کا پورا بندوبست کیا۔ اس کام کے لئے ہلکر ایک مختصر فوج دے سکتا تھا اور وہ ہمیں دستیاب ہو گئی تھی۔ سندھیا سے امداد کی کچھ زیادہ توقع نہ تھی جسکا صرف ایک علاقہ (آگر) سونڈواڑہ میں واقع تھا لیکن بریگیڈیر جنرل میلکم کو ظالم سنگھ راجہ کوٹہ سے ہر قسم کی مدد ملنے کی امید تھی جن کے چند نفیس علاقوں کو

ك سونڈی ایک وقت میں ۲ ہزار سوار جمع کر سکتے ہیں جن میں سے اکثر اعلیٰ درجہ کے شہسوار تھے۔

سونڈیوں کی دست برد سے بچانے کی ضرورت تھی اور اس راجہ نے ایک نہایت بہادر افسر کی ماتحتی میں ایک اعلیٰ درجہ کی فوج ہماری رفاقت کیلئے تیار کرلی تھی۔ راجۂ دیواس اس قدر لاچار تھا کہ وہ نہ تو ہماری اعانت اور نہ مزاحمت کرسکتا تھا لیکن اس کا میلان طبع دوستانہ تھا برگیڈیر جنرل میلکم نے سونڈواڑہ اور اس کی نواح کے رؤسا کو مغلوب کرنا جن سے وہاں کے لٹیروں کو امداد مل سکتی تھی بمبئی کی فوج کے سپرد کردیا جس میں ۶۰۰ بیقاعدہ سوار لفٹننٹ کرنل کوسلیر کی ماتحتی میں تھے۔ کرنل موصوف نے اپنی فوج کو یہ حکم دیا کہ اگر دریائے چمبل کے قریب کے قلعے تمہارے حوالے نہ کئے جائیں تو نولی (Noyle) سے چمبل کی طرف بڑھے چلو اور ۱۱ اپریل کو فوج کا ایک دستہ جس میں مدراسی سپاہیوں کی ایک بٹالین میجر موڈی کی کمان میں اور چند میدانی توپیں مع محراب خاں کمان افسر افواج راجہ کوٹہ ان قلعوں پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا گیا جو اس صوبہ کے مرکز میں واقع تھے برگیڈیر جنرل میلکم کا اول پولیٹیکل اسسٹنٹ ایک رسالہ۔ ایک پیدل پلٹن اور ہلکر کے ۱۰۰۰ اسوار دیگران لڑائیوں میں امداد دینے اور ان رؤسا سے فیصلہ کرنیکے لئے بھیجا گیا جو اطاعت قبول کرنے پر آمادہ ہوں۔ برگیڈیر جنرل میلکم کے مراسلہ بنام نواب گورنر جنرل بہادر مورخہ ۱۰ مئی میں مفصل طور پر وہ اصول درج ہے جن پر ان رؤسا سے مصالحت کی جائے چنانچہ اس میں یہ درج ہے کہ "ہلکر اور ظالم سنگھ نے لٹیروں کے سردار رئیس لال گڈھ سے جو معاہدہ کیا ہے اس کو میں اس وجہ سے نہایت اہم تصور کرتا ہوں کہ اس سے نہ صرف ایک زبردست سردار کی خطرناک قوت کا خاتمہ ہوگا بلکہ اس سے ظاہر ہوگیا کہ ہم ان لوگوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہتے ہیں جن کی رائے مشکل معاملے میں اگرچہ مذبذب ہوتی ہے لیکن اس کا باعث اس غدار ہمسائگی کی عام حالت ہے جس کا وہ ایک جزو ہیں اگر کوئی حکمران اپنا حکم منوانے کا مدعی ہو لیکن لوٹ مار اس کی آمدنی کا وسیلہ ہو تو اس کی مخالفت کرنا جائز ہے اور اس سے انتقام لینا ہرگز قابل مذمت نہیں ہوسکتا

(۲۰۵)

(۲۰۶)

یہ رواج تھا کہ اعلیٰ حکومت میں اگر قوت ہوتی تھی تو وہ ان لوگوں کو لوٹ کھسوٹ کر تباہ کر دیتی تھی جو اسے کمزور سمجھکر اس کے علاقے غصب کر بیٹھتے تھے اور پھر وہ لوگ انتقام لینے کے واسطے اعلیٰ حکومت میں ضعف یا اسکے مشیروں میں اختلافات پیدا ہونے کے منتظر رہتے تھے۔ میں نے جب پہلی بار سونڈواڑہ کا فیصلہ کرنے کے متعلق اپنی رائے قایم کی تو ہمارے رفیقوں کو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ ہم ایک ایسے فرقہ کو نیست و نابود کرنے کا اکہی جائینگے جن کو یہ لوگ ناقابل اصلاح بتاتے ہیں (فی الحقیقت وہ اپنی حرکات کے لحاظ سے ایسے ہی تھے) اور میں نے ان کے دل میں بہتر قسم کا نظام سلطنت قایم کرنے کا بیج بونے کی کوشش کی ہے اور غالباً مجھے اپنی اس کوشش میں کامیابی حاصل ہوئی ہے اس نظام کی رو سے سنگدل مجرمونکو سخت سزا دیجاتی ہے لیکن ایسے لوگوں کے واسطے معافی کا دروازہ کھلا رہتا ہے جو اپنے مجرمانہ خصائل تبدیل کرنے پر آمادہ ہوں اور دائمی امن و سکون کے برکات سے مستفید ہونے کو تیار ہو جائیں۔

ان سونڈیوں پر متعدد حملے کئے گئے جو اطاعت قبول کرنے سے منکر ہوئے اور ان حملوں میں پوری کامیابی حاصل ہوئی۔ چھ ہفتے کے اندر ان کے ۱۳ قلعے فتح ہوئے جن میں سے ۵ قلعے بالکل مسمار کر دئے گئے لٹیروں کو کہیں پناہ نہ ملی اور وہ دور بھاگ گئے مگر وہ جس جگہ پہونچے وہیں پر انگریزی حکومت کے باغی تصور کرکے گرفتار کرلئے گئے کیونکہ ان کو پناہ دینا انتقام لئے جانے کا موجب ہوتا۔ اس انتظام نے لٹیروں پر ایسی بلا نازل کی کہ وہ یکے بعد دیگرے حاضر ہوئے اور ہماری مجوزہ شرائط کے بموجب انھوں نے اپنے گھوڑے ہماری نذر کئے اور ان کھیتوں میں کاشت کرنے کی ہم سے اجازت حاصل کی جن کو انھوں نے عرصہ دراز سے بطور بنجر کے چھوڑ رکھا تھا اور بداَمنی کے زمانے میں ڈکیتی کا منفعت بخش پیشہ اختیار کرلیا تھا۔ ظالم سنگھ راجہ کوٹہ کی فوج نے نہایت دلیری کے ساتھ موضع و قلعہ ڈرولہ پر حملہ کیا اور اس معرکے میں انگریزوں نے اپنی

(۲۰۷)

شجاعت اور تنظیم کا اظہار کیا ظالم سنگھ کی فوج کے پاس بہت ہلکی توپیں[۱]
تھیں اور قلعہ کی دیوار میں بہت خفیف شگاف ہوا تھا لیکن اس فوج کے
تجربہ کار اور دلاور کپتان افسر محراب خاں نے یک لخت دھاوا کرنے کا
حکم دیدیا کہ مبادا قلعہ کی محافظ فوج رات کو بھاگ کر نکل جائے۔ غنیم نے
نہایت سخت مقابلہ کیا۔ قلعہ کی دیوار کے شگاف سے کوئی کام نہیں
لیا جا سکتا تھا۔ دو گھنٹے تک حملہ ہوتا رہا۔ حملہ آوروں نے بڑی شجاعت اور
مستعدی سے کام لیا اور سارے مراحل طے کر دئے اس معرکے میں ہمارے
۲۰۰ سپاہی اور کئی افسر کام آئے اور قلعہ کی ساری فوج تہ تیغ کر دی گئی تھی

ریاست ہلکر کے پنڈاریوں کا سرگروہ قادر بخش مع چند اور سرداروں کے
برگیڈیر جنرل میلکم کے حضور میں خود حاضر ہو گیا اور یہ لوگ کریم خاں کے
ہمراہ گورکھپور میں آباد ہونے کے واسطے بھیجدئے گئے جو انکے ساتھیوں
اور مسکنوں سے بہت دور رہے۔ یہ اطلاع موصول ہوئی کہ چیتو اور
راجن باقیماندہ ۳ نامی سردار معافی طلب کرنے بھوپال گئے ہیں مگر اسکے
بعد یہ خبر ملی کہ انھوں نے ہمارے شرائط پسند نہیں کئے اور وہاں سے
بھاگ کر دریائے نربدا کے کنارے کے جنگلوں اور قلعوں میں پہونچ گئے
ہیں برگیڈیر جنرل میلکم نے یہ خیال کر کے کہ اگر یہ لٹیرے دوبارہ جمع ہو گئے
تو اس کا نتیجہ بہت خراب نکلے گا اپنے ہمراہ سپاہیوں کی تین بٹالین
سواروں کی ایک رجمنٹ اور باقاعدہ سواروں کے دو رسالے لیکر یکم اپریل
کو بجانب جنوب کوچ کر دیا۔ وہ خود تو بنگلی جا پہونچے اور کرنل ار اسکاٹ
کو ایک زبردست فوجی دستہ کے ساتھ اندور بھیجدیا اور پھر بنگلی اور اندور
سے فوجی دستے جنگل میں ہر طرف روانہ کر دئے گئے اس کا یہ نتیجہ ہوا
(۲۰۸) کہ راجن تو خود حاضر ہو گیا مگر چیتو اپنے ۱۰-۱۲ ہمراہیوں کے ساتھ بڑی مشکل
سے اپنی جان بچا کر نربدا پار بھاگ گیا۔

۱؎ اسکی سب سے بڑی توپ ۴½ پونڈ کی تھی۔

دریائے نربدا کے کنارے رہنے والے قزاقوں یا اقوام پر جن روساکی حکومت ہے وہ عرصۂ دراز سے پنڈاریوں کو مدد دیا کرتے تھے۔ اور جب سرطامس ہسلپ کی فوج ان کی پہاڑیوں سے گذری تھی تو اسپر بھی حملہ ہوا تھا۔ بریگیڈیر جنرل میلکم اور ان کے ماتحت افسران نے اپنے جنوبی کوچ کے دوران میں ان روسا اور ان کے ہمراہیوں سے مصالحت کرنے کی سخت کوشش کی اور انھیں نہایت سختی کے ساتھ یہ فہمائش کی کہ اگر تم پنڈاریوں کو مدد پہونچاؤگے یا ہمارے لشکر یا اس ملک کے باشندوں کے ساتھ کچھ بھی ظلم و ستم کروگے تو تمھیں عبرت ناک سزا دی جائے گی ان تدابیر میں پوری کامیابی حاصل ہوئی جن پنڈاریوں کو انھوں نے اپنے یہاں چھپا رکھا تھا ان میں سے بہت سے پنڈاریوں کو مع ان کے بال بچوں اور گھوڑوں کے ہمارے حوالے کر دیا اور اگرچہ ہماری فوجوں اور مخبروں نے اس علاقے کا چپہ چپہ چھان مارا لیکن ڈاکہ زنی یا حملہ آوری کی ایک واردات بھی نہیں ہوئی اور ہر ایک سردار دوستی پیدا کرنے اور حکومت برطانیہ کی اطاعت قبول کرنے میں پیش قدمی کرنے کے واسطے بریگیڈیر جنرل میلکم کے حضور میں حاضر ہو گیا۔

پنڈاریوں کے استیصال۔ ہماری زبردست فتح مندی۔ ہلکر کی لٹیری حکومت میں تبدیلی۔ سونڈیوں کا اخراج یا امن پسند رعایا بن جانے اور دریائے نربدا کے کنارے لٹیروں کی مکمل شکست نے اس علاقے میں حکومت برطانیہ کی شہرت میں چار چاند لگا دئے اور ہمارا اس درجہ اعتبار قائم ہو گیا کہ ہر مقام کے برسوں کے بھاگے ہوئے باشندے اپنے دیہات میں واپس آگئے اور انھوں نے اپنی کھیتی باڑی کا کام شروع کر دیا۔

(۲۰۹) بھاگے ہوئے لٹیروں اور بد دل فوج کو اس زمانہ یعنی شروع مئی میں یہ خبر سنکر پورا اطمینان ہو گیا تھا جو بظاہر نہایت معتبر تھی کہ حکومت ہلکر کے باغی، رام دین اور دیگر بہت سے لوگوں کی مدد سے پیشوا مالوہ

میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ بریگیڈیر جنرل میلکم نے فوج کے اس دستہ میں مزید اضافہ کردیا جو ماہدپور کی گرفتار شدہ توپیں لیکر ہمنٹ یا سے دکن کو کوچ کر رہا تھا اور اس کے ساتھ سپہ سالار اعظم کی فوج کے باقی ماندہ مریض اور زخمی بھی بھیجدئے اور لفٹننٹ کرنل اسمتھ کے ماتحت سپاہیوں کی ایک بٹالین منڈلیسر کو روانہ کردی جو چولی ماہیسر سے ۳ میل کے فاصلے پر دریائے نربدا کے کنارے ایک چھوٹا سا قلعہ ہے (مملکت پیشوا) اور اُسے ہدایت کردی کہ اس قلعہ پر قبضہ کرلو اور دریا کے گھاٹوں پر اپنی فوجی چوکیاں قایم کردو۔ یہ خدمت بلا مزاحمت کے انجام دیدی گئی اور اس سے ایک نہایت اہم مقام کو تقویت پہونچ گئی۔ اگرچہ یہ خبر مل گئی تھی کہ باجی راؤ کی فوج شمال و مغرب کی جانب واپس ہو رہی ہے مگر بریگیڈیر جنرل میلکم نے اپنی فوج کے محافظ دستہ کو مع توپوں کے برہام پور سے جالنہ کو جانے کا حکم دیدیا اس دستے میں دیسی سپاہیوں کی ۲ کمپنیاں ۴ میدانی توپیں اور سولہ سو بے قاعدہ سوار شامل تھے کہ پیشوا کی فوج شکست کھا کر بھاگنے کے بعد وہاں پہونچ گئی ہوگی مگر ہماری اس زبردست فوج پر حملہ کرنے کی اُسے جسارت نہیں ہوسکتی ہے۔ یہ خیال بالکل سچ نکلا۔ باجی راؤ[1] ۶ مئی کو ہماری فوج سے تھوڑی دور تھا اور دوسروں کو ستانے کے بجائے اُسے اپنی ہی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے اور وہ اسقدر تیزی سے بھاگا کہ ڈوٹن کی فوج سے بھی آگے نکل گیا اور اب اُسے قدرے اطمینان نصیب ہوا اور وہ دھول کوٹ[2] کے قریب خیمہ زن ہوگیا اور یہاں پر اس نے آرام لیا اور اپنی شکست خوردہ اور افسردہ دل فوج کو جمع

(۲۱۰)

[1] کرنل ایڈمنس نے باجی راؤ کو شکست فاش دی اور وہ ریاست ناگپور سے بھاگ گیا پھر بریگیڈیر جنرل ڈوٹن نے اس کا تعاقب کیا۔

[2] دھول کوٹ، اسیر گڑھ سے بجانب مغرب ۶-۷ میل اور برہام پور سے بجانب شمال ۱۲-۱۴ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

کرنا شروع کردیا۔
بریگیڈیر جنرل میلکم کو مئو پہنچکر اس کی خبر مل گئی جو اندور کے جنوب
مغرب میں ۱۰-۱۲ میل کے فاصلے پر ہے اور صاحب موصوف نے
گرمی کے باقی ماندہ ایام اور آیندہ برسات کے لئے اس مقام کو اپنی چھاؤنی
بنا لیا تھا اور فوراً ہی لفٹننٹ کرنل رسل کو حکم دیا کہ سواروں کی ایک رجمنٹ
لیکر ہنڈیا کی طرف روانہ ہو جاؤ جس کے یہ معنی تھے کہ اس قلعہ کی بٹالین
کی ۸ کمپنیوں اور میسور کے تین سو سواروں سے جا ملو اور اس ساری فوج کا
دستہ حسب ضرورت کارروائی کرنے کے لئے تیار رہے۔ اسی وقت
سپاہیوں کی ۶ کمپنیاں اونکوڈی کو روانہ ہوئیں جو گھاٹ کی چوٹی پر ایک
بلند مقام ہے اور ۲ کمپنیاں ہنڈیا بھیجدی گئیں تاکہ ان میں سے ایک
کمپنی تو انکوڈی سے مغرب کی جانب ۳۰ میل کے فاصلے پر درہ پیپلدا Peepulda
کی حفاظت کرے اور ۳ کمپنیوں کے ایک دستہ کو ریاست دھار میں گھاٹوں
کی اور ماہیسر سے جانب مغرب ۵۵ میل پر دریائے نربدا کے کنارے
چکلدا گھاٹ کی نگرانی کرنے کا حکم دیا گیا۔
ان انتظامات اور اس مستعدی کی بدولت جو بریگیڈیر جنرل میلکم
کی باقی ماندہ فوج میں تھی باجی راؤ کے لئے ہمارے حملہ سے بچکر مالوہ میں
اس سمت کے کسی مقام پر داخل ہونا ناممکن ہو گیا اور مشرق کی طرف
وہ نربدا کو بھی عبور کرنے کا ارادہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے بعد بریگیڈیر
جنرل واٹسن سے درخواست کی گئی کہ وہ حتی المقدور اپنی ہلکی فوجیں
یہاں بھیجدے جنرل موصوف نے اس ارشاد کی تعمیل کی اور ایک
اعلیٰ درجہ کی ہلکی فوج بماتحتی میجر کننگ کوٹرا روانہ کردی جو ہوشنگ آباد
کے مغرب میں تقریباً ۵۰ میل کے فاصلہ پر ہے اور اس طرح بھوپال
کے شرقی علاقہ سے لیکر ریاست دھار کے مغرب تک مالوہ کی جنوبی
سرحد کی حفاظت کے انتظامات کی تکمیل ہوگئی۔
لٹیرے اگرچہ مغلوب ہوگئے تھے لیکن اب بھی وہ مالوہ میں منتشر

(۲۱۱)

طور پر موجود تھے اور ان کے دل میں توقعات موجود تھیں۔ گزشتہ تبدیلیوں نے بہت سے لوگوں میں بے اطمینانی پیدا کر دی تھی۔ سندھیا کے متعلق یہ اطمینان نہیں تھا کہ وہ کیا حکمت عملی اختیار کرے گا اور ہمیں اس بات کا علم تھا کہ اس کے بہت سے صوبیدار اور اس کے اور ہلکر کی ریاست کے سب مرہٹہ افسران ہمارے مخالف تھے اس لئے اس بات کی اشد ضرورت تھی کہ پیشوا کو اس ملک میں داخل ہونے سے باز رکھا جائے چونکہ اس کی موجودگی سے آتش حسد اور جنگ کا بھڑکنا یقینی امر ہے۔ بریگیڈیر جنرل میلکم کو یہ اطلاع ملی کہ پیشوا کے وکیل یا نمائندے صلح کی درخواست لیکر ہمارے پاس آ رہے ہیں اور ہمارے کیمپ سے دو منزل پر ہیں۔ اس نے ہدایت کر دی کہ وکیلوں کو آنے دیا جائے چنانچہ انند راؤ جسونت مع ۲ اور وکیلوں کے باجی راؤ کا خط لیکر بریگیڈیر جنرل میلکم کے کیمپ میں ۱۶ مئی کو بوقت شب بمقام مئو پہنچ گئے۔ پیشوا نے اس خط میں صلح کے لئے اپنی خواہش ظاہر کی تھی اور جنرل میلکم سے (جس کو اس نے اپنا نہایت قدیم اور بہترین دوست بتایا تھا) بالخصوص یہ درخواست کی تھی کہ آپ حکومت برطانیہ کے ساتھ میری از سر نو دوستی قائم کرانے کو اپنے ذمے لیجئے۔ بریگیڈیر جنرل نے ان وکلاء سے دو گھنٹے تک کی ملاقات کی جس میں وکلاء نے عرض کیا کہ پیشوا بذات خود لڑائی کے ہمیشہ سے مخالف ہیں[1] اور حتی الامکان اس امر پر بہت زور دیا کہ آپ باجی راؤ کی درخواست اس کے کیمپ میں ملاقات کے لئے جا کر قبول فرما لیں۔ بریگیڈیر جنرل نے اس درخواست کے قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا کیونکہ آپ کو یہ خیال ہوا کہ اول تو اس حرکت سے یہ گمان ہوگا کہ ہم صلح کے خواہاں ہیں جس کا نتیجہ خراب ہوگا اور دوسرے یہ کہ

(۲۱۲)

[1] اس بات پر وکلاء نے استقدر زور دیا کہ باجی راؤ کو بزدل بتایا اور کہا کہ انگریزوں سے جنگ کرنے کی وہ اپنی بزدلی کے باعث جرأت نہیں کر سکتا ہے۔

اگر صلح کی گفتگو بے سود ثابت ہوئی تو پھر میں اپنی فوج کو وہ احکام دے سکونگا جو باجی راؤ کو ڈرا دھمکا کر اطاعت قبول کرنے پر آمادہ کرنے یا اسکی فوج کا تعاقب کرکے شکست دینے کے لئے لازمی اور ضروری ہیں لیکن یہ ظاہر کرنیکے لئے کہ ہم پیشوا کے جذبات کی قدر کرتے ہیں اور اس کی درخواست پر توجہ کرنیکے لئے آمادہ ہیں اور اس کی فوج کی حقیقی حالت کے متعلق معلومات بہم پہنچانیکی غرض سے اس نے اپنے اول اسسٹنٹ لفٹننٹ لو کو اور اپنے دوم پولٹیکل اسسٹنٹ لفٹنٹ میکڈانلڈ کو پیشوا کے کیمپ میں بھیجنے کا تہیہ کر لیا۔ اس نے وکیلوں سے صاف صاف کہدیا کہ آپ کے آقا کو اپنی گدی سے دست بردار ہونے اور دکن چھوڑنے کے لئے تیار ہو جانا چاہئے کیونکہ جو کچھ واقع ہو چکا ہے اس کے اور بالخصوص اس اعلان کے بعد (جس کی رو سے ہم نے اس کی ریاست پر قبضہ کیا ہے) اب یہ بات انگریزی حکومت کے اختیار سے باہر ہے کہ وہ اپنی اس کارروائی کو کالعدم کردے جو ہندوستان میں امن قایم کرنے کے لئے لازمی اور ضروری ہے۔ برگیڈیر جنرل نے پیشوا کو تحریر کیا کہ میں نے آپ کے وکیلوں کو مفصل اطلاع دیدی ہے اور میں آپ سے استدعا کرتا ہوں کہ اگر فی الحقیقت آپ دل سے صلح کے متمنی ہیں تو آپ لفٹننٹ لو کے ہمراہ اپنے چند خاص معتمد لیکر دریائے نربدا کی طرف تشریف لائے اور آپ کی تشریف آوری پر میں تن تنہا آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا اور ان شرائط کی بابت آپ سے مفصل گفتگو کرونگا جو حکومت برطانیہ آپ کے واسطے منظور کر سکتی ہے۔

لفٹننٹ لو کے بھیجنے سے یہ غرض تھی کہ پیشوا کی اصل حالت اور اس کے قول و قرار کی صداقت کا اندازہ کیا جائے اور پیشوا کو برگیڈیر جنرل میلکم سے جلد ملاقات کرنے پر آمادہ کیا جائے اور اس افسر کو یہ ہدایت کر دی گئی تھی کہ وہ نہایت وضاحت کے ساتھ ان شرائط کو باجی راؤ کے گوش گذار کردے جن پر صلح کی گفتگو کرنے کے لئے برگیڈیر جنرل آمادہ ہو سکتے ہیں ان میں اول شرط یہ ہے کہ باجی راؤ اپنی گدی سے دست بردار

ہو جائے دوسرے یہ کہ اُسے دکن میں رہنے کی اجازت نہیں دیجائے گی اور پیشوا سے کہدیا جائے کہ ہم امید کرتے ہیں کہ آپ اپنی صدق دلی کے ثبوت کے لئے (اگر ایسا کرنے کی آپ میں قوت ہو) ترمبک جی ڈنگلیا اور کپتان دگھم اور ان کے بھائی کے قاتلوں کو ہمارے حوالے کردیں چونکہ یہ دونوں افسران تیلی گامؔ میں نہایت سفاکی کے ساتھ قتل کردئے گئے تھے لفٹننٹ لو وکلاء کے ہمراہ ۱۸ مئی کو روانہ ہوگیا وہ منڈلیسر ہوکر اٹلے گیا تاکہ اُسے وہاں کی بٹالین زیر کمان لفٹننٹ کرنل اسمتھ میں سے ایک مختصر فوجی دستہ اپنے ہمراہ لیجانے کا موقع مل جائے۔

بریگیڈیر جنرل میلکم کو ۱۸ تاریخ کو بوقت شب اپا صاحب (سابق راجہ ناگپور) کی قیدخانہ سے فرار ہونے کی اطلاع ملی اور اس نے یہ سوچکر کہ مبادا اس واقعہ سے پیشوا کے ارادہ میں کچھ تبدیلی پیدا ہوجائے لفٹننٹ لو کو حکم دیا کہ تم پیشوا کے وکیلوں کو ایک یا ۲ مقامی ایجنٹوں کے ساتھ پیشتر روانہ کردو اور تم انکے کیمپ کو اس وقت جانا جب وکلاء فوراً واپس آکر تمھیں اپنے آقا کی طرف سے طلب کریں اور لفٹننٹ کرنل اسمتھ کو اپنی بٹالین اور چند ہندوستانی سوار لیکر دریائے نربدا عبور کرنیکا حکم دیاگیا اور لفٹننٹ لو کو یہ ہدایت کی گئی کہ معدودے چند آدمی اپنے ساتھ لیجانے کی بجائے اس فوج کو اپنے ہمراہ لیجاؤ اور چھوٹی چھوٹی منزلیں طے کرتے ہوئے کوچ کرنا۔ اس تبدیلی سے یہ غرض تھی کہ اگر باجی راؤ میدان جنگ میں اپنی تقدیر کا فیصلہ کرنے کا دوبارہ تہیہ کرے تو لفٹننٹ کرنل اسمتھ، بریگیڈیر جنرل ڈوئن اور لفٹننٹ کرنل رسل سے مل کر اس کا تعاقب اور خاتمہ کرسکیں۔ اس اثناء میں بریگیڈیر جنرل میلکم نے باجی راؤ کو مالوہ میں داخل ہونے سے باز رکھنے کے لئے چند فوجی انتظامات کی تکمیل کی اور خود مختصر سی فوج لیکر منڈلیسر کو روانہ ہوگیا جہاں پر وہ ۲۲ مئی کو پہونچ گیا۔

۲۱۴

لہ تیلی گام پونا سے ۱۵ میل پر ایک گاؤں ہے۔

سر جان میلکم نے تجویز کیا کہ باجی راؤ کی پیش قدمی کرنے کی صورت میں مجھے منڈلیسر کے نزدیک قیام کرنا چاہئے اور میری دیگر فوجیں (بجز کرنل اسمتھ کی افواج کے) اپنے اپنے مقام پر رہیں لیکن دکلاء کی آمد میں تاخیر ہونے اور پیشوا کی ٹال مٹول سے اسے یقین ہو گیا کہ یہ راہ ترک کر دینی چاہئے۔ اُسے یہ اطلاع ملی کہ بریگیڈیر جنرل ڈوؤن ایک زبردست فوج لیکر برہان پور آ گئے ہیں جو باجی راؤ سے ۱۲ میل کے فاصلے پر ہے اور باجی راؤ بہت خوف زدہ ہو گیا ہے اور حسب توقع تیزی کے ساتھ پیش قدمی کرنے کے بجائے وہ اس لئے صرف چند میل آگے بڑھا ہے کہ صوبیدار سید حسین[۱] (سر جان کا ہندوستانی ایڈیکانگ) کو بریگیڈیر جنرل ڈوؤن کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کرنے پر آمادہ کرے اور جنرل ڈوؤن سے درخواست کی جائے کہ اگر پیشوا، بریگیڈیر جنرل میلکم کی جانب پیش قدمی کرے تو آپ پیشوا پر حملہ کرنے سے اجتناب کریں۔ ان واقعات نے آخرالذکر افسر کو پیش قدمی کرنے پر آمادہ کر دیا اور اس نے لفٹنٹ کرنل کو چرواہ Charwah سے (جہاں پر وہ پیشتر مقیم تھا) بورگام جانے کی ہدایت کی جس کا یہ مطلب تھا کہ اس بات کی نگرانی کی جائے کہ باجی راؤ شمال مغرب کی طرف بچکر نکل جانے کا ارادہ نہ کر سکے۔

سر جان میلکم تیز روی سے کوچ کر کے ۲۷ مئی کو علی الصباح بیکن گاؤں پہونچ گئے۔ باجی راؤ کے وکیل اس سے ایک روز قبل آ گئے تھے جو پہلے سے بھیجے گئے تھے اور جو اپنے آقا کی صدق دلی کا پیام لیکر واپس آئے تھے اور کہتے تھے کہ ہمارے آقا جناب لفٹنٹ لو صاحب کی اپنے کیمپ میں آمد کے بیحد شائق ہیں۔ بریگیڈیر جنرل نے اس افسر کو ہدایت کی کہ اس کی فوراً تعمیل کی جائے اور جو کچھ پیشتر کیا گیا تھا اس کا اعادہ کرنے کے بعد وکیلوں سے فرمایا کہ آپ میری کارروائی سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ اب تاخیر کرنے کا وقت نہیں اور ایک سچے دوست کی حیثیت سے میں باجی راؤ کو متنبہ کرتا ہوں کہ وہ اپنی ایک مستقل رائے قایم کر لیں وہ یہ ہے کہ یا تو جنگ بدستور جاری رکھی جائے یا وہ اپنے کو حکومت پر طلب

۲۱۵

[۱] یہ بہادر اور سمجھدار ہندوستانی افسر اب مدراس کے باڈی گارڈ کا صوبیدار میجر ہے۔

کے رحم وانصاف پر چھوڑ دیں چونکہ آپ کی حالت موجودہ یہ ہے کہ اگر آپ کوئی درمیانی راستہ اختیار کریں گے تو اس میں آپ بالکل تباہ و برباد ہو جائیں گے۔

لفٹننٹ لو ۲۹ مئی کو باجی راؤ کے کیمپ میں پہونچ گیا اور اس کے ساتھ گفتگو کرنے پر اُسے معلوم ہوا کہ باجی راؤ کو اُن شرائط سے بہتر شرائط پر صلح ہو جانے کی امید ہے جو اس کے لئے منظور کی جا سکتی ہیں۔ باجی راؤ کو یقین تھا کہ میرا لقب پیشوا بدستور قایم رہے گا اور مجھے پونا میں قیام کرنیکی اجازت مل جائے گی (اگرچہ اختیارات بہت محدود کر دئے جائیں گے) اُسے بریگیڈیر جنرل میلکم سے مجوزہ ملاقات کرنے میں اپنی جان کی خیر نظر نہ آتی تھی اس لئے اُس نے نہایت عاجزی کے ساتھ عرض کیا کہ جنرل موصوف کی فوجیں دور بھیجدی جائیں لیکن یہ معلوم کر کے کہ وہ اس درخواست کو نامنظور کر دینیکا عزم بالجزم کر چکے ہیں بالآخر باجی راؤ حسب ذیل شرائط پر یکم جون[1] کو کھیری (درہ کھیری سے نصف میل پر) آنے پر راضی ہو گیا

کہ میرے ہمراہ ۲ ہزار آدمی ہونگے۔ اور بریگیڈیر جنرل میلکم اپنے ساتھ ایک مختصر فوجی دستہ لائیں اور اپنی فوج کو ۱۰ میل پر بمقام میٹادل چھوڑ دیں اور باجی راؤ کو اگر وہ خواہش کرے تو اس ملاقات کے بعد اس کے کیمپ میں بحفاظت واپس جانے کی اجازت دی جائے۔

یہ شرطیں قبول کر لی گئیں چنانچہ باجی راؤ مقام مقررہ پر بوقت ۵ بجے شام اپنے خیمہ میں پہونچ گیا اس کے ذری دیر بعد بریگیڈیر جنرل میلکم اپنے ہمراہ چند افسران اور سپاہیوں کی ۲ کمپنیوں کا ایک دستہ لیکر آ پہونچے۔ کھلے دربار میں اس جماعت کا خیر مقدم ہوا۔ اولاً رسمی علیک سلیک اور مزاج پرسی ہوئی اس کے چند منٹ بعد باجی راؤ نے بریگیڈیر جنرل میلکم سے درخواست کی کہ آپ میرے ساتھ دوسرے خیمے میں تشریف لے چلئے

(۲۱۶)

---

[1] اولاً اس ملاقات کی تاریخ ۳۱ مئی قرار پائی تھی لیکن پھر باہمی رضامندی سے ملتوی کر دی گئی۔

یہ جلسہ دو تین گھنٹے تک رہا جس میں باجی راؤ نے اپنی مصیبتوں اور حالت زار کی تفصیل بیان کی اور اپنی قدیم دوستی یاد دلا کر سر جان میلکم کو ترس دلانے کے لئے اپنی ساری فصیح البیانی صرف کر دی چنانچہ باجی راؤ نے عرض کیا کہ "میرے تین قدیم اور بہترین دوستوں میں سے اب آپ ہی باقی رہ گئے ہیں۔ کرنل کلوز کا انتقال ہو گیا اور جنرل ویلزلی غیر ملک میں دور دراز فاصلے پہ ہیں۔ میرے خوشامدی فرار ہو گئے اور پرانے خیر خواہ بھی میرا ساتھ چھوڑتے جاتے ہیں اب اس مصیبت اور پریشانی کے عالم میں مجھے اپنے ایک قدیم دوست کا سہارا باقی ہے مجھے یقین کامل ہے کہ آپ کی ذات والاصفات مخزن اوصاف ہے اور اسی لئے اپنی پریشانی کی اہمیت کا لحاظ کر کے میں نے آپ سے ملاقات کرنے کا قصد کیا ہے۔" اس کے جواب میں سر جان میلکم نے نہایت مدلل طور پر وہ شرائط خود بیان کیں (جو وہ سرداروں کی معرفت پیش کر چکے تھے) اور فرمایا کہ آپ کی بہتری اور آپ کی دانشمندی اسی میں ہے کہ ان شرائط کو آپ قبول کر لیں اس کے بعد فرمایا کہ حکومت برطانیہ کی اس شرط میں کہ آپ بادشاہت کے جملہ حقوق اور دعاوی سے دست بردار ہو جائیں چون و چرا کی مطلق گنجائش نہیں ہے اور آپ کے ایک مخلص دوست سے یہ بہت بعید ہے کہ وہ آپ کو ایسی توقعات دلائے جو کبھی پوری نہیں ہو سکتی ہیں اور پھر بریگیڈیر جنرل میلکم نے ارشاد کیا کہ "باجی راؤ کی زندگی میں یہ ایسا نازک وقت ہے جبکہ وہ اس درجہ پر قناعت کر کے جہاں تک کہ وہ جا پہونچا ہے یہ ثابت کر دکھائے کہ اس میں اعلیٰ درجہ کے اوصاف اور جسارت موجود ہے" اور آخر میں اس سے صاف صاف کہدیا کہ اس میں مزید تاخیر کی گنجائش نہیں ہے اس جلسہ کی مفصل کیفیت یہاں پر نہیں بیان کی جا سکتی ہے البتہ صرف اسقدر بتا دینا کافی ہے کہ ہر ایک مسئلہ پر خوب بحث ہوئی اور باجی راؤ کی اس درخواست کے بعد جلسہ برخاست ہو گیا کہ ہم کل پھر ملاقات کریں گے۔ بریگیڈیر جنرل میلکم نے اس بات کو نامنظور کیا چونکہ آپ نے یہ سمجھا کہ پیشوا کی باتوں سے

معلوم ہوتا ہے کہ ہماری اطاعت قبول کرنے کے لئے ابھی اس نے پورا تہیّہ نہیں کیا ہے اس وجہ اور اس واقعہ کے پیش آنے سے کہ اس نے ایک روز قبل اپنا سارا سامان اسیر گڈھ کو بھیجدیا تھا بریگیڈیر جنرل نے یہ رائے قایم کرلی کہ اس معاملے کو ختم کرنے میں ایک منٹ بھی ضائع نہ ہونا چاہئے
بریگیڈیر جنرل میلکم بوقت ۱۰ بجے شب اپنے خیمہ میں واپس آگئے۔ اگرچہ پیشوا کو اطمینان دلانے کی بہت کوشش کی گئی لیکن اُسے حملہ ہونے کا اسقدر خوف لگا ہوا تھا کہ وہ فوراً گھاٹ پر چڑھ گیا جہاں پر کہ اس کی حفاظت کے لئے چند توپیں نصب تھیں۔

اس کے بعد فوراً بریگیڈیر جنرل میلکم نے حسب ذیل شرائط کا مسوّدہ اپنے دستخط ثبت کرکے باجی راؤ کی خدمت میں روانہ کردیا۔

اول یہ کہ باجی راؤ پیشوا اپنی اور اپنے جانشینوں کی طرف سے پونا اور دیگر مقامات کی بادشاہت کے جملہ حقوق و دعاوی سے دست بردار ہو جائے گا۔

دوسرے یہ کہ باجی راؤ فوراً مع اپنے اہل و عیال۔ ہواخواہوں اور ملازموں کے بریگیڈیر جنرل میلکم کے خیمہ میں حاضر ہوگا جہاں پر کہ اعزاز اور احترام کے ساتھ اس کا استقبال کیا جائے گا اور پھر وہ پوری حفاظت کے ساتھ بنارس یا ہندوستان کے کسی اور مقدس مقام کو بھیجدیا جائے گا جو اس کی درخواست پر گورنر جنرل بہادر اسکی سکونت کے لئے مقرر فرمائیں گے
تیسرے یہ کہ دکن میں صلح ہوجانے اور موسم کی حالت کے باعث باجی راؤ کو ہندوستان جانے میں ایک دن کی بھی تاخیر نہ کرنی چاہئے اور جنرل میلکم اس بات کا وعدہ کرتے ہیں کہ اگر پیشوا کے خاندان کے کچھ افراد پیچھے رہ جائیں تو وہ بہت جلد اس کے پاس بھیجدئے جائیں گے اور ان کے سفر میں تعمیل

۲۱۸

[1] اس دوران میں جسونت راؤ بھاؤ صوبیدار اسیر گڈھ نے پیشوا کو ہر طرح کی مدد دی اور اسکی طرف داری میں بڑی سرگرمی ظاہر کی۔

ہونے اور آسائش ملنے میں آسانیاں بہم پہونچائی جائیں گی چوتھے یہ کہ اگر پیشوا اس معاہدہ کو بخوشی منظور کرے گا تو اس کے اور اس کے اہل عیال کے گذارہ کے واسطے کمپنی کی حکومت معقول وظیفہ مقرر کردے گی۔

پانچویں یہ کہ اگر باجی راؤ اس معاہدہ کو فوراً قبول کرلیگا تو اس کے خاص خاص جاگیرداروں اور وفاداروں کے متعلق جو اسکی فرماں برداری کے باعث تباہ ہوگئے ہیں اس کے معروضات پر خاص توجہ کی جائے گی۔ جو واجب الاحترام برہمن یا مذہبی شعبے اس کے یہاں سے امداد پاتے تھے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے گا۔

چھٹے یہ کہ باجی راؤ مرقومۂ بالا شرائط کو صرف منظور ہی نہ کرے بلکہ چوبیس گھنٹے کے اندر بریگیڈیر جنرل میلکم کے خیمہ میں بنفس نفیس حاضر ہو ورنہ جنگ پھر شروع کردی جائے گی اور پھر اس سے مصالحت کی کوئی گفتگو نہ کیجائیگی۔

یہ شرائط یکم جون کو علی الصباح باجی راؤ کی خدمت میں اس پیام کے ساتھ بھیجدی گئیں کہ اس میں ایک لفظ بھی ترمیم نہ ہوگا اور نہ کچھ مہلت دی جائے گی۔

چونکہ قطعی فیصلہ کے لئے باجی راؤ کو صرف ۲۴ گھنٹے کی مہلت دیگئی تھی اس لئے ان شرائط کو نامنظور کرنے کی صورت میں اور اس میعاد کے ختم ہونے پر حملہ کرنے کا پورا انتظام کرلیا گیا۔

یہ دن (۲ر جون) پیشوا اور اس کے معتمد خاص کے پاس سے قاصدوں کی مسلسل آمد و شد میں گذر گیا۔ آخرالذکر کو اس نازک وقت میں اپنے حقوق کی فکر دامن گیر ہوئی اور سرجان میلکم نے ان سے ارشاد فرمایا کہ آپ ہمارے حصول مقصد یعنی پیشوا کی اطاعت قبول کرنے اور جنگ ختم کرانے کے لئے کوشش فرمائے تو ہم بھی آپ کے حقوق کی حفاظت کی طرف توجہ کریں گے۔

بریگیڈیر جنرل میلکم نے اپنے ایک مراسلے میں جو ۴ر جون کو مسٹر سکریٹری ایڈم کے نام لکھا گیا اس وقت کی حالت تحریر فرمائی ہے جس میں

باجی راؤ کی اطاعت قبول کرنے کی کیفیت بالفاظ ذیل درج ہے "جو بھیدیاں
واقع ہوئیں ان سب کی تفصیل بتانے کو تو ایک دفتر چاہیئے مجھے اپنی ساری
عمر میں ایسا منظر نہیں دکھائی دیا ہے جس میں ہندوستانی کیرکٹر کا ہر ایک
پہلو اس سے زیادہ زبردست طریقہ پر نمایاں ہوا ہو۔ ونکور جاگیردار سردار
پورندر اور منیجر خاندان گوکلا کا یہ خیال نہایت شریفانہ تھا کہ اگرچہ وہ مایوس
ہوگئے تھے اور میرے دلائل و براہین سے انھیں اس کا یقین کامل ہوگیا
تھا کہ باجی راؤ کو بجز اطاعت قبول کرنے کے اور کوئی چارۂ کار نہیں
لیکن انھوں نے بڑی احتیاط کے ساتھ یہ امر میرے ذہن نشین کر دیا۔
(جب میں نے انھیں مطلع کردیا کہ اس معاملہ کی تکمیل میں آپ اپنے اثر
سے جس قدر کام لیں گے اس کی کامیابی ہی پر آپ کے حقوق کا انحصار
ہوگا) کہ ہم انھیں سمجھانے اور راضی کرنے کی پوری کوشش کریں گے
لیکن کسی قسم کی سختی یا زیادتی ہرگز گوارا نہیں کرسکتے میں نے ان سے
کہدیا کہ ہم آپ سے اس کے خواہاں نہیں ہیں اور میں آپ کے وفادارانہ
خیال کی قدر کرتا ہوں اور اب وہ وقت آپہونچا ہے جبکہ آپ کی اور پیشوا
کی خیر اسی میں ہے کہ اس تباہ کن اور فضول جھگڑے کا خاتمہ کر دیا جائے
اور اگر آپ کی متحمل مزاجی ان نالائق اور بدمعاش لوگوں کے مشوروں کو
پیشوا کی تباہی کی تکمیل کرنے دے گی جنھوں نے باجی راؤ کو اس حالت
پر پہونچا دیا ہے تو آپ کی احتیاط کے معنی آپ کی کمزوری کے ہوں گے
اور پھر آپ نہ تو پیشوا سے شکر گزار ہونے کی اور نہ ہم سے کسی صلہ پانے کی

۲۲۰

[1] سردار ونکور کے وکیل نے بیان کیا کہ میرے آقا کا خاندان ۵ پشت سے پیشوا کی
خدمت گزاری کر رہا ہے اور وہ ہمیشہ پیشوا اور اس کے اجداد سے نہایت بے باکی سے
بات چیت کرتے تھے لیکن اب چونکہ اس کا بخت الٹ گیا ہے اس لئے ہمیں سکوت
اختیار کرنا چاہیئے اس کی فضول بکواس اور لعنت ملامت کا ہم نے کوئی جواب نہیں دیا
ہے اور نہ دینا چاہیئے۔

امید کر سکیں گے اور بالآخر میں نے اُن سے صاف صاف کہدیا کہ تا وقتیکہ باجی راؤ کل میرے کیمپ میں نہ آجائیں میں آپ کی کوئی بات سننا نہیں چاہتا ہوں۔ معزول راجہ کے وفادار ملازم کی حیثیت سے ان کی کچھ حقیقت نہ تھی اور وہ نہ تو اپنے کو اور نہ اپنے آقا کو مکمل تباہی سے کسی طرح بچا سکتے تھے لیکن ایک لمحہ بھر کے لئے انھیں اہمیت حاصل تھی جو اگر ضائع ہو جاتا تو پھر واپس نہ آسکتا تھا۔ ۲ہر تاریخ کو بوقت ۱۱ بجے شب جبکہ سردار ونکو اور اباپورندرے کے وکیل مجھ سے رخصت ہو کر جانے لگے تو میں نے ان سے کہا کہ میرے متاول پہنچنے سے ایک روز پیشتر باجی راؤ نے اپنا قیمتی ساز و سامان اسیرگڈھ بھیجدیا تھا اور ہماری بات پر بھروسہ کرنے کا یہ ثبوت نہیں ہے مجھے اطلاع ملی ہے کہ اس سے اُس کی غرض وہاں پناہ لینے کی ہے اگر وہ یہ حرکت کرے گا تو یہ اسکی آخری منزل ہوگی اور اگر آپ اُسے یہ روش اختیار کرنے کی اجازت دیں گے تو آپ اس مصیبت کے ذمہ دار ہونگے جو اس کے باعث آپ پر اور آپ کے خاندان پر نازل ہوگی جب یہ وکیل میرے خیمے سے چلے گئے تو میں نے اپنے محرر سے کہا کہ تم اپنے طور پر چپکے سے میرے خط کی ایک نقل ان وکیلوں کو دیدو جو میں نے کل باجی راؤ کے نام تحریر کیا تھا اور جس میں اس کی منظوری کے لئے میری شرطیں درج ہیں۔ میرے محرر نے مجھ سے کہا کہ انھوں نے ان شرائط کو نہایت شوق سے پڑھا اور یہ معلوم کر کے کہ اس معاملے کے طے ہو جانے پر ان کے خدمات کا لحاظ رکھا جائے گا ان کو بیحد مسرت حاصل ہوئی۔ ان وکیلوں کو رخصت کر دینے کے بعد میں نے باجی راؤ کے اس وکیل کو بلوایا جس کو میں نے متاول پہنچ کر طلب کیا تھا اور ڈاک بیٹھ ہونے اور ہر طرف ہرکارے روانہ کرنے کے احکام جاری کر دئے تاکہ میری نقل و حرکت اور حملہ اور دھوکے کی بابتہ باجی راؤ کے شکوک اور خدشے رفع ہو جائیں کیونکہ شروع ہی سے مجھے اس کی انتہائی بزدلی کے باعث ناکامی کا کھٹکا تھا۔ میں نے اس شخص سے کہا کہ تم میرے کیمپ میں نہیں ٹھہر سکتے تم فوراً چلے جاؤ لیکن اپنے

(۲۲۱)

آقا کو تحریری یا زبانی اطلاع دیدو کہ میلکم صاحب کل ۶ بجے صبح سے قبل کوچ نہیں کریں گے۔ میں اپنی فوج کھیری کے قریب بھجدوں گا اور باجی راؤ کو اگر میری شرطیں منظور ہوں تو وہ ۲ بجے تک پہاڑ سے اتر کر میری فوج کے نزدیک خیمہ زن ہو جائیں اور میں نے اس سے کہدیا کہ تم باجی راؤ کو مطلع کردو کہ کرنل رسل ٹرمبک جی کے آدمیوں پر حملہ کرنے کے واسطے بور گام گئے ہیں اور میں نے کرنل موصوف پر باجی راؤ کی یہ خواہش ظاہر کردی ہے کہ وہ ڈاکو تباہ کردیا جائے اور اس پر کل ضرور حملہ ہو جائے گا۔

میں نے نامہ و پیام میں سہولت پیدا کرنے کی غرض سے اپنے اول نائب لفٹننٹ لو کو چند میل آگے ماسور کردیا تھا اس کی زبانی ابھی معلوم ہوا ہے کہ جو قاصد خط اور شرائط دیکر بھیجے گئے تھے وہ واپس آگئے اور بیان کیا کہ باجی راؤ شرائط قبول کرنے پر آمادہ ہے لیکن وہ نہایت شش و پنج میں ہے اور ایک دن کی مہلت مل جانے کا خواستگار ہے اور کہتا ہے کہ کل کا دن یعنی ۳ جون میرے لئے بڑا منحوس دن ہوگا اور ہمارے خیمہ میں آنے سے پیشتر اسے چند ضروری مذہبی رسوم ادا کرنی ہیں۔ میں اس حرکت پر بہت خفا ہوا اور لفٹننٹ لو سے کہدیا کہ اگر باجی راؤ کے کیمپ سے کوئی شخص تمہارے پاس آئے تو اس کو نہ صرف واپس کردینا بلکہ اس کی طرف سے اپنی پشت پھیر لینا اور میں نے اسی وقت سواروں کو حکم دیا کہ ہمارے کیمپ میں آنے والی سڑکوں پر قبضہ کرلو تاکہ کوئی قاصد ادھر نہ آنے پائے۔ ۳ تاریخ کو بوقت ۲ بجے دن میں نے یہ کارروائی ایسے علانیہ طور پر کی کہ مجھے یقین ہوگیا کہ اس کی خبر باجی راؤ کو مختلف ذرائع سے مل جائے گی۔ اس کے بعد میں ۶ بجے روانہ ہوگیا اور اس مقام پر[1] ۹ بجے پہنچ گیا۔

اس کے ذری دیر بعد اننت راؤ جسونت گھبرایا ہوا میرے پاس آیا (۲۲۲)

---

[1] متصل کھیری۔

اور میں نے اُس سے کہا کہ آپ کی صداقت کے وعدے کہاں گئے اور اُسے واپس جانے کا حکم دیدیا۔ اسپر اس نے کہا کہ یہ بہت منحوس دن ہے۔ میں نے جواب دیا کہ اگر آپکا آقا نہ آئے گا تو یہ دن اُس کے حق میں نہایت منحوس ثابت ہوگا۔ میں نے کہا کہ میں تو باجی راؤ پر ہر طرح کی مہربانی کرنا چاہتا ہوں لیکن وہ مجھے اس قسم کی زیادتیاں کرنے پر مجبور کرتا ہے اور اس کے رویہ سے ہم اس تجویز پر عمل کرنے سے قاصر ہیں جس سے سراسر اس کا اور اس کے وابستگان کا فائدہ مدنظر ہے اس نے عرض کیا کہ باجی راؤ اسوقت نہایت خوفزدہ ہیں اس لیئے آپ انھیں اطمینان دلانے کے لیئے ایک آدمی بھیجدیجئے میں نے دریافت کیا کہ وہ کس بات سے خائف ہیں کیا ہماری شرائط سے ؟۔

اس نے جواب دیا کہ آپ کی شرطیں تو وہ قبول کرلیں گے۔ میں نے غصہ ہو کر دریافت کیا کہ کیا وہ مجھ پر دغابازی کا شبہ کرتے ہیں ؟ اس نے کہا ہرگز نہیں لیکن ممکن ہے کہ گورنر جنرل بہادر آپ کو مجبور کریں کہ ان پر سنتری اور پہرہ دار لگادیں اور اس سے ان کی ہمیشہ کے لیئے ذلت اور رسوائی ہو جائے۔ میں نے جواب دیا کہ آپ جائیے اور باجی راؤ سے کہدیجئے کہ اس قسم کے احکام میرے پاس نہیں آئے ہیں اور میں نے بامید منظوری گورنر جنرل بہادر جو فیصلہ کرنے کا تہیہ کرلیا ہے وہ نہایت فیاضانہ ہے اور میرے خیال میں یہ ناممکن ہے کہ باجی راؤ جیسی حیثیت کا شخص اس سے گریز کرنے کا قصد کرے گا اور اگر وہ ایسی جسارت کریگا تو اپنے آیندہ جملہ حقوق سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ اور حکومت برطانیہ اسکے حقوق کے خیال سے نہیں بلکہ اپنی سیرچشمی سے معقول وظیفہ دیگا اور اس میں پھر اضافہ کرنا چاہتی تھی اس طرح وہ اس صرفۂ کثیر سے بچ جائے گی۔ انند راؤ اس جواب سے بہت خوش ہوا اور فوراً روانہ ہوگیا تاکہ اس سے یہ بھی کہدے کہ میرے کیمپ کے قریبی مقام پر اس کے ہمراہ صرف مرہٹہ سرداروں کو آنا چاہیئے چنانچہ اس کی تعمیل ہوگئی اور پھر رام دین گوسائیں ایک

پلٹن کے اگلی صف میں خیمہ زن ہونیکا حکم دیدیا گیا اسمیں چند توپوں کے چلنے سے (غالباً بریگیڈیر جنرل ڈوئن نے ترمبک جی پر حملہ کیا تھا) کوچ میں (۲۲۳) کچھ عجلت نہ ہوئی اور باجی راؤ بوقت ۱۱ بجے میرے خیمے کے نزدیک آگیا لفٹننٹ لو اس سے ملاقات کرنے گیا اور اس نے باجی راؤ کو ہشاش بشاش پایا۔ شام کے وقت میں بھی اس سے ملنے کو جانے والا تھا مگر نہایت سخت آندھی کے باعث نہ جا سکا۔

باجی راؤ کے ہمراہ جو فوج بریگیڈیر جنرل میلکم کے کیمپ تک آئی تھی اس میں ۴-۵ ہزار سوار اور ۳ ہزار پیدل سپاہی تھے جن میں ۱۲۰۰ عرب تھے اور پہاڑی راستوں کی نگرانی کے لئے جو فوج پیچھے چھوڑ دی گئی تھی اس کے آجانے سے دو روز بعد عربوں کی تعداد ۲ ہزار ہوگئی۔ سر جان میلکم نے گورنر جنرل بہادر کو تحریر کیا کہ "معزول راجہ اور اس کے ہمراہیوں سے اگر سخت کلامی کی بھی نوبت آجائے گی تب بھی میرے استقلال میں کچھ فرق نہ آئے گا"

چونکہ مجھے اپنے تجربہ سے معلوم ہوگیا ہے کہ رفتہ رفتہ یہ فوج کم ہوجائیگی اور مجھے اس بات کا بھی علم ہے کہ اس فوج کو متحدہ کارروائی کرنے کے ذرائع میسر نہیں ہیں باجی راؤ سر جان میلکم کی فوج کے ہمراہ نربدا کی جانب کئی منزل تک گیا اور اس دوران میں اس کے سوائے کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا کہ اسکے کچھ ہمراہی یہ کہکر اسکا ساتھ چھوڑ گئے کہ اب ہم دکن میں اپنے وطن کو جاتے ہیں سر جان میلکم کے دوستانہ مشورہ کے بعد بھی بہت سے ہمراہی باجی راؤ کے ساتھ رہے سر جان میلکم نے فرمایا کہ اسقدر مسلح آدمی رکھنا محض فضول ہے جن میں سے اکثر اپنی موجودہ حالت سے ضرور پریشان

لہ قلعہ سے اس فوج پر فیر ہوا تھا جو اسیر اور باجی راؤ کے درمیان حائل ہونے کے لئے بھیجدی گئی تھی مگر اس فیر سے کسی کے چوٹ نہیں لگی۔

سلہ مراسلہ بنام نواب گورنر جنرل بہادر مورخہ ۱۹ جون ۱۸۱۸ء

اور غیر مطمئن ہوں گے اور عربوں کے متعلق خصوصیت کے ساتھ بتادیا کہ انکی درشت مزاجی اور تند خوئی سے خراب نتائج پیدا ہونے کا احتمال ہے یہ نصیحت مختلف اوقات میں پیشوا اور اس کے ساتھیوں کو کی گئی اور انھوں نے اسکی صداقت کا اقبال تو کیا لیکن اس نصیحت پر بہت کم توجہ کی گئی۔ پیشوا اب بھی اپنی سابق ظاہری شان و شوکت برقرار رکھنا چاہتا تھا۔ وہ اپنی اصلی حالت کا (۲۲۴) اقبال کرنے یا اُسے دوسروں پر ظاہر کرنے سے ڈرتا تھا اور اس کی یہ روش اُس شبہ اور بزدلی سے اور بھی متاثر ہو گئی تھی جو اسکی خصلت میں داخل تھی اور سر جان میلکم اس بات سے بخوبی آگاہ تھا کہ وہ صرف اسی طرح مغلوب کیا جا سکتا ہے کہ ہم اس پر واضح کردیں کہ اگر آپ معاہدہ کی خلاف ورزی کریں گے تو ہمیں کسی قسم کا خدشہ پیش نہ آئے گا اور اگر فی الحقیقت ہم سے دغابازی کا اندیشہ تھا تو اس کے رفع کرنے کا صرف یہی ایک طریقہ تھا۔ اور اگر وہ مکر و فریب سے اپنا کام نکالنا چاہتا تھا تو بے اتفاقی سے اسکی حوصلہ افزائی کرنی نہیں چاہیے تھی کیونکہ پھر اُسے اپنی قوت کا زعم ہو جاتا۔ سر جان میلکم نے یہ خیالات پیش نظر رکھکر باجی راؤ کو اپنی چکنی چپڑی باتوں میں مصروف رکھا اور فرمایا کہ انگریزی فوج سے کچھ فاصلہ پر آپ کو خیمہ زن ہونا چاہیئے اور بحیثیت ایک مخلص دوست کے اُس کو سمجھایا کہ اگر آپ اسقدر فوج اپنے ساتھ رکھیں گے تو یہ فوج ہمیشہ آپ کے لیئے خطرہ کا موجب رہیگی۔ ایک ایسا واقعہ پیش آگیا کہ پیشوا کو ان مشوروں کی قدر محسوس ہوئی اور اس نے اپنے کو بریگیڈیر جنرل کے سپرد کردیا اور واقعہ یہ تھا کہ باجی راؤ نے ٹریمبک جی ونگلیا سے ۲ ہزار عرب مستعار کے لیئے تھے ان عربوں نے اپنی بقایا تنخواہ باجی راؤ سے طلب کی۔ باجی راؤ عربوں کی تنخواہ اس مدت کی ادا کرنے پر تیار تھا جس مدت تک وہ اس کے کیمپ میں رہے تھے لیکن عربوں نے کہا کہ جس روز سے ٹریمبک جی نے ہمیں نوکر رکھا ہے اس دن سے اس وقت تک کی تنخواہ ہمیں ملنی چاہیئے باجی راؤ نے اس کو منظور نہیں کیا اور پھر عربوں نے اس کا خیمہ گھیر لیا اور اسے باہر نکلنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ یہ واقعہ ۹ جون کا ہے جس روز کہ کوچ کا

حکم ہوا تھا اور اس وقت سر جان میلکم کی بہت سی فوج مع کل ساز و سامان کے اگلی منزل کو جا چکی تھی۔ بریگیڈیر جنرل حسب معمول یہ دیکھنے کے لئے پیچھے (۲۲۵) رہ گیا تھا کہ باجی راؤ روانہ ہو گیا یا نہیں اور اس نے اس روز سے اس خیال سے کہ شاید کوئی حادثہ پیش آجائے اپنے پاس ایک پلٹن ۲۰۰ شہسوار قاصد و کپتان پیدل سپاہیوں کی رہنے دی تھی۔ اس بغاوت کی اطلاع ملنے پر اسے اولاً تو یہ خیال پیدا ہوا کہ باجی راؤ اس معاملے کو خود طے کر دیگا لیکن اس کے یکسو ہونے کے انتظار میں سارا دن گذر گیا۔ عرب اپنے مطالبے پر اڑے ہوئے تھے جو ہرگز پورا نہیں کیا جا سکتا تھا اور صورت معاملہ بگڑتی جاتی تھی کیونکہ ان کی مثال نے چند روہیلوں اور اس کے لشکر کے سب سواروں کو بغاوت پر آمادہ کر دیا تھا۔ باجی راؤ کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے تھے۔ اُس نے سر جان میلکم سے امداد طلب کی لیکن مسلسل پیامات بھیجکر یہ استدعا کی کہ آپ اپنا ایک آدمی بھی یہاں نہ بھیجئے گا کیونکہ انگریزی کیمپ میں خفیف سی حرکت ہونے سے یہ لوگ مجھے فوراً مار ڈالیں گے اس حالت میں سر جان میلکم نے اپنی فوج کے اس حصہ کو جو روانہ ہو چکا تھا اسکونی (Seonee) واپس آنے کا حکم دیا اور پھر شام کے وقت باغیوں کے چند سرداروں سے کچھ بات چیت کی یہ لوگ معقول معلوم ہوتے تھے لیکن انھوں نے یہ جواب دیا کہ ہم اپنے آدمیوں کو اپنے قابو میں نہیں رکھ سکتے ہیں اور باجی راؤ سے کہلا بھیجا کہ آپ رات بھر آرام فرمائیے اور میں آپ کو اطمینان دلاتا ہوں کہ کل صبح آپ کو اس خطرے سے بچا لوں گا۔ بریگیڈیر جنرل نے عربوں اور روہیلوں کے پاس پیامات بھیجے اور انھیں تسلی و تشفی دی کیونکہ انھیں اپنے استیصال کا ڈر لگا ہوا تھا اور کہا کہ میں اس بات کی ضمانت کرتا ہوں کہ پیشوا نے تم لوگوں سے جو وعدے کئے ہیں وہ ضرور پورے کئے جائیں گے ان تدابیر سے رات بھر سب لوگ خوش رہے

بریگیڈیر جنرل کو علی الصباح یہ خبر ملی کہ جو سوار آگے چلدئے تھے وہ واپس (۲۲۶) آرہے ہیں اور تھوڑی دور رہ گئے ہیں۔ اس نے باجی راؤ کے کیمپ کا خود معائنہ کیا جو ایک نالے پر نصب کیا گیا تھا جس کے کنارے نہایت ناہموار تھے اور

اس کے گرد و پیش درخت اور جھاڑیاں تھیں جو بے قاعدہ فوج کے لیے نہایت
موزوں تھیں جسے وہ مغلوب کرنا چاہتا تھا۔ اور اس کے مغرب میں ایک
مقام تھا جو نالے سے کسی قدر بلند ہو گیا تھا یہاں پر وسیع اراضی کا ایک قطعہ
مل گیا جس پر سر جان میلکم نے اپنی فوج ٹھہرا دی یہ مقام باجی راؤ کے
کیمپ سے ۳۰۰ گز کے فاصلہ پر تھا۔ اس کے پاس کل ۴۰۰ سوار ۷۰۰
سپاہی ۶ پونڈ والی توپوں کے ۲ بریگیڈ اور ۷۰۰ بے قاعدہ سوار تھے لیکن
اسے اپنی اس مختصر فوج کی شجاعت اور قابلیت پر اس قدر بھروسہ تھا
کہ صورت معاملہ دگرگوں ہو جائے تو بھی فتح مندی ضرور حاصل ہو جائے گی
لیکن وہ حتی الوسع اس سے اجتناب کرنا چاہتا تھا۔ اس نے سواروں کو
دور دور تعینات کیا اور سپاہیوں کی ایک صف بنا دی تاکہ وہ لوگ
خوف زدہ ہو کر اطاعت قبول کر لیں جو ان کے در مقابل تھے یہ وقت نہایت
پریشانی کا تھا کیونکہ باغیوں کو بغیر جنگی کارروائی کے رام کرنا مقصود تھا اور
اگر کوئی جنگی کارروائی کی جاتی تو باجی راؤ کی جان کسی حادثہ یا باغیوں کی زیادتی
سے جاتی رہتی جس کے خیمہ کو وہ گھیرے ہوئے تھے اور عربوں سے اس کا
بہت قوی اندیشہ تھا اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ اس کے اہل و عیال اور
بہت سے دیگر بے پناہ لوگ (جن میں عورتیں اور بچے شامل تھے) مار ڈالے جاتے
باغیوں کو اپنی اس قوت کا بھروسہ تھا جو اس واقعہ سے انھیں حاصل ہو گئی
تھی اور اس وجہ سے وہ کسی ایک متنفس کو بھی کیمپ سے باہر جانے کی
اجازت نہ دیتے تھے بندوقیں بھری گئیں اور دیا سلائیاں روشن کر لی گئیں لیکن
نہایت سخت ہدایت کر دی گئی کہ حکم ملنے تک ہرگز بندوق نہ چلائی جائے
عرب صف کی دائیں طرف بڑھے اور انھوں نے ایک باڑھ ماری جس سے
چند سپاہی زخمی ہو گئے۔ سوار حملہ کرنے کے لیے بیتاب تھے لیکن وہ

(۲۴۷)

۱۔ دیسی رسالہ ۱۲ کے ۲ یا ۳ محافظ سوار زخمی ہو گئے۔ اس رسالہ کا ایک سوار جب
جنرل میلکم کے پاس سے گذرا تو اس نے عرض کیا کہ کیا ہم اپنے سپاہیوں کو مروا ڈالیں

حکم کے پابند رہے اور اموات کی اطلاع ملنے پر بریگیڈیر جنرل نے بذات خود احکام نافذ کئے۔ اس وقت سید زین عرب سردار ہماری فوجی قطار سے خائف ہو کر بات چیت کرنے کو آگے بڑھا۔ سرجان میلکم نے اُسے حکم دیا کہ فوراً آتش باری بند کر دو ورنہ حملہ کر دیا جائے گا اور اسکے بعد ہم تمہاری بات سنیں گے۔ عرب سردار نے اپنا ایک ملازم اس کے بند کرنے کو روانہ کر دیا اور نہایت عاجزی کے ساتھ اس نے سرجان میلکم سے عرض کیا کہ معاملہ طے ہو جانا چاہیئے۔ باجی راؤ نے ہمارے مطالبے کا بڑا جزو ادا کر دیا ہے اب صرف چند خفیف مسائل تصفیہ طلب باقی رہ گئے ہیں اور اگر آپ تحقیقات فرمائیں تو فریقین آپ کے منصفانہ فیصلہ کی پابندی کریں گے سرجان میلکم نے اس کا وعدہ کر لیا اور سید زین فوراً ہی واپس روانہ ہو گیا تاکہ اپنے آدمیوں کو باجی راؤ کے خیمے سے علیحدہ کر دے۔ وہ ناکام واپس آیا مگر اپنے ہمراہ جملہ عرب سرداروں کو لے آیا اور سرجان میلکم سے عرض کیا کہ ان کی یہ خواہش ہے کہ آپ ان میں سے ہر ایک سے یہ وعدہ فرمالیں کہ پیشوا کی مخلصی کے بعد ان پر حملہ نہیں کیا جائے گا۔ سرجان میلکم نے ہر ایک عرب جمعدار کو اطمینان دلایا اور وعدہ کر لیا کہ حملہ نہیں کیا جائے گا اس کے بعد وہ واپس گئے اور فوراً ہی عرب جھنڈے ان کے خیموں کی طرف لہراتے ہوئے نظر آئے۔ تھوڑی دیر بعد باجی راؤ چند سوار اپنے ہمراہ لیکر انگریزی صف کے سامنے آپہنچا۔ بریگیڈیر جنرل میلکم نے اس کی آمد کی خوشی میں سلامی سر کی تاکہ جو واقعہ پیش آیا ہے اس کا اثر باجی راؤ کے دل پر ضرور موجود ہو گا اور اب اُسے معلوم ہو جائے کہ جس ذلت اور خطرہ سے اُسے نجات مل گئی ہے اس میں اور اس (۴۲۸)

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ اور ایک گولی بھی نہ چلائیں۔ جنرل نے جواب دیا کہ "تم اس وقت بندوق چھوڑنا جب میں اجازت دوں ورنہ کمپنی کی شہرت میں بٹہ لگ جائے گا ۲۰ محافظ سواروں کو مر جانے دو" سوار نے نہایت جوشیلے لہجہ میں عرض کیا کہ "جنرل صاحب کمپنی کی ناموری قائم رکھنا آپ ہی کا کام ہے"۔

حفاظت اور شریفانہ سلوک میں کیا فرق ہے جو حکومت برطانیہ پر بھروسہ کرنے سے میسر ہوا ہے اس روز کے واقعات کا نہایت خوش گوار نتیجہ برآمد ہوا۔ باجی راؤ بریگیڈیر جنرل کا بحد مرہون منت تھا اور کہتا تھا کہ میری آبرو اور جان کی سلامتی اسی دوست کے ہاتھ میں ودیعت کی گئی تھی۔ میں نے آخر وقت میں سخت حماقت اور غلطی کی اور اب میں وہی کرونگا جو جنرل میلکم فرمائیں گے اس سے کہدیا گیا کہ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ نربدا کو جانے والی سڑک پر ۱۰ میل چلے جائے اور بریگیڈیر جنرل میلکم باقی ماندہ لوگوں پر پروانہ راہداری دینے اور یہ دیکھنے کے واسطے پیچھے رہ گئے کہ عرب اور روہیلے وغیرہ حسب وعدہ اپنے اپنے گھروں کو واپس جاتے ہیں یا نہیں۔ یہ کارروائی چند ہی گھنٹوں میں بخیر وخوبی انجام کو پہنچ گئی اور باغیوں کے سردار بھی باجی راؤ سے کچھ کم شکر گذار نہ تھے کہ ان کے ساتھ بھی بہت اچھا برتاؤ کیا گیا ہے۔ انگریزی فوج کے تحمل اور بردباری کو دیکھکر وہ متحیر ہو گئے تھے اور فی الحقیقت ان کی کارروائی قابل ستایش تھی۔

اس کے بعد سر جان میلکم نے ایک فوجی اعلان نافذ کیا اور انھیں ایسے نازک موقع پر اپنی ماتحت فوج کے رویہ کی بالفاظ ذیل تعریف کی کہ "بریگیڈیر جنرل میلکم اپنی ماتحت فوج کو دریائے نربدا کو دوبارہ عبور کرنے پر مبارکباد دیتے ہیں اور عظیم الشان سیاسی واقعات اور شاندار فوجی خدمات کی بدولت یہ مرحلہ بخیر وخوبی انجام کو پہنچ گیا۔ ہماری اس فوج نے جنگ کے شروع ہی میں اپنی نمایاں شجاعت کا خراج تحسین وصول کیا ہے۔ ہماری فوج والے ایسے علاقوں میں امن وسکون قائم کرنے میں فوراً مصروف ہو گئے جہاں پر بدامنی اور ظلم وستم کا دور دورہ تھا اور انھوں نے اس کام میں اعلیٰ درجہ کے اپنے جملہ سپاہیانہ اوصاف ظاہر کئے ہیں اور انھیں اپنی خوبی قسمت سے گذشتہ جنگ میں خدمات انجام دینے کا موقع مل گیا اور حکومت برطانیہ کے واحد باقی ماندہ دشمن باجی راؤ کے مطیع ہو جانے سے وہ ضرور مطمئن ہو گئے ہوں گے۔ یہ فتح مبین

(۲۲۹)

اس طور پر انجام دی گئی ہے کہ ہم کو ان کی انفرادی شجاعت معلوم کرنے کا موقع نہیں ملا ہے۔ ہم نے اپنے فرض منصبی کے متعلق جس قدر کارروائیاں اور تدابیر سمجھی ہیں اور بالخصوص ۱۰ تاریخ کی کارروائی جس میں باجی راؤ کے کیمپ سے بغاوت دفع کرنا منظور تھا ہم نے ہر ایک تدبیر پر اس خیال سے عمل کیا کہ ہمیں اپنی فوج پر کامل اعتماد اور بھروسہ ہو گیا تھا۔ ضابطہ کی پابندی اور ظاہری صورت سے غدار فوج پر ان کی جو ہیبت طاری ہو گئی تھی اس میں ان کی مستقل مزاجی سے مزید اضافہ ہو گیا جو بے خوف شجاعت کا ایک جزو ہے۔ وہ وقت نہایت نازک تھا جب نمک حرام لوگوں کی ایک جماعت نے ہماری فوج پر بندوق چلائی جسے وہ نہایت آسانی کے ساتھ تباہ کر سکتے تھے لیکن اگر اس کے جواب میں ہماری طرف سے بھی آتش باری کی جاتی تو اس کا نتیجہ برطانیہ کی ناموری کو داغ لگانے والا اور انسانیت کے حق میں تکلیف دہ برآمد ہوتا۔ ہمارے سپاہیوں نے اپنے ساتھیوں کو زخمی ہوتے ہوئے دیکھا مگر وہ خموش رہے۔ انھوں نے صرف احکام کی پابندی کی چنانچہ اس کا نتیجہ حسب مراد حاصل ہو گیا اور اس موقع پر ضابطے کی پابندی کو اس قدر فتح مندی حاصل ہوئی جو شجاعت کی دسترس سے باہر تھی"

اس واقعہ کے بعد باجی راؤ نے اپنی روانگی، اپنے قیام اور فی الحقیقت دیگر ہر ایک معاملے کے متعلق بریگیڈیر جنرل میلکم کے ارشاد کی لفظ بلفظ تعمیل کی اس کے ملازمان کی تعداد گھٹ کر صرف ۶۰۰ سو سوار اور ۲۰۰ سپاہی اس کے پاس رہ گئے اور رفتہ رفتہ وہ اپنی موجودہ حالت پر قانع ہو گیا اور فی الحقیقت اس کے قانع ہونے کے معقول وجوہ تھے۔ مثلاً اس کے لئے گرانقدر گذارہ مقرر کیا گیا جس کی کوئی توقع اسے اپنے عیارانہ طرز عمل سے نہ ہو سکتی تھی لیکن جس خیال سے یہ انتظام کیا گیا تھا اس کا کوئی تعلق باجی راؤ کے ذاتی کیرکٹر یا قابلیت سے نہ تھا بلکہ یہ انتظام اول تو جنگ ختم کرنے کی حکمت عملی پر مبنی تھا جس کی رو سے ایک والئے ملک کی اطاعت قبول (۲۳۰)

کر لینے کی قیمت شامل تھی کیونکہ اگر وہ بدستور ہمارا مخالف رہتا تو اس سے سارے ہندوستان میں شورش اور بے اطمینانی موجود رہتی دوسرے اس انتظام کا علاقہ حکومت برطانیہ کے وقار سے تھا جس نے ہمیشہ ایسے موقعوں پر اپنی اعلیٰ درجہ کی فیاضی اور دریادلی ظاہر کی ہے علاوہ بریں یا اثر ڈالنا مدنظر تھا کہ اس انتظام کی بدولت حکومت کی تبدیلی پر سب لوگ راضی ہو جائیں گے اور پیشوا کے قدیم ہوا خواہ ہماری حکومت کے بے حد شکرگزار ہوں گے کہ اس نے فتح مندی کے بعد اپنے دل سے ساری برائیاں محو کر دیں اور معزول راجہ کے ساتھ سلوک کرنے میں ہمارے جذبات کا احترام کیا۔

اس فیاضانہ سلوک کا جو اثر باجی راؤ پر پڑے گا اس کا اندازہ اسطرح نہیں ہو سکتا ہے کہ ایک والیٔ ملک اُس حکومت کا کہاں تک شکرگزار ہو سکتا ہے جس نے اُسے معزول کر دیا ہے لیکن یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنی اس سقیم حالت میں بھی ویسی ہی حرکتیں کرنے کا ارادہ کریگا جیسا کہ اس کے ساتھ برتاؤ کیا جائے گا اگر اس کی حالت بہتر ہو گی تو اُسے اس تبدیلی کا کچھ زیادہ افسوس نہ ہوگا باجی راؤ کے لیئے جو گذارہ مقرر کیا گیا ہے وہ ایک شخص کے واسطے تو ضرور شاہانہ ہے مگر حریصانہ اغراض کے لیئے وہ بے حقیقت ہے لیکن بالفرض اگر اس میں سازش کرنے کی دیرینہ عادت موجود ہے اور اس کی حرص و ہوس لاعلاج ہے تو کیا وہ بادشاہت حاصل کرنے کا تہیہ کر سکتا ہے اور اپنے اس ارادہ میں اُسے کامیابی کی کیا توقعات ہو سکتی ہیں۔ اس نے اپنی مرضی سے خود جلاوطنی اختیار کر کے اپنی رعایا کو اطاعت سے سبکدوش کر دیا ہے۔ اس کے قدیم نمکخوار اپنے فرائض سے آزاد ہو گئے ہیں اور وہ اپنے نئے تعلقات پیدا کرنے اور اپنے ذاتی مفاد کے لیئے اپنی راہ اختیار کرنے کے واسطے آزاد چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ ایسی صورت میں کامیابی حاصل ہونا قطعاً ناممکن ہے (۲۳۱) اور بریگیڈیر جنرل کی یہ رائے بلا پس و پیش تسلیم کر لینی چاہیئے کہ

"باجی راؤ نے کمان کی تانت اُتار ڈالی اس لیے اُس کمان کو وہ دوبارہ خم نہیں کر سکتا ہے"

(ختم)

(۲۳۲)

ضمیمہ (۶)

سر جان میلکم جی سی بی کی تقریر

جو

ایسٹ انڈیا اسٹاک کے مالکان کے جلسہ عام میں بروز جمعہ ۹ جولائی ۱۸۲۴ء کو ہوئی تھی

آج میرا ارادہ اس وقت تک تقریر کرنے کا نہ تھا جب تک کہ دوران بحث میں اشارتاً میرا تذکرہ نہ ہو۔ مطبوعات انگلستان کے متعلق میرے جو خیالات ہیں ان کے متعلق آنریبل مسٹر کنارڈ نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس سے بھی میرے ارادے میں کوئی تزلزل واقع نہیں ہوا لیکن میں ان گالیوں کے (میں اسے گالیاں ہی کہوں گا) سننے کی تاب نہیں لا سکتا ہوں جن کی بوچھار مسٹر ایڈم پر کی گئی ہے۔ آنریبل مسٹر کنارڈ نے مسٹر میلکم کی بہت کچھ تعریف کی ہے آپ کا مقولہ ہے کہ اس شخص کی تحریروں اور کارناموں کو دیکھکر میں نے اس کی نسبت جو رائے قائم کی تھی اس کی تصدیق ان سے ملاقات ہونے پر ہو گئی جبکہ وہ انگلستان واپس آگئے تھے۔

اسی طرح میں مسٹر ایڈم کے متعلق اپنے ذاتی ۳۰ سال کے تجربے کی بناپر کہہ سکتا ہوں کہ وہ نہایت کریم النفس۔ فیاض طبع۔ مستقل مزاج اور صائب الرائے شخص ہیں وہ اپنی شرافت نسبی اور اعلیٰ تعلیم کے باعث اپنے ملک کے آزادانہ نظام سلطنت کے والہ وشیدا ہیں۔ معاملۂ زیر بحث میں انھوں نے جو کچھ بھی کیا اس کے متعلق مجھے یقین کامل ہے کہ اس کا محرک سرکاری فرض منصبی کے ادا کرنے کا اعلیٰ خیال تھا جو عظیم الشان مسئلہ اس وقت زیر بحث ہے اس کے مقابلہ میں یہ ایک نہایت حقیر معاملہ ہے کہ ہم مسٹر میلکم اور مسٹر ایڈم کی قابلیت پر بحث کرنے میں اپنا وقت ضائع کردیں لیکن اس حقیر معاملے کو سمجھنے کے واسطے ہمیں اولاً یہ دیکھنا چاہیئے کہ انھوں نے کیسی حالت میں کام کیا ہے۔ سب سے اول ہمیں حکومت ہند کی نوعیت کو دیکھنا چاہیے اور اس بات کا اندازہ کرنا چاہیئے کہ کیا اخبارات کو اس (۲۳۳) ملک میں وہ آزادی دے دینی چاہیئے جو انگلستان کے لیئے مایۂ ناز ہے اس لئے اس مسئلہ پر مفصل اور فیصلہ کن بحث ہونی چاہیئے۔ واقعات کو نہایت دلیری اور ایمانداری سے ساتھ بیان کرنا چاہیئے تاکہ ہر ایک معقول شخص کی سمجھ میں مجوزہ تحریک کی نوعیت آجائے۔ اس تجویز کے اغلب نتیجہ کا اندازہ کرنے کے واسطے اولاً ہمیں اس جماعت کے اجزاء ترکیبی کا بغور معائنہ کرنا چاہیئے جس کو انگلستان میں پبلک کہتے ہیں۔ جس کی نوعیت اخبارات کی آزادی کی خرابیوں سے اسکی خوبیوں کا پلہ جھکا دیتی ہے کیا اس تجویز کے محرک آنریبل مسٹر کنارڈ یا اس کے موئید مسٹر ہیوم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ شہنشاہ معظم کی بحری اور بری فوج کے افسران۔ معتمد صاحبان۔ نائب معتمد صاحبان۔ سرکاری دفاتر کے کلرک۔ حکومت یا سرکاری ملازمان کی عنایتوں سے مستفید ہونے والے اس جماعت کے ضروری اجزا ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔ میں اس سے اور آگے بڑھتا ہوں۔ میں اس بات کو مان لیتا ہوں کہ وہ عالی مرتبت شرفا جن کے مجموعے کا نام دارالامرا ہے یا انگلستان کے وہ شریف

حضرات جو دار العوام کے ارکان ہیں یہ اصحاب اگرچہ اس پبلک کے ایک جزو ہیں جس کا کہ میں تذکرہ کر رہا ہوں مگر وہ اسکا نہایت ضروری جزو ہرگز نہیں ہیں۔ وہ اپنے تعلقات مفاد اور اپنی سیاسی فرقہ بندیوں سے ایک حد تک ضرور متاثر ہوتے ہیں ان لوگوں کا تو اور بھی کم شمار کیا جا سکتا ہے جو اس جماعت میں با اثر ہوتے ہیں اس جماعت پر کافی اثر ہے یا وہ ادنےٰ افراد جو اس قدر کم تعلیم یافتہ ہیں کہ وہ سیاسی مسائل کو سمجھ نہیں سکتے ہیں یا وہ لیڈران جو ان کی رہبری کرتے ہیں۔ یا روزانہ اخبارات کے وہ نامہ نگار جو ادنےٰ لوگوں کے جذبات کو مشتعل کر کے یا اپنے منہ میاں مٹھو بن کر یا امراء کے غرور اور نخوت کی مدح سرائی کر کے یا جماعتی جذبات کو ابھار کر دولت اور شہرت حاصل کرتے ہیں یہ طانی پبلک سے میرا جو مفہوم ہے وہ ان سب کے ملنے سے بنتی ہے اور یہ سب اُس کے اجزاء ہیں۔ لیکن اس جماعت کا لازمی جزو وہ ہے جو جہاز کے لنگر کی طرح سارے جسم کو حرکت دیتا اور استحکام پہنچاتا ہے اور اسلئے اس کو مرکز میں ہونا چاہیئے۔

(۲۳۴) یہ وہی بے شمار لوگ ہیں جو اوسط درجہ میں شمار ہوتے ہیں اور جو اپنی تعلیم اور معلومات کی بدولت ادنےٰ طبقہ کی طرح دوسروں کے جال میں گرفتار نہیں ہو سکتے ہیں اپنے پیشہ کی وجہ سے یہ جماعت ان ترغیبات سے مبرا ہوتی ہے جن کا اثر سرکاری ملازمان پر ضرور پڑتا ہے اور یہ جماعت نہ تو سرکاری حکام کی نوازشوں سے متمتع ہونا چاہتی ہے اور نہ اُسے اُن کی ناراضی سے کچھ نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے اور یہ جماعت اُن جذبات اور خیالات سے بھی مستغنی ہوتی ہے جن کے باعث ادنےٰ اور اعلیٰ طبقہ سے بغض پیدا ہو جاتا ہے۔ اس جماعت کے عادات و خصائل اور ان کے خیالات اس قسم کے ہیں کہ ان کی بدولت اسے برطانوی پبلک میں خاص وقعت حاصل ہے۔ اگرچہ دیگر جماعتوں سے یہ جماعت اپنے کو بہت کم نمایاں کرتی ہے اور

ان سب کے مقابلے میں اسکی شنوائی بھی کم ہوتی ہے لیکن یہ جماعت ان سب پر حکومت کرتی ہے۔ اپنی اعتدال پسندی خوش فہمی اور اپنے ملک کی مرفہ الحالی اور نظام عمل کے متعلق جملہ معاملات پر غور و خوض کر کے مستقل رائے قائم کرنے کی عادت کی بدولت ان کے قبضے میں نہایت آزاد اخبار ہیں جن سے دیگر اقوام بالکل ناآشنا ہیں۔ اس جماعت کے بغیر اخبارات کی آزادی بجائے رحمت کے سخت زحمت ثابت ہوگی اب میں حاضرین سے دریافت کرتا ہوں کہ کیا ہندوستان میں ایسی کوئی جماعت موجود ہے (یعنے یہ سوال وہاں کے انگریزوں کی بابت کیا ہے) وہاں پر ایسا ایک متنفس بھی نہیں ہے۔ انھیں میں پبلک نہیں کہونگا۔ (اس معنی میں جو اس اصطلاح کے ہیں) کیونکہ وہاں پر تقریبًا سب انگریز سرکاری ملازم ہیں البتہ معدودے چند انگریز ایسے بھی ہیں جو خاص خاص قواعد اور شرائط کے ساتھ جن کے متعلق ہم سن اور پڑھ چکے ہیں اجازت نامہ لیکر ایک میعاد معینہ تک وہاں پر قیام کرتے ہیں اور ان قواعد اور شرائط کی خوبیوں کو ہمارے قابل پروپرائٹر مسٹر اپبی بوضاحت بیان کر چکے ہیں اگر سلطنت کی حکمت عملی کی رو سے ان انگریزوں کو ایسے حقوق سے محروم کرنا غلطی میں داخل ہے جن سے وہ متمتع ہو سکتے تھے اگر وہ اپنے وطن مالوف میں ہوتے تو یقینًا وہ قانون ہی غلط ہے اس میں ان حکام کی کوئی خطا نہیں ہے جو اس قانون پر عملدرآمد کرتے ہیں۔ اس لیئے اس مسئلہ پر معقول دلائل کے ساتھ بحث ہونی چاہیئے اور اس قانون کے تبدیل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے لیکن اس کا یہ موقع نہیں ہے۔ اس جلسے میں وہ حضرات تشریف فرما ہیں جو اس معاملے کو ہمارے ملک (۳۳۵) کی پارلیمنٹ کے رُوبرُو پیش کر سکتے ہیں جہاں پر مفصل بحث ہوگی اور میرے نزدیک جس قدر زیادہ بحث ہو اسی قدر بہتر ہوگا۔

اہل انگلستان کی فرزانگی اس مسئلہ کو فیصل کرتے ہیں ہرگز ایسا نہ کرے گی کہ وہ اپنے اختیار سے برطانوی ہند یا جیسے ماتحت ملک میں

اخباروں کو ایسی آزادی دے سکتے جیسی آزادی اُن کے اخبارات کو
حاصل ہے۔ اس مسئلہ کے مختلف پہلو ہیں جن کے متعلق میرے خیالات
کے غلط معنی نہ لئے چاہئیں۔ میں بیان کر چکا ہوں کہ ہندوستان کی
انگریزی جماعت انگلستان کی پبلک کے مشابہ نہیں ہے اور نہ ہو سکتی
ہے لیکن ہماری سلطنت کے نظام عمل کا یہ خوش گوار اثر ہے کہ آزادی
اور حریت کی اسپرٹ کا ایک حصہ جو کہ مادر گیتی کو تقویت اور زندگی
بخشتی ہے دور دراز کی نوآبادیات تک میں جا پہنچا ہے اور جن سے
سب لوگ حتیٰ کہ اس کی فوجیں سلطنت کی سلامتی اور اپنی حالت کے
مطابق اس برکت سے پورے طور پر بہرہ مند ہوتی ہیں۔ ایسی جماعتوں
کی حالت اس قسم کی واقع ہوئی ہے کہ اخبارات کی آزادی خود انکے
اور سلطنت کے الغرض دونوں کے حق میں مضرت رساں ثابت ہوگی
وہ اپنی سلطنت سے یہ توقع کرنے کا ضرور حق رکھتے ہیں کہ امن عامہ
کے مناسب حال انھیں کافی معلومات بہم پہنچائی جائے اور مراسلت
میں انھیں آزادی حاصل ہو۔ اور انگریزی سوسائٹی کے مزاج اور لہجہ
کو کسی اور صورت سے برقرار نہیں رکھا جا سکتا ہے میں ہمیشہ سے حکومت
کی کل کارروائی کی اشاعت کا زبردست حامی ہوں اور راز داری اور
پوشیدگی سے سخت نفرت کرتا ہوں اور اگرچہ میں اخبارات کی
آزادی کا مسلمہ دشمن ہوں جس سے میرا یہ مطلب ہے کہ ان پر صرف
ان قوانین کی پابندیاں عائد کی جائیں جو انگلستان کے اخبارات کے
واسطے مدون ہوئے ہیں تو پھر یہاں کے اخبارات ایسے مضامین کا
سلسلہ شائع کر سکیں گے جیسے کہ کلکتہ جرنل میں ہم نے مطالعہ کئے
ہیں جو اگرچہ قانونی گرفت میں تو نہ آسکیں گے لیکن اگر ان کی اشاعت
کی اجازت دیجائے گی تو وہ مقامی حکومت کی شہرت اور قوت کے
حق میں سخت مضرت ناک ثابت ہوں گے اور اگرچہ میں ایسے
اخبارات کا دشمن ہوں لیکن میں ایسی ہر ایک تصنیف کی اشاعت کا

سوئید ہوں جو ممنوعہ مضامین کی اشاعت سے اجتناب کرے ہم نے ممنوعہ مضامین بتا دئے ہیں اور محترم محرک نے اس کے یہ معنی لیے ہیں کہ اس ممانعت سے ان سب لوگوں کی ذلت ہو جائے گی جن پر اس کا اعلان ہوگا لیکن اس ممانعت کا یہ کام نہیں ہے۔ اس ممانعت (۲۳۶) کے متعلق کوئی شکایت بجز ان شکایتوں کے نہیں پیدا ہوئی جو مسٹر بکنگھم کے اخبار میں پائی جاتی ہیں جس کو ہمارے فاضل مالک اخبار رجعیہ نے پبلک کا خاص ترجمان بتایا ہے۔ یہ حضرات ہندوستان میں قدم ہونے کے روز سے اس غلام ملک میں انگریزی حریت کے زبردست وکیل ہیں اور بیان کیا جاتا ہے کہ ان حضرات نے اس مشکل کام کو نہایت مخلصانہ طور پر بے لوثی کی نیت سے انجام دیا ہے آپ نے دیکھا کہ دفتر احتساب اب رہا نہیں اور جو قیود عائد کی گئی تھیں وہ منسوخ ہوگئی ہیں جن کو وہ ردی کاغذ تصور کرتے تھے۔ میرے نزدیک یہ قیود جو سرکاری احکام تھے احتساب سے زیادہ سخت تھے میں دفتر احتساب کو ترجیح دیتا ہوں کیونکہ جس مقام پر یہ قائم ہوتا ہے وہاں ساری ذمہ داری ان لوگوں کے سر ہوتی ہے جنھیں روک تھام اور سزا دینے کا اختیار حاصل ہوتا ہے اور دوسری صورت یعنی قیود عائد کرنے کی حالت میں وہ حضرات ذمہ دار قرار پاتے ہیں جو اپنے معلومات کی قلت یا سمجھ کی کمی اور اپنی بے پروائی یا غفلت یا اپنی بدنیتی یا ذاتی فائدے کے خیال سے حکومت کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ بیشک لفظ احتساب کسی قدر مذموم ہے لیکن بروقت ضرورت یہ کوئی برے معنی نہیں رکھتا ہے۔ اگرچہ قانون نے اس دفتر کو مطبوعات کی نگرانی کا اختیار عطا کیا ہے لیکن سب جماعتوں کی بھلائی کی خاطر اس کا علانیہ اور پورا استعمال نہیں کیا جاتا ہے۔ اس مقام اور وہاں کی سوسائٹی کے متعلق کافی معلومات حاصل ہونے کی باعث مجھے تو اس اختیار کے سخت اور ناروا استعمال کا کچھ خوف نہیں ہے بلکہ اس کی بدولت ہم اس معاملے

اور ان جملہ دیگر معاملات میں جنکا تعلق غیر ملک میں ہمارے ابنائے وطن کے حقوق اور مراعات سے ہے بالکل مطمئن رہتے ہیں اب ہمیں ان ظالموں اور خود مختار (حکام ہندوستان کو ان ہی الفاظ سے یاد کیا گیا ہے) فرماں رواؤں کی حقیقی حالت کا ٹھنڈے دل سے معائنہ کرنا چاہئے جن کے زیر حکومت ہمارے اہل وطن رہتے ہیں۔ ہندوستان کے گورنر جنرل اور مختلف صوبوں کے گورنر وہ امرا اور شرفا ہیں جو انگلستان سے بھیجے گئے ہیں یا وہ لوگ ہیں جو ہندوستان میں اپنی ملازمتوں سے (۲۴۷) ترقی کرکے ان اعلیٰ عہدوں پر پہونچ گئے ہیں اور یہ حضرات ہی کل سرکاری اعلیٰ عہدوں پر مامور ہیں نوابوں کی نسل تو معدوم ہوچکی جو کسی زمانے میں تھی (میں نے تو کبھی کوئی نواب دیکھا نہیں) جو حضرات کہ ہندوستان میں اعلیٰ عہدوں پر مامور ہیں ان میں شاذونادر ہی کوئی متنفس ایسا ہوگا جو جس کے کیرکٹر میں انگریزی شرافت موجود نہ ہو جس طرح ہمارے یہاں لوگ دفتر میں جاکر کام کرتے ہیں اسی طرح یہ حضرات اپنے اہم فرائض منصبی کو ادا کرتے ہیں ان کے دل نہ تو سازشوں سے غلیظ ہوتے ہیں اور نہ بیہودہ تمناؤں کی خوابوں سے پریشان ہوتے ہیں اور میں بیان کرچکا ہوں کہ انھیں بعض معاملات میں نہایت زبردست اور خود مختارانہ اختیارات حاصل ہیں مگر اس ملک کی حالت جس پر کہ وہ حکومت کرتے ہیں اسی کی مقتضی ہے لیکن ہندوستان میں کبھی بھی ایسے حکام نہیں ہوئے جن کی اسقدر نگرانی ہوتی ہو جسقدر کہ ہمارے حکام کی ہوتی ہے قطع نظر اس کے کہ اپنی قوم کے افراد سے نیک سلوک کرنے کی انھیں فطرتاً خواہش ہوتی ہے جن کے کہ برائے چندے وہ حاکم بن گئے ہیں اور انھیں یہ فکر بھی دامن گیر رہتی ہے کہ اگر ہم اپنے عدالتی اختیارات کو غیر ضروری یا بیرحمانہ طور پر استعمال کریں گے تو انگلستان میں ہماری عزت اور شہرت کو بٹہ لگے گا۔ اگر ان خیالات سے قطع نظر بھی کرلی جائے (جو ہر ایک انگریز کے دل میں نہایت

زبردست ہوتے ہیں) ہمیں ان قیود کو دیکھنا چاہیے جن کی ماتحتی میں وہ اپنے اختیارات سے کام لیتے ہیں۔ پہلی پابندی یہ ہے کہ ان کی مفصل کارروائی مجلس نظما کی خدمت میں ارسال کی جاتی ہے اور ہم سب کو اس مجلس کی ساخت معلوم ہے۔ یقیناً یہ مجلس ان کے خود مختارانہ افعال کی حمایت نہیں کرے گی لیکن بفرض محال اگر یہ مجلس ان کی موئید بھی ہو تو جب کبھی طلب کیا جائے تو اس مجلس کی ساری کارروائی مجلس مالکان میں ضرور پیش کی جاتی ہے اور مجلس مالکان کے گذشتہ جلسوں کی کارروائی سے اندازہ کر کے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستان کے حکام مجلس مالکان سے سخت نگرانی ہی کی توقع کر سکتے ہیں علاوہ بریں مجلس نگرانکاران کی سخت جانچ پرتال کرتی ہے جس کا ہماری مشرقی سلطنت کے نظم و نسق میں اگرچہ مجلس نظما سے تعلق ہے مگر یہ مجلس ایک خوش گوار بے ضابطگی کے باعث جو ہمارے نظام حکومت کا طغرائے امتیاز ہے ایسے اصحاب سے مل کر بنی ہے جو اپنے رتبہ اور خیالات کی بنا پر مسائل ہند کا ان دلائل و براہین سے اندازہ کرتے ہیں جو نظما کے دلائل سے بالکل مختلف ہوتی ہیں اور حکومت ہند کی کارروائی کی یہ مجلس اگر تائید بھی کر دے جب بھی اس کی رائے حکم قطعی نہیں متصور ہوتی ہے اور پارلیمنٹ کی نگرانی اور قانون کی مستقل سختی (اگر انھوں نے اس کے الفاظ کی خلاف ورزی کی ہو) اور انگریزی اخبارات کی آزادی یہ سب حکام ہند کے سر پر سلطان رہتے ہیں اور یہ مجموعہ ایسے قیود کا ہے جس کی نظیر کسی دوسرے ملک میں نہیں مل سکتی ہے۔ میں کسی شکایت کی غرض سے ان قیود کو نہیں بیان کرتا ہوں کیونکہ میں ان کے فائدہ کو تسلیم کرتا ہوں۔ ممکن ہے کہ اس سختی کے ساتھ استعمال کرنے پر کسی فرد کو تکلیف یا نقصان پہونچ جائے لیکن ان کی غرض و غایت پبلک کی نفع رسانی ہے اور اگرچہ حکومت شخصی ہوتی ہے لیکن میں اس بات کو ہرگز تسلیم نہ کروں گا کہ ہندوستان میں جو انگریز برسر اقتدار ہیں وہ مشرقی

(۴۳۸)

سلطانوں کی مانند خودسر ہیں جنھیں یہ یاد دلانے کے لئے وہ انسان ہیں گوشمالی کرنے والوں کی ضرورت ہے (جیسا کہ ایک مالک کمپنی نے ارشاد کیا ہے) البتہ میں اس بات کو فوراً مان لوں گا کہ انھیں جتنی بار بھی یہ یاد دلایا جائے کہ تم انگریز ہو اس قدر بہتر ہوگا۔ لیکن یہ بات تسلیم کر لینے پر بھی مجھے اس امر کا کامل یقین ہے کہ جو حضرات ہندوستان میں نظم و نسق کرنے پر مامور ہیں اگر ان کے فرائض کی نگرانی میں ان قیود کا بیجا استعمال ہوگا یا اگر وہ جواب دہی کے خوف سے کام کریں گے یا شہرت کے طالب ہوں گے تو ان حرکتوں سے آپ کے لئے ایسا زبردست خطرہ رونما ہوگا جو ان کے ظلم سے بہت زیادہ مخدوش ثابت ہوگا ظلم کا تدارک ہو سکتا ہے لیکن اپنی سلامتی اور ترقی کے خیال سے یہ کمزوری سلطنت کے حقوق بھلا دیتی ہے اور اس کے دفعیہ کی تدابیر کو زائل کر دیتی ہے اور اصل کو دور کرنے سے پیشتر نہایت زبردست اثر پیدا کر دیتی ہے۔ اس لئے یہ بات صرف سودمند ہی نہیں بلکہ اشد ضروری ہے کہ جن قیود کا میں نے تذکرہ کیا ہے وہ پورے طور پر قائم رہیں لیکن ان قیود سے انگلستان میں کام لینا چاہئے کیونکہ ہندوستان میں یہ قیود خود مختارانہ اختیارات کے مساوی موجود نہیں ہیں۔ ہم نے اس کے متعلق بہت کچھ سنا ہے کہ لارڈ ویلزلی نے دفتر احتساب قائم کر کے ہندوستانی اخبارات کے پریس پر چند قیود عائد کر دیئے ہیں۔ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ آیا نفس الامر (۲۴۹) یہی ہے یا نہیں ضرورت ہے کہ ہندوستان کے اخبارات کی گذشتہ تاریخ اختصار کے ساتھ بیان کر دی جائے زائد از نصف صدی سے اخبارات کو ہندوستان والے جانتے ہیں تقریباً ۴۵ سال ہوئے جب قانونی عدالتوں کا حلقہ بنگال میں وسیع کیا گیا تھا (جس کا محدود کر دینا بہت جلد ناگزیر معلوم ہوا) اس وقت چند جج صاحبان کا مقامی حکومت سے سخت تصادم ہو گیا اور آزاد اخبار نہایت ہی بدلگام ہو گئے جو ہائی سوسائٹی کے لحاظ سے حکام میں اس قسم کے اختلافات پیدا کرنے اور

ان کی حمایت کرنے کے لیے نہایت موزوں تھے - اخبار زیر ادارت
مسٹر ہکے (Mr. Hickey) بند کر دیا گیا جس طرح اب مسٹر بکنگھم کا اخبار بند کیا گیا ہے
اور مسٹر ہکے (Mr. Hickey) نے مسٹر بکنگھم کی طرح عدالت سے چارہ جوئی کرنے سے
انکار کر دیا۔ کئی سال بعد جب میں مسٹر مارکوئس ویلزلی کا سکرٹری تھا اس
شخص نے ایک درخواست پیش کی جس میں مسٹر بکنگھم کی طرح اس نے
بھی یہ شکایت کی کہ حکام کے جور و ظلم سے انگریز تباہ ہو رہے ہیں اور
میں حریت پر قربان ہو گیا ہوں چنانچہ میں نے اس درخواست کو پڑھا
اور اس کا خلاصہ تیار کیا اس نے اکثر حکام پر انصاف نہ کرنے کا الزام لگایا
تھا ازاں جملہ لارڈ کارنوالس کا بھی نام تھا جو نہایت دانشمند۔ انصاف پسند
اور بڑے آدمی تھے - چنانچہ مسٹر ہکے نے اپنی درخواست میں تحریر کیا تھا
کہ "میں نے عالیجناب مارکوئس سے دادرسی کے لئے فریاد کی مگر انھوں نے
صرف یہ خشک جواب دیکر ٹال دیا کہ اگر تم کو کچھ تکلیف پہونچی ہے تو عدالت
سے چارہ جوئی کرو" پھر اس نے یہ بیان کیا کہ عالیجناب مارکوئس نے مجھے
قانونی عدالت سے چارہ جوئی کرنے کی نصیحت کی اب وہ بے تکلفانہ یہ بھی ہدایت
فرما دیں کہ میں کمپنی کے ہاتھی سے کشتی لڑلوں " غالباً واقعہ یہ تھا کہ مسٹر ہکے
نے اپنے اخبار میں ایسے مضامین شائع کیے جس نے مقامی حکومت کو
اس کا اخبار بند کرنے پر مجبور کر دیا اور چونکہ وہ حکام کی بدنیتی یا قانون کے
غلط استعمال کو ثابت نہ کر سکا اس لئے قانونی عدالت سے بھی اس کی کچھ
تلافی نہ ہوئی اس کے بعد سے میں نے اخبارات کی آزادی کے متعلق کچھ بھی
نہیں سنا ہے گاہے ماہے عمداً نہیں بلکہ صرف لاپروائی کے باعث ایسے
مضامین اخباروں میں شائع ہو گئے جن کی اشاعت پر ناشروں کو تنبیہ کی گئی
اور اس قسم کی حماقت یا غفلت کو ملاحظہ کر کے لارڈ ویلزلی نے یہ احکام
نافذ کر دئے کہ اخبارات کے پروف گورنمنٹ کے سکرٹری کی خدمت میں
ارسال کئے جائیں - اس کے متعلق اختلاف رائے ہو سکتا ہے کہ حصول
مقصد کا یہ بہترین طریقہ تھا یا نہیں لیکن اب گذشتہ چند سال ہی سے یہ فرض

(۲۴۰)

کر لیا گیا ہے کہ اخبارات کی آزادی ہندوستان کی انگریزی جماعت کے
حق میں سود مند ہو سکتی ہے میں ہرگز یہ نہیں کہتا ہوں کہ انگریزوں کے
اخبارات کی آزادی فوراً ہماری سلطنت کی سلامتی کے لیے خطرہ کا موجب
ہوگی۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ اس کی بدولت اختلافات پیدا ہونگے
نافرمانی رونما ہوگی اور حکومت کو ضعف پہنچے گا اور کسی قسم کی فلاح حاصل
ہونے کی بجائے سیکڑوں خرابیاں پیدا ہو جائیں گی اور اس مسئلہ کا
نہایت خفیف جزیہ سوال ہو سکتا ہے کہ اس سے یوریشین جماعت پر
کیا اثرات پڑیں گے البتہ اس روز افزوں مخلوط النسل قوم کو اس سے سخت
نقصان پہنچے گا جو یورپین باپ اور ہندوستانی ماں سے پیدا ہوئی
ہے۔ اس فرقہ کو جدید سوسائٹی تصور کرنا چاہیے اور اس کے ساتھ کمسنوں
جیسا سلوک کرنا چاہیے اور ان کو بتدریج تعلیم دیکر ان کی ترقیات کی ساری
امیدوں پر پانی پڑ جائے گا اگر اس مقصود کو آزاد اخباروں کے ذریعہ سے
حاصل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ میں نے اس فرقے کی نامسعود اور متبدل
حالت کی طرف بہت کچھ توجہ کی ہے ان کو ملازمت کے خاص خاص شعبوں
میں داخل کرنے کی بابت میں نے چند تجاویز تیار کر لی ہیں (جن کو بیان کرنیکا
یہ موقع نہیں ہے) بیشک میری یہ رائے ہے کہ ان کی ترقی کے لیے ہر طرح
کی کوشش کیجائے اور چونکہ ان میں اکثر نہایت ذکی اور جفاکش ہیں اسلئے
ان کی حوصلہ افزائی کے لیے ہر ایک راہ کھول دینی چاہیے جو کھولی جا سکتی
ہے۔ اس فرقے میں ایسے لوگ موجود ہیں جنھیں اپنے خاص دوست کی طرح
میں عزیز سمجھتا ہوں اور اس جلسہ میں بھی میری طرح بہت سے حضرات
کرنل اسکنر کے مداح اور ثناخواں ہیں۔ جن کے ہاتھ میں ایک ہندوستانی
رسالہ کی کمان عرصۂ دراز تک رہی ہے اور انھوں نے اپنی خدمات سے
خود عزت حاصل کی اور حکومت کو بے حد فائدہ پہنچایا۔ لیکن اس فرقے کی
حوصلہ افزائی اور ترقی کے لیے میری رائے میں ان کی بہتری اس میں ہے
کہ ترقی بتدریج ہو تاکہ وہ ان عہدوں پر مامور ہونے کے لائق ہو جائیں جن پر کہ (۲۴۱)

ہم اپنی مشرقی سلطنت میں انھیں مقرر کرنا چاہتے ہیں۔ سنین ماضیہ میں بالخصوص
ان قوانین کی بدولت ان کے ساتھ بہت کچھ سلوک کیا گیا ہے جن کی رو سے
وہ ہماری مملکت کے ہر ایک حصے میں اراضیات خرید سکتے ہیں۔ اس فرقے
میں بہت سے حضرات اپنی موجودہ حالت سے بیزار اور نالاں ہیں اور یہ
لوگ دیگر اشخاص کو بھی اپنا ہم خیال بنانا چاہتے ہیں اور یہی لوگ اخبارات
کی آزادی کے لیے بہت کچھ ہائے واویلا مچاتے ہیں لیکن یورپین صاحبان
کی یہ دونوں جماعتیں محض بے حقیقت ہیں جب ہم مقابلہ کر کے دیکھیں
کہ ۸ کروڑ ہندوستانیوں پر آزاد اخبارات کی برکات اور خرابیوں کے
کیا اثرات پڑیں گے۔ جس سلطنت میں غیر ملکیوں کی حکومت ہو وہاں
حقیقی معنی میں آزاد اخبارات جاری کرنا اور تھوڑے عرصہ تک بھی ان کو
برقرار رکھنا ناممکن ہے جو زبان۔ عادات و خصائل اور مذہب کے اختلافات
کی باعث اہل ہند میں مخلوط نہیں ہو سکتے ہیں اس سے قطع نظر کر کے
ہمیں اہل ہند کے کیرکٹر اور ان کی حالت کو دیکھنا چاہیے کہ اگر ان کو یہ
حق عطا کر دیا جائے تو اس کا کیا نتیجہ برآمد ہوگا۔ اہل ہند کے دو بڑے
طبقے ہندو اور مسلمان ہیں ہماری حکومت سے پیشتر اعلیٰ طبقہ کے مسلمانوں کی
تقریباً سارے ہندوستان میں عملداری تھی اور اس لیے فطرتاً وہ ہماری
حکومت سے بیزار ہیں اور ان کی تعداد ہندوؤں کے مقابلے میں بہت کم
ہے اس لئے ہندوؤں کے کیرکٹر اور ان کی حالت کی جانچ کرنا زیادہ نتیجہ خیز
ہوگا۔ اس غیر متبدل قوم کی حالت نہایت قدیم زمانے سے لیکر اس وقت تک
یکساں ہے اور ہندوؤں میں یہ نہایت حیرت انگیز وصف ہے کہ ان کی
مذہبی اور شریف جماعتیں تعلیم یافتہ ہیں اور وہ تجارت کی طرح سازشیں
کرنے میں بھی نہایت مستعد اور ہوشیار ہیں اپنی دماغی فوقیت کے باعث
اپنے اہل وطن کے بے شمار جاہل اور اوہام پرست لوگوں پر ان کا ہمیشہ سے
نہایت زبردست اثر اور اقتدار ہے۔ اور ان تعلیم یافتہ جماعتوں بالخصوص
(۲۴۲) برہمنوں کو جن کی وقعت۔ دولت اور حکومت ہماری عملداری قائم ہونے سے

جاتی رہی ہے اس بات کا بجا اندیشہ ہے کہ ہمارے عروج سے انھیں مزید زوال نصیب ہوگا۔ ان وجوہ سے وہ ہمارے دشمن ہیں اور اُن کی یہ عداوت صرف اس ضرورت سے کم نہیں ہو سکتی ہے کہ وہ اُسے پوشیدہ کرنے پر مجبور ہیں۔ وہ ہماری قوت کو نقصان پہنچانے کے ہر ایک موقع کی تاک میں رہیں گے اور انھیں ایسے بہت سے موقع مل بھی جائینگے اور میرے نزدیک وہ سب بے چینی۔ بد امنی اور غدر پھیلانے کے فن میں خوب ماہر ہیں۔ وہ اچھی طرح جانتے کہ جن لوگوں کو وہ اپنا مخاطب کرتے ہیں اُن کے دل میں وہ کس طرح خوف و دہشت پیدا کر سکتے ہیں اور ان کے مغرورانہ جذبات کو وہ کس طرح برانگیختہ کر سکتے ہیں میں نے گذشتہ ۲۵ سال میں اس خطرناک قوم کے حالات پر خاص طور پر غور کیا ہے جو ہماری حکومت کے خلاف سیکڑوں نامعلوم ہاتھوں سے ہمیشہ جنگ کرتی رہی ہے اور اپنے خطوط مبالغہ آمیز خبروں اور فرضی پیشین گوئیوں سے اس اسپرٹ کو قائم رکھتی ہے۔ ہماری فوج کو شکست نصیب ہونے یا ہمارے صوبوں یا فوج میں غدر یا بغاوت نمودار ہونے پر اس قوم کو موزوں موقع مل جاتا ہے اور وہ ناقابل بیان تیزی سے سارے ملک میں گشتی چٹھیاں اور اشتہارات شائع کر دیتی ہے اور ایسی تحریریں نہایت شوق سے پڑھی جاتی ہیں اور پھر بیا اُن سب کا ایک ہی مضمون ہوتا ہے اور انگریزوں کے متعلق یہ بیان ہوتا ہے کہ وہ ادنیٰ اقوام کے حقوق کے غاصب ہیں وہ ظالم ہیں اور انھوں نے اہل ہند کو ذلیل کرنے اور اُن سے اُن کی دولت لوٹ لینے کے لیے ہندوستان کو تلاش کیا ہے اور انگریز ہمارے رسم و رواج اور مذہب کی بیخ کنی کرنا چاہتے ہیں اور ہندوستانی فوج کو ہمیشہ یہ نصیحت کیجاتی ہے کہ "تمھارے یورپین ظالم تعداد میں چند نفوس ہیں انھیں قتل کر ڈالو"

جو کوئی اس مسئلے سے واقف ہے وہ ان واقعات سے ہرگز

(۲۴۳) انکار نہیں کر سکتا ہے کہ ہندوستان کے اس فرقے کی متذکرہ بالا کوششیں
اور اس اسپرٹ کا برقرار رکھنا ہمارے حق میں ہمیشہ خطرے کا موجب رہیگا۔
اب میں دریافت کرتا ہوں کہ کیا یہ امید کرنا عقلمندی میں داخل
ہے کہ ہماری کامیابی سے جن لوگوں کی وقعت دولت و ثروت اور
حکومت تباہ و برباد ہوگئی ہے وہ ہماری حکومت سے نفرت اور
عداوت نہ خود کریں گے اور نہ دوسروں میں پیدا کرنے کی کوشش کرینگے
کیا اس کے خود بخود زائل ہونے کا امکان ہے اگر نہیں تو پھر ان کے
ہاتھ میں اخبارات کی آزادی دیدینا کیا قرین مصلحت اور داخل دانشمندی
ہے۔ اس سے صرف ایک کام ہماری تباہی کا لیا جا سکتا ہے لیکن
ہماری تباہی اس سے بھی بڑھکر خود ان کی تباہی کا پیش خیمہ ہوگی۔
ہندوستان کی عظیم الشان آبادی کو جو برکات رفتہ رفتہ حاصل
ہونے کی امید ہوسکتی ہے وہ منقطع ہو جائے گی اور وہ خانہ جنگی
کے عمیق غار میں دوبارہ گر جائے گی جس سے کہ ہم نے اُسے نکالا ہے
اگر ہم اس تجویز کے مطابق بحالت موجودہ انھیں یہ مضرت رساں تمغہ
مرحمت کریں گے تو اس کا یہی انجام ہوگا لیکن اس موقع پر یہ دریافت
کر لینا ضروری ہے کہ ہندوستان کے انگریزوں اور وہاں کے باشندوں
کی پریشانیوں میں اضافہ کرنے سے ہمارا کیا مطلب نکلے گا۔ ہم سے
کہا جاتا ہے کہ اس سے علمی ترقی مقصود ہے اب سوال یہ ہے کہ کیا
ہمیں اپنی مقامی حکومتوں کا اعتبار نہیں ہے اور کیا ہمارے نزدیک وہ
حضرات بھی ساقط الاعتبار ہیں جن کی زیر ہدایت یہ حکام ہیں جو ان کے
نگراں ہیں اور کیا ہم اپنے عظیم الشان مقصد کی تکمیل کا کام ان کے ہاتھوں
سے نکال کر اخباروں اور رسالوں کے اڈیٹروں کے سپرد کر سکتے ہیں اور
کیا جملہ خرابیوں کی اصلاح اور اپنی مشرقی سلطنت کی رعایا کی ترقیوں کیلئے
ہم ان اڈیٹروں اور ان کے گمنام نامہ نگاروں پر کلیتاً بھروسہ کر سکتے ہیں؟
ہمارے معزز محرک کی فصیح البیانی نے نہایت زور شور کے ساتھ

ہم سے اسی کا مشورہ دیا ہے۔ اُن کے دلائل کا عام طور پر یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ جو لوگ ہندوستان میں سرکاری ملازمت پر مامور ہونے کی تعلیم و تربیت پاتے ہیں اور اس تعلیم کے علاوہ انھیں اپنی طویل ملازمت میں بھی بہت کچھ تجربہ حاصل ہو گیا ہے مگر یہ لوگ اس نیک اور عظیم الشان مقصد کی تکمیل کا موزوں آلہ نہیں ہو سکتے ہیں۔ ان حضرات کے وسیع معلومات اور مقامی تجربے کو دوسروں کی جہالت کے ہم پلہ بیان کرنے (۲۴۴) میں سخت تعصب اور تنگ دلی سے کام لیا گیا ہے اور سرکاری حکام کی بابتہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ لوگ نوجوانی کا سارا سبق بھول گئے ہیں اور انگریزی حریت کے جذبات ان کے دل میں مردہ ہو گئے ہیں اور اس سے صرف یہ ثابت کرنا مقصود ہو کہ یہ لوگ حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر مامور ہونے کے لائق نہیں ہیں۔ واقعی یہ اصول نہایت عمدہ ہے کہ اپنے پاس سخنی کے لیئے علم کو جہالت کے ہم پلہ بتایا جائے۔ زیر بحث مسئلہ میں اپنے مقصد کی تائید کے لیے یہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ ہندوستان کے سوِلین صاحبان کی اس مقتدر اور اسکی اعلیٰ جماعت کی (جس کے ساتھ مجھے اپنے فرائض منصبی کے سلسلے میں کام کرنے کا فخر رہا ہے) نہایت سخت ذلت اور توہین کی جاتی ہے اور اس کی اعلیٰ جماعت کے ایک نہایت ممتاز رکن کی بابتہ کہا گیا ہے کہ وہ گورنر جنرل کے عہدہ پر فائز المرام ہونے کے لائق نہیں ہیں کہا جاتا ہے کہ مسٹر ایڈم ہندوستان میں مدت دراز تک ملازم رہنے کی وجہ سے متعصب ہو گئے اور اسی وجہ سے انھوں نے مسٹر بکنگھم کے ساتھ بدسلوکی کی ہے۔ لیکن اس کے بعد کیا واقعہ پیش آتا ہے کہ لارڈ ایمہرسٹ یہاں کے عمائد سے ہیں اور وہ نہایت دانشمند اور منصف مزاج تسلیم کئے جاتے ہیں اور ان میں انگریزوں کے جذبات اور خیالات پورے طور پر موجود ہیں لیکن ہندوستان پہنچتے ہی وہ اس اصول پر کاربند ہونے کے لئے مجبور ہو گئے جس پر کہ ان کے پیش رو کا عمل تھا اور انھوں نے مسٹر آرنات کو انگلستان واپس بھیجدیا جو مسٹر بکنگھم کے بعد

کلکتہ جنرل کے اڈیٹر مقرر ہوئے تھے اپنے اس فعل کے لیے وہ ظالم سے بھی بدتر بتائے جاتے ہیں چونکہ وہ ظالموں کا آلۂ کار بن گئے ہیں جنھوں نے ان کی ناتجربہ کاری سے فائدہ اٹھایا ہے۔ اس ساری خرافات کے کیا معنی ہوئے۔ یہی کہ ایک گورنر جنرل اپنی مقامی معلومات کے باعث اور دوسرا مقامی معلومات کے فقدان کی وجہ سے اس عہدے کے لیے ناموزوں ہے۔

میرے نزدیک گورنر جنرل سے مراد اس شخص سے ہے جو اس عہدے پر مامور ہے اور جو اختیار کہ قانون نے اُسے دیا ہے اس اختیار سے وہ نہایت دیانت داری اور فہم و فراست سے کام لیتا ہے اور آج مخالفت میں ہم نے جو کچھ سنا ہے اُس کا یہی مطلب ہے۔ اگر حقیقت الامر یہی ہے تو اس نظام پر نہ کہ افراد پر اعتراض کرنا چاہیے۔ جن قیود میں کہ وہ اپنے فرائض انجام دیتے ہیں جو ان کی محرک تو نہیں ہوتی ہیں اور جو ان کے ذرائع معلومات ہوتے ہیں وہ سب میں نے بیان کر دیئے ہیں لیکن ہم سے کہا جاتا ہے کہ خرابی دور کرنے اور بھلائی کو ترقی دینے کے لیئے ان امور پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ نہیں اس کام کے لئے ہمیں مسٹر بکنگھم جیسے حضرات کو تلاش کرنا چاہیئے کیونکہ یہ اصحاب سرزمین ہند پر قدم رکھتے ہی گویا الہام ربانی کے ذریعہ سے اسقدر معلومات اور نیک دلی حاصل کر لیتے ہیں کہ اس کی بدولت ہندوستانی اور یورپین دونوں طبقوں کی اصلاح کر سکتے ہیں۔

اب ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ جو حضرات بطور مثال کے پیش کیے گئے ہیں ان کے ذرائع معلومات کیا ہیں اور ان حضرات نے کیا خدمات انجام دی ہیں۔ جب مسٹر بکنگھم اول مرتبہ ہندستان میں تشریف لائے اور انھوں نے اپنے سفر نامہ فلسطین کا خاکہ شائع کیا اور اعلیٰ پیمانے پر ایک اخبار نکالا تو دیگر حضرات کی طرح میں نے بھی انھیں ایک سادہ و بادی اور سمجھدار شخص تصور کیا لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد ان کے اخبار میں چند ایسے فقرے شائع ہوئے جن سے مجھے بخوبی معلوم ہو گیا کہ وہ کون سی روش اختیار کرنا چاہتے ہیں اور میں نے اپنی یہ رائے ظاہر کر دی کہ اس شخص کو اڈیٹر

(۲۴۵)

نہ رہنے دیا جائے جس کی تصدیق نتیجہ سے ہوگئی۔ میں ان کے جرائم۔ معافیاں مانگنے اور اصلاح کے وعدوں کی تفاصیل نہیں بیان کرونگا اور نہ میں اس جرم کی صحیح نوعیت بتاؤں گا جس نے مسٹر ایڈم کو ان کا اجازت نامہ ضبط کر لینے پر مجبور کر دیا۔ اس کے جرائم کے مجموعے اور اپنے اصول ہی کے باعث جن پر کہ وہ کاربند رہے وہ سخت مگر ضروری کارروائی کی گئی جسکے وہ شاکی ہیں۔ انھیں مسٹر ایڈم کے خیالات اور تجویز معلوم تھی لیکن اس معلومات سے فائدہ اٹھانے اور اس تباہی سے اپنے کو بچانے کے بجائے جس میں کہ بالآخر وہ مبتلا ہوگئے وہ نہایت دیدہ دلیری اور سرکشی کے ساتھ اپنی اسی روش پر قائم رہے جو انھوں نے عرصۂ دراز سے اختیار کر رکھی تھی۔ بیشک انھوں نے نواب گورنر جنرل بہادر سے قوت آزمائی کرنا پسند کیا چونکہ یہ ایک ہر ولعزیز مسئلہ تھا۔ انھیں معلوم تھا کہ اگر میں قوانین کی ذرا بھی رو گردانی کروں گا تو مسٹر ایڈم مجھے اڈیٹر نہ رہنے دے گا لیکن انھوں نے خیال کیا کہ مسٹر ایڈم ایسے معاملے میں جن سے اس کا راست تعلق بتایا سمجھا جاتا تھا اس قسم کی کارروائی کرنے میں ضرور تامل کرے گا لیکن وہ مسٹر ایڈم کے کیرکٹر کو مطلق نہ سمجھ سکے جس سے ان کا سابقہ پڑا تھا ورنہ انھیں اچھی طرح معلوم ہو جاتا کہ مسٹر ایڈم کو کسی کی شخصیت کا لحاظ اپنے فرض منصبی کے ادا کرنے سے باز نہیں رکھ سکتا ہے۔ (۲۴۶)

مسٹر ایڈم کو ہندوستان میں پورے اختیارات دئے گئے تھے اور وہ یہ روش دیکھکر مسٹر بکنگھم کا مقابلہ کرنے پر مجبور ہوگیا جو انگریزی حریت کا خود ساختہ علم بردار تھا۔ اور اب نہ صرف انگریز بلکہ ہندوستانی بھی اس زور آزمائی کے تماشہ بیں ہوگئے تھے۔ کیا اس زور آزمائی کے انجام میں کچھ شک و شبہ ہو سکتا تھا؟

یہ بات اکثر بیان کی گئی ہے اور آج بھی وہی کہا گیا ہے کہ ہندوستان میں آپ کی عملداری شخصی رائے پر منحصر ہے۔ بیشک بات تو یہی ہے لیکن یہ سوال آپ کے حق کا نہیں ہے بلکہ آپ کی سلطنت کا ہے۔ اہل ہند

دیکھتے ہیں کہ اُن کے حکام قواعد اور قوانین کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں اس منظر سے اُن کی عقیدت مندی میں اور اضافہ ہوتا ہے لیکن آج آپ اس اعلیٰ حاکم کو جسے وہ مختار کل سمجھتے ہیں اپنے ماتحتوں کے ہاتھ سے ذلیل ہونے اور شکست کھانے دیجئے تو دوسرے ہی دن اسکے اثر سے سارا جادو ٹوٹ جائیگا - اس مسئلہ کے متعلق میری تو یہی رائے ہے - میں اقرار کرتا ہوں کہ تجربہ نے مجھے بزدل بنا دیا ہے - اس نے مجھے پست ہمت کر دیا ہے اور اُن مسائل سے میرا دل لرز جاتا ہے جن کو آزاد اخباروں کے حامی پیشوا سمجھتے ہیں جس سے صرف کمزور اور باطل پرست خوف زدہ ہو جاتے ہیں - جو تجویز کہ اس وقت اجلاس میں پیش ہوئی ہے اس کے معزز محرک نے یہ سوال کیا ہے کہ اگر اخباروں پر ایسی ہی قیود عائد کی جائیں گی جیسی کہ اس وقت ہیں تو پھر سرکاری ملازمان کے کیرکٹر اور ان کے اوصاف کے متعلق ہمارا ذریعہ معلومات کیا ہوگا اولاً مجھے یہ خیال ہوا تھا کہ اس قسم کی معلومات سرکاری کاغذات اور ان افسروں کی رائے ملاحظہ کرنے سے دستیاب ہو سکتی ہے جن کی ماتحتی میں وہ لوگ کام کرتے ہیں لیکن یہ ذرائع ناکمل مانے جائیں گے کیونکہ جملہ سرکاری کاغذات اُن قیود کے ماتحت شائع ہوتے ہیں جو ہندوستانی پریس پر لگائی گئی ہیں ہاں یہ معلومات کلکتہ جنرل کے اوراق اور اس کے اڈیٹر کی تنقید اور تبصرے سے حاصل کی جا سکتی ہیں جو ہندوستان میں ۳-۴ سال تک مقیم رہا اور ایک صوبہ کے باہر اس نے کبھی قدم نہیں رکھا اس شخص نے ہندوستانی حکام اور ان کی عملی کارروائیوں کے متعلق بڑی قابلیت اور مخلصانہ طور پر جو رائے زنی کی ہے اور اس کے گمنام نامہ نگاروں نے جو کچھ تحریر کیا ہے اسی سے ہم اس اہم مسئلہ کے متعلق مکمل اور غیر جانبدارانہ معلومات فراہم کر سکتے ہیں - اس مسئلہ کے اس جزء کے متعلق اسقدر بیان کر دینا کافی وافی ہے -

(۲۴۷)

میں نے سنا ہے کہ ایک معزز ہندوستانی رام موہن رائے نے

ایک درخواست پیش کی ہے میں اس شخص سے واقف ہوں اور اسکی بڑی عزت کرتا ہوں۔ میری دلی تمنا تھی کہ کاش یہ شخص محض خیالی حکمت عملی کے متعلق بے سود تجاویز تیار کرنے سے اجتناب کر کے اپنے اہل وطن کی گذشتہ اور موجودہ تاریخ مرتب کرنے میں اپنی قابلیت صرف کرتا جس سے ہمیں بہت امداد ملتی۔ کیونکہ یہ معلومات (جس سے ہم اس وقت تک بہت کم واقف ہیں) ترقی کی ہے ایک دانشمندانہ تجویز کی بنیاد ہے فاضل ممبر نے مسٹر ایڈم کے قوانین کے ان حصوں پر رائے زنی کی ہے جن کا تعلق دیسی اخبارات سے ہے اور اس تنقید سے یہ گمان ہو سکتا ہے کہ مسٹر ایڈم نے ہندوستانیوں کو اس آزادی سے محروم کر دیا جو آزادی اخبارات کی بابتہ انھیں عرصۂ دراز سے حاصل تھی۔ لیکن چند سال پیشتر ہندوستان میں کوئی دیسی اخبار شائع نہ ہوتا تھا اور اب ہندوستانی اخبارات بھی انہی قواعد و قوانین کے پابند ہیں جو انگریزی اخبارات کے لیے نافذ کیے گئے ہیں۔

میں ابھی اس مسئلہ پر اور بہت کچھ بیان کر سکتا ہوں لیکن میں آپکا بہت سا وقت لے چکا ہوں اس لیے اب مجھے مسٹر ایڈم کے متعلق اپنے خیالات ظاہر کرنے کی اجازت دیجئے جو اپنی پرائیویٹ زندگی میں جسقدر کریم النفس اور نیک مزاج ہیں اس سے بہت زیادہ وہ سرکاری ملازمت میں اپنی سرگرمی دیانت داری اور فہم و فراست کے لیے مشہور ہیں وہ کسی انسان کے دشمن ہو ہی نہیں سکتے۔ اس موقع پر وہ پبلک کی حفاظت کی خاطر اپنے کو مورد طعن و تشنیع بنانے کے واسطے پیش ہوئے ہیں۔ موصوف کے اس طرز عمل کی ضرورت اور فرزانگی کی شہادت ان حضرات کے خیالات میں مل سکتی ہے جن سے انکا قریبی تعلق ہے اور آپ ملاحظہ کریں گے کہ لارڈ ایمہرسٹ نے اس موقع پر یہی کارروائی اختیار کی تھی اور مجلس نظامت اور مجلس نگران کار نے مسٹر ایڈم کی اس کارروائی کو پسند اور منظور کیا ہے اب ضرورت اس امر کی ہے کہ یہ اجلاس بھی انکی حمایت کرے اور

اور مجھے یقین ہے کہ یہ جلسہ ان کی ضرور تائید کرے گا۔ اور مجھے امید ہے کہ حاضرین جلسہ اپنی تائیدی رائے پیش کر کے یہ ثابت کر دکھائیں گے کہ وہ محض شور و غوغا کے باعث کسی ایسے سرکاری افسر کی حمایت کو نہیں ترک کر سکتے ہیں جس نے اپنے فرض منصبی کو قابلانہ۔ وفادارانہ اور عاقلانہ طریقہ پر ادا کیا ہے۔

ضمیمہ (۷)

جنگ نیپال شروع ہونے سے پیشتر کا اعلان

چونکہ حکومت برطانیہ نیپالیوں کے خلاف تلوار اٹھانے پر مجبور ہوگئی تھی اس لیے گورنر جنرل بہادر نے یہ مناسب سمجھا کہ اس کام کی ابتدا، ترقی اور موجودہ انجام سے اُن سلطنتوں کو جن کے ساتھ کمپنی کی دوستی اور معاہدے ہیں بایں امید مطلع کر دیں کہ اس کے ظاہر کر دینے سے ان پر برطانیہ کا حلم اور تحمل اور ریاست نیپال کی ناانصافی اور جور و ظلم پورے طور پر روشن ہو جائے گورکھوں کی فتوحات کے سلسلے سے اُن کی سرحد کمپنی کے حلیف نواب وزیر اودھ اور اس کے ماتحت سنج سرداروں کی سرحدوں تک آپہونچی تھی اور یہ علاقہ مورنگ کی غربی سرحد سے دریائے ستلج کے کناروں تک پھیلا ہوا تھا۔ اس لیے ہرگز یہ توقع نہیں ہو سکتی تھی کہ دو سلطنتوں کے ملحقہ اضلاع کے باشندوں اور وہاں کے سرکاری حکام میں اختلافات پیدا نہ ہوں گے لیکن اگر دونوں سلطنتیں دوستانہ تعلقات کو بے غل و غش برقرار رکھنے کے واسطے منصفانہ اور مستقل روش پر قائم رہتیں تو وہ نامسعود جھگڑے ختم ہو جاتے جن کا انجام جنگ ہوا۔

اور اگرچہ حکومت برطانیہ نے نیپالیوں کے ساتھ اپنے تعلقات میں ہمیشہ نہایت سختی کے ساتھ انصاف اور تحمل کے اصولوں پر عمل کیا لیکن مرقومہ بالا علاقے میں انگریزی سرحد کا کوئی ایسا ضلع نہیں ہے جس کی کچھ اراضی پر گورکھوں نے اپنا قبضہ اور تصرف نہ کیا ہو حالانکہ وہ اراضیات کمپنی کی عملداری میں تھیں۔

نیپالیوں نے پورنیا۔ ترہٹ۔ سارن۔ گورکھپور۔ بریلی اور ستلج وجمنا کے مابین محفوظ علاقے کی اراضیات غصب کرلی ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے معاملے میں برطانیہ نے اپنے حلم اور تحمل کا اور نیپالیوں نے اپنے جور وستم اور گستاخانہ روش کا ثبوت دیا ہے۔

صرف دو واقعات کا بطور مثال کے بیان کر دینا کافی ہوگا جو سارن اور گورکھپور میں پیش آئے۔ جن سے کمپنی کے مسلمہ مقبوضات میں نیپالیوں کی باضابطہ مداخلت ظاہر ہوتی ہے اور فی الحقیقت جنگ کا باعث یہی مداخلت ہے۔ نیپالیوں نے مختلف اوقات میں ضلع سارن کے علاقہ بٹیا (Beeteah) میں خواہ مخواہ اپنی حکومت قائم کرلی لیکن حکومت برطانیہ نے حلم اور تحمل کے اصولوں پر کاربند ہونے کے باعث صرف فہمایش اور عرض معروض کرنے پر قناعت کی کیونکہ یہ امید تھی کہ سلطنت نیپال پر ہمارا منصفانہ مطالبہ واضح ہو جائیگا اور نیپال کے راجہ اور اس کے وزرا کے دل پر اس کا خاص اثر پڑے گا۔ رعایا کی مسلسل شکایتوں اور ٹپہ تنور (Tuppah V Nanoar) واقعہ علاقہ بٹیا (Beeteah) میں ایک واقعہ پیش آنے سے ایک ہنگامہ برپا ہوا جس میں ایک نیپالی افسر صوبہ لوچن گیر مارا گیا اس کے بعد حکومت برطانیہ نے اس مقام پر ایک سول افسر مامور کردیا اور پھر اس جگہ پر ریاست نیپال کے نمایندے اس سے آکر ملے اور دونوں نے مل کر شہادتیں قلمبند کیں تاکہ فریقین کے دعاوی معلوم کرلیے جائیں۔ اس کا نتیجہ یہ معلوم ہوا کہ بیشک انگریزوں کا دعوےٰ صحیح ہے اور یہ کہ نیپالیوں نے نہایت نامنصفانہ اور ظالمانہ کارروائی کی ہے۔

نیپالیوں کی غارت گری اور ناروا جور وظلم کا ایک بیّن ثبوت
اس واقعہ سے مل سکتا ہے کہ مرقومۂ بالا تحقیقات پر راضی ہو جانے اور دونوں
سلطنتوں کی جانب سے افسروں کے مامور کیے جانے کے بعد بھی زیر تحقیقات
علاقے سے تھوڑے سے فاصلہ پر کمپنی کے ایک مزید علاقے پر بیک
جبریہ قبضہ کر لیا گیا۔ اس ظالمانہ اور غیر منصفانہ کارروائی کا اقتضا تو یہ تھا کہ
اسکی فوری واپسی کا مطالبہ کیا جاتا اور تلوار کے زور سے اس علاقے پر اپنا
پھر قبضہ کر لیا جاتا لیکن اب حکومت برطانیہ کو افسوس کرنا چاہیے کہ اس نے یہ
طرز عمل اختیار نہیں کیا تھا۔ لیکن اس دلیرانہ زیادتی پر ناراض ہونے اور گوشمالی
کرنے کے بجائے جس کی ضرورت تھی حکومت برطانیہ نے دوستانہ روش
اختیار کی جیسی کہ اس قسم کے دیگر معاملات میں کی گئی تھی اور اپنے نمایندے
مسٹر ینگ کو ہدایت کی جو نیپالیوں کے نمائندوں سے مل کر تحقیقات پر
مامور کیا گیا تھا کہ وہ اپنی تحقیقات کے دائرہ میں اس جدید مغصوبہ علاقے کو
بھی شامل کرلے۔

نیپالیوں نے ننور کے علاقے پر جس میں ۲۲ دیہات داخل تھے
قبضہ کر لینے کی بابتہ یہ عذر پیش کیا کہ یہ دیہات ٹپہ روٹ ہٹ میں شامل
ہیں اور ان ہی سے پرگنہ سنون بنایا گیا ہے اور ۱۷۸۳ء میں یہ ٹپہ مع ترائی
کلورن پور نیپالیوں کو واپس دیدیا گیا تھا جس کو انگریزی فوج نے بسرکردگی
میجر کنلاک فتح کیا تھا۔ مسٹر ینگ نے جو شہادت قلم بند کی اس سے ثابت
ہو گیا کہ یہ عذر بالکل بے بنیاد ہے اور اس شہادت سے بخوبی ظاہر ہو گیا کہ اراضیات
متنازعہ ٹپہ ننور میں واقع ہیں جو پرگنہ سمرودن کا ایک حصہ ہے اور یہ کہ
کمپنی نے روٹ ہٹ اور مکورن پور کا باقی ماندہ حصہ نیپالیوں کو واپس
کرنے کے وقت پرگنہ سمرودن اپنے پاس رکھ لیا تھا لیکن اگر صورت معاملہ
اس کے برعکس بھی ہو تب بھی چونکہ وہ دیہات ۳۰ سال تک ہمارے
قبضے میں رہے ہیں نیپالیوں کی خوشی رضامندی بمنزلہ دست برداری کے
ہے خواہ ان کا اصلی استحقاق کیسا ہی زبردست کیوں نہ ہو۔ کمپنی سے کے

اس علاقے پر جس کی بابتہ نیپالیوں کا دعوے ہے کہ کسی زمانے میں وہ علاقہ ہمارا تھا نیپالیوں کے یکایک جبریہ قبضہ کر لینے سے ہرگز یہ گمان نہیں ہو سکتا ہے کہ اگر انہیں اپنے موجودہ دعوے کی کچھ بھی اصلیت محسوس ہوتی تو وہ اسقدر طویل زمانے تک خموش بیٹھے رہتے۔ نیپالیوں کی کارروائی کی نوعیت صاف ظاہر ہے کہ انھوں نے پیشتر سے سوچ سمجھکر آہستہ آہستہ دست برد کی کارروائی پر عمل کیا ہے جس میں وہ حکومت برطانیہ کے عدیم المثال صبر اور تحمل سے کامیاب ہوگئے اور بیٹا روٹ ہٹ میں ۲۲ دیہات کے داخل ہونے کا دعوے اس ناجائز حرکت کی رتنگ آمیزی کے لیے پیش کیا گیا، جو ان سے سرزد ہوئی ہے جبکہ انھیں اپنے اس فعل کی وجہ بتانے کی ضرورت لاحق ہوئی نیپالی اپنے یہاں کے افسر صوبہ لوچن گیر کے قتل کا الزام ہماری رعایا کے ذمہ لگاتے ہیں اور انکا بیان ہے کہ حکومت برطانیہ سے انہیں اسی کی شکایت ہے کہ صوبہ لوچن گیر کے قتل کی پاداش میں راجہ بٹیا اور اسکے ساتھیوں کو حکومت برطانیہ نے کوئی سزا نہیں دی اور اس الزام پر وہ اپنی مابعد حرکات کے جواز کو مبنی کرتے ہیں لیکن ناقابل تردید شہادت سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ جس ہنگامے میں لوچن گیر مارا گیا اس کے برپا ہونے سے پیشتر لوچن گیر کے قبضہ میں بٹیا کے چند مواضعات تھے اور وہ اپنی دست درازیوں کو وسعت دینے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ اس کی کارروائی کی زبردست مخالفت کرنے میں رعایا خواہ کیسی ہی قابل سرزنش نہ قرار دیجائے لیکن انھوں نے صرف اپنی ہی حکومت کا جرم کیا اور نیپالی ان اشخاص کو ایک ایسے فعل کی سزا دینے کا ہرگز مطالبہ نہیں کر سکتے ہیں جو محض اُن ہی کے افسروں کی نالائقی سے وقوع میں آیا تھا اور نہ وہ ہماری حکومت پر مجرمانہ فرو گذاشت کا الزام لگا سکتے ہیں جو اس سے مختلف صورتوں میں ایک رفیق سلطنت لگا سکتی ہے علاوہ بریں دیگر معاملات میں انھوں نے جو طرز عمل اختیار کیا ہے اسکو جائز ثابت کرنے کے لیے وہ کوئی معقول دلیل نہیں پیش کر سکتے ہیں

چونکہ بٹیا کے مقبوضہ دیہات کی بابتہ ہماری گورنمنٹ نے جو قطعی

تجویز قرار دی تھی اس کے ایک حصے پر نیپالیوں کی اس کارروائی کا اثر پڑ گیا تھا جو انھوں نے ضلع گورکھپور کے متنازعہ فیہ علاقے بٹول اور شیوراج میں اختیار کی تھی۔ اس لیے اس معاملے کی بابت اس موقع پر مفصل واقعات بیان کر دینا مناسب ہوگا یہ بات عام طور پر مشہور ہے اور زندہ گواہوں کی ناقابل اعتراض شہادت اور مستند کاغذات سے ثابت ہو چکی ہے کہ دامن کوہ تک بٹول کا سارا علاقہ بجز شہر بٹول کے نواب وزیر اودھ نے راجہ پلپا (Palpah) کو عطا کیا تھا جو راجہ موصوف کے قبضہ میں سنہ ۱۸۰۱ء معاہدۂ دست برداری سے بہت پیشتر تک رہا۔ اور پھر اسی معاہدہ کی رو سے یہ علاقہ کمپنی کو منتقل کر دیا گیا کیونکہ یہ علاقہ اس فہرست میں درج تھا جو معاہدہ میں منسلک تھی اور یہ بھی مشہور بات ہے ضلع بٹول فی الحقیقت حکومت برطانیہ کے پاس معاہدۂ دست برداری کی رو سے آیا تھا اور پھر کلکٹر گورکھپور نے راجہ پلپا کے ایک کارندے سے جو اس وقت کاٹھمنڈو میں مقید تھا اس علاقہ کو ۲۳ ہزار سالانہ کے پٹہ پر لے لیا اور راجہ نیپال کو اس پر کوئی اعتراض نہ پیدا ہوا۔

چنانچہ سنہ ۱۸۰۴ء تک یہ علاقہ پٹہ پر رہا جبکہ نیپالیوں نے دامن کوہ میں دست درازیاں شروع کر دیں اور بالآخر انھوں نے بٹول کے پورے ضلع پر اپنا قبضہ کر لیا۔ نیپالی پٹہ شیوراج (Tuppah of Sheoraj) پر معاہدۂ دست برداری سے پیشتر ہی قبضہ کر چکے تھے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ یہ علاقہ نواب وزیر اودھ کی ریاست کا تھا اور معاہدۂ دست برداری میں یہ علاقہ مع ان نشیبی علاقوں کے جو ضلع گورکھپور میں دامن کوہ کے کنارے پر واقع ہیں درج تھا۔

نیپالی خواہ مخواہ بٹول اور شیوراج اور پہاڑی کے زیریں علاقوں کے دعویدار بن گئے۔ وجہ صرف اسقدر تھی کہ انھوں نے پلپا Palpah گولمی (Goolmee) پنتانی (Pentaneh) اور کالا پنجی وغیرہ کے پہاڑی علاقے فتح کیے تھے اور اول الذکر مقامات ان پہاڑی ملکوں کے دامن

باترائی میں واقع تھے اگر اس بات کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ان کے مالک قریبی پہاڑیوں کے سردار تھے تو اس کے اقرار سے اس مسئلہ پر کچھ اثر نہیں پڑتا ہے۔ کیونکہ یہ بات پورے طور پر معلوم کر لی گئی ہے کہ گورکھوں کی فتوحات سے بہت پیشتر یہ علاقے اودھ کی عملداری میں عرصۂ دراز تک داخل رہے ہیں اور اس لیے خود مختار پہاڑی شہروں کو فتح کر لینے سے ان کے فاتح دوسرے علاقوں کے دعویدار نہیں ہو سکتے ہیں کیونکہ ان پر بھی اگرچہ پہاڑی سرداروں کا قبضہ تھا لیکن یہ علاقے انھوں نے ایک دوسری سلطنت سے پٹہ پر لیے تھے۔

اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کہ نیپالیوں کو ان دیہات پر کوئی شاہی استحقاق حاصل نہ تھا صرف اسقدر بیان کر دینا کافی ہوگا کہ ان علاقوں کو غصب کرنے کے بعد فوراً ہی نیپالیوں نے یہ درخواست پیش کی کہ راجہ پلپا کی شرائط پر ہم آپ سے بٹول کو پٹہ پر لینا چاہتے ہیں لیکن ہماری حکومت نے اس درخواست کو منظور کرنا مناسب نہیں تصور کیا۔

نیپالیوں نے وقتاً فوقتاً نامعلوم دست درازیاں کیں تاکہ حکومت برطانیہ ان کے اصل اغراض کی بابتہ مغالطے میں رہے اور چونکہ حکومت برطانیہ نے نیپالیوں کے ساتھ ہر ایک کارروائی میں صبر اور تحمل سے کام لیا اس لئے حکومت برطانیہ نے وہ تدابیر اختیار نہیں کیں جن سے فوراً ہی نیپالیوں کی زیادتیوں کا تدارک ہو کر مغصوبہ علاقوں پر برطانیہ کی از سر نو حکومت قائم ہو جاتی۔ اس علاقہ میں نیپالیوں کی پہلی غاصبانہ کارروائی ہی پر جو فہمائش اور بحث شروع ہوئی تھی اس میں اگرچہ کئی بار خلل واقع ہوا مگر وہ نو سال تک جاری رہی لیکن اس دوران میں نیپالی مناسب موقع پانے پر برابر دست درازیاں کرتے رہے۔ آخرکار راجہ نیپال نے یہ تجویز پیش کی کہ دونوں سلطنتوں کی جانب سے نمائندے مقرر ہو کر موقع پر تشریف لے جائیں اور وہ تحقیقات کر کے فریقین کے دعاوی کا تصفیہ کریں اور ان کی تحقیقات سے جو نتیجہ برآمد ہو اس کی دونوں سلطنتیں پابندی

کریں اگرچہ حکومت برطانیہ کو اپنے دعاوی کی صحت کا پورا یقین تھا لیکن اس نے اس تاخیر اور مصارف کو گوارہ کرنے میں کچھ تامل نہیں کیا جو اس تحقیقات کا لازمی نتیجہ تھے تاکہ آہستہ آہستہ بالآخر نیپالی اس کے دعاوی کو تسلیم کرلیں علاوہ ازیں ہمیں اپنے دعاوی کی صحت اور اپنے طرز عمل کے تحمل کا غیر مشتبہ ثبوت پیش کرنے کا بیحد اشتیاق تھا۔ چنانچہ راجہ نیپال کی تجویز قبول کرلی گئی اور میجر براڈشا کو حکم دیا گیا کہ وہ بٹول کو روانہ ہو اور ریاست نیپال کے مقرر کردہ نمایندوں سے مل کر تحقیقات میں مصروف ہو جائے۔ چنانچہ دونوں سلطنتوں کے نمایندے موقع پر جا کر مل گئے اور نیپالی نمایندوں کی بہت کچھ ٹال مٹول اور ردوقدح کے بعد تحقیقات ختم ہو گئی اور زبانی و تحریری ناقابل تردید ثبوت سے کل نشیبی علاقے میں برطانیہ کے استحقاق کی تصدیق ہو گئی۔

نیپالی نمایندے اس شہادت کی قوت کا مقابلہ نہیں کرسکتے تھے مگر وہ اپنی ریاست کے احکام کی پابندی کرکے حکومت برطانیہ کے دعوے کو تسلیم کرنے سے باز رہے اور انھوں نے یہ بہانہ پیش کیا کہ ہمیں فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں دیا گیا ہے۔ اس لیے ہم اس معاملہ کو راجہ صاحب کی خدمت میں برائے صدور احکام ارسال کرتے ہیں جس وقت کہ نمایندوں نے تحقیقات (۲۵۶) ختم کی اُس وقت چونکہ موسم اس قدر خراب تھا کہ آیندہ سال شروع ہونے سے قبل کوئی کارروائی اس کے متعلق نہیں کی جاسکتی تھی۔ حکومت برطانیہ نے فوراً یہ کارروائی کی کہ راجہ صاحب کے نام ایک مراسلہ روانہ کیا جس میں کہ بوضاحت نمایندوں کی تحقیقات کا نتیجہ درج تھا اور راجہ صاحب سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ آپ متنازعہ فیہ علاقوں سے دست بردار ہو جائیے چونکہ تحقیقات اس شرط پر کی گئی تھی اور اس تحقیقات سے ہمارے دعاوی پورے طور پر صحیح ثابت ہو گئے ہیں۔ راجہ نیپال نے اس منصفانہ اور معقول مطالبہ کے جواب میں وہی فرسودہ دلائل اپنی تائید میں پیش کیے جن کی مکمل تردید نمایندوں کی فراہم کی ہوئی شہادت سے ہوچکی تھی اور علاقہ جات متنازعہ کو واپس دینے سے انکار کردیا اس لیے

یہ معاملہ سال آیندہ یعنی سنہ ۱۴-۱۸۱۳ء شروع ہونے تک اسی حالت میں رہا۔
اسی اثنا میں جب موسمی حالت سفر کے لائق ہوگئی تو مسٹر براڈشا بٹیا کی سرحد پر جا پہنچے اور انہیں یہ اختیار دیدیا گیا کہ نیپالی نمایندوں سے مل کر وہاں کے متعلق فریقین کے حقوق کا تصفیہ کردیں اور مسٹر ینگ نے جو تحقیقات کی تھی اس کا کوئی عملی نتیجہ نہیں برآمد ہوا ہے۔
مسٹر براڈشا نے موقع پر پہنچ کر حکومت برطانیہ کے ہر ایک مطالبے کو از سر نو پیش کیا لیکن اس کے استحقاق کی تحقیقات سے پیشتر مسٹر موصوف نے تنور کے ۲۲ دیہات کی واپسی کا مطالبہ کیا جس پر کہ پہلے زور نہیں دیا گیا تھا نیپالیوں نے اس مطالبے کو تسلیم کرلیا اور ان دیہات پر کمپنی کے افسروں نے از سر نو اپنا قبضہ کرلیا مگر اس میں صرف اسقدر شرط تھی کہ مجوزہ تحقیقات کے نتیجہ کے بموجب ان دیہات کا تصفیہ ہوگا نیپالی حکومت نے اس تحقیقات کے (۲۵۷) نتیجے کی پابندی کرنے سے انکار کردیا جو ضلع گورکھپور میں غاصبانہ کاروائیوں کی بابتہ خود انہی کی تجویز کے مطابق عمل میں لائی گئی تھی باوجودیکہ اس علاقے کی اراضی متنازعہ پر حکومت برطانیہ کے حقوق پورے طور پر ثابت ہوگئے تھے اس لیئے اب گورنر جنرل نے ضلع سارن کی غاصبانہ اراضیات کی بابتہ دونوں سلطنتوں کے حقوق کے متعلق جدید تحقیقات کی اجازت دینے میں تامل کیا جس سے مالی نقصان، مشکلات اور پریشانیاں لاحق ہوتیں گورنر جنرل بہادر نے جملہ واقعات پر غور فرمایا اور اس بات کو بھی مدنظر رکھا کہ مسٹر ینگ کی تحقیقات سے حکومت برطانیہ کا دعویٰ پورے طور پر صحیح ثابت ہوچکا ہے اور یہ تحقیقات نیپالی نمایندوں کے ہمراہ کی گئی تھی اور جن حضرات کو بہترین مقامی معلومات حاصل تھی ان کے حلفیہ بیانات قلم بند کئے گئے تھے علاوہ بریں اس تحقیقات کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ یہ وقوعہ کے زمانے کے قریب ہی عمل میں لائی گئی تھی اور خود نیپالیوں نے تسلیم کرلیا تھا کہ تمہارا تیس سال سے مسلسل قبضہ ہے اور ہمارے دعوے کی جائز ہونے کی یہ بھی ایک زبردست دلیل ہے اس لیے اب گورنر جنرل بہادر کی یہ رائے ہوئی کہ مزید تحقیقات

فضول اور تضیع اوقات میں داخل ہے اور حکومت نیپال زیادہ سے زیادہ یہ توقع کرسکتی ہے کہ دونوں سلطنتوں کے نمایندے پھر موقع پر تشریف لے جائیں اور مزید تحقیقات کرکے ان خامیوں کو دور کردیں جو گذشتہ تحقیقات میں رہ گئی ہیں۔ اور جو تحقیقات ختم ہوگئی ہے اس پر اصولی بحث کرکے نتیجہ اخذ کریں۔

جب مسٹر براڈشا نے گورنر جنرل باجلاس کونسل کے فیصلہ سے نیپالی نمایندوں کو مطلع کیا اور ان سے اس کام کے لیے ملاقات کرنے اور ان کاغذات کو پیش کرنے کا وعدہ کیا جو اس نے فراہم کیے تھے اور جن سے ان نتائج کی صداقت کی تصدیق ہوتی ہے جو گذشتہ شہادت سے اخذ کیے گئے ہیں۔ اس کا نیپالی نمایندوں نے یہ جواب دیا کہ "ہم نہ تو آپ سے ملنا چاہتے ہیں اور نہ کسی قسم کی مراسلت ہی پسند کرتے ہیں ہم متصوبہ علاقوں کی مشروط واپسی کو منسوخ کرتے ہیں اور ہم آپ سے کہتے ہیں کہ فوراً سرحد سے واپس چلے جائیے۔" اس کے بعد نیپالی نمایندے فوراً نیپال کو واپس چلے گئے اس نامعقول اور اہانت آمیز جواب کے بعد بجز اس کے کچھ اور معنی نہیں ہو سکتے تھے کہ حکومت برطانیہ کے سچے دعاوی کو تسلیم نہ کیا جائے اور اس سے اب حکومت برطانیہ کے لیے بجز اس کے اور کوئی چارہ کار نہیں رہا کہ نیپالیوں نے جو حقوق دینے سے انکار کیا ہے وہ حکومت برطانیہ خود حاصل کرلے۔ اس اصول پر عمل پیرا ہوکر نواب گورنر جنرل بہادر نے راجۂ نیپال کے نام ایک مراسلہ روانہ کیا جس میں اس کے نمایندوں کے طرز عمل پر تبصرہ کرنے کے بعد متنازعہ علاقوں کے مکمل تخلیہ کا مطالبہ کیا اور یہ بھی تحریر فرمایا کہ اگر میعاد معینہ کے اندر اس کی تعمیل نہ کی جائے گی تو ان علاقوں میں جو دیہات ابھی تک نیپالیوں کے قبضہ میں ہیں ان پر بھی ہم اپنا قبضہ کرلیں گے اور جو ۲۲ مواضعات مشروط طور پر برطانی حکومت کو منتقل کردئے گئے ہیں وہ باضابطہ کمپنی نے اپنی عملداری میں از سر نو شامل کرلیے ہیں اس مطالبے کی

(۲۸۸)

نیپالیوں نے تعمیل نہیں کی اس لیے ان علاقوں پر از سر نو قبضہ کر لیا گیا اور کل متنازعہ علاقہ پر برطانی حکومت کی عملداری دوبارہ قائم ہوگئی۔

جس وقت کہ یہ واقعات سارن میں پیش آرہے تھے۔ حکومت برطانیہ نے ریاست نیپال کے طرز عمل سے اور بٹول و شیوراج کی واپسی کے مطالبہ کے جواب سے سمجھ لیا کہ راجہ نیپال ہرگز ان علاقوں کو واپس دینا نہیں چاہتا ہے اس لیے حکومت برطانیہ نے مجبوراً ان علاقوں پر اپنی قوت سے زور سے قبضہ کرنے کے لیے تیاریاں شروع کر دیں شاید اسکی ضرورت لاحق ہو۔ گورنر جنرل باجلاس کونسل نے متنازعہ علاقہ میں اپنی فوجیں روانہ کرنے سے قبل ایک بار پھر کوشش کی کہ راجہ نیپال یہ علاقے واپس کر دے اور اپنا مطالبہ تحقیقات کے نتیجہ پر مبنی کر کے پھر پیش کیا اور اسی کے (۲۵۹) ساتھ یہ ظاہر کر دیا کہ اگر میعاد معینہ کے اندر (جو بتادی گئی تھی) واپسی کے احکام موصول نہ ہوں گے تو انگریزی فوجیں ان علاقوں پر قبضہ کرنے کے واسطے روانہ ہو جائیں گی۔ میعاد معینہ ختم ہوگئی اور حکومت نیپال نے برطانیہ کے جائز مطالبہ کی تعمیل کرنے کے متعلق کوئی کارروائی نہیں کی اس لیے فوجوں کو روانگی کا حکم دیدیا گیا اور انگریزی فوجوں کے آگے بڑھنے پر نیپالی فوجیں اور وہاں کے نیپالی افسران واپس چلے گئے اور پھر کمپنی کے سول افسران نے متنازعہ علاقوں پر اپنا تسلط قائم کر لیا۔

اس کے چند روز بعد موسم برسات شروع ہو جانے سے وہاں سے باقاعدہ فوجوں کو واپس بلانے کی ضرورت لاحق ہوگئی تاکہ وہ بخار کے مرض میں مبتلا نہ ہو جائیں کیونکہ اس سارے علاقہ میں برسات بھر بخار کا دور دورہ رہتا تھا۔ اس لئے حاصل کردہ علاقہ کی نگرانی اور حفاظت مجبوراً محکمہ پولس کے سپرد کر دی گئی۔

نیپالیوں کی بیتن شکست سے کسی قسم کا اندیشہ پیدا نہیں ہوا کیونکہ اس ضلع سے نیپالیوں کے نکالنے میں کچھ قوت صرف نہ ہوئی تھی۔ ۲۹ مئی کو بوقت صبح نیپالی فوج کی ایک زبردست جماعت نے ریاست نیپال کے

ایک افسر منبوراج کی سرکردگی میں بٹول کے صدر تھانہ پر حملہ کر دیا مگر وہ
نکال باہر کئے گئے اس لڑائی میں ہمارے ۱۸ آدمی قتل اور ۶ زخمی ہوئے
از انجملہ ایک داروغہ یا پولیس افسر ہتھیار رکھدینے اور قید ہو جانے کے
بعد نہایت بے دردی کے ساتھ منبوراج کے سامنے قتل کر دیا گیا
اس کے بعد نیپالی فوجوں نے ایک اور تھانہ پر حملہ کیا مگر وہاں سے بھی (۲۶۰)
وہ پسپا کر دی گئیں اور ہمارے کئی آدمی قتل اور زخمی ہوئے چونکہ اس
بیماری کی فصل میں پولیس تھانوں کی امداد کے لئے فوجیں نہیں بھیجی جا سکتی
تھیں اس لئے وہاں سے پولس کو واپس طلب کرنے کی ضرورت لاحق
ہوئی اور اس طرح نیپالیوں کو علاقۂ متنازعہ پر قبضہ کرنے کا موقع مل گیا
جو اس وقت تک ان ہی کے پاس رہے۔ حکومت برطانیہ کی یہ توقع
ابھی منقطع نہیں ہوئی تھی کہ ریاست نیپال سے دوستانہ مصالحت ہو جائیگی
لیکن ریاست نیپال نے خونریزی اور غارت گری کی وارداتیں کر کے
اپنے کو حکومت برطانیہ کا صریح دشمن بنا لیا اور بجز اطاعت اور عاجزی کے
کوئی اور امکان مصالحت کا باقی نہیں رہنے دیا۔

مگر اب بھی گورنر جنرل جنگ شروع کرنا پسند نہ کرتے تھے اور انھوں نے
راجہ نیپال کو جنگ سے بچنے کا ایک اور موقع دیدیا اس لئے ہز ایکسلنسی
نے راجہ نیپال کو تحریر فرمایا کہ آپ کو آگاہ ہونا چاہیئے کہ جو گستاخانہ حرکت
کی گئی ہے اسکا کیا انجام ہوگا آپ اس صورت سے بری الذمہ ہو سکتے
ہیں کہ آپ اس حرکت پر تعریض کریں اور مجرموں کو سزا دیں۔ اس خط کا جواب
صاف انکاریہ اور دھمکی آمیز موصول ہوا۔

چونکہ نیپالیوں نے اطاعت اور عاجزی کرنے سے انکار کیا اسلئے
حکومت برطانیہ کے پاس بجز اسکے کوئی اور چارۂ کار باقی نہیں رہا کہ اپنی
بے قصور رعایا اور اپنے وقار اور عزت کی اہانت کا انتقام لینے کے لیے
تلوار ہاتھ میں لے۔ چونکہ موسم کی حالت خراب تھی اس لیے وہ تدابیر عمل میں
نہ لائی جا سکیں جن کی ضرورت نیپالیوں کی گستاخی جور و ظلم اور بربریت کی

سزا دینے کے واسطے تھی۔ جن کے سارے طرز عمل میں یعنی نہ صرف متذکرہ بالا خاص خاص معاملات میں بلکہ برطانیہ کے متعلق ہر ایک کارروائی میں سالہا سال سے یہ خصوصیت نظر آتی ہے کہ وہ اعزاز انصاف اور نیک نیتی کے اصولوں کی کچھ پروا نہیں کرتے ہیں بلکہ نہایت گستاخی۔ شوخی۔ اور دلیری سے پیش آتے ہیں اور بہت عرصہ سے یہ صاف نظر آرہا ہے کہ دربار کاٹھمنڈو نے حکومت برطانیہ کے جملہ جائز مطالبات کو مسترد کرنے کی ٹھان لی ہے اور وہ دونوں سلطنتوں کے تصفیہ طلب معاملات کو بذریعہ جنگ فیصل کرنا چاہتا ہے۔ (۲۶۱)

بٹول میں پولس افسروں کے قتل کے بعد اور پھر سستی کی باعث ناگزیر تاخیر کے اثنا میں یہ کینہ اور ظالمانہ حرکت کی کوشش کی ہے کہ سارن کی سرحد پر کمپنی کی رعایا اور فوج کو مار ڈالنے کے لیے انھوں نے وہاں کے ایک وسیع علاقہ کے تالابوں اور کنوؤں کے پانی میں زہر ملا دیا۔ مگر خوش نصیبی سے ان کی اس حرکت کا پتہ لگ گیا اور انھیں اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہ ہو سکی اور حکومت برطانیہ کے ہاتھ اس کا ناقابل تردید ثبوت آگیا ہے۔

موسمی خرابی سے فوجی کارروائی میں جو خلل پڑ گیا تھا وہ اب رفع ہو گیا ہے اور حکومت برطانیہ اپنے وسائل کو نہایت مستعدی اور سرگرمی سے کام میں لاکر ریاست نیپال کو اس تاوان کے ادا کرنے پر مجبور کرنے کے لئے تیار ہے جس کے مطالبہ کی وہ انصافاً مستحق ہے۔ حکومت برطانیہ عرصۂ دراز سے نیپالیوں کی حرکتوں کو عدیم النظیر صبر و تحمل سے برداشت کر رہی ہے اور نیپالیوں کی گستاخی۔ جور و ظلم اور غارت گری کے جواب میں نہایت معقول اور منصفانہ کارروائی اختیار کی ہے لیکن آخر صبر و تحمل کی بھی کوئی حد ہے اور حکومت برطانیہ اپنے حقوق۔ مفاد اور وقار کے تحفظ کے لیے تلوار ہاتھ میں لینے پر مجبور ہوئی اور تلوار اس وقت تک ہاتھ سے نہ چھوڑی جائے گی جب تک کہ دشمن اپنی وحشیانہ حرکات کی پاداش میں اطاعت قبول کرنے اور تاوان

دینے پر مجبور نہ ہو جائے گا کل صرفہ جنگ دشمن کو ادا کرنا پڑے گا اور ان تعلقات کو آئندہ قائم رکھنے کی اسے ضمانت دینی ہوگی جو اس نے نہایت شرمناک طور پر منقطع کر دئے ہیں اگر ریاست نیپال کے گمراہ مشیران معقول مطالبات کو مسترد کرنے کا اسے مشورہ دیں گے تو اس کے نتائج کی وہ ریاست خود ذمہ دار ہوگی۔ حکومت برطانیہ نے جنگ سے گریز کرنے اور مصالحت ہو جانے کے لیے انتہائی کوششیں کی ہیں مگر جنگ کے انجام کا اسے کچھ اندیشہ نہیں ہے۔ اسے اپنے مطالبہ کی معقولیت۔ اور اپنی فوج کی قابلیت۔ پابندی ضابطہ اور شجاعت سے کامل یقین ہے کہ جو جنگ درپیش ہے وہ بہت جلد باعزت خاتمہ کے ساتھ انجام کو پہنچے گی۔ (۲۶۲)

بحکم ہز ایکسی لینسی گورنر جنرل

دستخط۔ جے ایڈم
معتمد حکومت

از مقام لکھنؤ
مورخہ یکم نومبر ۱۸۱۴ء

ضمیمہ (۸)

ہدایاتِ[1] میجر جنرل سر جان ملکم جی سی بی کے ایل ایس (۳۶۳)

بنام

افسران ماتحت متعینہ سنٹرل انڈیا مورخہ ۱۸۲۱ء

یہ ہدایتیں ان اصولوں پر مبنی ہیں جن کو اپنے ماتحت افسروں کے دل نشین کرنے کے لیے میں نے ہمیشہ کوشش کی ہے اور اس وقت کریں

---

[1] یہ ہدایتیں سنٹرل انڈیا کے ضمیمہ میں شائع کی گئی تھیں مگر چونکہ سر طامس منرو گورنر مدراس کی یادداشت مورخہ ۲۹ مارچ سنہ ۱۸۲۵ء کے اقتباس سے ان کے مفید ہونے کی تصدیق ہوتی ہے اس لیے یہ ہدایتیں اب دوبارہ شائع کیجاتی ہیں۔ اس یادداشت میں گورنر موصوف نے ان ہدایتوں کو مشتہر کیا اور ایسی یہ توقع ظاہر کی کہ ہر ایک سرکاری افسر جس کے استعمال کے لیے یہ ہدایتیں تحریر کی گئی ہیں اس اسپرٹ کو اپنی مشعل راہ بنائے گا جو ان میں جاری و ساری ہے۔

سنٹرل[1] انڈیا سے رخصت ہو رہا ہوں (غالباً پھر واپسی نہ ہو گی) میں اپنے ذمہ
اُن کا سرکاری ملازمت کا اور اپنا یہ فرض محسوس کرتا ہوں کہ عام اور مقامی نظم و
نسق کی بابتہ اپنے خیالات کو زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کروں غالباً کسی
دوسرے موقع پر ان کے ظاہر کرنے کی ضرورت نہ ہوتی جو حضرات کہ اپنے
علم اور تجربہ سے اس مسئلہ کے متعلق رائے قایم کرنے کے لائق ہیں ان سب کی
بالاتفاق یہی رائے ہے کہ ہندوستان میں ہماری حکومت کا انحصار صرف
اس بات پر ہے کہ اہل ہند عام طور پر اپنے فرماں رواؤں کے مقابلے
میں ہماری نیک نیتی - دانائی اور قوت کو اعلیٰ اور افضل سمجھتے رہیں . اور ہم
ان کے عادات و خصائل - رسم و رواج اور مذہب کا جس قدر لحاظ کریں گے　(۲۶۴)
اور ان کے ساتھ جسقدر تحمل - خوش اخلاقی اور خوش مزاجی کے ساتھ پیش آئینگے
اُسی قدر اس زبردست اثر میں اضافہ ہو گا اور اگر ہم اپنے کسی فعل سے انکے
مذہبی عقیدے یا اُن کی باطل پرستی کو صدمہ پہنچائیں گے تو اس اثر کو نقصان
پہنچ جائے گا اور اس سے ظاہر ہو گا کہ افراد اور اقوام کا کچھ لحاظ نہیں کیا گیا
اور ہم نے فاتح ہونے کی نشے میں ان اصول کو فراموش کر دیا جن سے کہ
یہ عظیم الشان سلطنت قایم کی گئی اور صرف انھیں اصول پہ کاربند ہو کر یہ سلطنت
قایم رکھی جا سکتی ہے -

اہل ہند کی نا اتفاقی بھی ہماری سلطنت کی ایک زبردست بنیاد ہے
اور علاوہ دیگر امور کے اس نا اتفاقی نے ہماری سلطنت کے قایم ہونے میں
بڑا حصہ لیا ہے لیکن اس کا پتہ لگانے سے ہمیں معلوم ہوا ہے کہ یہ نا اتفاقی اس
حالت سے پیدا ہوئی ہے جس میں کہ ہم نے ہندوستان کو مبتلا پایا اور اسکا

---

[1] سنٹرل انڈیا (وسط ہند) ان علاقوں کے مجموعہ کا نام ہے جو ہندوستان کے
وسط میں واقع ہیں اس کا طول البلد ۷۳ سے ۸۰ درجہ تک اور عرض البلد ۱۷ سے
۵۷ درجہ تک ہے اس میں وہ وسیع علاقہ داخل ہے جو شہنشاہ دہلی کے زمانہ میں صوبۂ
مالوہ کے نام سے مشہور تھا (سرگذشت سنٹرل انڈیا صفحہ ۱ جلد ۱)

باعث وہ روش ہے جو ہم نے اہل ہند کے ساتھ اختیار کی ہے اور یہ اتفاقی اس وقت تک قائم رہے گی جب تک کہ ہندوستان کی حالت نہ بدل جائیگی اور اپنے طرز عمل میں کوئی تبدیلی کرنا سردست ہمارے اختیار سے باہر ہے۔ چونکہ اس براعظم کے باشندوں کی بڑے حصہ کی حالت یکساں ہے جو اب ہمارے زیر حکومت ہیں اس لیئے یقیناً ان کی یہ یکسانیت ان میں مشترکہ مقاصد کے ساتھ کام کرنے کی ترغیب پیدا کر دیگی جو ہر قسم کے اتفاق کی جڑ ہے ہماری حکومت اس مقابلے کی زیادہ تر مرہون منت ہے جو بدنظمی اور جور و ستم سے کیا جاتا ہے لیکن ہم اس قوت کو یوماً فیوماً ضائع کرتے جاتے ہیں۔ ہمارے وسائل غیر محدود تصور ہونے سے بھی ہمیں فائدہ پہنچا ہے لیکن یہ بات ہمارے وسائل کی حقیقی حالت کی لاعلمی ہونیکے باعث پیدا ہوئی ہے اور اس کے متعلق واقفیت حاصل ہو جانے پر یہ خیال پست ہو جائے گا۔ اہل ہند کے ادنے اور وسطے طبقے ہماری حکومت کے حامی و معاون ہیں کیونکہ وہ ہماری حکومت کو اپنے حق میں شفیق تصور کرتے ہیں لیکن ان کے اس خیال سے ہماری حکومت کو سخت صدمہ پہنچتا ہے کہ ہمارا نظام حکومت کسی ہندوستانی کے رتبہ اختیارات اور وقار کو دواماً قایم رکھنے کا مخالف ہے یہ عقیدہ عام طور پر ہر ایک فرقہ کا ہے اور یہ بلاوجہ بھی نہیں ہے اور اس کے باعث تقندر اور معزز حضرات ہر وقت پریشان اور متلون مزاج رہتے ہیں۔ ان کی اس حالت سے جو جذبہ پیدا ہوتا ہے اس کو دیکھکر وہ حضرات جنھیں قدرے آزادی اور قوت میسر ہے بدامنی بے چینی اور حرص و ہوس کے فنون سیکھنے پر مائل ہو جاتے ہیں ہماری سلطنت کے حق میں یہ ایک خطرہ ہے اور تاوقتیکہ ہم اپنے نظم و نسق میں اس خطرہ کے مساوی ترقی دیکر اس کا ردعمل نہ کریں یہ خطرہ بڑھتا ہی رہے گا۔ (۲۶۵)

غالباً ہمیں اپنی نگراں کار اور انتظامیہ حکومت کے عجیب و غریب ڈھانچے سے بڑی تقویت پہنچتی ہے اور غالباً اسی سے ہندوستان پر اپنی

عملداری کے قیام کی بابت ہماری امیدیں وابستہ ہیں ہندوستان کی مقامی حکومت کے جملہ شعبوں میں سرپرستی کو بہت کم دخل حاصل ہے۔ اس ملک میں رعایت اور مروت سے بہت کم کام لیا جاتا ہے۔ ہر ایک معاملے میں قابلیت کا سوال اسقدر زیادہ ہے جس کی کسی جگہ نظیر نہیں مل سکتی ہے انفرادی جدوجہد کے واسطے ایک غیر محدود میدان موجود ہے اور اگرچہ اعلیٰ حکام تقریباً خود مختار ہیں (ہماری حکومت کی نوعیت اسی کی مقتضی ہے کہ وہ خود مختار ہوں) لیکن اس اختیار کے رشک و حسد میں جو ہمارے وطن کی خصوصیت ہے اس کے بے جا استعمال کی زبردست سپر موجود ہے اس کی بدولت لوگ چندروزہ حکومت کی نشے سے بدمست نہیں ہونے پاتے ہیں اور چونکہ ہندوستان میں انگریزوں کی نوآبادی قایم نہ ہونا ہمارے اساسی اصولوں میں داخل ہے اس لیئے سرکاری ملازمان ہندوستان میں مستقل قیام کرنے سے باز رہتے ہیں اور وہ سرکاری فرائض ادا کرنے میں مشغول رہتے ہیں جس طرح کہ وہ دیگر ملکوں میں دفتر کا کام کرتے ہیں اور اسی میں وہ اپنی ساری قابلیت صرف کرتے ہیں اور ان کے ذاتی جذبات اور مفاد کو ایسی فکر لاحق نہیں ہوتی ہے جس سے ان کی قوت فیصلہ کو تکلیف یا نقصان پہنچے۔ مذموم جذبات اور سازش و رشک و حسد کے جملہ فنون کا فقدان جو سلطنتوں کو تباہ کرتے ہیں ان کے دل اور دماغ میں ایسا سکون پیدا کر دیتا ہے جو کسی ملک کے صرف ایسے حکمرانوں میں ہو سکتا ہے جیسا کہ ہندوستان کے انگریز حکام میں موجود ہے اور ان میں ایسا وصف پیدا ہو جاتا ہے جو قومی تعلقات کے فقدان کے خراب نتائج کی تلافی کر دیتا ہے جن سے عموماً حکومتوں کی قوت پیدا ہوتی ہے چونکہ اہل ہند کا کثیر حصہ زائد از یک صدی سے بدنظمی اور جور و ظلم کا شکار تھا اس کے مقابلے میں ہماری فتح مندیوں اور ہمارے صبر و تحمل نے انگریزی قوم کی ناموری کو اس وقت اس درجہ بلند کر دیا ہے کہ پردیسیوں کی حکومت میں چین اور امن میسر آجانے سے وہ اپنی حب الوطنی کو بالکل بھول گئے ہیں

(۳۶۶)

لیکن یہ معلوم ہو جانے پر کہ ان جذبات کا پیدا کرنا ہمارے فرائض میں داخل
ہے یہ جذبات از سر نو پیدا ہوں گے اور پھر ان سے کام نکلے گا اہل ہند کو
اپنے فائدہ کے خیال سے ہمیشہ غیر ملکی بادشاہوں کی رعایا بن کر رہنے کی
ضرور شکایت ہونی چاہیے لیکن اس کی تلافی اس طرح ہو سکتی ہے کہ جو
حضرات اعتبار اور ذمہ داری کے عہدوں پر مامور ہیں وہ سب مل کر ہماری
حکومت کو ہر دل عزیز بنانے کی کوشش کریں جو اگرچہ قوی حکومت نہیں ہے
مگر اس کی گہری بنیاد رواداری۔ انصاف اور دانائی کے اصولوں پر مبنی ہے
ہر ایک سرکاری ملازم کو ان واقعات کا مطالعہ کرنا اور انھیں سمجھ لینا چاہیے۔
جن لوگوں کے ساتھ اسکا ربط ضبط ہو ان کے رسم و رواج اور ان کی زبان
سے واقفیت حاصل کرنے ہی پر سرکاری ملازم کو قناعت نہ کرنی چاہیے۔

بلکہ اس کی جملہ مخصوص کارروائیاں (اور انکا طریقہ کار بھی) ہماری
سلطنت کی بنیاد کو مستحکم کرنے کے واسطے انجام پذیر ہونی چاہئیں اور
اُسے نہایت احتیاط اور ہوشیاری کے ساتھ ان اصولوں کا مطالعہ کرنا
چاہیے جن پر کہ ہماری سلطنت کی بنا قائم ہوئی ہے اور جن پر کاربند رہنے سے
وہ برقرار رہ سکتی ہے اور اس کی اہمیت کے متعلق اپنی رائے بیان کرنیکے لئے
میں اپنا یہ پختہ عقیدہ ظاہر کرتا ہوں کہ اپنے مقررہ فرائض انجام دینے کے
علاوہ جو ہر ایک سرکاری ملازم کے لئے مقرر ہیں۔ سرکاری ملازم خواہ وہ
کسی حیثیت کے عہدہ پر مامور ہو اپنی روزمرہ کی زندگی میں جو کچھ کرتا ہے
اور جس طور پر کرتا ہے اس کا اثر اپنے ماتحتوں اور اپنے حلقہ اثر کے
لوگوں کے احساسات اور خیالات کے ذریعہ سے سلطنت کے
مفاد پر ضرور پڑتا ہے اور اثر غیر محسوس طریقے پر اس حکومت کو کمزور
یا طاقتور بنانے کا موجب ہوتا ہے جس کا کہ وہ ملازم ہے۔
میں اپنے ماتحتوں کو قدرے تفصیل کیساتھ ہدایات کر رہا ہوں اور اسکی وجہ یہ ہے کہ
اپنے عقیدہ کے مطابق میرا قیاس بالکل درست ہے۔

اول اور نہایت اہم مسئلہ یہ ہے کہ یورپین افسران اپنے ماتحت

(۲۶۷) ہندوستانیوں کے ساتھ کس طرح کا برتاؤ کریں۔ افسران بالا کو اپنے
زیر دستوں کے ساتھ نوازش کرنے اور سختی نہ کرنے کی ضرورت کا اس
تحریر میں تذکرہ کرنا بالکل بے موقع ہے کیونکہ یہ کام اُن حضرات کا ہے
جو اس تحریر میں ہمارے مخاطب ہیں انھیں بہت زیادہ شفقت آمیز
برتاؤ کرنے کی ضرورت ہے جو ان کا ایک قسم کا فرض منصبی ہے لیکن
اُن کی یہ شفقت جس وقت صرف ان کا فرض منصبی معلوم ہوگی تو اس کا
نصف اثر جاتا رہیگا۔ ان کے دل کا یہ خاصہ ہونا چاہئے کہ جن لوگوں پر
وہ اپنا اثر ڈالیں تو وہ اثر ان حضرات کی قابلیت اور اوصاف کو کرم گستری
کے ساتھ ملحوظ رکھنے پر مبنی ہو اور مجھے یقین کامل ہے کہ ہر شخص یہ اثر
ڈال سکتا ہے جسے ان لوگوں کے حقیقی کیرکٹر کی بابتہ کافی معلومات
حاصل ہے جن سے کہ اس کا ربط ضبط ہے وہ بلا تعصب اور بغیر خودپسندی
کے ایک ایسے معیار سے اُن کی جانچ کریگا جو اُن کے عقائد رسم و
رواج۔ عادات وخصائل اور اُن کے پیشوں اور مرتبہ اور ان کے ایسے
خیالات کے عین مطابق ہے جو ایام طفولیت سے ان کے ذہن نشین
ہیں اور جو شائستگی کی اس منزل کے لئے بھی موزون ہے جس تک
ان لوگوں نے من حیث القوم ترقی کرلی ہے۔ اور اگر وہ اس معلومات
اور اس طریقے سے کام لیگا جو رائے قایم کرنے کی اہلیت کے لئے
ضروری ہے تو اسے بہت کچھ نیکی۔ حلم۔ ترقی کرنے کی خاصیت
سوسائٹی کی بہترین اور مقدس ترین لڑیوں کا ادب اور احترام کرنے۔ لوگوں میں
ادب اور قوم میں دلچسپی پیدا کرنے کے اوصاف میسر آجائیں گے
اور جب یہ اوصاف اس صحیح عقیدے پر مبنی ہوں گے کہ واقعی وہ انکا
مستحق ہے تو اس کی نوازش فطری اور شفقت آمیز ہوجائے گی۔
سب انسان یعنی اعلیٰ سے لیکر ادنیٰ ترین تک اور بچے بھی دیگر
لوگوں اور خصوصاً اپنے افسروں کے عادات واطوار کا پتہ لگانے میں
بہت تیز ہوتے ہیں۔ جبکہ بجائے دل کے دماغ سے اور بجائے

جذبات کے محض دلائل سے کام لیا جاتا ہے تو اس سے کوئی خوش نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ اگر اس میں محض نمایش اور ظاہرداری ہے تو وہ قابل نفرت ہے اور اس سے شبہات پیدا ہو جائیں گے اور جب یہ طریقہ دوسری صورت اختیار کرتا ہے مثلاً جب نوازش اور مروت کسر شان سمجھی جاتی ہے تو یہ بات سخت ناگوار گزرتی ہے لوگ ایسے حکام سے خائف ہو سکتے ہیں مگر ان کی عزت اور ان سے محبت نہیں کر سکتے ہیں جو کہ اپنی فضیلت کی نمایش سے انھیں ہمیشہ ذلیل کرتے رہتے ہیں۔

(۲۶۸) میں نے اہل ہند کے ساتھ برتاؤ کرنے کے ان بنیادی اصولوں کی سفارش کی ہے جن پر کہ خود میرا برتاؤ مبنی ہے مجھے وہ زمانہ یاد ہے (اب یہ کہتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے) جبکہ میں اپنے کو ان لوگوں سے بہت اعلیٰ اور افضل تصور کرتا تھا جن کے ساتھ میرا تعلق اپنے فرض منصبی کے باعث ہو گیا تھا لیکن جب ان کے اور اپنے متعلق میری معلومات میں اضافہ ہو گیا تو اس کے ساتھ ہی وہ تفاوت بھی کم ہو گیا۔ میں نے ان پر اپنی فضیلت اور برائی کے متعلق بہت کچھ دیکھا اور سنا ہے لیکن اگر یورپ اور ہندوستان کے ہر ایک طبقے کی مختلف قوموں کا مقابلہ کر کے دیکھا جائے تو اہل یورپ کو غرور کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں ملے گی اور نہ میں اہل یورپ کی اس عام رائے کا موئید ہوں کہ اہل ہند بالخصوص وہاں کے بہترین اشخاص نہ صرف بے اصول اور ناقابل اعتبار ہیں بلکہ ان کی عقل محدود اور ان کے خیالات پست ہیں اس لئے تعلیم یافتہ اور روشن خیال یورپین اصحاب کو ان سے بے تکلفانہ ربط ضبط پیدا کرنے کی اجازت نہ دی جانی چاہئے۔ اگر ان خیالات کو باور کر لیا جائے گا تو اہل ہند کے ساتھ برتاؤ کرنے میں انھیں اہمیت حاصل ہو گی اس لئے میں ان دلائل کی صحت کی بابتہ چند الفاظ عرض کرونگا جن پر کہ یہ دلائل مبنی ہیں۔

جو شخص کہ ہندوستانیوں کو اس نظر سے دیکھے گا وہ ان کے اعلیٰ کیرکٹر کی ہرگز داد نہ دے گا اور نہ بڑے آدمیوں کے اوصاف اور کارناموں کی

تعریف کرے گا جو ان کی تاریخ روایات اور کتابوں میں درج ہیں۔ وہ انکی قابلیت کا اندازہ اپنے نقطۂ خیال اور اپنے معلومات سے کرے گا اور وہ ان کے ہم رتبہ یورپین صاحبوں سے مقابلہ کرنے کے بجائے حکومت کے یورپین ملازموں سے مقابلہ کرکے اپنی رائے قایم کرے گا جنکی تعلیم و تربیت بڑی احتیاط سے ہوتی ہے اور جن کو اعلیٰ ترقیات کی توقعات کی تمنا رہتی ہے جن کی دیانت داری اعلیٰ مشاہروں کی بدولت ملازمت کے ہر ایک درجے میں برقرار رہتی ہے۔

(۳۶۹) قانون دیانت داری کے نافذ ہونے سے پیشتر (جسے ۳۰ سال سے کچھ زیادہ عرصہ گذرا ہے) حکومت کے یورپین ملازم بھی ہندوستانی ملازموں کی طرح ناجائز وسائل سے روپیہ پیدا کرتے تھے جن کی کہ اب ہم مذمت کرتے ہیں اور اس لیے یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ کیا آخر الذکر کی عادتیں بدلنے کے لئے ویسی ہی کوششیں کی گئی ہیں جیسی کہ اول الذکر کے واسطے عمل میں لائی گئی ہیں؟

میری رائے میں معاملہ بالکل برعکس ہے کیونکہ جب یہ قانون نافذ ہوا ہے تو اس سے یورپین صاحبوں کی حالت تو کچھ بہتر ہوئی نہیں البتہ اسکی بدولت ہندوستانی ملازموں کا کیرکٹر اور بھی پست اور ذلیل ہو گیا ہے لیکن اس زبردست مسئلے پر بحث کرنے کا یہ موقع نہیں ہے۔

اہل ہند میں بہت سی اخلاقی خرابیاں اس بدنظمی اور جور و ستم کے باعث موجود ہیں جس سے کہ بڑی حد تک وہ نجات حاصل کر چکے ہیں مجھے کسی بڑے ملک کی کوئی ایسی مثال معلوم نہیں ہے جہاں کے باشندوں نے ان حالات کی موجودگی اور تغیر و تبدل کے زمانے اور ظالمانہ حکومت برداشت کرنے کے بعد بھی اپنی اسقدر نیکی اور اپنے اسقدر زیادہ نیک اوصاف قایم رکھے ہوں جو اس ملک کی رعایا کے بڑے حصے میں پائے جاتے ہیں۔ اور اس کا پورا ثبوت ہندوؤں کے قوانین بالخصوص تقسیم ذات کے نظام سے ملتا ہے جس میں کہ انسانی سوسائٹی نہایت قدیم زمانے ہی میں موجودہ درجے تک پہنچ گئی تھی لیکن اس کے باعث بیشک وہ

نظام تہذیب کی اس پستی پر پہونچکر ایک حالت پر قایم ہو کر رہ گئے جس تک کہ
انھوں نے ابتداہی میں ترقی کرلی تھی ہم ان کے اکثر قوانین اور بالخصوص
ان قواعد کے نتائج کی تعریف کرتے ہیں جن کے باعث ہندوؤں کی اعلی
اقوام میں چوری مے نوشی اور جور و ظلم نہ صرف مفقود ہے بلکہ ان میں خاندانی
عزیزانہ تعلقات کے پاکیزہ رشتے بدستور قایم و برقرار ہیں البتہ ہم انکے چند اور
رسوم اور بعض باطل پرستیوں پر افسوس کرتے ہیں لیکن بنی نوع انسان کیے
ایسے کونسے افراد ہیں جن میں بہت سے عیوب اور خامیاں نہیں پائی جاتی
ہیں لیکن کیا جہالت یا غرور سے بھرا ہوا دماغ ان دلائل کی بنا پر اہل ہند کے
سے انسانوں کے خلاف ایسی سخت رائے قایم کرسکتا ہے چنانچہ میں عرض
کرتا ہوں کہ بجز ان معاملات کے جن میں ذاتی قابلیت اور خودبینی پر معلومات
غالب نہیں آئے سول اور فوجی انگریز افسروں کو ہندوستانیوں کی زبان اور (۲۷۰)
ان کے رسم رواج کے متعلق جسقدر واقفیت حاصل ہوگئی وہ اوسی قدر
ان پر مہربان ہوگئے ہیں اور اس کے برعکس ان کے متعلق لاعلم رہنے
سے غرور اور بے پروائی قایم رہیں جس کے باعث وہ ہندوستانیوں کو
ذلیل سمجھتے رہے اور ان کے ساتھ نہایت سختی کا برتاؤ کرتے رہے۔

ہندوستانیوں نے انگریز افسروں کے برتاؤ سے یہ رائے قایم کی ہے
کہ وہ ہمیں رذیل اور ذلیل قوم تصور کرتے ہیں اور مجھے اس امر کا کامل یقین
ہے کہ ان کا یہ عقیدہ ہندوستان کی عام ترقیات کے لئے ہماری کوششوں کے
مانع اور مزاحم رہے گا۔ اور اس کے برعکس اگر اس وسیع ملک کے نظم و نسق
کے ہر ایک شعبے کے ملازمان جن کے طرز عمل میں کافی نگرانی کے ماتحت نیکی
اور انصاف کے اصول موجود ہیں اگر ان لوگوں کے ساتھ جن کو خوشحال
بنانا ان کے فرض منصبی میں داخل ہے سچے عجز و انکسار کا برتاؤ کریں جو حقیقی
علم کا خاصہ ہے جس سے دوسرے مطیع بن جاتے ہیں اور اپنا مرتبہ بلند
ہو جاتا ہے تو اس طرح سے وہ اپنی حکومت کی بقا اور استحکام کو بہت کچھ
امداد پہونچا سکتے ہیں جو مغرورانہ دانشمندی کی کسی تدبیر سے حاصل نہیں ہوسکتی ہے

مسئلہ کے اس جزو کو ختم کرنے سے پیشتر میں اپنی رائے کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں کہ اہل ہند کے ساتھ برتاؤ کرنے میں اگرچہ ان کے رسم و رواج کا احترام کرنا اور بوقت ضرورت انکے مذہبی قوانین اور انکے رتبہ کے موافق کارروائی کرنا ہمارا عین فرض منصبی ہے لیکن ہمیں ہمیشہ اپنے یوروپین اطوار قائم رکھنے چاہئیں کیونکہ اگر ہم انکے عادات و اطوار اختیار کر لیں گے تو ہمارا وہ اصول بالکل ترک ہو جائے گا اور ہماری فضیلت کے جملہ اثرات زائل ہو جائیں گے جو عمدہ اصولوں پر مبنی ہے۔

ہمیں ان سب باتوں سے سبق حاصل کرنا چاہئے کہ جو رؤسا وغیرہ انگریزی طرز معاشرت اور عادات و خصائل کی نقالی کرتے ہیں ان کا کیا انجام (۲۷۱) ہوتا ہے۔ اپنے طبقے کی نظر میں وہ ذلیل ہو جاتے ہیں اور دوسرے طبقوں میں ان کی وقعت میں کچھ اضافہ نہیں ہوتا جس کی نظر میں وہ اپنا وقار بڑھانا چاہتے ہیں حقیقت الامر یہ ہے کہ آخر کار وہ دوسروں کی نظر میں بھی ذلیل ہو جاتے ہیں کیونکہ ان کی وفاداری کس مصرف کی ہے جبکہ اپنے ہی طبقہ میں ان کا کوئی اثر باقی نہیں رہا ہے۔ اسی طرح جو یوروپین افسر ہندوستانی وضع اختیار کر لیتا ہے تو وہ صرف معدودے چند اشخاص کو خوش کر سکتا ہے جو اپنی وضع ترک کر کے اسکی بے جا خوشامد کرتے یا اس سے متمتع ہوتے ہیں لیکن ان لوگوں کے ساتھ بے تکلفی ہو جانے سے اس کی وقعت میں اضافہ نہیں ہو جاتا ہے اور اس وضع کے اختیار کرنے سے ان ہندوستانیوں اور انگریزوں کی نظر میں وہ ذلیل ہو جاتا ہے جن کے ساتھ وہ رہتا ہے۔

اپنے حلقے کے ہندوستانیوں کے ساتھ تمہیں نجی اور سرکاری دو قسم کی ملاقات قایم رکھنی چاہئے۔ اول الذکر یعنی نجی ملاقات حتی الامکان ہر رتبے اور ہر طبقے کے لوگوں کے ساتھ نہایت بے تکلفانہ اور نوازش آمیز ہونی چاہئے اور جہاں تک کہ عادات و اطوار اور کاروبار کے اختلافات اجازت دیں بار بار ہونی چاہئے یوروپین افسروں اور اہل ہند کے درمیان ایک نقاب حائل ہے جس کے باعث وہ ہندوستانیوں کے اصلی کیرکٹر سے بڑی حد تک لاعلم رہتے ہیں۔ وہ اپنے نجی معاملات کا اندازہ ان امور سے کر سکتا ہے

جو وہ ہندوستانیوں کو اپنے سامنے کرتے ہوئے دیکھتا ہے لیکن جس طور پر
کہ ہندوستانی زندگی کے دیگر فرائض انجام دیتے ہیں اگر وہ ان سے نابلد ہے
یا اسکی بابتہ اسے ناکافی معلومات حاصل ہیں تو بہت سی خفیف مشکلات
پوری واقفیت حاصل کرنے سے مانع رہیں گی جو قومیت رسم و رواج اور
مذہب پر مبنی ہوں گی لیکن نجی ملاقات سے ایسی بہت سی باتیں معلوم
ہو جائیں گی جن سے سرکاری خدمات انجام دینے میں سہولت پیدا ہو جائیگی
نیز ہندوستانیوں کے مختلف طبقے کے لوگوں کے خیالات اور رسم و رواج
کے متعلق ایسے معلومات حاصل ہو جائیں گے جن کی بدولت وہ ہر ایک کے
نبض شناس بن جائیں گے یورپین افسر کھیل کے میدان میں تشریف لیجائے
اور نہایت معزز و مقتدر ہندوستانیوں سے بے تکلفانہ ملاقات کرنے اور ذی تعلیم
(۲۷۲) اصحاب کی صحبت میں بیٹھنے سے وہ نہ صرف بہت کچھ واقفیت حاصل کریگا
بلکہ اپنا پورا اعتبار قایم کردے گا اور ذاتی محبت کی ایسی بنیاد قایم کردے گا جو
سرکاری خدمات کی انجام دہی میں بے حد معین و مددگار ثابت ہوگی۔ اس قسم کی
نجی ملاقات سے اسے ان لوگوں کی عزت افزائی کا موقع مل جائے گا جن کی
وہ عزت اور قدر کرتا ہے لیکن اسے اس بات سے خبردار رہنا چاہئے کہ جن لوگوں کے
ساتھ اس نے میل جول اختیار کیا ہے ان کی کمزوریاں اور مذموم عادات
اختیار کرکے کہیں اس روش کے اختیار کرنے میں وہ اپنا اصل مقصد نہ فوت
کردے۔ چونکہ اپنے فرض منصبی کے اس حصے کے تادیے میں اپنے عہدے
کی نخوت بالائے طاق ہو جاتی ہے اس لیئے اسے اس امر کی بڑی احتیاط کے
ساتھ نگرانی کرنی چاہیئے کہ وسیع معلومات اور اخلاق و مذہب کے سچے قوانین
کی بدولت جو حقیقی فضیلت اسے حاصل ہے وہ برقرار رہے۔ کیونکہ ان اعلیٰ
اوصاف کے ساتھ عجز و انکسار اختیار کرنے ہی سے وہ فوائد حاصل ہو سکتے ہیں
جو اپنے زیر دست اور زیر حکومت ہندوستانیوں کے ساتھ بے تکلفانہ
میل جول کے وسیلے سے حاصل ہونے کی بابتہ میں نے بیان کیے ہیں۔
لیکن سرکاری راہ و رسم میں اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ ہندوستانی

خواہ کسی حیثیت - طبقے یا پیشے کے ہوں انھیں بآسانی اپنے یورپین افسروں تک رسائی حاصل ہو سکے - اس کی ضرورت ہماری عملداری کی نوعیت اور اُن لوگوں کی سرشت سے پیدا ہوتی ہے جن پر کہ ہماری حکومت قایم ہوئی ہے اہل ہند کو پردیسیوں کی حکومت سخت ناگوار گذرتی ہے لیکن اس جذبے سے جو اثر پیدا ہوتا ہے وہ صرف ان فوائد کے خیال سے کم ہو سکتا ہے یا بالکل رفع ہو سکتا ہے جو یورپین افسروں کی فرزانگی اور معدلت گستری سے اہل ہند حاصل کر سکتے ہیں اور یہ بات اُن کے ساتھ براہ راست ربط پیدا کرنے ہی سے میسر آسکتی ہے - اگرچہ ہندوستانیوں کو ملازمت دینی چاہیے اور ان پر اعتبار کرنا چاہیئے اور ہر شخص کے ساتھ نوازش آمیز برتاؤ کرنا اور شرفا کو ایسے سلوک سے ترقی دینا چاہیئے جس میں ان کی توقیر اور لحاظ کیا جائے مگر اسی کے ساتھ انھیں نامہ و پیام کا کلیتاً وسیلہ بنا دینا بھی خالی از علت نہیں ہے اور خواہ کیسا ہی معاملہ کیوں نہ ہو اگر سرکاری کام کی انجام دہی میں اُن کی خواہش کے مطابق انھیں یورپین افسروں تک بار بار شرف باریابی حاصل کرنے کی اجازت دی جائے گی تو اس سے انھیں اپنے اعتبار کے غلط استعمال کا موقع مل جائیگا اور چونکہ ہمارے ہندوستانی ملازم شاذ و نادر ہی اعلیٰ طبقے سے لئے جاتے ہیں اس لئے اُن کے متعلق یہ قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے کہ وہ دیسی حکمرانوں کی مانند نیک نیت اور نیک چلن ہیں یا انھیں ان حکمرانوں کی طرح عزت حاصل ہو سکتی ہے لہذا بدیسیوں کی حکومت کی زیر دستی سے جو جذبہ پیدا ہوتا ہے اس میں ان کا اور اضافہ ہو جائے گا کہ وہ اپنی ہی قوم کے ان حکام کے رحم و کرم کے محتاج ہو جائیں گے جن کا نہ وہ احترام کرتے ہیں اور نہ جن پر انھیں اعتبار ہے اس خرابی کا بجز اس کے کوئی علاج نہیں ہے کہ انھیں یورپین حکام تک بآسانی رسائی حاصل ہو لیکن اعلیٰ حکام خواہ خود ہی اس کے خواہاں کیوں نہ ہوں یہ کام بلا وقت اور استقلال کے سرانجام نہیں پا سکتا ہے چونکہ اس کے اعلیٰ سے ادنیٰ ملازم تک کے حقوق اور ناموری پر اس کا اثر پڑتا ہے اس لئے اس کے ماتحت ان خرابیوں کو دور کرنے کی کوشش کریں گے اور ان کی کوششوں کے

(۳۷۳)

ساتھ یورپین افسر کو بھی کوشش کرنی چاہئے کیونکہ دیگر تمام امور کے مقابلے میں اسکے ذاتی انتظام کی دیانت داری اور ملک کی فلاح کا انہی پر زیادہ انحصار ہے۔ کسی ہندوستانی ملازم کو خواہ وہ ادنیٰ ہو یا اعلیٰ درخواست یا شکایت کے پیش کرنے یا روک لینے کی ہرگز اجازت نہ دینی چاہئے۔ اس قسم کی جملہ درخواستیں بصیغۂ راز یورپین اعلیٰ افسروں یا ان کے ایسے نائب کے نام آنی چاہئیں جن کے لکھنے یا موصول کرنے کی اُسے خاص طور پر اجازت دیدی گئی ہو لیکن اس کے لئے بہت زیادہ نیک مزاجی۔ تحمل اور مستعدی کی ضرورت ہے اور ہندوستانیوں کے ساتھ اس اصول پر راہ و رسم قایم کرنے کے لئے بہت کچھ آرام و آسایش قربان کرنی ہوگی۔ اور تاوقتیکہ ایسا نہ کیا جائے (میں اپنے کافی تجربے کی بنا پر کہتا ہوں) تو حکومت کا جو اقتدار سنٹرل انڈیا میں قایم ہو گیا ہے[1] وہ زیادہ عرصہ تک قایم نہیں رہ سکتا ہے اور اس معاملے میں تساہل کرنے سے جو تبدیلیاں پیدا ہوں گی ان کا ہماری ناموری اور کیرکٹر پر بہت خراب اثر پڑے گا۔ (۲۷۴)

اس قسم کا ذاتی ارتباط پیدا کرنے کے لئے غالباً یہ بہتر ہوگا کہ کھانے کے اوقات کے علاوہ ہر حیثیت کے ہندوستانیوں کو ہر وقت آنے اور عرض معروض کرنے کی اجازت دیجائے لیکن اگر اس قسم کی ہر وقت کی آمد و رفت سے دوسرے کاموں میں ہرج واقع ہو تو جو لوگ ملنا چاہیں اُن سے ملاقات کرنے اور عرضیاں لینے اور سننے کے واسطے روزانہ چند گھنٹے مخصوص کردئے جائیں۔

---

[1] ۱۸۱۸ء و ۱۸۱۹ء میں جنگ پنڈاری میں فتح مندی حاصل ہونے پر ہماری عملداری تقریباً اُس سارے ملک پر قایم ہو گئی جسے سنٹرل انڈیا کہتے ہیں لیکن چند اضلاع کے علاوہ اس کے صوبے دیسی والیان ریاست یا رؤسا کے پاس رہے جن کے قبضہ میں وہ پیشتر بھی تھے۔ یہ ریاستیں اور علاقے بھی مختلف معاہدوں اور صلح ناموں کی رو سے حکومت برطانیہ کی زیر سیادت اور زیر اقتدار رہے۔

میرے نزدیک براہ راست سیل جول پیدا کرنا ہمارا اولین اور لازمی فرض ہے۔ پھر کوئی شخص ان اصحاب کی خواہش اور رائے کا اسقدر دست نگر نہیں رہے گا جن کے سپرد ان ممالک کا انتظام ہے جسقدر کہ وہ ایک ایسے افسر کا دست نگر ہوگا جو خواہ فوجی قواعد لیتا ہو یا چند گھنٹے عدالت میں جج بنکر اجلاس کرتا ہو۔ فی الحقیقت میرے نزدیک تو گذشتہ واقعات نے ہندوستان کی حالت اسقدر تبدیل کردی ہے کہ سیاسی محکمے کی ہر ایک افسر کے فرائض بڑی حد تک محض پٹھی کرنے کے ہو گئے ہیں اس لئے ایسے فرائض کی مزید توضیح اور تشریح ہونے کی ضرورت ہے۔

ہمارا حق مداخلت (جیسا بعد کو ظاہر ہوگا) اسقدر محدود ہے کہ تخمیناً سیکڑوں مقدمات کے جو پیش ہوتے ہیں کسی ایک مقدمہ میں بھی حاکم مجاز بجز اس کے کچھ نہیں کرسکتا کہ وہ نہایت متانت اور توضیح کے ساتھ مستغیث کے روبرو وہ دلائل اور قوانین بیان کردے جن کی رو سے وہ اس کی درخواست یا استغاثہ کو نہیں منظور کرسکتا ہے۔ اور روزانہ کم از کم ۵۰ بار یہ بات اسے دہرانی پڑے گی لیکن اس کا جو عمدہ نتیجہ برآمد ہوگا اس کی خاطر اسے یہ تکلیف گوارہ کرنی چاہیئے۔ اہل ہند یہ بات نہیں سمجھ سکتے ہیں کہ ہمارے پاس چونکہ حکومت قایم کرنے کے وسائل موجود ہیں اس لئے ہم ایسی حرکت کرنے سے عرصۂ دراز تک اجتناب کرتے رہیں گے اس اثر سے وہ دیسی فرماں روا۔ رؤسا اور وزرا جن کی اعانت کرنا ہماری حکمت عملی میں داخل ہے اس درجہ کمزور ہو جاتے ہیں کہ وہ حکومت کرنے کے لایق نہیں رہتے ہیں۔ اس کے خراب نتایج کا ازالہ صرف اس طرح پر ہو سکتا ہے کہ سب لوگ حتیٰ کہ ادنیٰ ترین اشخاص بھی اس معاملے میں ہماری خو بو سے آگاہ ہو جائیں۔ یہ ایسا مسئلہ ہے جس میں وہ کسی ہندوستانی کارکن یا ملازم کی تحریر کا ہرگز اعتبار نہ کریں گے۔ انھیں فی الحقیقت ہماری صداقت کا اس وقت تک یقین نہ ہوگا جب تک کہ وہ سالہا سال اس بات کو نہ دیکھ لینگے کہ ہمارے افعال ہمارے اقوال کے مطابق ہیں اور انھیں اس امر کا اطمینان

(۲۷۵)

دلانے کے لئے کہ جس بدنظمی کے وہ عادی تھے اب اس کے پیدا ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں ہے یہ دکھا دینا چاہیئے کہ اعلیٰ افسر ہر ایک بات سے خوب واقف ہے اور وہی ہر ایک حکم نافذ کرتا ہے۔ اس بات کے معلوم ہونے اور اعلیٰ افسر تک ہر وقت رسائی ہونے سے رفتہ رفتہ انہیں طمانیت حاصل ہو جائے گی اور پھر حتی الامکان وہ عیار اور خود غرض اشخاص کے جھانسے میں نہ آسکیں گے اس سے قبل یہ بات بیان کر دی گئی ہے کہ ہر یورپ کے ہندوستانی ملازمان کے ساتھ اس تہذیب اور احترام کا برتاؤ کرنا چاہیئے جس کے کہ وہ اپنے عہدہ اور کیرکٹر کے لحاظ سے مستحق ہیں۔

بیشک ان کی نہایت بے تکلفانہ ملاقات ہر وقت اعلیٰ افسر سے ہوا کرے گی لیکن تاوقتیکہ انہیں خاص طور پر نہ بلایا جائے انہیں اس وقت اپنے پاس آنے کی اجازت نہ دینی چاہیئے جبکہ اعلیٰ افسر دیگر ہندوستانیوں سے گفتگو کر رہا ہو۔ لیکن ان ہندوستانی افسران کو مضرت رسانی کا بہت کم اختیار حاصل ہوگا (خواہ ان کی نیت کچھ ہی کیوں نہ ہو) جبکہ براہ راست رعایا سے یورپین افسران کا میل جول اچھی طرح قائم ہو جائے گا اور اس کے قوانین اور مقاصد سے لوگ عام طور پر واقف ہو جائیں گے فی الحقیقت اس راہ و رسم کا بہترین نتیجہ یہ برآمد ہوگا کہ ماتحت ملازمان کی نہایت مذموم (۲۷۲) کارروائیوں کی بڑی حد تک روک تھام ہو جائے گی اور جبکہ ہر شخص اعلیٰ افسر سے اپنی داستان ہر وقت بیان کرنے کا مجاز ہوگا تو ہر ایک قسم کے سرکاری ملازم کو یہ خوف دامن گیر رہے گا کہ کہیں پردہ فاش نہ ہو جائے۔

رعایا کے ساتھ حکام کے ربط و ضبط میں دوسری ضروری بات اشاعت ہے۔ اس اصول کے فوائد کی تفصیل بیان کرنے کا یہ موقع نہیں ہے ہندوستان میں انگریزوں کی جس قسم کی سلطنت ہے ایسی سلطنت کو یہ قابل تعریف موقع حاصل ہے کہ اپنی کارروائیوں کی نسبت سے وہ قوت پکڑتی جاتی ہے اور وہ دلائل اور وجوہ شائع کر دیئے جاتے ہیں جن پر کہ اس کی کارروائیاں مبنی ہوتی ہیں اور ہندوستان میں اس اشاعت کی شدید ضرورت ہے۔

جہاں پر ابھی تک لوگوں نے ہمیں بہت کم سمجھا ہے۔ ہماری معمولی کارروائیوں میں نہ کوئی راز ہے اور نہ ہو سکتا ہے اور اپنی کارروائیوں کو شایع کردینے سے ہر ایک افسر کو فائدہ رسانی کے ذرایع زیادہ دستیاب ہو جائیں گے اس کی محنت و مشقت کم ہو جاوے گی اور اس کی نیک نیتی اور کارروائیوں کے متعلق عیاروں اور بدکرداروں کو غلط بیانی کرنے کے بہت کم مواقع حاصل ہو سکیں گے۔ حاکم کو اپنے ماتحتوں اور دوسرے اشخاص سے حتی الامکان نجی مشورے بہت کم کرنے چاہئیں۔ ایسے موقعوں کے لوگ بہت شایق ہوتے ہیں اور جو شخص کہ اس قسم کے مشورہ کے لئے طلب کیا جاتا ہے وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ مجھ پر خاص نوازش ہے اور میں با اثر سمجھا جاتا ہوں کیونکہ ہندوستانی اپنے افسروں کے دل میں اپنا حقیقی یا فرضی اعتبار قایم کرنے کے فن میں ید طولےٰ رکھتے ہیں۔ میرے نزدیک اس اثر اور اس اثر کے انسداد کی صرف یہی تدبیر ہے کہ ہر افسر اپنی کارروائیوں کو وقتاً فوقتاً شایع کرتا رہے۔

بیشک اس میں مشکلات پیش آئیں گی اور ان مشکلات میں اُسوقت اور بھی اضافہ ہو جائے گا جبکہ خود غرض اشخاص اپنی شاطرانہ چالیں چلیں گے کیونکہ ہر درجہ اور رتبہ کے ہندوستانی ہر ایک چھوٹے اور بڑے معاملے کی کارروائی کو پوشیدہ کرنے اور چھپانے کو بڑی اہمیت دینے کے عادی ہیں تم جیسے سرکاری افسر کو ہمیشہ ایسے واقعات سے باخبر اور آگاہ رہنا چاہئے جن سے تمھارے ماتحت علاقے کے امن و سکون پر اثر پڑنے کا احتمال ہو۔ لیکن اپنے فرض منصبی کے کسی شعبے کی ادائگی میں اسقدر احتیاط اور فرزانگی سے کام لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اُسے آنکھیں بند کرکے نہ تو ہر ایک کا اعتبار کرنا چاہئے اور نہ صریح و نہایت مستند واقعات پر توجہ کرنے سے انکار کرنا مناسب ہے اور اُسے نجی و رازکی ملاقات کرنے اور جاسوسوں و مخبروں کو اپنے پاس آنے اور ان کی حکایتیں سننے میں بڑی احتیاط کرنی چاہئے کیونکہ ہندوستانیوں نے (اپنی حکومت کی نوعیت کے باعث) نہایت

(۴۷۷)

مذموم عادت یہ اختیار کی ہے کہ وہ افسران سے اس طور پر بات چیت کرتے ہیں کہ انھیں کوئی شبہ و شک نہ ہونے پائے۔ وسط ہند کی یہ حالت ہے کہ اس میں غیر مطمئن اور غضبناک لوگ چونکہ بکثرت موجود ہیں اس لئے سازشیں باغیانہ تقریریں اور تحریریں کچھ عرصہ تک اکثر رونما ہوں گی لیکن ان کی طرف توجہ نہ کرنی چاہئے۔ وہ اپنے آپ ختم ہو جائیں گی چونکہ اب ہماری عملداری قایم ہو گئی ہے اور اگر کچھ لوگ اسکو متزلزل کرنے کے ذرایع مہیا کریں گے تو ہمیں یہ حرکتیں فوراً معلوم ہو جائیں گی اس لئے جملہ معمولی معاملات میں فرزانگی اور سلامتی اسی میں ہے کہ افراد اور اقوام کو عیاروں۔ خود غرض مخبروں اور جاسوسوں کے رحم پر چھوڑنے یا بدنصیب لوگوں کو ہمیشہ سختی اور شبہ کی نظر سے دیکھکر انھیں ہمیشہ کے لئے اپنا دشمن بنانے کے بجائے خود تھوڑی تکلیف برداشت کر لی جائے۔

اپنے حلقے کے ہندوستانیوں سے ملاقات کرنے کے دوران میں تحفہ تحایف کے لینے یا دینے کا تذکرہ آنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس مسئلے کے متعلق نہایت سخت اور قطعی احکام آپ کے پاس بھیجدئے گئے ہیں لیکن اس اقتداری حکومت میں اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ ہمارا ہر ایک کارکن انگریزی کیرکٹر کی نہ صرف پاکیزگی بلکہ بے لوثی کو بھی اعلیٰ معیار پر قایم رکھے اور مجھے امید ہے کہ آپ مقامی حکام کے ممنون احسان ہونے سے حتی الامکان اجتناب کریں گے یہ لوگ آپ کو زیادہ آرام و آسایش پہونچانے کے لئے نہایت تن دہی کے ساتھ کوشش کریں گے اور اپنی خود غرضی یا نیک نیتی سے آپ کے ساتھ بہت سے سلوک کریں گے لیکن ان باتوں سے آزاد رہنے میں ایک ایسی قوت ہے جسے ہرگز ترک نہ کرنا چاہئے۔

ہماری سیاسی فضیلت نہایت نتیجہ خیز ہے اس لئے اسے اپنی یا کسی دوسرے کی ذاتی طمع و خود غرضی سے پاک رکھنا چاہئے جو اس اثر کو گندہ یا کمزور کر سکتی ہے جس پر اس کے کامیاب استعمال کا دارومدار ہے۔

(۲۷۸)

حکومت میں اقتدار اعلیٰ حاصل کرنے سے پیشتر انگریز حکام اور ذی رتبہ ہندوستانیوں کی راہ و رسم کی اور اشکال تھیں جن میں ہم اس وقت جیسی کمی نہ کر سکتے تھے کیونکہ اس وقت ہمارے ارادوں اور منصوبوں کے متعلق غلط فہمیاں پیدا ہونے کا قوی احتمال تھا۔ جو اقوام کہ رسم و رواج کی بہت قدر کرتی ہیں اور انھیں نہایت اہم تصور کرتی ہیں ان قوموں کے ساتھ راہ و رسم پیدا کرنے میں ہمیں ان نصائح کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے اور اپنے رتبہ کے موافق ان سے ادب و عزت کا طالب ہونا چاہئے تاکہ ہم اپنی رعایا کی نظر میں انگریز افسروں کی بے وقعتی نہ پیدا کریں ۔ ہر درجے کے ہندوستانی والیان ملک اور رؤسا حکومت برطانیہ کے تحت ہیں لیکن ان میں سے بعض کی حکومت تو برائے نام ہے لیکن اگر آداب ملاقات میں کچھ بھی فروگذاشت ہوجائے تو وہ یہ سمجھیں گے گویا ہماری ریاست ضبط کرلی گئی اس نخوت آمیز خیال پر ہنسی آتی ہے لیکن رؤسا میں یہ خیال موجود ہے اور اسکی خلاف ورزی کرنا انسانیت اور حکمت عملی کے قوانین کے برعکس متصور ہوگا۔ ادنیٰ لوگوں کی ملاقات میں انگریز حکام کو ان کے ساتھ ملک کے رواج کے مطابق ایسا برتاؤ کرنا چاہئے جیسا کہ نہایت ہندوستانی حکام کرتے ہیں۔ ان کی حالت میں تہذیب و شائستگی کے متعلق معلومات حاصل ہونے سے جسقدر تبدیلی پیدا ہوجائے اسی کے مطابق ان لوگوں پر توجہ کرنی چاہئے اور اسی وجہ سے عام رعایا کے مقابلے میں بھیل[1] (Bheel) کی طرف زیادہ توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اس کے ساتھ جو کریمانہ برتاؤ کیا جاتا ہے اس کی صداقت اور قیام کا یقین دلانا اور اس کے دل کو مطمئن کرنا بہت دشوار ہے کیونکہ اس کی حالت اس فریق سے بالکل جداگانہ ہے جس سے کہ وہ بات چیت کررہا ہے اس لئے اس قابل بنانے سے قبل اسے اپنی طرف راغب کرنا

(۲۷۹)

[1] بھیل پہاڑی ڈاکو ہیں اس مشہور قوم کے حالات کتاب موسومہ سرگذشت سنٹرل انڈیا کی جلد اول صفحہ ۵۰۱۱۶ و ۵۵ اور جلد دوم صفحہ ۱۷۹ میں مفصل درج ہیں۔

چاہئے۔ اس ملک میں ہمارے جو ایجنٹ مقرر ہیں ان کی بابت یہ قطعی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ وہ دیسی والیان ملک ان کے درباروں اور ان کے مقامی عہدہ داروں کے معاملات میں کس حد تک مداخلت کرنے کے مجاز ہیں لیکن ان سب کو چند واضح اور عام اصول پر کاربند ہونا چاہئے۔ جو ہماری حکومت کی نوعیت۔ ہمارے اغراض و مقاصد یہ مختلف ریاستوں سے ہمارے سیاسی تعلقات۔ اور وہاں کے فرمانرواؤں کے ذاتی طرز و عمل پر مبنی ہوں کہ وہ کس حد تک ہم سے دست گیری اور امداد حاصل کرنے کی حاجت رکھتے ہیں۔ اور کس حد تک اپنے اندرونی انتظامات میں ہماری امداد پسند یا ناپسند کرتے ہیں وہ زبردست اصول جس سے ہمیشہ استدلال کرنا پڑے گا ہماری اقتداری قوت اور اس کے اغراض پر مبنی ہے۔ سلطنت برطانیہ کی یہ مسلمہ حکمت عملی ہے اور میرے نزدیک یہ بالکل صحیح بھی۔ ہے کہ ملک کے عام امن کو برقرار رکھا جائے علاوہ بریں جو مختلف ہندوستانی والیان ملک اور رؤسا باضابطہ ہمارے زیر حفاظت ہیں ان کا نہ صرف اقتدار برقرار رہے بلکہ وہ اپنے شاہی فرائض کو عملاً ادا کرنے میں بالکل بااختیار ہوں۔ (عہدناموں کی پابندی سے قطع نظر کر کے) ہمارا خاص مدعا یہ ہے کہ ہم اس نازک موقع سے دور رہیں جو باوجود ہماری کوششوں کے رفتہ رفتہ نزدیک آتا جاتا ہے جبکہ سارے ہندوستان پر ہماری حکومت قائم ہو جائے گی۔ ہمارا ارادہ ان نتائج پر یہاں بحث کرنے کا نہیں ہے جو اس واقعے کے رونما ہونے سے برآمد ہونگے (۲۸۰) انتظامی اور تحتانی افسروں کو صرف اسقدر جان لینا کافی ہے کہ جس سلطنت کے وہ خدمت گذار ہیں اس کی دلی خواہش یہ ہے کہ مذکورۂ بالا موقع سے دور رہیں اور اس فیصلے کی تکمیل میں اپنی جملہ کوششوں کو صرف کرنا اپنا عین فرض منصبی تصور کریں اور جان لیں کہ اس حکمت عملی کی کامیابی کا زیادہ تر انحصار ان کی مداخلت اور ان کے طرز عمل پر ہوگا۔

معاہدہ کی رو سے جن ریاستوں کی امداد کا ہم نے اقرار کیا ہے یا انکے اور دیگر ریاستوں کی نزاعات میں دخل دیکر تصفیہ کرا دینے کا وعدہ کیا ہے

ایسے معاملات میں ہمیں نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ شرائط معاہدہ کی پابندی کرنی چاہیئے۔ اور کسی ایسے معاملہ میں ہدائتیں کرنے کی کچھ ضرورت نہیں ہے لیکن یہ بتا دینا غالباً مفید ہوگا کہ ایسے موقعوں پر معاہدوں اور صلح ناموں کے شرائط کی توضیح ان فرمانرواؤں اور رؤسا کا لحاظ رکھکر کرنی چاہیئے جن کے ساتھ وہ معاہدے کئے گئے ہیں۔ اکثر متضاد تعلیم و عادات و خصائل کے باعث ایسے معاہدوں کی بابتہ ان کی اور ہماری تاویل میں بہت کچھ فرق ہو جاتا ہے مگر ان معاہدوں کے الفاظ کی پابندی میں ڈھیل ڈالنے یا شرائط معاہدہ سے کما حقہ روگردانی کرنے کی ہرگز اجازت دینی چاہیئے تاکہ اس کے خراب نتائج مرتب ہونے پائیں جبکہ یہ معلوم ہو جائے کہ معاہدہ کے منشا و اقرار کی خلاف ورزی کرنے کا ارادہ نہیں ہے۔ اور جب معاہدہ کی کوئی دفعہ مبہم ہو تو اس کی توضیح کمزور فریق کی توقعات کے بموجب نہ کہ طاقتور فریق کے مفاد کے موافق کرنی چاہیئے۔ اس قسم کے جو مسائل زیر بحث ہوں ان سب کا اعلیٰ حاکم کو فیصلہ کرنا چاہیئے لیکن مقامی افسر کی رائے اور اطلاعات کا اس فیصلہ پر ہمیشہ زیادہ رنگ چڑھیگا۔

میرے نزدیک ایسا ہر ایک مسئلہ نہایت اہم ہے جس کا خفیف سا تعلق بھی ہماری دیانت داری کی شہرت سے ہے اور ہماری اصل قوت یہی ہے جو ہندوستانیوں کے دل میں بے کم و کاست موجود ہے۔ ہم ان کے ساتھ جو معاہدے کریں ان کی ہر ایک دفعہ کو انہیں سمجھا دینے میں بڑی احتیاط کے ساتھ توجہ کرنی چاہیئے کیونکہ ہندوستان میں ہماری عملداری کے اس مستحکم بنیاد کو اگر خفیف سا بھی صدمہ پہونچے گا تو اس کی تلافی کسی مقامی یا مالی فائدہ سے ہرگز نہ ہو سکے گی۔ (۲۸۱)

دولت راؤ سندھیا[1] کی حکومت کے ساتھ ہمارے عام دوستانہ تعلقات ہیں

[1] یہ مرہٹہ فرمانروا ہیں جنکے خاندان اور ریاست کا مفصل حال سرگذشت سنٹرل انڈیا کی جلد اول صفحہ ۱۱۶ میں (درج ہے) یہی صرف ایسا واحد راجہ ہے جو سلطنت برطانیہ سے کسی قدر آزاد ہے لیکن اسے بھی ہمارا اسقدر اعتماد ہے جسقدر کہ ان رؤساء کو ہو سکتا ہے جو اپنے معاہدوں کی رو سے ہماری سیادت میں ہیں

(اس صوبہ میں جس کی ریاست کا بڑا علاقہ ہمارے ماتحت رفیقوں کے علاقوں سے ملا ہوا ہے) اور خواہ واقعات نے اُسے حقیقتاً ہمارا ماتحت بنا دیا ہو مگر ہم (بجز ان معاہدوں کی پوری تعمیل کرنے کے جو ہم نے اُس کے ساتھ یا اس کے مامور کردہ افسروں یا اُس کے باجگذار رؤسا کے ساتھ کئے ہیں) اس کی ریاست کے اندرونی نظم و نسق میں کسی قسم کی دست اندازی کرنے کے استحقاق کا ہرگز دعوے نہیں کرسکتے ہیں۔ اور تا وقتیکہ کوئی ایسی شدید ضرورت لاحق نہ ہو جس سے ملک کے امن عامہ میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہو یا ہمارا رزیڈنٹ متعینہ گوالیار[1] خاص طور پر درخواست کرے اُس وقت تک ہمیں مداخلت کا ہرگز ارادہ نہ کرنا چاہئے۔ لیکن ان شرائط کے باعث جن کے بموجب ہم مادھو راؤ سندھیا کے افسروں کے ساتھ نامہ و پیام اور دیگر کارروائی کرتے ہیں ہمارا نہایت مفید اقتدار دولت راؤ سندھیا اور اس کے افسروں پر قایم ہے جب یہ لوگ نیک خصلت ہوتے ہیں اور اپنی ریاست کی مرفہ الحالی اور رعایا کی فلاح کے خواستگار ہوتے ہیں تو ہم اپنے دوستانہ و مشفقانہ برتاؤ سے اور ان کے ہمارے رفیقوں کی رعایا کے مابین معمولی جھگڑوں کا تصفیہ کرکے اور دیگر دوستانہ کارروائیوں سے ان کی امداد اور حمایت کرسکتے ہیں جس سے ان کی ریاست کے نظم و نسق کی (۲۸۲) کامیابی کو ترقی حاصل ہوجائے اور اسی اصول پر عملدرآمد کرکے (بجز اس صورت کے کہ بدامنی کا اندیشہ ہو) ہم سندھیا کے ان ملازمان سے بالکل الگ تھلگ رہتے ہیں اور ان سے کسی قسم کی مراسلت اور مخاطبت نہیں کرتے ہیں جو اپنی بدنظمی اور بددیانتی کے لئے مشہور رہیں۔

ہمارے اس طرز عمل سے صاف طور پر معلوم ہوجائے گا کہ ہم ان کی کارروائیوں کی گندگی سے علٰحدہ رہنا چاہتے ہیں اور اس سے ہماری مقامی شہرت میں اور اضافہ ہوجائے گا علاوہ بریں اس کی بدولت ایسے اشخاص کو اپنے یہاں ملازم رکھنا ریاست کے حق میں بھی تکلیف دہ اور بے سود ہوگا اور اس طرح

---

[1] گوالیار دولت راؤ سندھیا کا دارالحکومت ہے جس کے یہاں ہمارا رزیڈنٹ رہتا ہے۔

ریاست کے اندرونی انتظام کی اصلاح کا ایک وسیلہ ہمارے ہاتھ آجائے گا۔ اور یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے کیونکہ ہماری قوت کا اسقدر زبردست اثر ہے کہ اگر کسی مقامی افسر کے ہم سے دوستانہ تعلقات ہیں اور ہماری رائے اس کے متعلق اچھی ہے تو وہ اپنے افسران بالا کی مخالفت کی کچھ پروا نہیں کرتا ہے اور اگر ہم اس سے ناخوش ہیں تو پھر خاص اس کے ضلع اور گوالیار میں اس کے دشمن پیدا ہو جائیں گے۔

ہلکر[1] دہار، اور دیواس کے درباروں اور دریائے چمبل کے مغرب کی تقریباً سب چھوٹی چھوٹی راجپوت ریاستوں کے ساتھ ہمارے تعلقات مختلف اقسام کے ہیں۔ یہ ریاستیں ہماری کوششوں کی بدولت خراب و خستہ حالت سے ترقی کر کے نہایت عمدہ حالت پر پہونچ گئی ہیں اور اگرچہ ابتداً ہم نے مجبوراً ہر ایک معاملہ کے تصفیہ میں ان کی امداد کی اور جب ان میں خود کام کرنے کی قوت پیدا ہو گئی تو ہم نے ان کے اندرونی انتظامات کے چھوٹے چھوٹے معاملات میں دست اندازی کرنے سے رفتہ رفتہ دست کشی اختیار کر لی اور اپنی اعانت کو صرف امن عامہ کو برقرار رکھنے کی ضرورت تک محدود کر دیا۔

(۲۸۴۳) مذکورۂ بالا والیان ریاست، رؤسا اور ان کے افسران (وزیر اعظم سے لیکر معمولی اہلکار تک) کے دل میں سلطنت برطانیہ کے زیر سایہ رہنے کی ایسی تمنا ہے کہ یہ بات اُن کے ذہن نشین کرنا تقریباً ناممکنات سے ہے کہ ہم اُن سے اس امر کے خواہاں اور متوقع ہیں کہ وہ اپنے اندرونی انتظامات خود مختاری کے ساتھ انجام دیں۔ اس بارے میں ہمارا جو اصول ہے انہیں اس کے سمجھنے اور اس پر بھروسہ کرنے میں اپنی خصلت اور معلومات کے باعث سخت دشواریاں پیش آتی ہیں۔ صرف امتداد زمانہ اور ہر ایک یورپین ملازم کی انتہائی نگہبانی ہی ان کے دل میں وہ اعتبار پیدا کر سکتی ہے جو ان میں حکومت کرنے کی

[1] ہلکر، دہار اور دیواس کے مرہٹہ خاندانوں کا حال سرگذشت سنٹرل انڈیا کی جلد اول صفحہ ۱۴۲ و ۹۷ و ۱۱۲ میں درج ہے اور اسی کتاب کے صفحہ ۳۷۸ میں راجپوت رؤسا کے مفصل حالات مندرج ہیں۔

قابلیت پیدا کرنے کے لئے لازمی اور ضروری ہے۔

ہمیں اس مقصد کے حصول کے لئے نہایت استقلال کے ساتھ ان اصولوں پر عمل پیرا ہونا چاہئے جو ہم نے اُن کے ذہن نشین کئے ہیں اور گراسیہ[1] بھیل وغیرہ لیڈروں کے معاملات کے علاوہ ہر قسم کی مداخلت سے احتراز کرنا چاہئے۔ ان لیڈروں کی حالت اور قوت اس قسم کی ہے کہ صرف سلطنت برطانیہ ہی ان کا انسداد کر سکتی ہے لیکن ان کے معاملات میں بھی ہم اپنی مداخلت کے حدود کو صراحت کے ساتھ بتا دیں تاکہ ان مواعید کی خلاف ورزی کرنے کا ہم پر گمان نہ ہونے پائے جو ہم نے کر لئے ہیں۔ چونکہ عام طور پر یہی خیال ہے اور اس کی تصدیق ہماری احتیاطی کارروائی سے ہوتی ہے اور مختلف ہندوستانی حکام میں قابلیت پیدا کرنے کی کامیابی کا انحصار اسی خیال پر ہے جس کی ضرورت ان کو اس قابل کرنے کے لئے ہے کہ وہ اپنے مقررہ فرائض کو باحسن وجوہ انجام دے سکیں۔

اصلاح شدہ راجپوت اور بھیل سرداروں جیسے معمولی فرمانرواؤں کے معاملات میں ہم کو زیادہ تفصیل کے ساتھ مداخلت کرنی چاہئے لیکن وہی اصول ہمیشہ مدنظر رہیں اور جب ہم اس بات کی نگرانی کرنا چاہتے ہیں کہ ان میں ڈکیتی کی عادت دوبارہ نہ پیدا ہونے پائے تو اس کے ساتھ ہی ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ یہ لوگ جو عرصۂ دراز تک یہ پیشے کرتے رہے ہیں ان کے پاس ایمانداری سے گذر اوقات کرنے کے وسائل موجود ہیں۔ ہم ان کے تعصبات اور احساسات کی قدر کریں اور ہمیں ہرگز مناسب نہیں کہ ہم ان کی اندرونی حکومت کے سیدھے سادے ڈھانچے کو ختم کر ڈالیں (تردہ یا بھیل پورہ کے مکھیا تک) بلکہ ہر ایک سردار کو اس کے قبیلے کے قدیم خیالات اور رواج کے مطابق اپنے (۲۸۴)

---

[1] گراسیہ وہ راجپوت سردار ہیں جو ان اضلاع کی پیداوار کا ایک حصہ جبریہ وصول کر کے اپنی بسر اوقات کرتے ہیں جہاں سے مرہٹہ فاتحین نے انہیں نکال دیا ہے۔ ان سرداروں کے مفصل حالات سرگذشت سنٹرل انڈیا کی جلد اول صفحہ ۵۰۸ اور جلد دوم صفحہ ۲۴۴ میں درج ہیں۔

ماتحتوں پر حکومت کرنے کی پوری آزادی دینی چاہئے۔

چونکہ گراسیہ اور بھیل اس علاقے کے تقریباً جملہ والیان ریاست اور رؤسا سے متنفر اور ناراض ہیں اور اپنے ان نام نہاد حکمرانوں کا انہیں مطلق اعتبار نہیں ہے اس لئے وہ ہم سے مداخلت کرنے کی بار بار درخواست کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ اور خواہ ایک فریق کا کیرکٹر اور اس کی جماعت کیسی اعلیٰ اور ارفع اور دوسرے فریق کی خواہ کیسی ہی خراب و خستہ کیوں نہ ہو لیکن جب تک کہ ہم معاملے کی حالت پورے طور پر نہ سمجھ لیں یا باہم فریق سے براہ راست خط و کتابت نہ کر لیں اس وقت تک ہمیں کسی جابرانہ اور ظالمانہ کارروائی کی حمایت نہ کرنی چاہئے ورنہ ہم سخت پریشانی میں مبتلا ہو جائینگے اور ناانصافی اور جور و ستم کا نادانستہ طور پر آلۂ کار بن جائیں گے۔

اکثر ایسے معاملات پیش آئیں گے جن کا نہایت گہرا تعلق ہماری نیک نیتی کی شہرت سے ہوگا جو مقررہ قوانین کی رو سے فیصل نہ ہو سکیں گے لیکن جب کبھی ایسے معاملات پیش آئیں تو ہمارے خیالات کا معیار نہایت بلند ہونا چاہئے۔ اس عظیم الشان سلطنت میں ہماری حکومت کے اخلاقی پہلو کا انحصار اسی قسم کی باتوں پر ہے اور چونکہ ان ممالک میں ہماری حکومت اور اقتدار نیا ہے اور یہاں کے باشندے کسی ایسی توضیح اور تشریح کو نہیں سمجھ سکتے ہیں جو بینّ دلائل اور پرا پین پر مبنی نہ ہو اسی لئے اس معاملے میں بڑی توجہ درکار ہے۔ بہت سے ایسے بھی معاملات ہیں جن کا نابالغ یا نالائق والیان ریاست یا رؤسا کے وزراء سے خاص طور پر تو نہیں البتہ ہمارا ضمناً تعلق ہے۔ جن کی حکومت کو ہم نے تسلیم یا قائم کیا ہے اور اس سبب سے وہ ہماری اعانت و حمایت کے مستحق ہیں (۲۸۵) اگرچہ اپنی بدچلنی کی وجہ سے وہ ہماری امداد سے محروم ہو سکتے ہیں۔ بیشک ہمیں ایسی مداخلت میں بڑی احتیاط سے کام لینا چاہئے جس کے نتیجے میں اس قسم کی ذمہ داریاں عائد ہوں۔ البتہ اگر ملک کے امن اور اس کی مرفہ الحالی کے لئے ضرورت لاحق ہو تو یہ ذمہ داریاں اپنے سر لینی چاہئیں لیکن نہایت استحکام کے ساتھ ان کی پابندی کرنی چاہئے کیونکہ اس ملک کے باشندے جملہ

سرکاری معاملات میں قوانین کے بجائے افراد کا زیادہ خیال کرتے ہیں اور اگر بدچلنی کے علاوہ کسی اور وجہ سے ہم کسی ایسے شخص کا ساتھ چھوڑ دیں گے جس کو ہم نے سربلند کیا ہے یا جس کی ہم علانیہ حفاظت و حمایت کرتے ہیں تو معاہدہ کی کسی شرط کی خلاف ورزی کرنے سے کہیں زیادہ ان لوگوں کے جذبات برانگیختہ ہوں گے اور ہماری یہ حرکت مقامی طور پر تو اور بھی زیادہ خطرناک ثابت ہوگی کیونکہ اس سے ہماری نیک نیتی پر اعتماد ہونے کا عقیدہ کمزور ہو جائیگا جو ہماری قوت کی حقیقی بنیاد ہے۔

ہمیں مطمئن رہنا چاہئیے کہ جب ہم اس روش کو اختیار کر لیتے ہیں جو میں نے بیان کر دی ہے (اور یہی وہ روش ہے جس پر ہر ایک معاملے میں بالواسطہ یا بلاواسطہ ہماری ساکھ قائم ہے) تو ہم اپنی اعلیٰ قوت کی بدولت ان ریاستوں اور فرقوں کو اپنے قابو میں کر لیتے ہیں جن کے فرماں رواؤں، افسروں اور سرداروں کو فوراً معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی نیک چلنی کے باعث ہماری اعانت و حمایت حاصل کر سکتے ہیں ورنہ بدچلنی کی صورت میں اس سے محروم رہیں گے ان معلومات اور ان وسائل سے جو اگرچہ نہایت محدود ہیں ہمیں ہرگز یہ امید نہیں ہے کہ وہ ہمیں ناخوش کرنے کی کوشش کریں گے کیونکہ جن شرائط سے وہ ہماری حمایت حاصل کر سکتے ہیں وہ نہایت نرم ہیں کیونکہ جس شخص میں ذرا سی عقل و سمجھ ہے (جن اوصاف کی اہل ہند میں کچھ کمی نہیں ہے) اس سے یہ توقع نہیں ہو سکتی ہے کہ وہ اس طور پر کام کرے گا لیکن ہمیں اپنے سے یہ بات پوشیدہ نہ رکھنی چاہئیے کہ اس معاملے اور اسی قسم کے جملہ دیگر معاملات میں ان کا طرز عمل بالخصوص اس حالت کی عمدگی پر منحصر ہوگا جس میں وہ رکھے یا چھوڑے جائیں گے اور ہم جسقدر آسائش اور عزت انھیں دیں گے وہ اپنے متعلق اسی قدر ہماری اچھی رائے برقرار رکھنے کا لحاظ کریں گے اور ہمارے اعتماد کی قدر کریں گے۔ فی الحقیقت چھوٹی اور بڑی ریاستوں پر اپنی سیادت برقرار رکھنے کا انحصار ان کے وقار کی حمایت کی کامیابی پر ہے جو ہم نے ہندوستان کے اس علاقے میں قائم کر رکھا ہے۔ اپنے فرض کے اس نازک اور مشکل حصے کی ادائی کے وسائل کا انتخاب

(۲۸۶)

ہمارے قبضۂ قدرت میں نہیں ہے اگرچہ نہایت معقول نگرانی کی جاتی ہے لیکن وہ نامعلوم ہوتی ہے اور اس کا نتیجہ اعلیٰ قوت کے استعمال سے نہیں بلکہ اسکے اثر سے برآمد ہوتا ہے۔ ہمارا خاص مدعا یہ ہونا چاہئے کہ ہم ان حکام کی سربلندی کریں جن کے ہاتھ میں ہم نے ان کی ریاستوں کی زمام حکومت دیدی ہے اور مداخلت کے جملہ معاملات میں ہم اُن کی رعایا کے روبرو انہیں واجب الاحترام اور واجب الاطاعت ثابت کرکے دکھائیں اور ہمارا ایجنٹ اس موقعہ پر اپنے نام ونمود سے محترز رہے کیونکہ اُسے یہ کارروائی ایسے موقع پر کرنی چاہئے جہاں کہ اس کی ضرورت لاحق ہو یا جس سے اس کا تعلق ہو۔

جب ہم کسی حکمران یا رئیس کی حمایت اسکی رعایا کے مقابلہ میں کریں تو اُس رئیس کا نام علانیہ طور پر استعمال کرنا چاہئے اور ہمیں اس بات کی بڑی احتیاط کرنی چاہئے کہ ہمارے ہندوستانی ایجنٹ اور ملازمان اس رئیس کی حکومت کے ہر شعبہ کی پوری تعظیم وتکریم کریں اور مقامی حکام کی ناقدری کرنیکی عادت سے انھیں باز رکھا جائے جو ان میں عام طور پر پائی جاتی ہے کیونکہ وہ اپنے آقا کے نام سے اس خاص عزت کو حاصل کرنا چاہتے ہیں جو ورالی دیسی حکومت کے مقامی افسروں کے لئے ضروری ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ کوئی ذی حیثیت اور ذی اختیار شخص ہماری سیادت کو صرف اس وقت تک گوارا کرسکتا ہے جبتک کہ وہ مذکورہ بالا اصولوں کے بموجب معمولی طور پر کام میں لائی جائے لیکن اگر مال گذاری کی وصول یابی، مقدمات کے تصفیہ میں نالاں فریق کی شکایات کے سننے میں مداخلت کی جائے گی اور ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر روک ٹوک ہوگی یا جب اعلیٰ حکومت کے نام سے اس کے ہندوستانی ملازمان کو دست اندازی کرنے کی اجازت دیجائے گی تو پھر کسی خود مختار حکمران یا رئیس کا ہمارے ماتحت رہنا نہ صرف نامناسب بلکہ نہایت خطرناک ہوگا کیونکہ اس کے اعزا اور ملازمان اور وہ خود اپنی حالت کو مضحکہ انگیز اور ذلیل محسوس کریں گے اور ان جذبات کا کم از کم یہ نتیجہ تو ضرور ہوگا کہ وہ اپنے نیک اور عظیم الشان منصوبوں سے دست کشی اختیار کرلے گا۔ (۲۸۷)

کیونکہ جب اقتدار کی عظیم الشان اور فیاضانہ نوعیت جاتی رہتی ہے اور وہ تنگ صورت اختیار کر لیتا ہے تو ریاست کے نظم و نسق کی خوبیوں کے مستحق وہ شخص یا اس کے ملازمان ہو جاتے ہیں جو در حقیقت اس اقتدار سے کام لیتے ہیں اور نام نہاد فرمانروا یا اس کے افسران حکومت کے مشینۃ اور ناکارہ آلے متصور ہونے لگتے ہیں۔

میں نے ہندوستان کے اس حصے کے چھوٹے اور بڑے فرمانرواؤں کے معاملات میں دست اندازی کرنے کے تمہید میں زیادہ تر وہ سیاسی خیالات بیان کئے جن پر کہ یہ تمہید بنی ہے۔ کیونکہ میری رائے میں اس مسئلہ کا یہ جزو اسقدر اہم ہے کہ ہر ایک ماتحت افسر اسے بخوبی سمجھ لے اور اس کا بغور مطالعہ کرے کیونکہ اس کے فرائض کا کوئی پہلو اسقدر نازک اور دشوار نہیں ہے اور اسکی کامیابی اور ناکامی کا انحصار صرف اسکی ذاتی کوشش پر منحصر ہے۔ اُسے اپنی ذاتی شہرت میں اضافہ ہونے کی توقعات اور اپنی نیک نیتی سے اس مقررہ روش کو ترک کرنے کی ترغیب و تحریص پیدا ہوگی لیکن اسے ان عام اصولوں کی اہمیت معلوم ہو جانے پر نہایت استقلال کے ساتھ اس روش پر گام زن رہنا چاہیئے کیونکہ ان اصولوں ہی پر ہمارا موجودہ نظام حکومت قایم ہے۔ آپ سے فرض منصبی کے اس پہلو کی ادائی میں آپ کے طرز عمل اور میل جول کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے وہ آپ کو یاد رکھنا چاہیئے کیونکہ مداخلت کے ہر ایک معاملے میں جن لوگوں سے آپ کو واسطہ پڑے گا وہ محض انصاف کردینے سے رضامند نہ ہو جائیں گے اور نہ ہماری حکومت کی وہ کچھ قدر کریں گے حالانکہ ہمارا فائدہ اسی میں ہے کہ وہ ہماری حکومت کی قدر کریں۔

دیسی حکمرانوں کو نیک چلنی کی ترغیب و تحریص دینی چاہیئے اور ہمارے ایجنٹ کو بھی کوشش کرنی چاہیئے کہ والیان ملک اپنے نظم و نسق پر نازاں ہوں اور اپنے اس مقصد کے حصول کے لیئے نہ صرف فرمان روا کو بلکہ ریاست کے عمائدین اور معززین کو اپنا طرفدار بنا لینا چاہیئے۔ ہمارے ایجنٹ کو اس بات سے آگاہ رہنا چاہیئے کہ ریاست کے عمائدین رائے عامہ سے مستغنی نہ ہونے پائیں

(۲۸۸)

جو ان کی بدنظمی کی روک تھام اور ان کی خوش انتظامی کا صلہ دینے کے لئے
لازمی اور ضروری ہے لیکن رائے عامہ کا احساس بالکل جاتا رہے گا جس وقت
رئیس اور رعایا کے تعلقات منقطع ہو جائیں گے یا انہیں کوئی خاص صدمہ
پہونچے گا۔

جبکہ امن عامہ میں خلل واقع ہو جیسے کہ ہم مسلمہ حال ہیں یا جب
خونریزی اور ڈکیتی کے جرایم کا ارتکاب ہو اس وقت ہمیں مقامی حکام کو یہ
صلاح دینے کا استحقاق حاصل ہو جائے گا (جن کو حتی المقدور ہم ایسے
جرائم کی سرزنش اور انسداد کے لئے مدد دیتے ہیں) کہ اپنے یہاں کے دستور
کے موافق رعایا کی جان و مال کی حفاظت کے لئے بہترین طریقہ اختیار کریں
البتہ عدل اور انصاف کے معاملات میں دست اندازی کا ہمیں کوئی حق
حاصل نہیں ہے لیکن ان کے فائدے اور اپنی ناموری کے لئے قدیم قوانین
کی طرف توجہ دلانے کا کوئی موقعہ نہ چھوڑنا چاہئے اور خصوصاً پنچایتی عدالتوں
کی جانب ضرور متوجہ کرنا چاہئے جس سے ناموری اور نفع دونوں باتیں حاصل
ہوں گی یہ پنچایتی عدالتیں بدامنی اور غدر کے علاوہ ہر ایک زمانے میں برقرار
رہی ہیں۔

مالوہ میں ستی[1] کا کچھ زیادہ رواج نہیں ہے اور دختر کشی کی رسم تو اس سے
بھی کم ہے۔ اول الذکر یعنی ستی کی رسم اگرچہ نہایت وحشت انگیز ہے لیکن ہندوؤں
کے ہر ایک فرقے میں اس کے حامی موجود ہیں۔ دختر کشی کا رواج صرف
راجپوتوں میں ہے باقی سب لوگ اس سے سخت نفرت کرتے ہیں اور اکثر
راجپوت رؤسا بھی دختر کشی کی رسم سے سخت تنفر ظاہر کرتے ہیں۔ اپنے ذاتی
اثر سے کام لینے کے سوا آپ ان دونوں قبیح رسموں کے انسداد کے لئے کوئی
دست اندازی نہیں کر سکتے ہیں اور اگر آپ اس سے زیادہ کوشش کرنے کا ارادہ

(۲۸۹)

۱۔ ستی ایک ہندوانی اصطلاح ہے جس کے معنی ایک عورت کے اپنے مرحوم شوہر کی چتا پر
بیٹھکر اوسکے ساتھ جل کر راکھ ہو جانے کے ہیں۔

کریں گے تو غلط فہمیاں پیدا کرنے کی مصیبت اپنے سر مول لیں گے اور آپ کا وہ مقصد فوت ہو جائے گا جو آپ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ان دونوں قبیح رسموں کے انسداد کا بہترین علاج یہ ہے کہ جو لوگ ان سے احتراز کرتے ہیں ان کی تعریف کی جائے اور جو حضرات کہ ان پر عامل یا ان کے حامی ہیں انہیں منہ نہ لگایا جائے۔ میں نے تو یہی روش اختیار کی اور اس سے بہت کامیابی حاصل ہوئی۔

بیشک ہمیں بھی اس سے انکار نہیں کہ مداخلت کا جو طریقہ بتایا گیا ہے وہ نہایت دشوار ہے لیکن ہندوستان کی دیسی ریاستوں پر اقتدار قایم رکھنے کے متعلق آیندہ ہم جو طریقہ بھی اختیار کریں گے وہ مشکلات سے کبھی خالی نہ ہوگا۔ یہ مسئلہ اگرچہ نہایت مشکل اور پیچیدہ ہے لیکن اکثر لوگ اس مسئلے پر نظر ڈالتے ہی اس کو آسان بتاتے اور سلجھانے کی خواہش سے دھوکے میں آجاتے ہیں ہمارے بہترین اور پر جوش جذبات کی تائید اخلاقی خیالات کرتے ہیں اور نئی تجاویز اختراع کرنے کا خیال ہمارے دل میں پیدا ہو جاتا ہے۔ ہم اس جرم اور بدنظمی کا اپنے کو ساجھی تصور کرتے ہیں اور ہمارا یہ خیال ہوتا ہے کہ ہماری دست اندازی سے اس جرم کا انسداد یا ازالہ ہو جائے گا اور اپنی اس نیک نیتی کے جوش میں ہم اس بات کو بالکل فراموش کر دیتے ہیں کہ اکثر جزوی یا عارضی بھلائی کا انجام دائمی اور عام برائی ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ جس تجویز پر اوہر عمل ہوتا ہے وہ اصولاً خواہ کیسی ہی اچھی کیوں نہ ہو مگر عملاً وہ خراب ثابت ہوا کرتی ہے۔ ہم اپنی علمی فضیلت کے گھمنڈ میں دوسروں کی حالت بھول جاتے ہیں اور ہر شخص کے دل میں جوش مسرت یہ امنگ پیدا کرتا ہے کہ وہ اپنی ملازمت کے زمانے میں تصف صدی کا کام صرف چند سال میں انجام دے ڈالے۔ اس لئے بہت سی ایسی تجاویز پیش ہوئیں اور ہوتی رہتی ہیں جو اس قوم کی حالت سے اعلیٰ اور افضل ہوتی ہیں جس کے فائدہ کے لئے وہ پیش کیجاتی ہیں۔ جو ہونا تھا سو ہو گیا اب اسکا تذکرہ ہی فضول ہے لیکن مستقبل ہمارے اختیار میں ہے اور میں اس مسئلے کے اس جزو کو نہیں ختم کر سکتا ہوں جس کا تعلق

ہماری مداخلت سے ہے اور جس کے طرز استعمال سے وہاں پر براہ راست ہماری حکومت کے قایم ہونے میں تقدیم و تاخیر واقع ہوگی۔ جبتک کہ میں اپنے ماتحت افسران کو اس طرز عمل کے محفوظ رکھنے کی اہمیت نہ جتادوں کیونکہ اسی کی بدولت ملک کی دیسی ریاستوں کی ترقی اور فرماں رواؤں کی اصلاح ہوسکتی ہے اس کا یہ بھی فرض ہے کہ دیسی فرماں رواؤں اور ان کی رعایا کے مختلف فرق کے کیرکٹر کے لحاظ سے بغیر فرماں رواؤں کی شہرت کو بٹہ لگائے ہوے اصلاحات کرنے کی ترغیب اور شوق دلایا کرے۔ میری یہ رائے نہایت غور و خوض اور تجربہ کے بعد قایم ہوئی ہے کہ ہندوستان میں ہماری سلطنت کو جو خطرے درپیش ہیں وہ ان خطرات کے مقابلہ میں بالکل ہیچ ہیں جو اہل ہند کی حالت بدلنے کے لئے پرجوش کوشش کرنے سے رونما ہوجائیں گے جن سے ہم ابھی تک پورے طور پر واقف نہیں ہیں اس سلسلے میں جس شخص کے میرے سے خیالات ہیں وہ دھیمی اصلاح کا ضرور حامی ہوگا میں تو اپنے اس عقیدہ کی بنا پر دھیمی اصلاح کا موئد ہوں کہ اصلاح و ترقی کی کوشش میں اگر ہم تعجیل کریں گے تو ان حضرات کو پیچھے لوٹنا پڑے گا جو آگے بڑھنا چاہتے ہیں لیکن اس کے برعکس اگر تیز روی کی بجائے ہم ہندوستان کی عظیم الشان رعایا کے ساتھ ساتھ چلیں گے اور ان کے قوانین، مذہب اور رسم و رواج کو ملحوظ خاطر رکھیں گے تو ہم رفتہ رفتہ انھیں سوچنے اور کام کرنے کے بہتر طریقے سکھا دیں گے بیشک اس روش میں بہت وقت صرف ہوگا لیکن تیز گامی سے منزل مقصود تک پہونچنے میں تاخیر ہوجائے گی۔

ہندوستانی ملازمان کو سرکاری عہدوں پر مامور کرنے اور ان کا انتخاب کرنے کے متعلق چند اور مسائل بھی توجہ طلب ہیں ان میں سے اعلی اہلکار مثلاً منشی، متصدی اور عرائض نویس ایسے اشخاص ہوں جو اپنے فرقہ میں باوضع، ذہین اور نیک چلن سمجھے جاتے ہیں۔ کسی افسر پر ایک ایسے شخص کو اپنے یہاں ملازم رکھنے سے کوئی اعتراض نہ ہونا چاہئے جیسے

(۲۹۰)

وہ کسی دوسرے صوبے سے اپنے ہمراہ لایا ہے اور جس کی وفاداری اور قابلیت پر
اسے پورا اطمینان ہے لیکن عموماً یہی مناسب ہے کہ وہ افسر جس شہر میں مامور
ہو وہ اسی شہر کے شرفا یا قدیم باشندوں کو اپنے یہاں نوکر رکھے۔ ممکن ہے کہ (۲۹۱)
ان لوگوں کے خصائل پسندیدہ نہ ہوں اور ان میں اطاعت کا مادہ بھی کم ہو
لیکن نگرانی اور اصلاح سے ان کے خصائل درست ہو جائیں گے اور عنایت
و نوازش سے وہ بہت جلد مطیع اور فرماں بردار بن جائیں گے۔ پردیسیوں کی
بجائے ان کو ملازم رکھنے میں بہت سی منفعتیں ہیں از ان جملہ خاص خاص
یہ ہیں کہ وہ اپنے ملک کے معمولی حقوق سے واقف ہیں اور اپنی قوم کے
مختلف فرقوں کے تعصبات اور آپس کے رشک و حسد سے بخوبی آگاہ ہیں۔
اعلیٰ افسر کو ان سب امور کے متعلق مفصل اطلاع دینی چاہئے اور اگر وہ ایسے
آدمی اپنے یہاں ملازم رکھے گا جو بذات خود اس کے علاقہ حکومت کی رعایا
کی حالت اور ان کے مزاج سے بذات خود واقف نہیں ہیں تو ان معاملات
کے متعلق اس کی معلومات کے ذرائع مختلف ہوں گے جو ایک قسم کی فاش
غلطی ہے۔ علاوہ بریں دوسرے صوبہ کے باشندوں کو ملازمت دینا ہمیشہ بدنامی
کا موجب ہوتا ہے اور جس علاقے میں وہ نوکر رکھے جاتے ہیں وہاں کے
معتمد صاحبان انھیں ہمیشہ شک اور نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں اس وجہ
سے ان ملازمان کے دل میں ایک ایسا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے جس کے باعث
وہ وہاں کے باشندوں سے بالکل الگ تھلگ رہتے ہیں اور پھر وہ بد اطوار
اور شوریدہ سروں سے دوستی گانٹھتے ہیں اور انھیں اپنی مطلب برآری کا
آلہ بناتے ہیں۔ اب یہ بیان کرنا دشوار ہے کہ ان میں سے کس درجہ کا بدترین
نتیجہ مرتب ہوتا ہے۔ کیونکہ ایک وجہ سے تو اگر نفرت نہیں تو ضرور ضرور یہ
آجاتا ہے اور دوسری سے سازش کرنے اور جوڑ توڑ لگانے کا مادہ پیدا ہو جاتا
ہے اور ان دونوں وجوہ سے ان کے آقا کی مقامی شہرت کو نقصان پہونچتا
ہے۔ میں بیان کر چکا ہوں کہ جو ہندوستانی ہماری حکومت کے اصولوں سے
بہت کم واقفیت رکھتے ہیں وہ بھی انگریز افسر کی تعظیم و تکریم اور اس کا اعتبار کرتے ہیں

حالانکہ وہ اپنے ہی فرقہ کے آدمیوں کی توقیر اور اعتبار نہیں کرتے ہیں لیکن اگر اس افسر کے یہاں پردیسی نوکر ہیں اور ان میں کسی قسم کی آوارگی موجود ہے تو اس سے وہ اس افسر کے مزاج اور چال چلن کے متعلق بھی بہت بری رائے قایم کر لیتے ہیں اور اس کے برعکس اگر اس افسر کے یہاں ان کے ہم قوم ملازم ہیں تو ان کے قصور اور جرایم کے ظاہر ہونے پر ان کی قوم بدنام ہوتی ہے مگر اس کا ایک مفید اثر یہ ہوتا ہے کہ ان کی نظر میں انگریزوں کی عزت کم ہونے کی بجائے اور بڑھ جاتی ہے۔ ان عام دلائل میں اور ایسے بہت سے وجوہ شامل کئے جا سکتے ہیں جو وسط ہند کی خاص حالت سے متعلق ہیں (۲۹۲) اس علاقے کے باشندوں نے دکن[1] اور ہندوستان[2] کے ہندو اور مسلمانوں کے ہاتھ سے بڑے ظلم اٹھائے ہیں اس لئے وہ فطرتاً ان لوگوں سے بہت ڈرتے ہیں علاوہ بریں یہاں کے بہت سے شریف خاندان نہایت افلاس کی حالت میں مبتلا ہیں اس لئے یہی ایک معقول وجہ ہو سکتی ہے کہ پردیسیوں کے مقابلے میں ہم ان لوگوں کو ترجیح دیں اور سرکاری ملازمت دیکر ان کی تھوڑی بہت امداد کر دیں۔

مذکورۂ بالا خیالات سے ہرگز یہ منشا نہیں ہے کہ جو ہندوستانی یا دکنی خاندان مالوہ میں سکونت گزیں ہو گئے یا کئی پشت سے یہاں آباد ہیں انہیں خارج کر دیا جائے کیونکہ اس دلیل کی رو سے اس صوبہ کے بعض نہایت قابل اور معزز اشخاص ہماری ملازمت سے علٰحدہ ہو جائیں گے اس سے قبل یہ بیان کر دیا گیا ہے کہ ہماری کارروائیوں کی اشاعت نہایت ضروری بات ہے

[1] دکن جنوب کو کہتے ہیں اور ہندوستان کے جنوبی حصے دکن کہلاتے ہیں مگر اب محدود معنی میں حضور نظام یا والئے حیدرآباد کی مملکت محروسہ یا ان پہاڑی مقامات کو دکن کہتے ہیں جو پیشتر پیشوا یا سلطنت پونا کے حکمراں کے قبضہ میں تھے۔

[2] مقامی اور مخصوص معنی میں ہندوستان اس صوبہ کا نام ہے جس میں ہندوستان کے غربی حصے لکھنو سے لیکر پنجاب تک اور راجپوتانہ سے لیکر ہمالیہ پہاڑ تک داخل ہیں۔

کیونکہ اس کی اشاعت سے ہماری خائف اور پریشان رعایا اور اس کے علاوہ ان کے فرماں روا اور سردار ہم سے مطمئن ہو جاتے ہیں۔ موزوں ملازمین کے انتخاب سے اس مقصد کو بہت کچھ ترقی دی جا سکتی ہے۔

دربار ہلکر کے متعلق میں جو کارروائی کرنی چاہتا تھا اس کے متعلق ابتدا میں ہلکر کے وزرا خائف نہ تھے مگر بیحد مضطرب ضرور تھے اور ان کے اضطراب کو رفع کرنے کے لئے میں نے ایک ہوشیار برہمن کو اپنا منشی بنا لیا جس کا سارا خاندان ہلکر کے یہاں ملازم تھا اور اس کے تعلقات کی وجہ سے مجھے معلوم ہو گیا کہ اس ریاست کا جو قرض اس کے ذمہ ہے اس کے علاوہ اس منشی کے کچھ ذاتی (۲۹۳) اغراض نہیں ہیں میں نے عمداً اس منشی سے کوئی بات پوشیدہ نہیں کی اور مجھے تانتیا[1] جوگ وغیرہ کے مطمئن ہو جانے کی اہمیت معلوم تھی کہ وہ جان لینگے کہ یہ معاملہ ہے۔ اس کارروائی سے ان کے دل بالکل مطمئن ہو گئے اور میں اس واقعے کو اس لئے بیان کئے دیتا ہوں کہ روزمرہ کے معاملات میں اس مثال سے مدد ملے گی۔

اگر شریف ہندوستانیوں کو سرکاری ملازمت دیجائے تو حتی الامکان ان کے ذمے جداگانہ فرائض قرار دئے جائیں اور اس بات کی سخت نگرانی کیجائے کہ (تا وقتیکہ ہدایت نہ کی جائے) وہ ایک دوسرے کے کام میں دخل نہ دیں اور نہ دوسروں کی رہبری کریں۔ ان لوگوں کو ان کی مقررہ جگہ پر رکھنا سخت دشوار ہے کیونکہ ہندوستانیوں کے عادات و خصائل ان قواعد کے بالکل برعکس ہیں مگر یہ نہایت ضروری بات ہے کیونکہ مختلف فرائض کی گڑبڑ سے اگر کچھ نقصان نہ بھی ہو تو کام میں بہت سی غلطیاں ضرور واقع ہوں گی اور اس کی وجہ سے وہ افتخار جاتا رہے گا جو نیک آدمی اپنے معتبر ہونے کی وجہ سے محسوس کرتے ہیں اور جس کے باعث خراب لوگ اس ذمہ داری سے علیحدہ ہو جاتے ہیں جس سے ان کے کام کی خاص طور پر نگرانی ہوتی ہے۔

---

[1] تانتیا جوگ ملہر راؤ تابالغ ہلکر کا وزیر تھا۔

ادنیٰ اقوام کو نوکر رکھنے کا مسئلہ نہایت غور طلب ہے ان کا انتخاب بھی انھیں اصول پر کیا جائے جو ہم نے بیان کر دئے ہیں اور ان کے متعلقہ کام انھیں شرح طور پر بتا دئے جائیں اور ان کے چال چلن کی سخت نگرانی کیجائے ان کی ملازمت کی نوعیت کی جسقدر بھی اشاعت کیجائے گی اسی قدر وہ سود مند ثابت ہوگی اور جملہ مقامی حکام سے درخواست کیجاتی ہے کہ وہ ظلم اور ناانصافی کے ان بے ضابطہ اور بیہودہ حرکات کے انسداد میں ہماری مدد کریں جنکا ارتکاب اس مظلوم فرقہ پر کرنے کے لئے انھیں باوجود ہماری سخت کوشش کے موقعہ مل جاتا ہے۔

میں اپنے پورے تجربہ کی بنا پر کہتا ہوں کہ اگرچہ ہندوستانی لوگ ہماری نیک نیتی اور ہماری حکومت کے قوانین کی خوبی کے قائل ہیں اور وہ ہمارے نظم و نسق کے اس حصے کے متعلق اپنے خیالات کو ہرگز پوشیدہ نہیں کرتے ہیں جس میں کہ ان کی قوم کے بدترین افراد ملازم ہیں۔ (۲۹۴) فی الحقیقت وہ ایک ایسے شخص کو نہایت تنفر اور خفگی کی نظر سے دیکھتے ہیں جو ان کی جماعت میں نہایت ذلیل اور رذیل تھا اور اب ترقی پاکر وہ اعلیٰ رتبہ پر پہونچ گیا ہے اور اس کے سینہ سے سرکاری تمغے اور سول یا سیاسی افسر کے اعزازی نشانات آویزاں ہیں اور اس قسم کا اعزاز ملتے ہی کمینہ شخص ان اصحاب کی شان میں بڑی گستاخیاں کرنے لگتا ہے جن کے یہاں وہ یا اس کے خاندان والے سالہا سال سے ملازم رہے تھے یا پھر یہ شخص ان لوگوں سے استحصال بالجبر کرکے روپیہ وصول کرتا ہے جن کے درمیان اس نے ایک ادنیٰ آدمی کی طرح پیشتر زندگی بسر کی تھی۔

اس طبقے کے ملازمان کی قوت سے ہماری شہرت کو ہر جگہ سخت نقصان پہونچتا ہے اور بالخصوص ایسے مقامات پر ہماری اور بھی زیادہ بدنامی ہوتی ہے جہاں کے باشندے ہمارے اصلی کیرکٹر سے ناواقف ہیں اور ہماری حکومت سے بہت زیادہ خائف ہوتے ہیں۔

ان ملازمان نے مالوہ میں جو شرارت کی ہے یا جس شرارت کے کرنیکی

کوشش کی اُسے میں اپنے ذاتی علم کی بنا پر بیان کرسکتا ہوں۔ اور میں نے اعلانات شائع کرکے اور ان لوگوں کو بڑے بڑے انعامات دیکر جنھوں نے میرے ملازمان کو شہر میں کچھ دست درازی کرتے ہوئے یا خطوط بھیجتے ہوئے یا علاوہ کچھ اور کرتے ہوئے گرفتار کیا یا مجھے اس کی اطلاع دی، ان کے جور و ستم کا ردعمل کرنے کے لئے مسلسل توجہ کے ساتھ کوشش کی ہے۔ میں نے تنگ آکر ان تین سال کے دوران میں اپنے ایک منشی، دو منصبداروں اور تین جمعداروں[۱] اور پچاس ہرکاروں[۲] کو سزائیں دیں اور برخاست کردیا اور تقریباً اسی قدر دیگر سرکاری ملازموں کو میں نے گرفتار کیا، سزائیں دیں یا شہر بدر کردیا۔

(۲۹۵) ان مثالوں سے معلوم ہوگا کہ اپنے آرام کی خاطر یا اپنے مقاصد کی تکمیل میں سہولت پیدا ہونے کی غرض سے اگر ہم ایسے لوگوں کو ملازم رکھیں گے اور ان کی باگ ڈھیلی کردیں گے تو ہمارے لئے کیسا خطرہ پیدا ہو جائے گا۔ ہندوستان کی ماتحت ریاستوں کو اپنا کام خود انجام دینے اور حتی الامکان معمولی کاموں کے لئے ہماری طرف نہ جھکنے کی ترغیب دینے کی اہمیت کو ہم پیشتر بیان کرچکے ہیں اور جب تک ہم اس قسم کی دست اندازی سے گریز کرتے رہیں گے جو ریاست کو کمزور اور پریشان کرتی ہے اور اس کے خراب نتائج کی کچھ تلافی ہوتی ہے اس وقت تک ہماری ماتحت ریاست میں جس قدر عمدہ کارروائیاں ہوں گی ان سے اور احمقانہ و غیر منصفانہ حرکتوں سے بھی ہماری ناموری کو فائدہ پہنچے گا۔ لیکن اس معاملے میں کوتاہ اندیشی سے کام لینے سے آخرالذکر نصف فائدہ ضائع ہو جائے گا اور اپنے ہندوستانی ملازمان کی خدمات دیسی ریاست کو مستعار دینا سخت مضرت ناک ثابت ہوگا

---

[۱] ہرکاروں کے افسر یا صدر ہرکارہ کو جمعدار کہتے ہیں۔

[۲] ہرکارہ کے لغوی معنی "ہر ایک کام کرنے والا" کے ہیں لیکن اس کے اصطلاحی معنی اس قاصد کے ہیں جس کی ایک خاص قسم کی وردی ہوتی ہے اس کے ہاتھ میں ایک برچھا ہوتا ہے اور ایک نشان لگا ہوتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فلاں شخص کا ملازم ہے۔

کسی عنوان سے بھی دیسی ریاستوں کے معاملات میں ہندوستانی اعلیٰ عہدہ دارونکا
داخل کرنا اس اصول کے بالکل منافی ہوگا جو ہم نے اس بارے میں قایم کیا
ہے اور اپنے یہاں کے ادنیٰ ہندوستانی ملازمان کو اگر ان ریاستوں کے
حکمراں۔ وزرا یا حکام کی امداد پہ مامور کیا جائے تو اس سے ہماری شہرت کو
اور بھی زیادہ نقصان پہونچے گا۔ کیونکہ جب انھیں ایسی ترغیبات حاصل ہونگی
تو اعلیٰ عہدہ داروں میں سے تو بہت سے نیک اور مستقل مزاج لوگ
مل سکیں گے جس کی دیگر ملازمان میں سے دستیاب ہونے کی توقع نہیں ہو سکتی
ہے۔ ان ملازمان سے اگر ظلم و ستم کے نہیں تو سختی اور زیادتی کے کام ضرور
لیے جائیں گے اور ریاست کے جو حکام ان سے یہ کام لیں گے ان میں اسقدر
عیاری ضرور موجود ہے کہ ان ملازموں نے جو کارروائیاں کی ہوں گی انکے
مکروہ ہونے کا سارا الزام انگریزی حکومت کے سر تھوپ دیں گے۔ لیکن
عموماً افراد یا اقوام کو اپنے مطالبات کی تعمیل کے لئے ڈرانے دھمکانے کی
خواہش انگریزی امداد کے نام ہی سے محدود ہو کر رہ جائے گی۔ وہ بخوبی آگاہ
ہوں گے کہ جو ہرکارہ یا ملازم ان کی مدد کے واسطے بھیجا گیا ہے گویا وہ
(۲۹۶) ان کی کارروائیوں کی نگرانی کرتا ہے اور اس وجہ سے وہ اسے رشوت
دینے پہ آمادہ ہوں گے اور اگر وہ ظلم و ستم کا آلہ بننا گوارا نہ کرے گا تو اسکی
وجہ صرف یہ ہو گی کہ اسے اپنے آقا کے یہاں سے معقول مشاہرہ ملتا ہے
جس نے اسے ریاست میں جور و ستم کرنے کے لئے بھیجا ہے دیسی ریاستوں
میں ایسے لوگوں کو مامور کرنے سے خراب نتائج پیدا ہونے کی ہم نے بہت
مثالیں دیکھی ہیں اس لئے میں عرصہ زائد از تین سال سے ہندوستانی
فرماں رواؤں کو اس قسم کی امداد دینے سے قطعی انکار کر دیتا ہوں اور میں اپنے
ماتحتوں کو بھی ایسا ہی کرنے کی نصیحت کرتا ہوں اس قسم کی جملہ درخواستوں کا
بہترین جواب یہ ہے کہ اس کی تعمیل اس نظام کے منافی ہے جس کے ہم
پیرو ہیں اور اس قسم کی امداد دینے کے رواج میں اگرچہ آسانی ہوگی اور بعض
صورتوں میں یہ امداد ہمارے بعض مقاصد کی تکمیل میں معاون ثابت ہوگی

لیکن بالآخر اس سے بڑی خرابیاں پیدا ہوں گی اور اس سے انگریزی حکومت کی ناموری کو بٹہ لگ جائے گا جس کی نیک نامی ادنیٰ ملازموں اور کم ظرف نائبوں کے سپرد نہیں کی جا سکتی ہے جو انگریزی افسروں کی سخت نگرانی سے باہر کام کرتے ہیں۔ ہم مداخلت کے عنوان میں مفصل بیان کر چکے ہیں کہ جب امن عامہ خطرے میں ہو اس وقت ہمیں کیا کارروائی کرنے کا استحقاق حاصل ہے۔ لیکن اس استحقاق کے استعمال کے طریقے کے متعلق بالخصوص ایسے معاملات کی بابتہ جو پولیس اور فوجداری کے مقدمات سے علاقہ رکھتے ہیں چند الفاظ عرض کر دینا سود مند ثابت ہوگا۔ ایسے ممالک میں جن کی حالت وسط ہند جیسی ہے امن عامہ میں خلل ڈالنے والے نہایت زبردست اور بہت معمولی لوگوں کے درمیان ایک تعلق قایم ہو گیا ہے اس لئے آخرالذکر کی ہر ایک حرکت کی ہمیں نہایت احتیاط سے نگرانی کرنی چاہئے تاکہ ان کی غدارانہ اور باغیانہ اسپرٹ عود نہ کرنے پائے البتہ معمولی معاملات میں ہم مقامی حکام کو مناسب کارروائی کرنے کا اختیار دیدیں گے۔ لیکن جب ہم سے امداد طلب کی جائے اور جب ہمارے ماتحت کام کرنیوالی فوجیں یا اشخاص قصوروار معلوم ہوں تو یہ لوگ ان والیٔ ملک یا رئیس کے حوالہ کر دئے جائیں جن کی عملداری میں جرائم کا ارتکاب ہوا ہے۔ وہی انکی جانچ کریں گے اور اپنے یہاں کے دستور کے موافق انھیں سزا دیں گے

(۲۹۷) میں نے مالوہ کی دیسی ریاستوں کے نظم و نسق میں اپنی مداخلت کو صرف دو اموز تک محدود رکھا ہے اول یہ ہے کہ چوری اور ڈکیتی کے مقدمات میں اور خاص کر سرقہ مویشی کے معاملہ میں (بھیل وغیرہ زیادہ تر مویشی چراتے ہیں) جب مال مسروقہ کا ثبوت ہو جائے تو وہ اس کے مالک کو واپس دیدیا جائے اور اصلی یا فرضی فروخت کے ذریعہ سے مال مسروقہ جن ہاتھوں سے گزرا ہے انھیں چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ اپنے جھگڑے اور الزامات کو رواج کے مطابق خود طے کر لیں اور اپنا روپیہ واپس لے لیں۔

یہ کارروائی اب عام طور پر پسند کی جاتی ہے اور دیگر جملہ تدابیر کے مقابلے میں

گذشتہ دو سال کے دوران میں بھیلوں وغیرہ کی ڈاکہ زنی کا خاتمہ کرنے میں بہت زیادہ کام دیا ہے ۔

دوسرے یہ کہ میں نے مالوہ کی دیسی ریاستوں میں مقدمات فیصل کرنیکی کارروائی میں یہ تبدیلی پیدا کر دی ہے کہ قتل عمد کے مقدمات میں خونبہا دلانیکے رواج کو منسوخ کر دیا جائے اور اس قسم کے مقدمات میں اگر مجبوری ہمیں دست اندازی کرنی پڑے تو جب تک کہ جرم پورے طور پر ثابت نہ ہو جائے ملزم کو پھانسی کی سزا نہ دیجائے ۔ اس قاعدہ کی پابندی ایسے مقدمات میں زیادہ ضروری ہے جبکہ ملزم ڈکیتی پیشہ قوم کے مثلاً بھیل یا باگڑیہ[1] ہوں ۔ کیونکہ ہندوستانی فرماں روا یا رئیس الزام عائد ہوتے ہی پھر انھیں سزا دینا ضروری سمجھے گا لیکن ان لوگوں کے بارے میں ہمیں بہت زیادہ احتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہے تاکہ جو اثر ہم ان لوگوں پر ڈالنا چاہتے ہیں وہ کسی عنوان سے جور و ظلم کی حمایت کرنے کے ہم ضائع نہ کر دیں ۔

ایسے سب معاملات میں جبکہ مقامی قوت کافی ہو تو مناسب یہی ہے کہ اسی سے کام لیا جائے تاکہ اندرونی امن کے برقرار رکھنے میں وہ ہماری دست نگر نہ رہے ۔ ایسے مقامات میں اس پر عمل ہونا نہایت مناسب ہے جہاں پر کہ سنگین جرائم کا ارتکاب ہوتا ہے جن کے حقیقی یا فرضی وجوہ باطل پرستی کے یا مذہبی جذبات ہوتے ہیں ایسے معاملات میں بجز اس صورت کے جبکہ ان میں سیاسی اغراض بھی شامل ہوں یا کسی فوری خطرہ کا اندیشہ ہو ہمیں اس دیسی حکومت سے یہ مطالبہ کرنا چاہئے کہ سلطنت برطانیہ کے اطاعت کیش ہونے کی حیثیت سے آپکا یہ فرض منصبی ہے کہ جملہ باغیوں کی سرکوبی کریں ۔ بالخصوص جب پرتاب گڈھ[2] والوں جیسے مذہبی دیوانے اپنی ظالمانہ حرکتوں میں

(۲۹۸)

---

[1] باگڑیہ بھی ڈکیتی پیشہ لوگ ہیں ۔ سرگزشت سنٹرل انڈیا جلد دوم صفحہ ۱۸۲ ۔

[2] پرتاب گڈھ ایک شہر کا نام ہے جو ایک چھوٹے راجہ کا مستقر ہے یہاں پر ایک عورت اپنے کو کسی دیوتا کا اوتار بتاتی تھی اس کی ہدایت پر یہاں کے مذہبی دیوانوں نے کئی قتل

ہماری حکومت کے خلاف مخاصمانہ جذبات ظاہر کریں۔
سنٹرل انڈیا کی حقیقی حالت اس کی مقتضی ہے کہ مذکورۂ بالا کوششیں عمل میں لائی جائیں (خواہ وہ کیسی ہی حقیر معلوم ہوں) لیکن ان پر نہایت احتیاط کے ساتھ عملدرآمد کرنا چاہئے ہمیں اپنا یہ خاص اصول قرار دینا چاہئے کہ حتی الامکان ہم دست اندازی سے گریز کریں اور جب ہم مداخلت کرنے کیلئے بالکل مجبور ہو جائیں تو اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہم خود مدعی بنکر نمودار نہ ہوں بلکہ وہاں کی مقامی حکومت کے معاون سمجھے جائیں کیونکہ جو اسپرٹ اس قسم کے مظالم کا خطرہ پیدا کرتی ہے خواہ وہ ظالمانہ حرکتیں کسی سازش کے باعث ہوں یا مذہبی جنون کی وجہ سے کی گئی ہوں تو ان کی مخالفت کرنے سے ان مظالم کو اور تقویت پہونچے گی اور اگر ہم کوئی سخت کارروائی کریں گے تو اس کا بہت خراب اثر وہاں کی جاہل اور متعصب رعایا پر پڑے گا خواہ ان جرائم اور مظالم کے باعث سخت کارروائی کرنا مناسب ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ وہ رعایا اگرچہ ہماری عام حکومت اور اقتدار کو تسلیم کرتی ہے لیکن نہایت آسانی کے ساتھ اسے خائف کر کے اشتعال دلایا جا سکتا ہے کہ ہماری کامیابی کا آخرکار یہ انجام ہوگا کہ ہم ان کے آباء و اجداد کا مذہب اور رواجی قوانین تبدیل کر دیں گے اور اس صورت میں جبکہ باغی اور ڈاکو لوگ ایسی بڑی تعداد میں مجتمع ہو جائیں کہ ان کو مغلوب کرنے کے لئے انگریزی فوج کی ضرورت لاحق ہو (اگر فوری ضرورت آپ کو اعلیٰ حاکم سے درخواست کرنے سے باز رکھے) تو آپ اپنے قریب کے کمان افسر سے درخواست کریں جو فوجی امداد بھیج سکتا ہے۔ (۲۹۹)

ایسے مطالبات کے قواعد مشتہر کر دئے گئے ہیں۔ پولٹیکل ایجنٹ

بقیہ صفحہ گذشتہ۔ کرڈالے اور جب ان جرائم کا ارتکاب ہو رہا تھا اس عورت نے اپنے باطل پرست چیلوں کو ایک آئینہ دکھایا جس میں راجپوتوں کی فتح اور انگریزوں کی شکست کی تصویر نظر آتی تھی۔

مفصل طور پر اطلاع دے گا کہ فوج کو کیا خدمات انجام دینی ہوں گی اس شہر میں غنیم اور اس کے وسائل کی کیا کیفیت ہے اور پھر فوج کی تعداد اور ساز و سامان کا تعین اور انتخاب فوجی افسر کے ذمہ ہوگا جو فراہم کر کے پولٹیکل ایجنٹ کے سپرد کیا جائے گا۔ لیکن پولٹیکل ایجنٹ اور فوجی افسر دونوں کو یہ بات بخوبی ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ جن وسائل سے کام لینا ہے وہ پیش نظر مقصد کی تکمیل کی ضرورت سے زیادہ ہوں کیونکہ کسی معرکہ میں ناکامی یا شکست نصیب ہونے کے نتائج بہت برے ہوں گے۔ گذشتہ تین سال کے دوران میں نہایت تن دہی کے ساتھ آپ کے ذہن نشین کر دیا گیا ہے کہ آپکا اولین فرض یہ ہے کہ ہر ایک انسدادی کارروائی میں حتی المقدور فوجی قوت سے کام لینے کی ضرورت سے اجتناب کیا جائے اور اس کا بار بار اعادہ کرنا محض فضول ہے کیونکہ ہر ایک معاملہ میں اسوقت تک صرف فوج کی موجودگی ہی حصول مقصد کے واسطے کافی ثابت ہوئی ہے اور معدودے چند مواقع پر جب فوجی قوت سے کام لینا پڑا تو فتح مندی حاصل ہونے کے بعد فوراً ہی مصالحت ہو گئی۔ اور اگر اس کے خلاف عملدرآمد ہوگا اور اپنی قوت کی حسب ضرورت نمائش کرنے کے علاوہ اگر ان وحشی لوگوں کا انتقام کے طور پر تعاقب کیا جائے گا جو امن عامہ میں رخنہ اندازی کرتے ہیں تو وہ لوگ اپنی عادت نہ چھوڑیں گے اور علاوہ ان میں ناراضی اور مایوسی کے جذبات اور پیدا ہو جائیں گے۔ جب ایسے لوگوں سے ہمیں جنگ کرنی پڑے تو اس بات کا ضرور لحاظ رکھنا چاہئے کہ ان میں سے جو لوگ ہمارے قابو میں آ جائیں انھیں ہم ہلکی سزا دیں۔ یہ لوگ جرائم کے ارتکاب کا آلہ ہوتے ہیں اور وہ اپنے سرداروں کے احکام کی تعمیل ہمارے فوجی سپاہی کی طرح کرتے ہیں اور یہ توقع محض فضول ہے کہ عبرت ناک سزا دینے سے ان لوگوں کی عادت بدل جائے گی کیونکہ یہ تو ایسی ہی حرکت ہوگی کہ کسی قوم کی اسپرٹ کو مغلوب کرنے کے لئے ہم ہر ایک سپاہی کو قتل کر ڈالیں جو میدان جنگ میں ہمارے مقابلہ پر آیا ہو۔

اس مزید خطرہ میں مبتلا ہونے سے ان لوگوں کے دل میں اپنے سرداروں کی بھی اطاعت کا جذبہ اور قوی ہو جائے گا اور ہمارے اس سلوک کو ناانصافی اور بیرحمی تصور کر کے ان میں انتقام کا جذبہ اور پیدا ہو جائے گا۔ اس لئے حکومت برطانیہ کے جملہ ایجنٹوں کا یہ فرض منصبی ہے کہ وہ ان اقوام کے نظم کو تبدیل کرنے کے لئے کوشش کریں اور بے اصول و خود مختار ہندوستانی فرماں رواؤں کا اتباع نہ کریں جو ان کے ساتھ فضول اور غیر مختتم لڑائیاں لڑتے رہتے ہیں۔ ان لوگوں کو ہرگز مجرم نہیں کہا جا سکتا ہے کیونکہ یہ لوگ ان سرداروں کے صریح احکام کی تعمیل کرتے ہیں جن کی اطاعت وہ اور ان کے آباؤ اجداد صدیوں سے کرتے چلے آئے ہیں۔ کوہ بندیاچل کے مشہور بھیل سردار تادر سنگھ[1] کے مقدمہ میں ان مجالس کے تعلقات کی طاقت اور نوعیت پورے طور پر معلوم ہو چکی ہے۔ اس کی سزایابی کی واجبیت پر کسی شخص نے اعتراض نہیں کیا ہے مگر ان لوگوں کی سزایابی ضرور ظالمانہ حرکت متصور ہو گی جنھوں نے اس کے احکام کی تعمیل میں وحشیانہ جرائم کا ارتکاب کیا جن کی پاداش میں وہ جلاوطن کر دیا گیا۔

امن قائم کرنے کا نہایت موثر طریقہ یہ ہے کہ آپ سب لوگوں کے ذہن نشین کر دیں (نہایت غریب اور وحشی لوگوں تک کے) کہ آپ کے زیر سایہ رہنے سے انھیں کیا فوائد میسر ہوتے ہیں جو لوگ کسی عنوان سے بھی انگریزوں کا نام استعمال کرتے ہیں مثلاً ہماری فوجیں ملازمان باربرداری اور وہ تاجر جنھیں تجارت کا اجازت نامہ دیا گیا ہے ان کے متعلق یہ اعلان کر دینے کی اشد ضرورت ہے کہ یہ لوگ کسی قسم کا جور و ستم نہیں کر سکتے ہیں۔ مختلف صوبوں کی حکومتوں کو عرصۂ دراز سے یہ خرابی محسوس ہو گئی ہے اور انھوں نے اپنے سخت احکام اور اعلانات کے ذریعہ سے اس خرابی کے دفعیہ کی کوشش کی ہے۔

---

[1] ڈاکوؤں کے اس مشہور سردار کا مفصل حال سرگزشت سنٹرل انڈیا کی جلد اول صفحہ ۵۸۰ میں درج ہے۔

(۳۰۱) بیگاریوں[1] اور چھکڑوں[2] کے پکڑنے کی ممانعت کر دی گئی ہے لیکن سول اور پولیٹیکل افسران کو ان احکام کی نہایت سختی کے ساتھ تعمیل کرانی چاہیئے ورنہ یہ محض بے مصرف ثابت ہوں گے میرا خیال ہے کہ میرے ماتحتوں کو اپنے اس فریضہ کے متعلق کچھ عذر و اعتراض نہ ہوگا۔ چونکہ اس حکم کا تعلق رعایا کی عادت و مزاج اور ملک کی مرفہ الحالی سے ہے اسلیئے وسط ہند کی موجودہ حالت میں اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ حکام اپنے سرکاری کام کی سہولت کے لئے اس حکم کی خلاف ورزی نہ کریں کیونکہ اول الذکر جب نامناسب یا غیر دانشمندانہ نقل پذیری کے لئے ملک پر کسی قسم کا بھروسہ کرنا ترک کر دینگے تو پھر وہ اسکی امداد سے مستغنی ہونا سیکھ جائیں گے اور سرکاری محکمے اپنی ضروریات کا خود انصرام کرنے سے اور بھی درست ہو جائیں گے اور رعایا کو اس امر کا اطمینان ہو جائے کہ کسی عہدہ دار یا اہلکار کی طاقت سے یہ بات باہر ہے کہ وہ آن پر یا ان کے مویشیوں پر جبر و ظلم کرے تو انھیں یہ شوق پیدا ہو جائیگا کہ فوج اور مسافروں کی ضروریات کے لئے اپنے نفع کی خاطر مزید وسائل فراہم کریں جو ظالمانہ رواج کی رو سے ان سے جبریہ حاصل کئے جاتے تھے اور میں نے سب لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ اس بارے میں ہماری عملداری میں ان پر اسقدر ظلم ہوتا ہے کہ خود ان کے یہاں کی بدترین حکومت میں بھی نہیں ہوتا ہے۔

غالباً ان ہدایتوں میں بہت سی باتیں فروگذاشت ہوگئی ہیں لیکن ان کو مکمل کرنیکے شوق میں کس قدر طوالت ہوگئی ہے میرا خاص مدعا یہ ہے کہ نہایت زور کے ساتھ وہ فوائد آپ کے ذہن نشین کر دوں جنکی توقع اپنی محکوم رعایا کیساتھ نوازش اور شفقت کے برتاؤ اور دوستانہ ربط ضبط سے ہو سکتی ہے کیونکہ ان عادات کے اختیار کرنے سے آپ کے دل میں ایسے خیالات پیدا ہوں گے اور آپ کو اس قسم کی معلومات حاصل ہوگی جس کی بدولت آپ ان اصولوں پر کاربند ہو سکیں گے جو آپ کے لئے مقرر کئے گئے ہیں۔ آپ سے جو کام لیا جاتا ہے وہ کوئی آسان کام تو ہے نہیں۔ آپ کو اختیار تو حاصل ہے مگر اس سے شاذ و نادر ہی کام لیجئے بجز ایسا (۳۰۲) دیکھئے جنھیں آپ اپنے پندار میں درست کر سکتے ہیں یہ بیہودہ مذہبی تعصب کے جرائم نہ بھی

---

[1] بیگاری ادنیٰ قوم کے ہندوستانی ہیں جو مزدوری پیشہ ہیں۔
[2] چھکڑا ایک قسم کی گاڑی ہوتی ہے۔

خطاؤں اور بدنظمی کی مصیبتیں آپ کو دیکھنا ہوں گی مگر صبر و تحمل سے کام لیجئے تاکہ ان عظیم الشان فوائد کو نقصان نہ پہونچ جائے جو آپ کے محدود فرائض کے حلقے سے باہر ہیں اور مقامی فائدہ کی خاطر رسم و رواج میں فوری تغیر و تبدل کرکے آپ عام ترقیات کی دھیمی مگر یقینی رفتار میں کوئی پیچیدگی اور رکاوٹ نہ پیدا کردیں۔ آپ ان ہدایات پر ٹھیک ٹھیک اسی وقت عمل کر سکتے ہیں جبکہ آپ اپنی معلومات میں اضافہ کرنے اور اپنی طبیعت کو ہندوستان میں انگریزی سلطنت و عملداری کی نوعیت پر غور کرنے کا عادی بنائیں۔ ہماری اس عملداری میں بہت سے قبائل اور اقوام مع اپنے قوانین اور حکومتوں کے موجود ہیں اور نسبتاً یہ کہنا بالکل درست ہے کہ یہ ایک زبردست اور قدیم عمارت ہے جس میں شکل اور خوبصورتی موجود ہے لیکن اس کے بہت سے حصے خراب و خستہ ہو رہے ہیں اور تقریباً ساری عمارت میں نمی یا لونی لگی ہوئی ہے لیکن پھر بھی یہ ایک سالم عمارت ہے اور اسکے سب حصے موجود ہیں اسکی بنیادیں بہت عمیق ہیں اور عمارت کی چوٹی تک ایک محراب پر دوسری محراب بنتی چلی گئی ہے۔ اب ہم اس عمارت پر قابض ہیں اور اگر ہم اسکو محفوظ رکھنا اور اسکی درستی کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اسکے جملہ حسن و قبح معلوم کرلینے چاہئیں اور جب تک کہ دوسرا پتھر تیار نہ ہو جائے ہمیں اس عمارت میں سے ایک چھوٹا پتھر بھی نہ نکالنا چاہئے جو خالی جگہ کو پر کرسکے ورنہ ہماری عدم توجہ سے یہ عمارت اسی مقام پر ہمارے اور دیگر لوگوں کے سر پر گر کر سب کو تباہ کردے گی جس مقام پر کہ ہم ایک شاندار یادگار قایم کرنے کے آرزومند ہیں فقط

جان میلکم — ازکیمپ دھولیا

مورخہ ۲۸ر جون ۱۸۲۱ء

صحت نامہ

سیاسی تاریخ ہند جلد دوم

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳	۱۶	مصنف	مصنفؔ	۷۸	حاشیہ	مسٹربرٹ	مسٹربرک
۱۱	۱۱	اصول	حصول	۹۳	۳	سمجھائی دینگے	سمجھائی دیتگے
۱۶	۱۸	روشنی ہیں	روشنی میں	۹۴	۲۳	پڑی	بڑی
۲۸	۴	وریلیٹ	وریلیسٹ	۹۷	۱۵	بیٹے	بیٹے (حاشیہ صفحہ ۹۸)
۳۰	۹	لکھتاہے	لکھتاہے	۹۹	۶	خفیہ رآئے دہی	خفیہ راے دہی
۳۲	۸	فرانیسی	فرانسیسی	۱۱۰	۱۴	مختلف انھیں	مختلف النوع
۳۴	۲۴	یچ	یچ	″	۱۶	کیجارہی ہے	کیجارہی ہے
۳۸	۱۹	فرلینی	فرانسس	۱۱۶	۱۲	محکما نہ	محکمانہ
۵۷	حاشیہ سطر ۲	سنہ ۹۳/۱/۱	سنہ ۱۷۹۳ء	۱۱۷	۳	قیام کی وقت	قیام کے وقت
۶۴	۱۵	پڑے	بڑے	۱۲۰	حاشیہ سطر ۵	سنہ ۲۱ ۱۶	سنہ ۲۱ ۱۸
۷۱	۱۵	آسان ہنیں	آسان ہیں	″	″	سکشنروں	کمشنروں
۷۳	۱۰	اعلیٰ فسر	اعلیٰ افسر	۱۳۱	۲	سکسی	کسی
۷۸	۲۳	مسٹربرٹ	مسٹربرک	۱۳۳	۹	اجبھی	جبھی

۱۳۶	آخری سطر حاشیہ	اس کی قوت	اس پولس کی قوت	۲۶۷	۲۴	(Oossor)	(Oosoor)
۱۴۰	۱۲	ہماری	ہمارے	۲۷۷	۱۱	جنرل اپیر کرومبی	جنرل ایبر کرومبی
〃	۱۴	اسے کیساتھ	اسی کیساتھ	〃	〃	Aberrom	Abercrom
۱۴۱	۱۴	کی	کے			bie	bie
۱۴۲	۵	کی	کے	〃	۲۵	جنرل کرا ایبر کرومبی	جنرل ایبر کرومبی
۱۴۴	۱۶	کی باعث	کے باعث	〃	〃	کیمباڑی	کینمباڑی
۱۴۷	۵	کی ذریعہ	کے ذریعہ	۲۸۲	۳	لوٹ مار کے	لوٹ مار کی
۱۵۰	۱۴	تودہ	مقررہ	۲۸۵	۲۵	اوسٹور	اوسٹورہ
۱۵۳	۱	انتہائی مقامات	تنہائی کے	۲۸۶	۱۳	ویبور	ویلانوز
		پر پہنچے	مقامات پر بھیجے	〃	۲۱	صوبر راؤ	بہماراؤ
۱۵۴	۱۹	عقل	مستقل	۲۸۷	۱۵	لاربیناد	اوربیلناد
۱۵۷	حاشیہ سطر	جو	جملہ	۲۹۶	۲۱	گوئی	گوٹی
۱۶۲	۱۲	تحدید	تجدید	۳۱۱	۲۱	مسودو	مسودہ
۱۶۵	۱۴-۱۵	فاصلے سے واقع	فاصلے پر واقع	۳۱۹	۱۴	داپئی	داہئی
		ہوئی۔	ہو گی۔	۳۴۰	۴	مانبورڈی پروس	مانشیورڈی پروس
۱۶۶	۱۵	تذکرہ کہ	تذکرہ کے	۳۴۱	۱۱	برہیل	ترسیل
۱۷۷	۱۱	ہماری	ہماری	۳۶۹	۱۳	ان پتہ	ان کا پتہ
۱۸۵	۱۴	حاصل کرنے کی	حاصل کرنے کے	۳۶۹	۲۴	اوجوٹنٹ	ادجوٹنٹ
۲۱۹	۳	وجہ روزمرہ	وجہ سے روزمرہ	۳۸۵	۱	مدافلت	مداخلت
۲۲۱	۶	اصحاب کے ذمہ	اصحاب کے ذمہ	۴۰۴	۱۱	تخت تاراج	تاخت و تاراج
		کوئی دنیا دہندہ	کوئی دنیا کا دھندہ	۴۱۰	۱	رحایا	رعایا
۲۲۶	حاشیہ سطر ۱	سائنیکوکس	سائیکوس	۴۲۷	۱۰	پیرو	ہیرو
۲۲۷	حاشیہ ۲	بیٹسٹ	بیپٹسٹ	۴۳۰	۲۰	میں	ہیں
۲۳۷	حاشیہ سطر ۷	مستعمات	معتقدات	۴۷۴	۱۷	درج ہے	درج ہیں
۲۵۹	۳	روپیہ اولیعنی	روپیہ یعنی	۴۸۹	۶	سردار ونکو	سردار ونکور

۴۹۴	۱۸	زغطے	ضغط
۵۰۶	۲۴	ہونے کی	ہونے کے
۵۱۲	۱۷	بیزا	بیزار
۵۱۳	۵	موقع مل بھی	مواقع بھی
۵۱۳	۱۵	فوج	قوم
۵۴۰	۶	سمجھے کی	سمجھے کے
۵۴۹	۱۱	یلوطولے	ید طولے